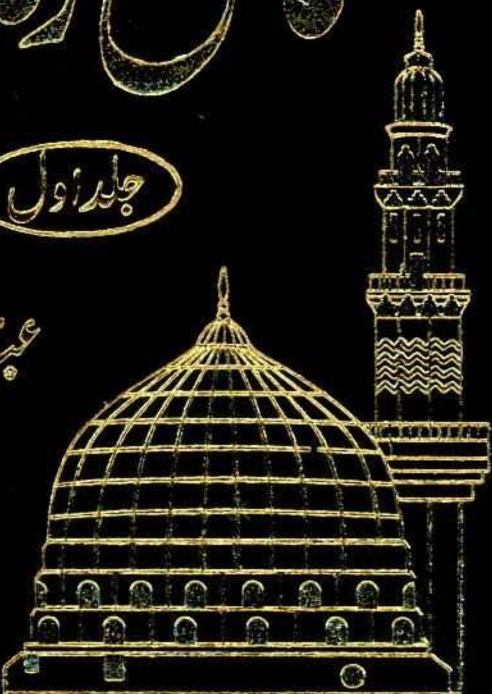
وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

شرح شمائل ترمذی

جلد اول

مولانا عبد القیوم حقانی



القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

شرح
شمائل ترمذی

جلد اول

مولانا عبد القیوم حقانی



القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوھریرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام : شرح شمائل ترمذی (جلد اوّل)

تصنیف : مولانا عبد القیوم حقانی

ضخامت : 743 صفحات

پروف ریڈنگ : اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہٗ

کمپوزنگ : مولوی گل رحمان، جان محمد جانؔ، مولوی مظہر علی اراکن القاسم اکیڈمی

سنِ اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

سنِ اشاعت سوم : ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ / اپریل ۲۰۰۸ء

ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون : 0923-630237 .... موبائل : 033309102770

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس، 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی، جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہیدؒ، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

یہ شرحِ شمائل عجب دلربا ہے

برادرِ محترم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف شرح شمائل ترمذی مکمل (اردو) پر دل کی گہرائیوں سے منظوم تأثرات

یہ شرحِ شمائل ' عجب دلربا ہے — جو عکسِ رخِ سرورِ مصطفیٰؐ ہے
نبیؐ کی ہیں اس میں ' بہشتی ادائیں — یہ سیرت کا نقشہ ' یہ صورت نما ہے
یہ ذکر شب و روز ' خیر الورائیؐ — برائے محبّاں ' نرالی عطا ہے
یہ عینین مکحل ' یہ گیسو کی باتیں — یہ قدّ و سراپا ' جدا ہے جدا ہے
یہ مُہر نبوت ' یہ شانِ جلالی — جمالِ محمدؐ ' کا اپنا مزا ہے
محبت میں لکھی ' عقیدت میں ڈوبی — یہ تاثیر اس میں ' بفضلِ خدا ہے
ہر اک سطر اس کی ' ہے اکسیرِ اعظم — کہ بہر مریضاں ' دوائے شفا ہے
ادب کی حلاوت ' قلم کی طراوت — فصاحت بلاغت ' کا اک آئینہ ہے
یہ حقانؔی پر ہے ' انعامِ کریمی — یہ جہدِ مسلسل ' کا گویا صلہ ہے

قلم اک موفق ' من اللہ اس کو
خزانۂ غیبی سے ' فانؔی ملا ہے

از !! حافظ محمد ابراہیم فانؔی (۲۳ر جون ۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَا لِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَا لِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَا لِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

’’شرح شمائل ترمذی جلد اول‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب مدظلھم ملتان

الحمدلله و کفیٰ و سلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ اما بعد !

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر محدثینِ عظامؒ نے محبت نبویؐ اور عشقِ محمدیؐ کے عجیب وغریب نمونے امت کو دکھائے ہیں۔ایک سچا عاشق ومحبِ صادق اپنے معشوق ومحبوب کی ایک ایک ادا اور ایک ایک نشانی کو یاد کر کے اور بار بار دیکھ کر روتا چلاتا ہے ایک گونہ حظ حاصل کرتا ہے یا والدین اپنی محبوب وعزیز اولاد کے غائب ہونے پر اس کے نقوش زندگی کو دیکھ کر اسے چومتے ہیں' روتے ہیں اور ایک گونہ تسلی پاتے ہیں۔

اس سے کئی ہزار درجہ زیادہ محدثین کرامؒ وبالخصوص امام ترمذیؒ نے عشق ومحبتِ نبویؐ کے اظہار کا ایک انوکھا اور نرالا طرز اختیار فرمایا ہے۔ محدث ترمذیؒ نے چند صفحات میں شمائل ترمذی کے عنوان سے ,,دریا بہ کوزہ،، کا بہترین نمونہ عشاق نبوی کے سامنے رکھ دیا ہے۔آپؐ کے مبارک سراپا کی خوب خوب تصویر کشی فرمائی ہے کہ آپؐ کے خدوخال' قد وقامت' اعضاء مبارکہ کی کیفیت وبناوٹ کیسے تھی؟ بال مبارک کتنے سفید تھے اور کہاں پر تھے' ان کے پیچ وتاب کیونکر تھے۔

آپؐ کنگھی کب اور کیسے فرماتے تھے' سرمہ کیسے استعمال کرتے تھے' آپؐ کا لباس کیسا تھا ،نعل مبارک کیسے تھے' انگوٹھی کیسے تھی' اس پر کیا نقش تھا' مہر نبوت کا حجم کتنا تھا اور کیسے تھا' سید المرسلین

وامام المجاہدین ﷺ کی تلوار' خود اور زرہ کیسے تھی' آپؐ جہاد کیسے کرتے تھے' آپؐ کی نشست گاہ اور تکیہ کیسا تھا' کھانا تناول فرمانے کی کیا کیفیت تھی' روٹی' سالن کیسا ہوتا تھا' کون کونسے ماکولات ومشروبات آپؐ کو پسند تھے' کھانے سے قبل وبعد اپنے منعمِ حقیقی کا شکریہ کن الفاظ سے ادا فرماتے تھے اور کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے۔

آپؐ کے استعمالی برتن کیسے تھے' کونسی خوشبو آپؐ کو پسند تھی' آپؐ کی گفتار وکلام اور مزاح وخوش طبعی کیسے تھی' محبوبِ ربّ العالمین کی مسکراہٹِ دلنواز کیسے تھی' آپؐ کس نوع کے اشعار پسند فرماتے تھے۔ بعض اوقات عشاء کے بعد امہات المومنینؓ کو عجیب وغریب طویل کہانیاں سناتے تھے۔ حدیث اُمّ زرع پڑھیئے۔ محبوب خداؐ کی عبادت کیسے تھی' خصوصاً تہجد اور قیام اللیل کی کیا کیفیت تھی' قام رسول الله ﷺ بآية من القرآن ليلة" (ترجمہ) نماز چاشت اور دیگر نوافل کی کیفیتِ ادا کیسے تھی' آپؐ کے روزوں کا نظام کیسے تھا' قراءتِ قرآن کی کیفیت کیسے تھی' رات کو اپنے ربّ کے سامنے گریہ وزاری کیسے فرماتے تھی "لجوفه از یز کازیز المرجل من البكاء" (ترجمہ) محبوب خداؐ کا بچھونا کیسا تھا' آپؐ کی شب وروز کا نظام الاوقات کیسے تھا' محبوبِ ربّ العالمین کس قدر بلند خلق عظیم پر فائز تھے' تواضع وانکساری' شرم وحیاء' جود وسخا کی کیا کیفیت تھی' آپؐ گھر میں اہل خانہ کے کام وکاج میں کیونکر تعاون فرماتے تھے' آپؐ علاج معالجہ کیونکر اختیار فرماتے تھے' آپؐ کا خورد ونوش کتنا سادہ اور مختصر تھا' آسمان وزمین میں آپؐ کو کون سے حسین ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ آپ ﷺ دنیا سے کس حالت میں رخصت ہوئے کیا میراث چھوڑی اور کس کے لئے چھوڑی " ماتر کنا صدقة " خواب میں زیارت نبویہ کا کیا مقام ہے؟

الغرض امام ترمذیؒ نے امت پر بہت بڑا احسان فرمایا' سیرت مقدس کا عطر نکال کر چند صفحات میں عُشاق کے سامنے رکھ دیا۔ جزاهم الله تعالىٰ ورزقنا انتفاعه واتباعه آمین۔

شمائل ترمذی عربی زبان میں ہے محدثین کرامؒ نے ہر دور میں اور ہر زبان میں اس کے ترجمہ وتشریح پر توجہ دی ہے اساتذہ حدیث' دورہ حدیث کے سال خصوصیت واہتمام سے اسے پڑھاتے اور طلبہ عزیز

شوق ومحبت سے اسے پڑھتے ہیں۔اردو زبان میں ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خصائل مروّج متداول اور نافع ہے تاہم اساتذہ اور طلبہ دورہ حدیث کے لئے درسی انداز کی ایک جامع شرح کی ضرورت بہرحال محسوس کی جارہی تھی۔تکوین وتقدیر کے ازلی انتخاب کا قرعہ فال مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ کے نام نکلا اور الحمدللہ کہ خداتعالیٰ ہی کی توفیق سے وہ اس عظیم علمی کام میں لگ گئے۔

(۱) مکرم ومحترم مصنفِ بے بدل' عالم باعمل حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم سے بندہ کا تقریباً بیس سالہ تعلقِ رفاقت ومحبت ہے مولانا موصوف وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ اجلاسوں میں جامعہ قاسم العلوم ملتان تشریف لایا کرتے تھے اس وقت قاسم العلوم ملتان کی ذمہ داری بندہ کے سپرد تھی ایک دفعہ مولانا نے قاسم العلوم کی جامع مسجد میں نہایت مؤثر اصلاحی عالمانہ خطاب بھی فرمایا تھا جس کی شیرینی وحلاوت اب تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔

(۲) مولانا صاحب سے بارہا دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پھر جامعہ ابوھریرہ خالق آباد میں شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا حضرت حقانی صاحب کی بعض تصنیفات بھی مطالعہ سے گزری ہیں حقائق السنن اردوشرح ترمذی کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے بار بار کیا ''المسائل والدلائل'' میں اس کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں ''حقائق السنن''بعض علمی جواہر میں منفرد ہے۔ایک ہزار صفحات سے زائد ''الحق'' کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر اس کے بعد آثار السنن کی اردو شرح توضیح السنن کے بعض ابواب کا مطالعہ بھی باعث شرف ہوا۔بندہ مولانا حقانی صاحب کی تحقیق' وسعتِ مطالعہ' سرعتِ تحریر سے بہت متاثر ہوا

(۳) مولانا صاحب کی تازہ تصنیفات۔۔۔۔۔اردوشرح شمائل ترمذی تاحال نظر نواز نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قوی امید ہے کہ حقائق السنن ودیگر تصنیفات کی طرح یہ بھی جامع اور محقق ہوگی ملت اسلامیہ کے لئے عشق محمدی اور محبت اسوہ حسنہ کا عظیم سرمایہ ثابت ہوگی خصوصاً علماء کرام اور عزیز طلباء کے لئے لاثانی رہنما کا مقام حاصل کرے گی ان شاءاللہ العزیز۔

(۴) مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ''موفق من اللہ'' ہیں دین وعلم دین کے تمام شعبوں میں

ہمہ نوع خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دار العلوم حقانیہ پھر جامعہ ابوھریرہ میں ہر علم وفن کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہی ہیں جامعہ ابوھریرہ آپ کے اہتمام وانتظام واخلاص کی برکت سے نہایت مختصر عرصے میں محیر العقول ترقی کر چکا ہے۔

سینکڑوں طلباء وطالبات قرآن وحدیث ودیگر دینی علوم وفنون کی تعلیم پا رہے ہیں جامعہ ھذا کا نظام تعلیم وتربیت مثالی ومعیاری ہے۔عوامی جلسوں اجلاسوں میں آپ کے خطبات وخطابات ضرب المثل ہیں، دعوت وتبلیغ آپ کی زندگی کا جزء لاینفک ہے، تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کے میدان میں بھی موصوف خاص مقام پر فائز ہیں ہزاروں صفحات پر مشتمل تحریری سرمایہ آپ کے قلم اعجاز رقم کا ممتاز شاہکار ہے جامعہ ابوھریرہ کے ماہنامہ القاسم کی خدمات اس پر مستزاد ہیں۔

الغرض علمی ودینی جدوجہد اور اسلامی جہاد کا کوئی شعبہ کوئی گوشہ آپ کی تگ ودو سے ناآشنا نہیں ہے **اللھم زد فزد**۔

(۵) مولانا کے ان متنوع کمالات کا حقیقی سبب تو توفیق الٰہی ہے ظاہری سبب حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ (اماں جی مرحومہ ومغفورہ) کی شب وروز گریہ وزاری والی مستجاب دعائیں ہیں ان دعاؤں نے آپ کو ڈیرہ اسماعیل خان کے دور دراز پس ماندہ علاقہ سے اٹھا کر اور اڑا کر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا دیا۔

شیخ وقت جامع الظاہر والباطن، جامع المعقول والمنقول امام المجاہدین شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبدالحق قدس سرہ نے اس ,,دریتیم اور جوھرِ مکنون،، کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر دس سال تربیت فرمائی۔ مولانا حقانی صاحب نے یہ عشرہ کاملہ بے مثل ادب وتواضع اور بے مثال خدمت سے بسر کیا تقریباً روزانہ حضرت اقدس کی ڈھیروں دعاؤں کا شرف حاصل کرتے رہے۔

مولانا کی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے آپ کی لغت میں چھٹی کا لفظ مہمل ہے ایک مرتبہ بندہ جمعہ کے روز مولانا حقانی صاحب کی قیام گاہ دار العلوم حقانیہ میں عصر کے بعد حاضر ہوا یہ دیکھ کر محو حیرت رہ گیا کہ مولانا چھٹی کے روز بعد العصر بھی تحریری کام میں مصروف ہیں۔

(٦) پہلے بھی مختلف معروضات میں لکھا گیا ہے اب اس کا اعادہ وتکرار ہے ضروری چیز اور ضروری بات کا تکرار معیوب نہیں بلکہ محمود ہے بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔شب وروز نماز کا تکرار، کھانے پینے کا تکرار، سبق کا تکرار اس کے مسلمہ نظائر ہیں۔کسی شیخ کا وہی مرید اور کسی معلم کا وہی شاگرد کامیاب وکامران اور فائق علی الاقران ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے مرشد اور استاذ کی خدمت کرتا ہے اور سب سے زیادہ ادب وتواضع سے پیش آتا ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اشارہ کیا ہے کہ طالب علم کو محنت کے ساتھ ساتھ استاذ کی دعائیں حاصل کرنے کا اہتمام بھی کرتے رہنا چاہئے اس کی مثال میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش کیا ہے۔آپ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی، مراہق تھے آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں آپ کو متعدد دعاؤں سے نوازا تھا **اللھم علمه الکتاب، اللھم فقھه فی الدین**۔علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر شافعی نے فتح الباری میں ان دعاؤں کا سبب نوجوان صحابی حضرت ابن عباسؓ کا جذبہ خدمت اور ادب لکھا ہے اس پر متعدد واقعات سپرد قلم کیے ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت ابن عباسؓ کی خصوصیت ہے کہ چودہ سو سال سے آپ کے تفسیری اقوال تفسیر ابن عباس کے عنوان سے مختلف زبانوں میں شائع ہورہے ہیں۔

مولانا حقانی صاحب نے صحابہ کرامؓ کی اتباع میں اپنے اکابر ومشائخ اور اساتذہ کا خوب خوب ادب کیا اور خوب خوب خدمت کی بالخصوص حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ دس سال آپ کی خدمت وادب کا مرکز ومحور ہے۔آپ کے عظیم علمی کاوشیں، تصنیفی خدمات اور سرعتِ قلم وقدم اپنے اساتذہ ہی کے فیض صحبت وخدمت کا نقد ثمرہ ہے شمائل ترمذی کی یہ شرح بھی اللہ پاک کا عظیم عطیہ وانتخاب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ حضرت مولانا حقانی صاحب مدظلہ اور آپ کے گرانقدر رفقاء کار کی تمام علمی ودینی خدمات کو قبولیت عامہ وتامہ بخشے آمین۔

بندہ فیض احمد غفرلہ

۱٦ صفر ۱۴۲۳ھ/ بمطابق 30 اپریل 2002ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں۔قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا۔اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ پر آئیں۔

پروردگار! جو عظمت و رفعت، جو مقام و شان، جو فضل و کمال، جو حسن و جمال جو رفعتیں اور بلندیاں، جو صوری محاسن اور معنوی خوبیاں، جو شمائل اور خصائل، تو نے اپنے حبیبِ مکرم، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح، ادراک و معرفت، عرفان و پہچان اور حقیقت تک رسائی عطا فرما اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق عطا فرما کہ وہ حقیقت کی ترجمانی ہو، جمالِ محمدؐ کی جلوہ نمائی ہو، ہر محبِ صادق تک رسائی ہو، جس کے اخذ و استفادہ اور مطالعہ سے تاریک دل روشن ہو جائیں، مردہ روحیں زندہ ہو جائیں، ذوق و شوق کی دنیا آباد ہو جائے علم و عمل کا مرحلہ آسان ہو، کائنات میں جہاں جہاں جہالت اور غفلت کی ظلمتیں، اندھیرے اور تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکرِ پاک اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک یاد اعمال اور شمائل و خصائل کی قندیلیں روشن ہو جائیں۔آمین ثم آمین

عبدالقیوم حقانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شمائل ترمذی کی خصوصیات

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ العالی

اللہ کریم کے فضل واحسان اور خصوصی عنایت وکرم نوازی سے مجھے شرح شمائل ترمذی (جلد اول) کے تمام مسودات از اول تا آخر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اپنے درسی مشاغل اور دیگر اہم مصروفیات کے باوصف ''شرح شمائل ترمذی'' نے اپنے مطالعہ اور اخذ واستفادہ کے لئے کھینچے رکھا یہ حضرتِ شارح کا خلوص، عشق رسولؐ، علمی شغف، سلاستِ تحریر اور پرسوز مضامین کی کرامت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خود موضوع ہی ایسا دلچسپ' انوکھا' پیارا اور محبوب موضوع ہے کیا مجال کہ دوسری جانب نظر بھی اٹھ سکے۔

عزیز القدر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو اللہ کریم جزائے خیر دے کہ اپنی بھرپور ہنگامی' انتظامی اور ہمہ وقتی مصروفیات سے معمور زندگی میں بھی علم اور پھر خاص کر علمِ حدیث جیسے مبارک موضوع کا نہ صرف یہ کہ شغف رکھتے ہیں بلکہ اس کی شرح وتوضیح میں بھی لگے رہتے ہیں اور ان کی برکت سے ہمیں بھی حصہ وافر مل جاتا ہے **واجرھم علی اللہ تعالیٰ**۔

یوں تو شمائل ترمذی کی متعدد شروحات منظر عام پر آچکی ہیں مگر حقانی صاحب نے ,,شرح شمائل ترمذی،، لکھ کر ایک علمی اور خالص درسی شرح کی تکمیل کر دی ہے جس کی ضرورت تھی اکابر علماء

دیوبند درسِ حدیث میں جو خاص امتیازی وصف رکھتے ہیں وہ یہ کہ موضوع کا مکمل احاطہ کرتے ہیں بلکہ بحث وتحقیق میں بال کی بھی کھال اتارتے ہیں۔

شرح شمائل ترمذی میں اکابر علماء دیوبند کے اسی طریقِ تحقیق اور اندازِ تدریس کوملحوظ رکھ کر ہمہ جہتی جامعیت کو اپنایا گیا ہے بندہ نے دورانِ مطالعہ جو خاص امتیازات اور خصوصیات اور خاصیات محسوس کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

---

(۱) شرح شمائل ترمذی میں احادیث کے پورے متن کو بمع اسناد کے یکجا نقل کر کے اسے اعراب سے مزیّن کیا گیا ہے تا کہ قارئین بلکہ مبتدئین بھی اعراب کی غلطی سے محفوظ رہیں اور من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار کی وعید سے بچ سکیں اور عشق ومحبت کے جذبات کی تسکین اور خیر وبرکت کے حصول کے لئے حدیث کی تلاوت بھی کرنا چاہیں تو اعراب لگنے سے بہ سہولت اپنے ذوقِ تلاوت کی تکمیل کرسکیں۔

---

(۲) ٭تحت اللفظ اردو ترجمہ کا مستقل اہتمام کیا گیا ہے عام اردوخوان طبقہ کی آسانی اور اس سے استفادہ کی سہولت کے پیش نظر حدیث اور سند کا مکمل ترجمہ نقل کیا گیا ہے تا کہ مقاصد ومعانی' اہداف واغراض کی تعیین اور مفہوم کے سمجھنے میں دشواری نہ رہے۔

---

(۳) ,,راویانِ حدیث کا تذکرہ،، ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت حدیث کے تمام رواۃ کا اجمالی مگر ضروری تذکرہ' سوانح' حالات اور ان کی علمی عظمت ومقام' درجات اور ان کے بارے میں علماء ومحدثین کے آراء واقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۴) اکثر مقامات پر حدیث میں مشکل الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ آسان تفہیم اس کی توضیح میں حسبِ ضرورت شواہد وتمثیلات بھی درج کردی گئی ہیں اور تشریح کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے

---

(۵) جہاں جہاں احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے نہایت حکیمانہ، عالمانہ بلکہ محدثانہ انداز میں اس کے تدافع کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں ان توجیہات کے بیان میں سلفِ صالحین، علماءِ راسخین، محدثین اور فقہاءِ محققین کی آراء وتحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے اور راجح توجیہات کی دلائل سے تعیین بھی کردی گئی ہے۔

---

(۶) مختلف ابواب میں جہاں حدیث کی بظاہر ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر نہیں ہوتی تھی وہاں مختلف اور مستند شروحاتِ حدیث کی مدد سے ترجمۃ الباب سے وجہِ ارتباط کو ظاہر کردیا گیا ہے۔

---

(۷) اکابر علماء دیوبند کے درسی خصوصیات کی طرح حسبِ ضرورت موقع ومحل کے مطابق لغوی مباحث، صرفی اور نحوی مباحث کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے صرفی اور نحوی توضیحات سے حدیث کے مفہوم اور معانی کی توضیح اور تشریح میں اصل حقیقت تک رسائی بے غبار ہوجاتی ہے۔

---

(۸) جس طرح عربی شروحات جمع الوسائل، مناوی اور مواہب اللدنیہ اور اتحافات میں احادیث سے مسائل مستنبطہ سے تعرض کیا گیا ہے اسی طرح شرح شمائل ترمذی میں بھی حسبِ ضرورت حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کی طرف بھی اشارات کردیئے گئے ہیں جس سے ایک فقہی ضرورت کی تکمیل بھی ہوجاتی ہے۔

(۹) جگہ جگہ حسبِ ضرورت ابواب کے آپس میں ربط کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل اور احوال واقوال کی مکمل توضیح اور درسی تشریح کے لئے تمام مباحث اور توضیحات میں ذیلی عنوانات قائم کیئے گئے ہیں عنوان سے مضمون اور طویل مباحث کی تعیین میں تسہیل ہو جاتی ہے۔

---

(۱۱) طلبہ اور اساتذہ کی سہولت اور درسی ضرورت کے پیش نظر مصنف کے مختصر خطبہ کتاب کی درسی انداز میں تشریح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

---

(۱۲) شمائل کی تشریحات وتوضیحات میں بین السطور ہر جگہ جمال محمد ﷺ نمایاں محسوس ہوتا ہے جمال محمد ﷺ کا تذکرہ انوکھا' دلچسپ' جامع' پیارا' دلنشین اور باعثِ ازدیادِ نور ایمان ہے۔

---

(۱۳) مؤلف کا مختصر حرفِ آغاز' ربّ تعالیٰ کی عظمتِ شان' وسعتِ رحمت اور علم حدیث کی عظمت واہمیت اور شغف بالحدیث کے برکات وثمرات پر مشتمل اور شوقِ حدیث کا مؤثر محرک ہے۔

---

(۱۴) کتاب کے آغاز میں جامعہ قاسم العلوم ملتان کے سابق مہتمم اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث فنافی العلم' درویشِ خدامست' محقق مصنف حضرت مولانا فیض احمد صاحب ملتان کا ایک وقیع اور مفید ترین مقدمہ درج ہے جو مختصر ہونے کے باوجود طالبانِ علومِ نبوت کے لئے نافع' شوق حدیث کی انگیخت کا وسیلہ اور علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے استناد کا ذریعہ ہے۔

(۱۵) کتاب کے شروع میں قراءت حدیث کے مختلف طریقوں' محدثین کے درس حدیث کے اپنے اپنے انداز ورموز واشارات کا تسلی بخش بیان آ گیا ہے۔

---

(۱۶) امام ترمذیؒ کے مختصر مگر جامع' دلچسپ' حیرت انگیز اور نافع حالات کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے

---

(۱۷) مشاہیر اہلِ علم' سلفِ صالحین' لائق ترین شارحین' اکابر علماء دیوبند بالخصوص اساتذہ حدیث اور نامور محدثین کے معارف ونکات' علمی تحقیقات اور بلند پایہ توضیحات وتشریحات اور درسی افادات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

بہر حال جدید حالات' اساتذہ اور طلبہ کی درسی ضروریات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ,,شرح شمائل ترمذی،، ایک عظیم اور لاجواب سوغات ہے۔

ہر دور میں جدید تقاضوں کے ساتھ ساتھ
ہوتی ہے آشکارا صداقت حضورؐ کی
بھر لی ہیں ہر گدا نے سعادت سے جھولیاں
نگری رہے سلامت ہمیشہ حضورؐ کی

محمد زمان

خادم نجم المدارس کلاچی

۲۰ شعبان ۱۴۲۳ھ' ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء

مئے گلگوں میں تسکین دل و جاں ڈھونڈنے والو
سرور و کیف ذکرِ ساقئ کوثر سے ملتا ہے

○

رفعتوں کی جستجو میں ٹھوکریں تو کھا چکے
آستانِ یار پر اب سر جھکا کر دیکھئے

○

تنگ آ جائے گی خود اپنی چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

کیفی مرحوم

حرفِ آغاز

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام علی خاتم الرسالة

پروردگارِ عالم فیاضِ ازل کی توفیق اور ان ہی کے فضل وعنایت سے بالآخر شرح شمائل ترمذی جلداوّل تکمیل کے بعد زیورِطباعت سے آراستہ ہوکر نذرِ قارئین ہے۔

والحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیرًا ۔

آغازِ کار میں اپنے شیخ ومربی محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے درسِ ترمذی کے اِفادات واَمالی کی ترتیب وتدوین کی سعادت حاصل ہوئی اور یہ کتاب ''حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ '' کے نام سے منظرِ عام پر آئی، پھر مختلف علمی ودینی، تاریخی اور سوانحی تصنیفات کا سلسلہ جاری ہوا کہ اللہ کریم نے امام نیمویؒ کی آثار السنن کی شرح ''توضیح السنن'' کے نام سے بڑی سائز کی دوجلدوں (۱۳۷۲ صفحات) میں لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی جو بے حد مقبول ہوئی اور الحمدللہ کہ قلیل ترین عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

حضورِاقدس ﷺ نے علم حدیث کا شغف رکھنے والے طالبانِ علوم نبوت کیلئے دعا فرمائی ہے۔ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مَنْ خُلَفَائُکَ قَالَ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ ۔ (راہ الطبرانی)

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا اے اللہ ! میرے خلفاء پرمہربانی فرما، ہم نے کہا یارسول اللہ ! آپؐ کے خلفاء کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا

وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث کی روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے ...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو ایک وعدہ بھی ہے اور بشارت بھی اور پیشن گوئی بھی کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو لوگ خدمتِ حدیث کا کام کرتے رہیں گے، انہیں مزید عنایات و توفیقات سے نوازا جاتا رہے گا۔ ان پر اللہ اپنا رحم فرماوے گا۔ نبیؐ کی دعا قبول ہو گی اور انہیں توفیق پہ توفیق ملتی رہے گی۔ ''شرح شمائل ترمذی'' اسی نبوی دعا کا اعجاز ہے جو میرا کمال نہیں۔ کمالات سے نوازنے والے رب کا کمال ہے ...... ع قدم یہ اُٹھتے نہیں اُٹھوائے جاتے ہیں

کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، کہاں آپؐ کے پاکیزہ خصائل، کہاں شمائل ترمذی کی درسی شرح اور کہاں یہ گنہگار حقیر و فقیر ایک ادنیٰ طالب علم' میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک کے پیارے پیغمبر کی دعائیں ہیں، جن کی قبولیت کا اظہار ہو رہا ہے اور یہ تاجدارِ ختم نبوت کی شانِ اعجاز ہے جو قیامت تک ظہور پذیر ہوتی رہے گی۔ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُولٰی ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ربوبیت میں طالبانِ علمِ حدیث اور خادمانِ علم حدیث کیلئے کس قدر عجز و الحاح سے، کس طرح پیار سے اور منوا لینے کے انداز سے اور کس قدر یقین و اعتماد کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبۡدًا سَمِعَ مَقَالَتِیۡ فَحَفِظَهَا وَ وَعَاهَا وَ اَدَّاهَا فُرِبَّ حَامِلِ فِقۡهٍ غَيۡرِ فَقِيۡهٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقۡهٍ اِلٰی مَنۡ هُوَ اَفۡقَهُ مِنۡهُ۔ (ترمذی و ابوداؤد عن زید بن ثابت)

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کو سرسبز و شاداب رکھے جو میری بات (حدیث) سنے، پھر اسے یاد کر لے اور دوسروں تک اسے پہنچائے، پس بہت لوگ فقہ (علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

میں خود حیران ہوں کہ شرح شمائلِ ترمذی کی تکمیل کیسے ہو رہی ہے۔ حقیقت ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھتے ہیں اور پھر دوسروں کو سنا کر یا اُن تک پہنچا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا مصداق بنتے ہیں۔

اللہ کریم کاتب الحروف سمیت تمام ناظرین کو ایسے خوش نصیب لمحات عطا فرماوے۔ اے اللہ! اس کتاب کی تصنیف و تکمیل اور طباعت و اشاعت میں ہمارا کوئی کمال نہیں جو کچھ بھی ہے، تیری ہی عنایت ہے۔ اے اللہ ! ہمیں شکر و امتنان کی توفیق عطا فرما اور شکر پر بھی شکر کی توفیق عطا فرما۔ پروردگار! اس کتاب کے ناظرین اور مستفیدین کو بھی اس عظیم خیر سے حصۂ وافر لینے کی توفیق عطا فرما۔

محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدظلہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ، شہیدِ علم حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہٗ سے دورۂ حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ استاذِ محترم حضرت مولانا انوار الحق مدظلہٗ سے تمام دینی اُمور میں شاملتی رہی، جبکہ دورۂ حدیث کے سال شمائل ترمذی استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم حقانیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف نہ صرف یہ کہ میرے شمائل کے استاذ ہیں بلکہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں آغازِ کار، حقائق السنن پر کام، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمت کے مواقع، پھر ماہنامہ الحق میں سولہ سال تک کام کرنے بلکہ ہاتھ میں قلم پکڑنے سے لے کر، دعوت و تبلیغ تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، الغرض دینی کام کے ہر میدان میں ان کی اوّلِ روز کی شفقتوں محبتوں، عنایتوں اور اعتماد سے مجھے حوصلہ ملا ہے اور وہ میرے ہر چھوٹے بڑے دینی کام میں بطورِ صدقہ جاریہ شریک ہیں۔

.... اور ناسپاسی ہوگی کہ اپنے عظیم محسن، شفیق استاذ، مخدوم و مکرم حضرت العلامہ مولانا محمد زمان صاحب مدظلہٗ (فاضل حقانیہ) کا شکریہ نہ ادا کرلوں۔ موصوف نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں تخصص فی الحدیث کیا اور پھر مادرِ علمی نجم المدارس کلاچی سے وابستہ ہوگئے۔ تاہنوز وہیں خدمتِ علم اور خدمتِ درس و تدریس کر رہے ہیں۔ میری درخواست پر شرح شمائل ترمذی کے تمام مسودات کو اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھا، اصلاح فرمائی، مفید مشوروں سے نواز، اہم علمی مسائل میں مشکل گتھیاں سلجھائیں اور اوّل سے آخر تک برابر کے شریک رہے۔ میں گنہگار انہیں کیا صلہ دے سکتا ہوں، دعا ہے کہ باری تعالیٰ اپنی عظمتِ شان ہی کے شایانِ شان انہیں اجر عظیم سے نوازے۔

.... جامعہ ابو ہریرہ کے مدرس عزیز القدر حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی بھی حوالہ جات کی تخریج اور نقل و مراجعت میں میرا بھرپور ہاتھ بٹاتے رہے۔عزیزان مولوی گل رحمان اور مولوی جان محمد نے کمپوزنگ کے صعب ترین مراحل صبر و ہمت، حوصلہ، خندہ جبینی، محبت بلکہ سعادت سمجھ کر سرانجام دیئے۔مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابو ہریرہ نے پریس، طباعت اور تقسیم واشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے کر مجھ گنہگار کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

اللہ کریم سب کو اپنے غیب کے خزانوں سے مالا مال فرماوے اور اجر عظیم سے نوازے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد و اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

۱۵ر شعبان ۱۴۲۳ھ/۲۲ر اکتوبر ۲۰۰۲ء

جدید ایڈیشن !

الحمدللہ کہ ''شرح شمائل ترمذی'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، ملک بھر سے علماء، طلبہ اور مخلص قارئین کا اصرار تھا کہ شرح میں دیے گئے عربی عبارات اور اقتباسات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا جائے تا کہ مطالعہ واستفادہ کے کسی بھی مرحلہ میں کسی بھی قاری کو کسی بھی سطر سے محروم نہ رہنا پڑے، چنانچہ بطورِ بحث وحوالہ کے درج ہونے والی آیات' احادیث اور عربی اقتباسات کا ترجمہ بھی قوسین میں لکھ دیا گیا ہے اور اگر کسی جگہ عربی عبارت کے نیچے قوسین میں ترجمہ نہ ہو تو اس کا مفہوم پہلے اردو تحریر میں درج ہو چکا ہوتا ہے، عربی عبارت بطورِ اصل وتائید کے نقل کر دی جاتی ہیں اور رِجال یعنی راویانِ حدیث کو درمیانِ کتاب سے نکال کر نمبر شمار کے حوالے سے علیحدہ کتابی شکل دے کر تیسری جلد کے طور پر اسی کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔والحمدللہ علی ذالک حمداً کثیراً۔

عبدالقیوم حقانی

۱۲ر ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، قَالَ الشَّیْخُ الْحَافِظُ اَبُوْعِیْسٰی مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی بْنِ سَوْرَةَ التِّرْمِذِیُّ۔

ترجمہ: (شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلامتی ہو، اس کے برگزیدہ بندوں پر: شیخ حافظ ابوعیسیٰ محمد بن سورۃ ترمذیؒ نے فرمایا۔

تشریح وتوضیح:

تصنیف وتالیف بلکہ ہر مہتم بالشان کام کرنے والے ابتدا میں حمد وصلوٰۃ کا اس لئے اہتمام کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی اتباع اور حضور ﷺ کے فرمان " كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَایُبْدَأُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ ، وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَهُوَ اَبْتَرُ ، وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَهُوَ اَجْذَمُ " (ہر ذی شان کام کرنے کی ابتداء اگر بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم سے نہ کی جائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی حمد وثناء سے ابتداء نہ ہو تو پھر وہ اقطع (ناقص) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ابتر (بے برکت) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اجذم (جذام والا) ہے) پر عمل پیرا ہوں۔

امام ترمذیؒ نے بھی اسی غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ خطبہ پڑھا اور لکھا۔

اعتراض اور اس کا جواب :

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابتدا تو ایک ہی چیز سے متصور ہوتی ہے، حالانکہ احادیثِ ابتدا تو تسمیہ اور تحمید دونوں کے متعلق منقول ہیں۔ شارح تہذیب جواباً لکھتے ہیں کہ (۱) حدیثِ تسمیہ کا محل ابتداءِ حقیقی اور حدیثِ تحمید کا محل ابتداء اضافی یا عرفی ہے۔ (۲) یا دونوں کا محمل ابتداءِ عرفی پر لیا جائے۔

(۳) نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تسمیہ کی غرض ذاتِ خدا کا ذکر ہے اور الحمد کی غرض وصفِ خدا کا تذکرہ ہے اور ذاتِ شئی ہمیشہ وصفِ شئی پر مقدم ہوتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم :

"بسم اللّٰہ" کے متعلق کو بعض حضرات اس سے مقدم مانتے ہیں اور بعض مؤخر۔ چنانچہ متعلق کو مؤخر ماننے کی صورت میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ...... و فی تاخیر المتعلق ایماء لافادة الاختصاص واشعار باستحقاق تقدیم ذکر اسمه الخاص لاسیماماهو السابق فی الوجود و الفکر یستحق السبق فی الذکر و الفکر..... الخ ۔ (جمع ص۲) (اور بسم اللہ کے متعلق کو مؤخر ماننا برائے اختصاص بھی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اسم خاص کے استحقاقِ تقدیم کا مشعر بھی۔ خصوصاً جو ذات کہ وجود و تفکر میں مقدم ہو تو چاہیئے کہ وہی ذات ذکر و فکر کرنے میں تقدیم کی مستحق ہو) اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کے نزدیک متعلق مؤخر مقدر کرنا اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ تقدیر عبارت یوں لکھتے ہیں : ای باستعانة اسم المعبود بالحق الواجب المطلق المبدع للعالم المحقق اُصنف هذا الکتاب اجمالاً و اُؤلف بین کل باب و باب تفصیلا. (واجبِ مطلق، معبودِ برحق، جہاں کے خالق و مالک کے نام کی مدد و نصرت سے اس کتاب کو اجمالی طور پر تصنیف کرتا ہوں۔ اور ہر ہر باب کو مفصل بیان کے لئے جمع کرتا ہوں)

بسملة کی فضیلت :

علامہ بیجوریؒ المواهب اللدنية کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں، واعلم انه لکل شارع فی فن ان یتکلم علی البسملة بطرف ممّا یناسب ذلک الفن و نحن شارعون فی فن علم الحدیث فنتکلم علیها بنبذة من فضلها باعتبار الفن المشروع (کہ ہر علم و فن میں شروع کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اسی فن کی مناسبت سے بسم اللہ کے متعلق بھی کچھ گفتگو کرے اور چونکہ ہم فن حدیث میں شروع کرنے والے ہیں تو اس لئے ہم بھی بسم اللہ کے متعلق جو فضائل احادیث میں وارد ہیں ان کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں)

"بسم اللہ" کے بہت سے فضائل احادیث، تفاسیر اور تاریخ کی کتب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند خاصیات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی مفصل روایت میں یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں' فان المعلم اذا قال للصبی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقالها کتب اللّٰہ براءۃ للصبی و براءۃ للمعلّم وبراءۃ لابویه من النار (مواھب ص ۲) (کہ جب استاد لڑکے (شاگرد) کو ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا کہتا ہے اور وہ شاگرد اس کو پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس لڑکے اس کے استاد اور اس کے والدین کے لئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا پروانہ لکھ دیتے ہیں)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مؤمن کے شیطان اور کافر کے شیطان کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔ کافر کا شیطان بڑا موٹا تازہ، تیل لگائے اور کپڑے پہنے ہوئے تھا اور مومن کا شیطان لاغر' پراگندہ بالوں والا ننگا، تو شیطانِ کافر نے شیطانِ مؤمن سے کہا کہ آپ ایسی حالت میں کیوں ہیں، اس نے جواباً کہا کہ میں ایسے بندۂ (خدا) کے ساتھ رہ رہا ہوں کہ جب بھی وہ کھاتا پیتا ہے، بسم اللہ پڑھ کر کھاتا پیتا ہے، تو میں بھوکا پیاسا رہ جاتا ہوں اور جب تیل لگاتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر لگاتا ہے، تو میں پراگندہ بالوں والا رہ جاتا ہوں اور جب وہ پہنتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر پہنتا ہے، اس لئے میں ننگا رہ جاتا ہوں۔ تو شیطانِ کافر کہتا ہے کہ میں تو ایسے (شخص) کے ساتھ رہتا ہوں کہ وہ تو ان میں سے کسی کام کے وقت بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اس لئے میں ان سب چیزوں میں اس کا شریک بن جاتا ہوں اور مجھے بھی سب اشیاء میسر ہو جاتے ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے من اراد ان ینجیه اللّٰہ من الزبانیة التسعة عشر فلیقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فان بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم تسعة عشر حرفا و خزنة جهنم تسعة عشر (عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ. ۷۴:۳۰) فیجعل اللّٰہ تعالٰی بکل حرف منها جُنّة من کل احد منهم و لم یسلطهم علیه ببرکة بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (و غیرها من الروایات الکثیرة. مواھب ص ۳) (کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ انیس (۱۹) زبانیہ فرشتوں (جو دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلیں گے) سے نجات پاوے۔ تو وہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اس لئے کہ اس کے

حروف انیس (۱۹) ہیں اور جہنم کے داروغوں کے تعداد بھی انیس (۱۹) ہے۔ (قرآن میں ہے کہ اس پر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں) تو اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ (ان فرشتوں سے) پڑھنے والے کے لئے ڈھال بنا دیتے ہیں اور ان زبانیہ کو بسم الله الرحمن الرحيم کی برکت سے اس پڑھنے والے پر مسلط نہیں فرماتے (اور بھی بہت سے روایات اس سلسلہ میں منقول ہیں)

الحمد للّٰہ :

یہ جملہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۱) الف ولام (۲) حمد (۳) لفظ اللہ۔ شارحینؒ نے ان کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے کہ الف ولام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اسمی (۲) وحرفی۔ اسمی وہ ہے جو صیغہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر داخل ہوتا ہے اور بمعنی الذی کے مستعمل ہوتا ہے اور الف ولام حرفی کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہدِ خارجی (۴) عہدِ ذہنی۔ جن کی دلیل حصر کی طرف محشی بیضاویؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اپنے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ الف لام حرفی کے مدخول سے یا تو نفسِ ماہیت مراد ہوگی یا افراد، اگر صرف ماہیت مراد ہو تو یہ لام جنسی ہے، جیسے "الرجل خير من المرأة" (یعنی ماہیتِ رجل بہتر ہے ماہیتِ عورت سے) اگر جنسِ عورت کا ایک آدھ فرد کسی مرد سے بہتر ہو جائے، تو یہ اس مقولہ کے ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر مدخول الف لام سے افراد مراد ہوں، تو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں، تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض افراد، صورتِ اوّل میں الف لام استغراقی ہوگا، جیسے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲:۱۰۳) (کہ سب انسان خسارہ میں ہیں) میں (بقرینہ استثناء) اور صورتِ ثانیہ دو حالی سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ بعض افراد خارج میں معین ہوں گے یا غیر معین۔ اول کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں، جیسے فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (۱۶:۷۳) (پس نافرمانی کی فرعون نے (معہود) رسول کی (یعنی جو اس سے پہلے مذکور ہے) اور ثانی عہدِ ذہنی کہلاتا ہے، جیسے "وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ" (۱۳:۱۲) (ای ذئباً مّا) (اور مجھے خوف ہے کہ کہیں اس کو کوئی بھیڑیا (بھیڑیوں میں سے) نہ کھا لے) اس لئے نحویین الف لام عہدِ ذہنی کو حکماً نکرہ کہتے ہیں ...... یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ الحمد للّٰہ میں الف لام یا تو جنسی ہوگا یا استغراقی اور ہر ایک صورت میں معنی

ظاہر ہیں۔

حمد کی بحث :

یہ باب "سمع" سے مصدر ہے، تحمید اور محمدۃ کے الفاظ بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ لغوی طور پر یہ کسی چیز کی تعریف، توصیف اور تحسین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حمد کا تحقق وثبوت چار ارکان سے ہوتا ہے۔ حامد: تعریف کرنے والا، محمود: جس کی تعریف کی جائے، محمود علیہ: جس خوبی پر تعریف کی جائے، محمود بہ: جن الفاظ کے ذریعے تعریف کی جائے۔

حمد کی اصطلاحی تعریف صاحبِ مختصر المعانی نے یہ کی ہے۔ هو الثناء باللسان على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغيرها (یعنی زبان سے بہ ارادہ تعظیم کسی کی تعریف کرنا خواہ نعمت سے متعلق ہو یا غیر نعمت سے) اور حمد چونکہ شکر ہی کی ایک صورت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، الحمد رأس الشكر ما شكر الله من لم يحمد (بیضاوی ص۶) (حمد وثنا تو شکر کا سَر یعنی بنیاد ہے (اس لئے) جو شخص اللہ کی حمد نہیں کرسکتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرسکتا) اس لئے اسی مناسبت سے شکر کی تعریف بھی ان الفاظ سے نقل کردی ہے۔ کہ فعل ينبئ عن تعظيم المنعم لكونه منعمًا سواء كان باللسان او بالجنان او بالاركان (شکر ایک ایسا فعل ہے جو منعم کی بحیثیت منعم ہونے کے تعظیم کو بتلائے خواہ وہ زبان سے ہو یا پھر دل اور اعضاء وجوارح سے ہو)

حمد وشکر اور مدح کا فرق :

حمد اور شکر کی اصطلاحی تعریف سے یہ بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ حمد باعتبار مورد (صدور) کے خاص اور باعتبار متعلق کے عام ہے اور شکر اس کے برعکس ہے، یعنی شکر متعلق کے لحاظ سے خاص اور مورد کے لحاظ سے عام ہوا' تو گویا ان کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوئی، جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوتے ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے اس کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ: و من ههنا تحقق تصادقهما في الثناء باللسان في مقابلة الاحسان و تفارقهما في صدق الحمد فقط على الوصف بالعلم والشجاعة و صدق الشكر فقط على الثناء بالجنان في مقابلة الاحسان (مطول

ص ۸)(اور چونکہ حمد وشکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اس لئے ان دونوں کا تحقق اور ثبوت یکجا بصورت زبانی حمد وثناء جبکہ بمقابلہ کسی محسن کے احسان کے ہو اور ان دونوں کے تفارق (جدائی) کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کسی شخص کی صفتِ علم یا بہادری کی تعریف ومدح کی جائے تو یہ صرف حمد (اصطلاحی) ہوگا (شکر نہ ہوگا) اور اگر کسی شخص نے آپ کے ساتھ احسان کیا اور آپ دل ہی دل میں اس کی تعریف کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں تو یہ شکر (اصطلاحی ہوگا) حمد نہیں۔ کیونکہ زبان کے ساتھ تعریف نہ ہوئی)

چونکہ حمد وشکر کی تعریف میں عام طور پر **علی الجمیل الاختیاری ...... الخ** کا ذکر ہوتا ہے۔ بخلاف مدح کے جیسے بیضاویؒ فرماتے ہیں، **والمدح هو الثناء علی الجمیل مطلقاً** (اور مدح کا معنیٰ مطلقاً کسی جمیل چیز پر ثناء کرنا) تو گویا مدح میں ثناء فعلِ غیر اختیاری پر بھی ہو سکتی ہے 'مدحت اللؤلؤ علی صفائها (میں نے موتی کی اس کی صفائی کی وجہ سے تعریف کی) مشہور مثال ہے اور اسی فرق کو بتلانے کے لئے امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ : **تقول حمدت زیدا علی علمه و کرمه ولا تقول حمدته علی حسنه بل مدحته** (بیضاوی ص ۶) (کہ تو یہ تو کہتا ہے کہ میں نے علم وسخاوت کی وجہ سے زید کی تعریف کی اور یہ نہیں کہتا کہ میں نے اس کے حسن کی وجہ سے اس کی حمد وتعریف کی بلکہ تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے حسن کی مدح کی) حمد اور مدح کی نقیض ذم اور شکر کی نقیض کفران آتی ہے۔ **قال الله تعالیٰ** " **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ**" ○ (۱۴:۷) (قرآن مجید میں ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے) و **قال وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ** (۲:۱۵۲) (کہ میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

اشکال اور اس کے جوابات :

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ جب حمد کی تعریف میں **باللسان** کی قید ہے، تو اس سے حمدِ باری تعالیٰ اور نباتات و جمادات وغیرہ کی حمد وتسبیح خارج ہوگئی' اس لئے کہ ان مذکورہ میں تو زبان کا تحقق نہیں ہے۔ شارحینِ کرام جواب میں فرماتے ہیں۔ (۱) یہاں حمد سے مطلق حمد مراد نہیں، بلکہ وہ حمد جو

انسان کرتا ہے۔ (۲) خدا تعالیٰ نے جو اپنی ذات کے محامد بیان کئے ہیں، اس کو حقیقتاً حمد نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ اظہارِ صفات کمالیہ سے مجاز ہیں یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنی حمد بندوں کی زبان پر جاری کی ہے۔ (۳) زبان سے مراد قول ہے اور خدا کی تعریف کے قول ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں۔ (۴) زبان سے مراد مطلق مبدءِ تعبیر ہے (نیل الامانی) یعنی یہ تعریف جس کیفیت سے بھی ہو، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّاتَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط (۱۷:۴۴) (دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ باری تعالیٰ کی تسبیح (پاکی بیان) کرتی ہے لیکن تم لوگوں کو ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں)

لفظِ اللہ کی تحقیق :

لفظِ اللہ کے بارے میں بہت اختلاف مذکور ہے یعنی یہ کہ لفظِ اللہ عربی یا غیر عربی اسم ذات ہے یا اسم صفت اور علم ہے یا نہیں، جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ کتبِ فنون کی شروح میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں "اسم للذات الواجب الوجود المستحق لجمیع المحامد (مطول) (یعنی لفظِ اللہ اسم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور تمام حمدوں کی مستحق ہے)
آگے لکھتے ہیں" ولذا لم یقل الحمد للخالق اوالرزاق ونحوھما مما یوھم اختصاص استحقاقہ الحمد بوصف دون وصف (مطول) (اسی لئے تو یہ نہیں فرمایا کہ سارے محامد (تعریفیں) خالق کے ہیں یا رازق کے ہیں یا ان جیسے الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ کا بوجہ کسی ایک وصف کے نہ کہ دوسرے وصف سے مستحق حمد و تعریف ہونا معلوم ہوتا ہو) تو نتیجۃً الحمد للہ کا مطلب یہی ہوا کہ الحمد مطلقاً منحصر فی حق من ھو مستجمع لجمیع صفات الکمال من حیث ھو کذالک فکان کدعوی الشیء ببیّنۃٍ وبرھان ولا یخفی لطفہ. (شرح تہذیب) (کہ حمد علی الاطلاق کا انحصار صرف اس ذات کے حق میں ہے جو کہ تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع حقیقتاً ہے تو گویا یہ ایک چیز کا دعویٰ بمع دلائل ہی کے ہوا اور اس کا دقیق ہونے کا لطف کوئی مخفی چیز نہیں ہے)

سوال و جواب :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ تو بہت سے اشخاص یا اشیاء کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں جو

کہ غیر اللہ ہیں، تو یہ انحصارِ حمد فی ذات اللہ کے منافی ہوا۔

جواب :(۱) ہم نے یہ کہا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ **مستجمع لجمیع صفات الکمال** (اللہ تعالیٰ جامع صفاتِ کمالیہ ہیں) اور کوئی بھی غیر اللہ ساری صفات کمال کا جامع نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے لئے ساری تعریفیں بھی نہیں ہوسکتیں۔ (۲) کہ جس غیر اللہ کی بھی تعریف کی جائے گی' وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی، کیونکہ جس خوبی کی وجہ سے غیر اللہ (اشخاص یا اشیاء) کی تعریف کی جارہی ہے، اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے' تو گویا مآل اور انجام کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوئی۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. (۱۶:۵۳) (اور جو بھی تمہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

واللّام للاستغراق العرفی بل الحقیقی ای کل حمد صدر من کل حامد فهو مختص و مستحق له تعالیٰ حقیقة وان کان قد یوجد لغیره صورةً۔ (جمع ص۴) (کہ الحمد میں لام استغراق عرفی بلکہ استغراقِ حقیقی کے لئے ہے۔ یعنی ہر حمد وثناء کہ وہ کسی حامد (تعریف کرنے والے) سے صادر ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس کے مستحق ہیں اگرچہ وہ صورتاً کسی دوسرے کی حمد وثناء کیوں نہ ہو)

وسلامٌ علی عباده الذین اصطفیٰ کی توضیح :

جملہ الحمد للہ ہر لحاظ سے لفظاً خبر یہ اور معنًی انشائیہ ہے۔ البتہ یہ بھی امکان ہے کہ لفظاً اور معنًی بھی خبر یہ ہو۔ **لان الاخبار عن الحمد حمد لدلالته علی الا تصاف بالکمال** (مواہب ص۴) (اس لئے کہ حمد (مدح وتعریف) سے خبر دینا بھی ایک طرح کی حمد ہے کیونکہ اتصافِ کمالی پر دلالت کرتا ہے) اور جملہ" وسلامٌ علی ...... الخ" صرف انشائیہ بصورتِ خبر یہ ہے' **ولیس کالحمد لان الاخبارعن السلام لیس بسلام** (مناوی ص۴) (اور جملہ سلام حمد جیسے نہیں اس لئے کہ سلامتی سے خبر دینا سلام نہیں ہے) سلامٌ کی تنوین یا تو تعظیم کے لئے ہے، **کما فی قوله تعالیٰ "هُدًى لِلْمُتَّقِينَ"** (۲:۲) (کہ هدی للمتقین میں هدًی کی تنوین تعظیم کے لئے ہے) اور یا تعمیم کیلئے جیسے کہ "**تمرةٌ خیر من جرادة**" (ہر ایک کھجور مکڑی سے بہتر ہے) مثال میں۔ تو اس کا معنٰی یہ ہوا، **تسلیم عظیم من رب رحیم او سلامٌ کثیر**

منا او ثناء حسن من جانبنا (جمع ص۴) (کہ ربِّ رحیم کی طرف سے بڑا اسلام ہو یا یہ کہ بہت سلام ہو ہماری طرف سے اور یا بہتر اور حسین حمد و ثناء ہو ہماری جانب سے)

علامہ بیجوریؒ الحمد کے معرفہ اور سلام کے نکرہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایذانا بانہ لانسبة بین الحضرة العلیة و بین الحضرة النبویة لان العباد و ان بلغوا اعلی الرتب و اعظم القرب لایزالون عاجزین عجزاً بشریا و مفتقرا افتقارا ذاتیا کما قال بعضهم۔

العبد عبد و ان تعالیٰ　　　والمولی مولی وان تنزل

(گویا یہ بتلانا مقصود تھا کہ ذات باری تعالیٰ اور انبیاء کرام کی شان وعظمت میں کسی قسم کی نسبت اور تناسب ممکن نہیں کیونکہ بندے اگر چہ وہ عظمت اور قربت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کو کیوں نہ پہنچ جائیں تو بھی ذاتی احتیاط اور عجز بشری کی وجہ سے ہمیشہ عاجز اور مغلوب ہی رہیں گے۔ جیسے بعض حضرات کا قول ہے کہ غلام تو غلام ہی ہے اگر چہ بلند مقام پر ہو۔ اور آقا (سردار) سردار ہے اگر چہ نیچے بھی ہو)

چنانچہ امام ابو یوسفؒ جب بھی اپنا تذکرہ امام اعظمؒ کے ساتھ کرتے تو کنیت کے بجائے ادباً اپنا نام ہی ذکر کرتے اور فرماتے :عن یعقوب عن ابی حنیفة (کہ یہ روایت یعقوب کی ابوحنیفہ سے)

سلام نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا ہونے کے اعتراض کا دفعیہ و سوّغ الابتداء بالنکرة تخصیصها بالنسبة للمتکلم (مناوی ص۴) (کہ سلام' باوجود یہ کہ نکرہ ہے لیکن اس کا مبتدا ہونا بوجہ نسبت الی المتکلم کے صحیح ہے) سے ہو گیا۔

عبادہٖ کی اضافت :

عباد جمع عبد کی ہے اور جمع مضاف استغراق کا فائدہ دیتی ہے، تو اس وقت الذین اصطفیٰ صفت احترازی ہوگی، یعنی فاسق فاجر نکل جائیں گے اور اگر عبادہ کی اضافت تعظیم کے لئے ہو ، تو پھر الذین اصطفیٰ صفت بیانیہ کاشفہ ہوگی۔

الذین اصطفیٰ سے مراد :

اکثر حضرات کے نزدیک اس سے مراد انبیاء ہیں۔ اس وقت مصنفؒ پر یہ اعتراض وارد نہیں

ہوگا کہ استقلالاً غیر نبی (کہ نبی کے علاوہ پر بطورِ استقلال) پر سلام کہا گیا، البتہ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ...... هم الذين اصطفاهم و اجتباهم و ارتضاهم و صفاهم عما كدر به سواهم و هم الرسل من الملائكة و من الناس و سائر الانبياء و جميع اتباعهم من العلماء والاولياء الاصفياء فدخل المصطفٰى و آل المرتضٰى و صحبة المجتبى فيهم دخولًا اوّليا (کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر منتخب کرلیا اور ان کو پاک وصاف کیا ان بشری کدورتوں سے جو ان کے علاوہ میں موجود تھیں اور یہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول اور انبیاء کرام اور ان کے متبعین علماء کرام اور اولیاء عظام ہیں تو الذين اصطفٰى میں خود حضور ﷺ اس کی آل واولاد اور صحابہ کرامؓ شروع ہی سے داخل ہیں) پھر مصنفؒ پر سابقہ اعتراض کے ہونے کے پیش نظر جواباً لکھتے ہیں' فلا وجه لم ذكر هنا كلامًا اعتراضيا مع ان المصنف انما اتى بهذه الجملة اقتداء به صلى الله عليه و سلم او بلوط عليه السلام على اختلاف بين المفسرين فى المراد بالخطاب ...... فى قوله تعالىٰ فى الكتاب قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ او ابتداءً بناء على ان المراد بالخطاب العام ففيه اقتباس من كلام الله' الخ ' (جمع ص ۴) (کہ کوئی وجہ نہیں جو لوگ یہاں اعتراض کرتے ہیں کیونکہ مصنفؒ نے یہ جملہ یا تو حضور ﷺ کی تابعداری میں یا پھر لوط علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے کہا کیونکہ قرآن مجید میں قل الحمد الخ کے خطاب کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے اور یا مصنفؒ نے ابتداءً یہ جملہ کہا اس لئے کہ قرآنی خطاب سے خطابِ عام بھی مراد لیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں یہ کلام اللہ سے اقتباس ہوگا)

مصنفؒ پر اعتراضات اور ان کے جوابات :

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصنفؒ نے سلام کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ شارحینؒ نے مختلف جواب ذکر کئے ہیں (۱) مصنفؒ کی رائے میں افراد بالسلام میں کراہت نہیں (۲) کراہت اس وقت ہے کہ ساری مجلس یا کتاب صلوٰۃ وسلام سے خالی ہو، والمصنف قد زين كتابه بتكرار الصلوٰة والسلام كلما ذكر خير الانام (حالانکہ مصنفؒ نے تو صلواۃ

وسلام سے بار ہا تکرار کے ساتھ اپنی کتاب کو جب بھی آپ ﷺ کا تذکرہ ہوا مزین فرمایا ہے)
(۳) یہاں اقتداء اور پیروی الفاظِ قرآن کی مقصود ہے۔ (المواہب ص۴) (۴) جمع بین الصلوٰۃ و السلام اولٰی ہے (صلواۃ وسلام کو اکٹھا کرنا) اگر ایک پر اقتصار ہو جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ ثم الصحیح ما ذکرہ الجزری فی مفتاح الحصن ان الجمع بین الصلوٰۃ والسلام ھو الاولٰی ولو اقتصر علی احدھما جاز من غیر کراھۃ فقدجری علیہ جماعۃ من السلف و الخلف منھم الام مسلم فی صحیحہ (جمع ص۵) (پھر اس سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جو امام جزریؒ نے مفتاح الحصن میں ذکر کی ہے کہ صلواۃ وسلام کو اکٹھا اور یکجا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اگر ان میں سے ایک پر ہی اکتفا کر لی تو بلا کراہت جائز ہے اور اسی پر متقدمین اور متاخرین کا عمل ہے اور انہی میں سے امام مسلمؒ نے یہی طریقہ اپنی صحیح مسلم میں اختیار کیا ہے) (۵) افراد بین الصلوٰۃ والسلام کی کراہت صرف حضور ﷺ پر کہنے میں ہے، نہ مطلقاً، لقولہ تعالٰی صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْما ۔ (۳۳:۵۶) (رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو آپ ﷺ پر) و افراد الصلوٰۃ علیہ مکروہ فلا تقل صلی اللہ علیہ فقط و لا علیہ السلام فقط ۔ (جمع ص۵) (بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے (کہ اے ایمان والو! حضور ﷺ پر صلواۃ وسلام کہا کرو) اور آپ ﷺ پر صرف صلواۃ کہنا مکروہ ہے یعنی نہ صرف صلی اللہ علیہ کہا کرو اور نہ صرف علیہ السلام کہا کرو)

باقی رہا مصنف پر اعتراض کہ اس نے اپنے خطبہ میں تشہد (یعنی اشھد ان لا الہ' الخ) کا ذکر بھی نہیں کیا، حالانکہ ابوداؤد کی رویت میں " کل خطبۃ لیس فیھا تشھد فھی کالید الجذ ماء" (کہ ہر ایسا خطبہ جس میں تشہد نہ ہو وہ جذام زدہ ہاتھ کی طرح ہے) مذکور ہے۔ شیخ ابراہیم بیجوریؒ جواب نقل فرماتے ہیں کہ بانہ تشھد لفظا و اسقط خطا اختصارا او بأن الخبر فی خطبۃ النکاح لا الکتب والرسائل بدلیل ذکرہ فی النکاح ۔ (مواہب ص۴) (کہ مصنفؒ نے تشہد کے ساتھ تلفظ کیا ہوگا لیکن کتابت میں بطورِ اختصار کے ساقط کر دیا اور یا یہ کہ حدیث خطبہ نکاح کے متعلق وارد ہوئی ہے نہ کہ کتابوں اور رسائل کے سلسلہ میں کیونکہ اس کا تذکرہ باب النکاح میں ہوا ہے) (۳) کہ روایتِ ابوداؤد میں تشہد سے مراد حمد وثنا ہے۔ والصحیح ما قالہ التور بشتی وغیرہ من ان المراد بالتشھد فی ھذا الحدیث الحمد والثناء (جمع ص۵) (اور صحیح وہ ہے جو تور بشتیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ تشہد سے مراد اس

حدیث میں حمد وثناء ہے)۔

(۴) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ،و الاظهر عندی ان تحمل الخطبة فی هذا الحدیث علی الخطب المتعارفة فی زمانه صلی الله علیه وسلم ایام الجمع والاعیاد و غیرها فان التصنیف حدث بعد ذلک (کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ اس حدیث میں جو خطبہ کا ذکر ہے اس کا محمل حضورؐ کے زمانہ کے مشہور ومعروف خطبات ہوں یعنی عیدوں اور جمعوں وغیرہ کے کیونکہ یہ تصنیفات کا سلسلہ تو آپ ﷺ کے زمانہ سے بعد کا ہے)

اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی کی ترکیب :

صلہ موصول مل کر محلًا مجرور ہے اور عبادہٖ کے لئے صفت ہے اور یا محلاً مرفوع ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ای هم الذین......الخ یا منصوب علی المدح ہے۔ ثم الشراح اتفقوا علی ان قوله الذین اصطفٰی فی محل جرٍ علی انه صفة او رفع علی انه خبر مبتداء محذوف اونصب علی المدح (جمع ص۵) (پھر سب شارحینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ الذین صطفی محلًا مجرور ہے اور عبادہ کی صفت ہے اور یا محلًا مرفوع ہے اور ترکیب میں مبتداء محذوف (ھم) کی خبر ہے اور یا یہ منصوب علی المدح ہے)

قال الشیخ الحافظ ابوعیسٰی محمد بن سورة الترمذی :

مصنفین کی اصطلاح میں مقدمہ دیباچہ اور خطبہ کی یہ دو قسمیں بھی بیان ہوتی ہیں۔(۱) ابتدائیہ (۲) الحاقیہ۔اگر خطبہ مسائلِ کتاب کے لکھنے سے پہلے لکھا گیا، تو ابتدائیہ کہلاتا ہے اور اگر مسائلِ کتاب پہلے لکھے گئے اور خطبہ بعد میں تو اس کو الحاقیہ کہتے ہیں۔ "التعبیر بالماضی یدلّ علی ان الخطبة متأخرة عن التألیف و یحتمل انه اوقع الماضی موقع المستقبل لقوّة رجائه او تفاؤلًا بحصوله" (مواہب ص ۴) (کہ یہاں قال الشیخ میں ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ دلالت ہے کہ خطبہ تالیفِ کتاب کے بعد تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنفؒ نے صیغہ ماضی کو مستقبل کی جگہ بطورِ امید یا تفاؤل (نیک شگونی) کے استعمال کیا ہو)

قال الشیخ :

شیخ لغت میں بوڑھے (جس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہو) کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاحاً اس کا اطلاق ہراس شخص پر ہونے لگا، جس کے علوم ومعارف کثیر ہوں۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں قال الراغب و اصله من طعن فی السن ثم عبروا به عمن یکثر علمه لما کان شان الشیخ ان یکثر تجار به و معارفه (مناوی ص ۲) (امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ شیخ کا اصل استعمال تو بوڑھے شخص میں ہے لیکن علماء حضرات اس کی تعبیر ماہر اور کثیر العلم شخص سے کرتے ہیں کیونکہ شیخ کا رتبہ اور شان یہی ہے کہ اس کے تجربے اور معارف وعلوم کثرت سے ہوں)

محدثینؒ حضرات کی اصطلاح میں شیخ، محدث اور استاذ کے الفاظ کا اطلاق اس عالم دین پر ہوتا ہے، جس سے روایات لی جائیں اور اس کی نقل کردہ روایات کا اعتبار کیا جائے، خواہ اس کی عمر پچاس سال سے کم ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ امام بخاریؒ کو گیارہ برس کی عمر سے شیخ کہا جانے لگا۔ و قد ثبت انه لما بلغ احدی عشرة سنة رد علی بعض مشائخه غلطا وقع له حتی اصلح کتابه من حفظ البخاری (اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جب امام بخاریؒ کی عمر گیارہ (۱۱) برس کو پہنچی تو اپنے بعض مشائخ اور اساتذہ کی غلطی پر گرفت کی اور شیخ نے اپنی کتاب کی اصلاح امام بخاریؒ کی یادداشت اور حفظ پر کرلی) صحابہؓ اور تابعینؒ بھی نوجوانی کے زمانہ ہی میں احادیث نبویہ کی تعلیم وتعلّم فرماتے رہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے متعلق بھی یہی منقول ہے۔ و قد افاده مالک وهو ابن سبع عشرة سنة اوعشرین سنة و الشافعی تلمذه العلماء و هو فی حداثة السن ۔(جمع الاصول ص ۲) (کہ امام مالکؒ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور امام شافعیؒ کی بھی نوجوانی میں علماء نے شاگردی اختیار کی ہے)

الحافظ :

یہاں حافظ سے مراد حافظِ حدیث ہے، حافظ قرآن مجید نہیں ’ویحتمل انه کان حافظاً للکتاب والسنة‘ (اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حافظ قرآن اور حدیث بھی ہو) شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے علامہ مطرزیؒ

کے حوالہ سے محدثین کے پانچ طبقات لکھے ہیں، اولها الطالب و هو المبتدی ثم المحدث و هو من تحمل روایته و اعتنی بدرایته ثم الحافظ وهو من حفظ مائة الف حدیث متناً و اسنادًا ، ثم الحجة وهو من حفظ ثلاث مائة الف حدیث ثم الحاکم و هو من احاط بجمیع الحادیث (مواہب ص ۵) — ((۱) مبتدی اور طالب (۲) محدث جس کی روایت اور درایت کا اہتمام واعتناء کیا جائے (۳) الحافظ جس کو ایک لاکھ حدیثیں متناً وسنداً یاد ہوں (۴) حجۃ جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں (۵) الحاکم جس نے تمام احادیث کا احاطہ کیا ہو)

البتہ ملاعلی قاریؒ ان کے علاوہ علامہ جزریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ...... الراوی ناقل الحدیث بالاسناد ......والحافظ من روی مایصل الیه و وعٰی مایحتاج لدیه (جمع ص ٦) (کہ راوی وہ ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرے اور حافظ وہ ہے کہ جو اس تک حدیث پہنچے تو وہ اس کی روایت دوسروں کو کردے اور جس کو اس کا احتیاج ہو تو وہ محفوظ کرلے)

تدریب الراوی (ص ۷) میں ہے ...... و اخرج السمعانی بسنده عن ابی نصر قال العالم الذی یعلم المتن والاسناد جمیعا ، والفقیه الذی عرف المتن و لایعرف الاسناد و الحافظ الذی یعرف الاسناد و لایعرف المتن ، والراوی الذی لایعرف المتن ولا یعرف الاسناد . (امام سمعانیؒ نے سند متصل کے ساتھ ابونصر سے نقل کیا ہے کہ عالم وہ ہے کہ جو متنِ حدیث اور اسناد دونوں کو جانتا ہو اور فقیہ وہ ہے کہ جو متنِ حدیث تو جانتا ہو لیکن اسنادِ حدیث کا علم نہیں رکھتا اور حافظ وہ ہے کہ جو اسنادِ حدیث جانتا ہے اور متنِ حدیث کا علم نہیں جانتا اور راوی وہ ہے کہ اس کو نہ متنِ حدیث اور نہ اسنادِ حدیث کی معرفت ہو) حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آج کل حافظ (حدیث) کوئی نہیں، گویا حفاظ کی پیدائش بند ہوگئی' اگرچہ امکان ہے' تاہم تجربہ یہ ہے کہ حافظ الحدیث کوئی نہیں رہا (تقریرِ ترمذی)

کنّیتِ ابوعیسیٰ کی بحث :

امام ترمذیؒ کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ پورا سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن

موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی الترمذی۔

علماء میں بعض حضرات نے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کی ممانعت کی ہے کہ اس میں شائبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی والد تھا۔ لما روی ان رجلا تسمی ابا عیسیٰ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لا اب لہ فکرہ ذلک (اس لئے کہ ایک روایت ہے کہ ایک شخص ابوعیسیٰ کے ساتھ مسمی تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا تو باپ نہ تھا تو اس شخص کو یہ اچھا نہ لگا) اور مصنف ابن ابی شیبۃ نے بھی اس پر مستقل باب "ما یکرہ للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ" (باب! مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھے) باندھا ہے (مقدمۃ تحفۃ الأحوذی ص ۱۷۰) اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے تو باپ نہیں تھے۔ (ابوداؤد ص ۶۷۸، مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۴۲)

تو اشکال یہ ہے کہ روایات میں ممانعت اور فساد عقیدہ کے شبہ کے باوجود امام ترمذیؒ جیسے عظیم محدث اور امام حدیث نے یہ کنیت کیوں اختیار کی۔

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث محدثِ کبیر مولانا عبدالحق قدس سرہٗ نے چند توجیہات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے راجح توجیہ اسے قرار دیا کہ (۱) امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن کی کتاب الآداب میں ابوعیسیٰ کنیت اختیار کرنے پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں حضرت مغیرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے جب ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا، حضرت مغیرہؓ نے فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی زندگی مبارک میں اس کنیت کو اختیار کیا تھا الخ (ابوداؤد ص ۶۷۸) (حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے) تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ممانعت کی روایات اسلام کے ابتدائی دور پر محمول ہیں جب کہ لوگوں میں اسلامی عقائد کامل طور پر رچے بسے نہیں تھے اور جب اسلام کی اشاعت ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت بیٹھ گئی، تب جواز کا حکم آیا، ممانعت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ (حقائق السنن ج ۱ ص ۷۷)

بذل المجھود میں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امامِ ترمذی رحمہ اللہ نے عدم جواز کی روایت پہنچنے سے

پہلے ''ابوعیسیٰ'' کنیت اختیار کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کنیت انہوں نے خود اختیار نہ کی ہو بلکہ اُن کے آباء نے رکھی ہو۔ (بذل ج۶ ص۲۷۰)

(۲) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، **لکن تحمل الکراهة علی تسمية ابتداءً فاما من اشتهر به فلا یکره کما یدل علیه اجماع العلماء والمصنفین علی تعبیر الترمذی به للتمیز** (جمع ص۶)

(لیکن ابوعیسیٰ کی کنیت کی کراہت کو ابتداءً رکھنے پر محمول کیا جائے گا البتہ جو اس کنیت کے ساتھ مشہور ہو تو اس میں کراہت نہیں کیونکہ علماء اور مصنفین کا امام ترمذیؒ کی کنیت ابوعیسیٰ سے برائے امتیاز تعبیر کرنے پر اجماع ہے)

الترمذی :

ترمذی نسبت وطنی ہے۔ ترمذ نہر بلخ یعنی نہر جیحون کے کنارے خوارزم کے قریب واقع ہے۔ **قال النووی فیه ثلاثة اوجه کسر التاء والمیم (تِرمِذ) و هو الاشهر وضمهما (تُرمُذ) وفتح التاء وکسر المیم (تَرمِذ)**۔ (امام نوویؒ نے لفظ ترمذ میں تین صورتیں بیان کی ہیں (۱) تاء اور میم دونوں کا کسرہ (تِرمِذ) اور یہی زیادہ مشہور ہے (۲) دونوں کا ضمہ ہو (تُرمُذ) (۳) تاء کا فتحہ اور میم کا کسرہ ہو (تَرمِذ)

ایک مغالطہ کا ازالہ :

چونکہ ترمذی کے نام سے تین ائمہ مشہور ہیں۔ اس لئے اسمی مماثلت کی وجہ سے اشتباہ ہو جاتا ہے، حالانکہ تینوں کے درجات مختلف اور مراتب علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۱) امام ابوعیسیٰ الترمذی صاحب السنن (جن کا ابھی تذکرہ ہوا)

(۲) ابوالحسن احمد بن حسن الترمذی ہیں، ترمذی کبیر ان کا لقب ہے، اکابر اساتذہ میں سے ہیں۔

(۳) حکیم الترمذی یہ نوادر الاصول کے مصنف ہیں، جو حدیث کی کتاب ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ حقائق السنن)

قال الشیخ ...... الخ کا قائل کون ہے ؟

اس میں اختلاف ہے کہ **قال الشیخ الحافظ** ...... الخ کا قائل کون ہے؟ بعض حضرات یہ

کہتے ہیں کہ یہ عبارت امام ترمذیؒ کے شاگردوں کی ہے۔ البتہ الحمد للّٰہ وغیرہ میں یہ احتمال ہے کہ وہ مصنفؒ کا کلام ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بھی تلامذہ کا کلام ہو...... و قیل یصح ان یکون ذلک الوصف (ای قال الشیخ.....الخ) من نفسه للاعتماد لا للافتخار (جمع ص ۷) (اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قال الشیخ کے وصف کا تذکرہ خود مصنفؒ نے بطورِ اعتماد کے کیا ہو نہ کہ فخر اور ریا کے لئے)

ملا علی قاریؒ اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ...... والاولی عندی ان ینسب البسملة و الحمدلة الی المصنف عملاً بحسن الظن به ...... ثم ان تلامذته کتبوا قال الشیخ ابوعیسٰی الی آخره ولما قال الخطیب و ینبغی ان یکتب المحدث بعد البسملة اسم شیخه و کنیته و نسبته ثم یسوق ماسمعه منه (جمع ص ۷) (کہ میرے نزدیک اولیٰ اور بہتر صورت تطبیق یہ ہے کہ بسملہ اور حمدلہ یعنی تسمیہ اور تحمید کی نسبت تو حسن ظن کی بناء پر مصنفؒ کو ہو (کہ عمل بالحدیث کیا) اور پھر اس کے تلامذہ نے قال الشیخ الخ لکھا ہے اور اس لئے بھی کہ خطیبؒ (بغدادی) نے کہا ہے کہ ہر محدث کے لئے یہ مناسب ہے کہ تسمیہ کے بعد اپنے شیخ (استاد) کا نام اور کنیت و نسبت کا تذکرہ کرے اور پھر شیخ کا کلام مسموع بیان کرے)

(۳) تیسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ مصنفؒ کے نسخہ میں صرف قال ابوعیسٰی ...... الخ تھا اور الشیخ الحافظ کی زیادتی تلامذہ کی طرف سے ہو۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

امام ترمذیؒ (اجمالی سوانح و تذکرہ) :

سیدی و استاذی، محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اپنے درس ترمذی میں امام ترمذیؒ کے تفصیلی حالات بیان فرمایا کرتے تھے۔ حقائق السنن کی ترتیب و تالیف کے وقت احقر نے نقل کر کے مرتب کئے تھے اور حسبِ ضرورت حاشیہ بھی لکھا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی کی تلخیص ہے۔

نسب :

مصنف شمائل امام ترمذیؒ کی کنیت ابوعیسٰی اور نام محمد بن عیسٰی بن سورہ ہے۔ بنی سُلیم قبیلہ کی

نسبت سے ان کو سُلمی کہا جاتا ہے۔ آپ علاقہ ترمذ کے قصبہ بوغ (جو کہ چھ فرسخ ترمذ سے دور ہے) میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم سلسلہ :

ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی، چونکہ اس علاقہ میں ہر طرف علم حدیث کا چرچا تھا، لہٰذا جوں ہی سن شعور کو پہنچے، علم حدیث کا شوق دامن گیر ہوا۔ طلب علم کی پیاس بجھانے کی خاطر خراسان، بصرہ، کوفہ، شام ومصر اور حجاز وغیرہ کے سفر کیے اور بڑے بڑے جلیل القدر اساتذۂ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ...... **طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانيين والعراقيين والحجازيين** (تہذیب التہذیب ج۹ص۳۸۸) (کہ امام ترمذیؒ بہت سے ممالک گئے ہیں اور بہت سے خراسانی عراقی اور حجازی اساتذہ اور مشائخ سے سماع کیا ہے) آپؒ کے اساتذہ اور شیوخِ حدیث کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مشہور اساتذہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداوٗدؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، محمد بن بشارؒ قابل ذکر ہیں۔ امام بخاریؒ کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے خلیفہ اور جانشین قرار دیئے گئے اور آپؒ نے ہی مسند حدیث کو رونق بخشی' امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن علک کو فرماتے سنا کہ : **مات البخاري فلم يخلف بخراسان مثل ابي عيسىٰ في العلم والحفظ والورع والزهد بكى حتى عمي و بقي ضريراً سنين** (تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۲۳۴) (کہ امام بخاریؒ فوت ہوئے اور خراسان میں ابوعیسیٰ (ترمذی) جیسے عالم وحافظ متقی پرہیزگار کے پایہ کا امام وشیخ نہیں چھوڑا۔ خشیت وخوف سے رورو کر کئی سال تک نابینا زندگی گزاری)

امامِ ترمذیؒ ' امام بخاریؒ کی نظر میں :

امام بخاریؒ اپنے اِس لائق اور قابل شاگرد کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ :**ما انتفعت به منك اكثر مما انتفعت مني** (میں نے جتنا نفع آپ سے اٹھایا وہ اس کے مقابلہ میں بہت کثیر ہے جتنا آپ نے مجھ سے لیا ہے) جس کی وضاحت علامہ انور شاہ کشمیریؒ یوں فرماتے ہیں...... کہ جس طرح تلامذہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اساتذہ ان کو سبق پڑھائیں، اسی طرح اساتذہ کی بھی خواہش اور

ضرورت ہوتی ہے کہ تلامذہ ان سے سبق پڑھیں اوران کے علوم ومعارف کومحفوظ کر کے اس کی اشاعت کریں، پھرتلامذہ میں لائق، ذہین اورذکی طالب علم سے اشاعتِ علم کا جوفائدہ استاد کوحاصل ہوتا ہے، وہ کسی غبی سے بہت کم ہوتا ہے۔

نیز ذکی اورذہین طالب علم جب استاد سے اہم مسائل دریافت کر کے جواب طلب کرتا ہے،تو استاد کی نگاہ بہت سے دوسرے علوم کی طرف جاتی ہے اور وسعتِ علم کا ذریعہ بنتی ہے،تو گویا امام ترمذیؒ کے شیخ اوراستادامام بخاریؒ کے اس ارشاد کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ آپ کی وجہ سے میرے علوم ومعارف کی جواشاعت ہوئی، وہ واقعتہً آپ کے مجھ سے استفادہ کرنے سے کئی گنا بڑھ کر ہے اوراس سے جو مجھے فائدہ پہنچاہے،وہ آپ کے استفادہ سے کئی گنازیادہ ہے۔

روایة البخاری عن الترمذی :

امام بخاریؒ جیسے کہ آپؒ کے بڑے مشائخ میں سے ہیں اور بہت سی روایات ان سے نقل کی ہیں۔اسی طرح امام ترمذیؒ بعض احادیث میں اپنے شیخ امام بخاریؒ کے بھی استاد ہیں۔چنانچہ خوداپنی دو حدیثوں کے بارے میں یہ تصریح فرمادی کہ یہ دونوں روایات امام بخاریؒ نے مجھ سے سنی ہیں،اس کو اصطلاحاًروایة الاکابر عن الاصاغر (کہ بڑے لوگوں کا چھوٹے مرتبہ کےلوگوں سے روایت کرنا) کہا جاتاہے۔

(۱) ان میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جوآیت کریمہ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا (۵:۵۹) (کہ تم کوئی لینہ (کھجورکادرخت)وغیرہ کونہیں کاٹتے یااس کواپنے تنے پرچھوڑتے ہو) کی تفسیر میں ہے،قال اللينة النخلة (ترمذی ج۲ص۱۶۶)(کہا کہ لینہ سے مرادکھجورکادرخت ہے)

(۲) دوسری حدیث ابواب المناقب میں حضرت علیؓ کے مناقب میں روایت ہے۔ يا علی ! لا يحل لاحد ان يجنب فی هذا المسجد غيری و غيرک (ترمذی ج۲ص۲۱۴)(اے علیؓ! کہ میرے اورآپ کے سوا کسی کو یہ جائزنہیں کہ وہ اس مسجد میں جنبی ہو) ان دونوں حدیثوں میں سے ہرایک

حدیث کونقل کرنے کے بعدامام ترمذیؒ لکھتے ہیں، قد سمع محمد بن اسمٰعیل هذا الحدیث (حقائق السنن ص۴۷) (یعنی محمد بن اسماعیل البخاری نے یہ حدیث مجھ سے سنی تھی)

مسندِ درس پر تمکّن :

چونکہ خراسان اور ماوراءالنہر کے علاقہ میں امام ترمذیؒ کے ہم پلہ کوئی دوسرا محدث نہیں تھا۔اس لئے اطراف عالم سے طالبانِ حدیث کا ایک جمِ غفیر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوتا رہا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں احمد بن عبد اللہ المروزی، اسعد بن حمدویہ، داؤد بن نصر البزدوی، احمد بنؒ یوسف النسفی، محمد سفیان، ابومحمد حسن بن ابراہیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصانیف :

آپ کی سوانح میں تو مختلف تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔البتہ مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔
(۱) جامع ترمذی (۲) علل الصغیر (۳) علل الکبیر (۴) کتاب الاسماء الکنٰی (۵) کتاب الزہد (۶) کتاب الجرح والتعدیل (۷) اور کتاب الشمائل نبویہ وغیرہا۔مگر ان سب میں جو مقام و اہمیت، مقبولیت جامع ترمذی کو حاصل ہے، وہ دوسری کتابوں کو حاصل نہ ہوسکی۔محدثین اس کا شمار صحاح ستہ میں کرتے ہیں، اگرچہ اصطلاحی طور پر (ترتیب فقہی ہونے کے اعتبار سے) تغلیباً اس پر سنن کا اطلاق بھی کیاجاتا ہے۔

قوتِ حافظہ :

اللہ پاک نے آپ کو دیگر ظاہر، باطنی محاسن کے ساتھ ساتھ نہایت قوی اور زبردست حافظہ اور ضبط کا ملکہ بھی عطافرمایا تھا۔حفظ و یادداشت میں آپ اپنے زمانہ کی ایک ضرب المثل بن چکے تھے۔
علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، قال ابوسعید الادریسی کان ابوعیسٰی یضرب به المثل فی الحفظ (تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۲۳۴) (ابوسعید الادریسی فرماتے ہیں کہ ابوعیسٰی (امام ترمذیؒ) قوتِ حفظ میں ضرب المثل تھے)
بڑے بڑے محدثین اور اساتذہ حدیث آپ کی قوت حافظہ کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر

تعجب کرتے تھے۔ایک دفعہ کسی شیخ کے روایات کے دواجزاء ہاتھ لگ گئے،تو فوراً اپنے پاس نقل کر کے محفوظ کر لئے۔اتفاق سے ایک سفر حج میں اس شیخ سے ملاقات ہوئی،تو امام ترمذیؒ نے ان ہی دو اجزاء کی متعلقہ احادیث سنانے کی درخواست کردی ،تو شیخ نے آپ کی درخواست قبول کر کے اپنے لکھے ہوئے دونوں اجزاء کے لانے کی تاکید کی اور فرمایا کہ انہیں سامنے رکھو، میں قرأت کرتا جاؤں گا، آپ سنتے جائیں گے اور مطابقت کرتے جائیں گے۔امام ترمذیؒ نے قیامگاہ پر جا کر اپنے سامان میں وہ اجزاء تلاش کئے، مگر نہ مل سکے۔بڑے پریشان ہوئے اور ایک ترکیب یہ بنائی کہ سادہ کاغذ لے کر شیخ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور شیخ سے قرأت حدیث کی درخواست کردی۔شیخؒ پڑھتے جاتے اور امام ترمذیؒ سادہ کاغذ پر نظر جمائے بیٹھے تھے اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ گویا میں شیخ کی قرأت کے ساتھ اپنے اجزاء کی تطبیق کر رہا ہوں۔ جب دورانِ قرأت شیخ کی نظر سادہ کاغذ پر پڑی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ناحق میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔چنانچہ بطورِ نمونہ معذرت امام ترمذیؒ نے ساری صورتحال بیان کردی اور ساتھ عرض کیا کہ اس وقت جس قدر احادیث آپ نے قرأت کی ہیں، سب مجھے یاد ہوگئی ہیں۔شیخؒ نے سنانے کا کہا تو آپ نے ساری فرفر سنادیں۔شیخ کو تعجب ہوا اور کہا کہ شاید آپ کو پہلے سے ہی یاد تھیں، لیکن امام ترمذیؒ نے عرض کیا کہ امتحاناً مزید احادیث سنادیں' میں وہ بھی فوراً سنادوں گا۔ چنانچہ شیخ نے غرائب سے مزید چالیس احادیث کی قرأت کی۔امام ترمذیؒ نے اب کی بار بھی وہ تمام سنی ہوئی احادیث فوراً دہرادیں،تو اس پر شیخ کو بے حد مسرت ہوئی اور فرمایا، مارأیت مثلک قط (میں نے آپ جیسا شخص بالکل نہیں دیکھا ہے)

(۲) دوسرا واقعہ اس سے بھی عجیب ہے کہ بڑھاپے میں جب آپ کی نظر جاتی رہی اور نابینا ہو گئے تھے،تو ایک قافلہ کے ساتھ سفر حج پر جا رہے تھے۔اس زمانے میں اونٹ کی سواری تھی۔دورانِ سفر اونٹ پر بیٹھے ہوئے ایک جگہ پر امام ترمذیؒ نے اپنا سر اور کمر جھکالی۔رفقا نے اس کی وجہ دریافت کی،تو فرمایا کہ کیا تمہیں یہاں کوئی درخت نظر نہیں آتا۔رفقا نے جب انکار کیا تو امام ترمذیؒ نے اصرار کیا کہ اس مقام پر درخت تھا۔رفقانے جب دوبارہ کہا کہ یہاں تو کوئی بھی درخت نہیں ہے،تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعتہً یہاں پر کسی زمانہ میں بڑا درخت تھا،

مگراب کاٹ دیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ کافی عرصہ پہلے میرا یہاں گذر ہوا تھا، تو یہاں ایک بڑا درخت تھا، جس کی ٹہنیوں اور شاخوں سے خود محفوظ کرنے کے لئے ہم نے اپنی گردنیں جھکالی تھیں۔ ساتھ فرمایا کہ تحقیق کی اس لئے ضرورت تھی کہ اگر میری بات غلط ثابت ہو جاتی تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا میں حدیث بیان کرنا ترک کر دیتا۔

عبادت و پرہیز گاری :

خشیتِ الٰہی اور زہد و تقوی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اکثر اوقات خوفِ خدا سے روتے رہتے تھے۔ اس شبانہ روز عبادت اور گریہ وزاری سے آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ اگرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ مادرزاد نابینا تھے، لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی تردید کی ہے۔

وفات :

آپ دینی علوم خصوصاً علم حدیث کی اشاعت میں تمام عمر مصروف رہے۔ ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات اور کل مدت عمر کو ایک مصرعہ میں جمع کر دیا ......

ع عطر مداده (۲۷۹) وعمره فی عین (۷۰)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ خَلْقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان

لفظِ باب کا لغوی معنیٰ!

باب لغت میں (۱) ''اسم لمایتوصل منه الی المقصود'' (مواہب ص٦) (یعنی وہ چیز جس سے ہوکر مقصود تک پہنچا جائے) کو کہتے ہیں علماء اور بلغاء کے ہاں یہی معنیٰ معروف ہے یہاں مراد ان احادیث کی معرفت ہے جو,, خلقِ رسول الله ﷺ (جسم اطہر کی تخلیق اور وضع) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں مشہور شعر ہے۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَیُّ امْرِئٍ اَتَاهُ مِنْ غَیْرِکَ لَا یَدْخُلُ

(مواھب ص٦)

(اور آپ ہی ہر شخص کے لئے اللہ کے قرب ووصال کا دروازہ ہیں جو شخص بھی آپ کے بغیر باب اللہ میں آنا چاہے داخل نہیں ہوسکے گا۔)

(۲) بعض حضرات نے باب کو'' المدخل للشی المحاط بما یحجزه '' سے تعبیر کیا ہے یعنی مکانات میں داخل ہونے والا راستہ جیسے ہم کہتے ہیں باب المدینة (شہر کا دروازہ) باب الدار (گھر کا دروازہ)۔

(۳) کچھ حضرات نے یہاں باب کی تعبیر وَجْهُ (جہت وصورت) سے کی ہے اذ کل باب وجه من وجوه الکلام (اس لئے کہ ہر باب کلام کی جہتوں اور صورتوں میں سے ایک صورت پر ہوتا ہے) شیخ عبدالرؤف المناویؒ فرماتے ہیں وجہ کے معنیٰ میں باب کا استعمال بعید من المقام (مناوی

ص ٨) (اس مقام سے بعید ہے)۔

باب کا اصطلاحی معنیٰ:

الالفاظ المخصوصة باعتبار دلالتها على المعانی المخصوصة لانها توصل الی المقصود (مواھب ص ٦) (یعنی وہ مخصوص الفاظ جو اپنی دلالت کے اعتبار سے مخصوص معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ مقصود تک پہنچاتے ہیں)

ایک اعتراض اور جواب:

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ باب تو ''**طائفة من الکتاب**'' (کتاب کے ایک حصہ) کو کہتے ہیں جس کا اول وآخر معلوم ہو۔

لہذا باب کو کسی چیز کا مدخل نہیں قرار دیا جاسکتا **بل ھی بیت من المعانی** (بلکہ وہ تو معانی کا ایک کمرہ ہے) جواب یہ ہے کہ یہ **تشبیه المعقول بالمحسوس** (ایک عقلی شئی کی تشبیہ محسوس اور مشاہد چیز کے ساتھ دینے) کے قبیل سے ہے ۔

پس **الکتاب** مثل **الدار** (گھر) کے ہے جو مختلف کمروں پر مشتمل ہوتا ہے مسائل کی ہر ہر نوع گویا ایک مستقل کمرہ ہے اور اس نوع کے مسائل کا آغاز گویا اس کا دروازہ ہے جس سے علوم و معارف کے اس کمرے میں داخل ہونا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ **الکتابُ بمنزلة الجنس** (کتاب بہ منزلہ جنس ہے)' اور **البابُ بمنزلة النوع** (باب بہ منزلہ نوع ہے) اور **الفصلُ بمنزلة الصنف** (فصل بہ منزلہ قسم) کے ہے۔

علامہ بیجوریؒ اور المناویؒ نے ابن محمودؒ شارح ابوداوٗد کے حوالے سے لکھا ہے کہ **الباب** کا استعمال سب سے پہلے تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا۔ (مواھب ص٦)

یہاں لفظِ ''باب'' **ماجاء** کی طرف مضاف ہے۔یعنی یہ باب حضرت محمد ﷺ کے حُلیہ مبارک کے بیان میں ہے۔لفظ باب کو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے (١) پہلی صورت تو وہی ہے جو

کتاب میں درج ہے یعنی باب ماجاء الخ اور اگر اس کو دوسرے طریقے سے مبتداء اور خبر بنا کر پڑھیں گے تو یوں ہوگا ھذا باب ماجاء الخ ترکیب دونوں طرح درست ہے۔

ماجاء یعنی وہ احادیث جو **خلق رسول الله** ﷺ (حضور ﷺ کے حلیہ) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ لازم نہیں کہ وہ احادیث حضور ﷺ سے ہی منقول ہوں کیونکہ علمِ حدیث ایسی تمام منقولات پر صادق آتا ہے جن کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف کی گئی ہو یا صحابی کی طرف یا ان کے علاوہ دوسروں کی طرف'

بانه علم يشتمل على نقل ماأضيف الى النبی ﷺ **قيل او الى صحابیؓ او الى من دونه قولاً اوفعلاً او تقريراً او صفةً** (مواہب ص٦) (یعنی علمِ حدیث وہ علم ہے جو نبی کریم ﷺ یا صحابی یا تابعی کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر یا صفت کے بیان پر مشتمل ہو) اس تعریف میں عموم ہے جبکہ علامہ کرمانیؒ نے فرمایا **علم يعرف به اقواله وافعاله وا حواله** (مناوی ص ١٠) (یعنی یہ وہ علم ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور احوال پہچانے جاتے ہیں)۔

مصنفؒ نے باب **خَلقِ رسول الله** ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں کہا' بلکہ **ماجاء** کا اضافہ کیا اس لئے کہ باب کا موضوع **خَلقِ رسول الله** ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں بلکہ باب کا موضوع "**ماجاء فی الخَلقِ من الاحاديث الدالة على الخلق**" ہے (جمع ص٩) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حلیہ مبارک پر دلالت کرتے ہیں) علامہ میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ (١) علماء اور مشائخ سے منقول ومعروف روایت تو یہی ہے کہ **باب ما جاء الخ** میں باب کی اضافت اپنے مابعد کی طرف کر کے مبتداءِ محذوف یعنی ,,**ھذا**،، کی خبر بنا دیا جائے یا یہ مبتداء ہے اور خبر اس کی محذوف ہوئی ہے (٢) لیکن اظہر یہ ہے کہ **حدثنا الى آخر الباب بتاويل هذا الكلام** ہے۔ (جمع ص٩) (حدثنا الی آخر الباب کی تاویل ھذا الکلام سے کر کے باب ماجاء کی خبر ہو)

لفظِ باب کے اعراب :

(١) باب پر تنوین پڑھی جائے تو وہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگا اور **ماجاء** سے استیناف ہوگا گویا

جب طالب علم لفظ باب' سنتا ہے تو ضرور اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو اس باب میں وارد ہو رہی ہے تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے **بقوله ماجاء فی اخبار المروية فی بیان خَلقِ رسول اللّٰه** ﷺ (اس قول کے ساتھ کہ یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو رسول اللہ ؐ کے حلیہ مبارک کے بیان میں مروی ہیں) مگر اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ استیناف تو مستقل جملہ ہوتا ہے اور لفظ **ماجاء** صلہ' موصول یا موصوف اور صفت ہیں دونوں صورتوں میں یہ جملہ تام نہیں' لہذا اس کو جملہ مستانفہ کہنا درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ (۱) یہاں مبتداء مقدر ہے یعنی **المورود فی هذا الباب ماجاء الخ** (کہ اس باب میں وارد شدہ وہ احادیث جو آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کے متعلق ہیں) (۲) یہ بھی احتمال ہے کہ **ماجاء** جملہ استفہامیہ ہو بمعنی **ای شیء جاء** (کہ کیا چیز حضور اقدس ﷺ کے حلیہ کے بارے میں آئی ہے) جیسا کہ امام بخاریؒ کی صنیع ان کی صحیح میں **باب کیف کان بدء الوحی** (کہ ابتداءِ وحی کیسے ہوتی تھی) میں منقول ہے۔

(۳) علامہ کرمانیؒ شارحِ بخاری نے اس کی ایک تیسری توجیہ یہ بتائی ہے کہ **باب 'بالوقف علی سبیل التعداد للابواب** (ابواب کو بطور گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے لفظ باب کو وقف (سکون) کے ساتھ پڑھنا) جائز ہے' جب یہ معنی لیں گے تو اس کا محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد استیناف ہوگا (جمع ص۹) شارح مناویؒ فرماتے ہیں **ویجوز الوقف علی سبیل التعداد للابواب فلا یکون له محل من الاعراب ومابعده استیناف** (مناوی ص ۹) (اور وقف (لفظِ باب پر) ابواب کی گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے جائز ہے تو اس وقت وہ محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد کلام مستانف ہوگا)

مگر یہ توجیہ اس لئے مخدوش ہے کہ تعداد (بلغاء کے عرف میں) عدد کے منضبط اور محدود کرنے کے لئے ہوتی ہے بشرطیکہ عدد اور اجزاءِ معدودہ کے درمیان کوئی چیز فاصل نہ ہو جب کہ یہاں **ماجاء فی خلق الخ** کا فاصل موجود ہے۔

لفظ خَلقٌ کی بحث:

خَلقُ بفتح الخاء وسکون اللام (خلق خاء کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ) لغت میں

''التقدير المستقيم الموافق للحكمة'' کو کہتے ہیں (جمع ص ٩) (یعنی سیدھا اور برابر مقدار و اندازہ کرنا جو حکمت کے موافق ہو) جیسے عرب کہتے ہیں "خَلَقَ الْخَيَّاطُ الثَّوْبَ" جب درزی کپڑے کے کاٹنے سے پہلے اس کا اندازہ لگالے۔ قرآن کی آیت ''فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ'' (المؤمنون :١٤) (سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) میں یہی مفہوم مدلول ہے۔

(٢) اسی طرح لفظ خلق ''ابداع الشئی من غير اصل'' (بغیر نمونہ کے نئی چیز پیدا کرنا) اور ایجاد الشئی من شئی آخر'' (ایک چیز کو دوسری چیز سے پیدا کرنا) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے ''اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اور '' وَالصَّلٰوةُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ'' کا یہی معنیٰ ہے۔ یہاں انسان کی ظاہری صورت اور شکل وشباہت مراد ہے والمراد هنا صورة الانسان الظاهرة (مناوی ص ٩) بہرحال خَلق باب نصر ینصر سے مصدر ہے جس کا لفظی معنی پیدائش اور ایجاد کرنا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جیسے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: ١٦١) یعنی تم کو بھی اور جو کچھ تم بناتے ہو سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران ٥٩) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ لفظ خلق مخلوق کے معنی میں بھی آیا ہے هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ (لقمان: ١١) (یہ تو اللہ کی مخلوق ہے)

الغرض خلق کا معنی پیدائش بھی ہے اور مخلوق بھی، مگر یہاں حضور اقدس ﷺ کی ظاہری شکل وصورت مراد ہے جسے محدثین کرامؒ حُلیہ مبارکہ سے تعبیر کرتے ہیں یہ لفظ حُلیہ پڑھنا بھی درست ہے اور حِلیہ پڑھنا بھی درست ہے

لفظ خُلُق کی بحث:

لفظ خُلُق (بضمتين وبضم وسكون(نهاية) (لفظِ خلق خاء اور لام دونوں کے ضمہ یا خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ) الطبيعة (عادت) السجية (خصلت سرشت) اور الدين کو کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ انسان کے باطن نفس کے معانی اور اوصافِ خاصہ کو خُلُقُ (بالضم) اور صورتِ انسان کے ظاہر اس کے معانی واوصاف اور تمام لوازمات کو خَلْق'' (بالفتح) کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں جن چیزوں کا ادراک باطنی کمال اور بصیرت سے معلوم ہو جیسے علم اور حلم اس کے لئے لفظ خُلُقٌ (بضمتین) اور جو چیز ظاہری نظر اور بصارت سے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہیآت اور صُوَر وغیرہ یعنی کسی چیز کا لمبا چوڑا یا سفید وسیاہ نظر آنا اس کے لئے لفظ خَلْق (بالفتح) استعمال ہوتا ہے۔

خص الخَلْقُ بالهيئاتِ والاشكال والصور المدركة بالبصرُ وخص الخُلُقُ بالقوىٰ والسجايا المدركة بالبصيرة كما قال تعالىٰ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (المفردات كتاب الخاء ص ۱۵۸) (لفظ خَلْق آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں، جیسے ہیئت اور شکل وصورت کی ساخت اور بناوٹ کے ساتھ خاص ہے اور خُلُق کا لفظ قُویٰ اور عادت وطبیعت کے ساتھ خاص ہے، جن کا ادراک فہم وفراست سے ہوتا ہے)

تقديم صفات الظاهرة على الباطنة :

مصنفؒ حضور اقدس ﷺ کے اوصاف ظاہر (خَلق) کو اوصاف باطن (خُلق) پر مقدم لائے ہیں حالانکہ باطنی کمالات کو ظاہری کمالات پر فضیلت وترجیح حاصل ہے۔ شارحینِ حدیث اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔ (۱) ''الظاهر عنوان الباطن'' (یعنی ظاہر، باطن کا عنوان ہوتا ہے) ایک مستقل اصول ہے اور ظاہر ہے کہ عنوان معنون پر مقدم ہوتا ہے۔

(۲) اس میں ترقی من الظاهر الى الباطن یا ترقی من غير الاشرف الى الاشرف (یعنی ظاہر سے باطن یا غیر اشرف سے اشرف کی طرف ترقی) کی رعایت کی گئی ہے کتاب کا نام بھی ''شمایل'' رکھا گیا ہے یعنی ''ی'' کے ساتھ جو ''شِمال'' (فا کلمہ کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے بمعنیٰ ''عادت، خصلت''۔

بعض لوگ اسے شَمَال (بفتح الفاء) (فا کلمہ کا فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ) سے لیتے ہیں تو یہ شمال (بائیں) ضد اليمين (دائیں) سے ہوگا اور اس معنیٰ میں لینا صریح غلطی ہے۔

(۳) اس میں ترتیبِ وجودی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ ظاہر، باطن سے وجود میں مقدم ہے۔

(۱) أَخبرنا أَبُو رَجاء قُتَيبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشَرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشَرَ سِنِينَ فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ .

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس سے اور وہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ سے اور وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد (جس کو ٹھنگنا کہتے ہیں بلکہ آپ ؐ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چُونہ کی طرح نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پُرنور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن تھا) چالیس برس کی عمر ہوجانے پر حق تعالیٰ جلّ شانہ نے آپ ؐ کو نبی بنادیا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو ساٹھ سال کی عمر میں اس دنیا سے اٹھالیا، وفات کے وقت سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

راویانِ حدیث (۱) قتیبہ (۲) مالک بن انس (۳) ربیعہ اور (۴) انس بن مالکؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آئندہ بھی راویان حدیث کے تذکرے نمبر شمار کی ترتیب سے ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں درج کیے جارہے ہیں۔

متنِ حدیث سے قبل:

حدیث کے اصل متن سے پہلے طلباء کو قراءت حدیث شروع کرتے وقت ,,وبہ قال،، پڑھنا چاہئے یہ زائد الفاظ وبالسند المتصل منا الی الامام الترمذی (ہم سے لے کر امام ترمذی تک متصل

سند کے ساتھ) کی تخفیف ہے کہ ہم یہ حدیث سندِ متصل کے ساتھ پڑھ رہے ہیں سندِ متصل سے مراد وہ شیوخ ہیں جن کے واسطے سے آپ یہ حدیث پڑھ رہے ہیں۔

اَخْبَرَنَا :

بعض نسخوں میں حَدَّثَنَا بھی منقول ہے اور کبھی محدثین اَنْبَأَنَا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱) بعض محدثین تینوں کی مراد معنیٰ واحد قرار دیتے ہیں یہی مسلک امام بخاریؒ کا ہے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے تمام اہل علم بھی تینوں کا ایک معنیٰ لیتے ہیں اہل مغرب کی بھی یہی رائے ہے اور ابن حاجبؒ نے اپنی مختصر میں اسے راجح قرار دیا ہے۔

(۲) تاہم بعض متأخرین اصطلاحی تعریف میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طریقِ تحمل کے مطابق صیغِ ادا بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حدثنا تب بولا جاتا ہے جب شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے اخبرنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب تلمیذ پڑھے اور استاذ سنے اور انبأنا سے اس صورت میں تعبیر کی جاتی ہے جب شیخ اپنے تلمیذ کو مشافہۃً حدیث کی اجازت دے۔

رموز و اشارات:

محدثین کا کتابتِ حدیث کے وقت اختصار کا بھی معمول ہے کہ صیغِ تحدیث لکھتے وقت اقتصار کرتے ہیں حدثنا کی جگہ ''ثنا و دنا'' اخبرنا کی جگہ ''انا اور ناور'' انبأنا کی جگہ ''انبأ اور نا'' لکھتے ہیں یہ اقتصار صرف رسم الخط کے ساتھ خاص ہے، تلفظ میں پورا پڑھا جائے گا۔

قراءتِ حدیث کا راجح طریقہ:

اب سوال یہ ہے کہ قرأتِ حدیث کا راجح طریقہ کیا ہے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کیا قراءت علی الشیخ، (شاگرد پڑھے اور شیخ سنے) سماع عن الشیخ (شیخ پڑھے اور شاگرد سنے) کے مساوی ہے یا اس سے رتبہ میں ادنیٰ ہے یا اعلیٰ، اس میں تین اقوال ہیں۔(۱) دونوں رتبہ میں برابر ہیں، یہ مسلک امام مالکؒ اور ان کے اصحابؒ کا ہے۔

(۲) قراءت علی الشیخ راجح ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی ذئبؒ کا ہے۔

(۳) سماع من لفظ الشیخ راجح ہے زین الدین العراقیؒ بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں اس کی وجہ ترجیح ظاہر ہے کہ یہی طریقہ عین سنت ہے حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرامؓ اور دیگر علماءِ محدثین سے ان کے تلامذہ اسی طرح سماع کیا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ بھی اور صحابہ کرامؓ بھی حدیث سنایا کرتے تھے اور تلامذہ سنا کرتے تھے۔ تاہم اس کا نفع متقدمین میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ ان کی استعدادیں قوی اور صلاحیتیں مضبوط تھیں اور وہ مجرد سماع سے اخذِ حدیث کرلیا کرتے تھے جبکہ متأخرین کے قُویٰ کمزور اور استعدادیں ضعیف ہوگئی ہیں وہ صلاحیتیں ہی باقی نہیں رہیں، ان کے ادراک کی رفتار بہت سست ہے لہذا ان کے حق میں قراءت علی الشیخ زیادہ بہتر ہے۔

سَمِعَه' کی بحث:

ای سَمِعَ ربیعةُ انساً اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ربیعہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے بطریق التحدیث لی ہے، بطریق اخبار نہیں۔ وسمعه جملة معترضة لبیان ان طریق انس لربیعة السماع لا القراءة (مناوی ص ۱۲) (یعنی "وَسَمِعَه' "جملہ معترضہ ہے اس بات کی وضاحت کے لئے کہ ربیعہ کا حضرت انس سے یہ حدیث لینا بطریقِ سماع تھا نہ کہ قرأت کے طور پر)۔

ترکیب لفظِ یقول:

یقول کی ترکیب میں مختلف توجیہات ممکن ہیں (۱) حال ہے (۲) بیان ہے (۳) بدلِ اشتمال ہے فعل بمعنیٰ مصدر کے ہے تو یہ اعجَبَنی زید" عِلمَه' کے قبیل سے ہوگا۔ (۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سمعه' کے لئے مفعول ثانی ہے اور سماع دو مفعولوں کو متعدی ہوسکتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے یہ تصریح کی ہے کہ سمع اگر صوت پر داخل ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے جیسے کہا جاتا ہے سمعت قول زید اور اگر غیر صوت پر داخل ہو تو متعدی الی المفعولین ہوتا ہے اور اس وقت لازم ہے کہ اس کا مفعول ثانی فعل مضارع ہو۔

امام میرک شاہؒ فرماتے ہیں سماع کا تعلق قول کے ساتھ ہے اور کلمہ من محذوف ہے ای سمع منہ یقول ای ھذا القول وھو محمول علی حذف المضاف ای سمع قولہ وحینئذٍ یقول بیان لہ (جمع ص ۱۲) (خلاصہ یہ کہ ربیعہ نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی) تو اس صورت میں یہ مضاف کے محذوف ہونے پر محمول ہوگا۔ اور اس وقت لفظ یقول الخ لفظ قولہ محذوف کا بیان ہوگا۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ سمع ماضی کے ساتھ قال صیغہء ماضی ہی مناسب تھا ماضی سے مضارع کی طرف عدول میں کیا فائدہ ہے؟ شارحین نے جواب میں لکھا ہے کہ مضارع کے صیغہ میں حاضرین کے لئے صورۃُالقول (قول کی نوعیت) اور اس کی حکایت کا استحضار ہے گویا انہیں یہ دکھائی دے رہا ہے کہ وہ ابھی اور اسی وقت میں یہ حدیث بیان کر رہے ہیں اور راوی اس کو سن رہا ہے۔

اس سند میں عن کے ساتھ تمام مجرورات ابو رَجاء کے احوالِ محذوفہ کے متعلق ہیں۔ ای ناقلاً ذالک عن مالک ناقلاً عن ربیعۃ ناقلاً عن انس (مناوی ص ۱۲) (یعنی ہمیں خبر دی ابورجاء نے اس حال میں کہ وہ اس کو مالک سے نقل کر رہے تھے اور وہ ربیعہ سے اور ربیعہ حضرت انس سے نقل کر رہے تھے)

لفظِ کان کی قسمیں اور معنیٰ:

کان کی دو قسمیں ہیں (۱) منقطعہ جس کی مثال کان زید قائماً فیقعد (زید کھڑے تھے پھر بیٹھ گئے) ہے۔ (۲) غیر منقطعہ جیسے كَانَ اللّٰهُ عَلِيماً حَكِيماً (النساء :۱۷) (اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں) پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روئے زمین پر وجودِ مسعود رکھتے تھے تو اس وقت آپؐ اِن آنے والے صفات سے متصف تھے۔ دوسری صورت میں مراد یہ ہوسکتی ہے کہ یہ حکایت حالِ ماضی کے طور پر ہے یعنی ہر وقت اور ہر زمانہ میں آپؐ اِن

صفات سے متصف ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ کان تکرار کا فائدہ نہیں دیتا مطلقاً لیکن امام رازیؒ ابن دقیق العیدؒ اور ابن حاجبؒ فرماتے ہیں کہ تکرار کا فائدہ دیتا ہے عرفاً۔

لفظ ''رسول اللہ ''اگرچہ لفظِ عام ہے اور معنوی اعتبار سے ہر رسول اس کا مصداق ہے مگر حضراتِ محدثین کی اصطلاح میں یہ حضور اقدس ﷺ کا اسم علم ہو گیا ہے۔ بعض نسخوں میں لفظِ رسول اللہ کی جگہ ''النبی ''منقول ہوا ہے تو حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں النبی میں الف لام عہدی ہو گا۔

قد مبارک:

لیس بالطویل... یہ جملہ کان کی خبر ہے اور لیس یہاں نفی مضمونِ جملہ کے لئے آیا ہے حالاً لا ماضیاً۔ اور یہاں یہی مناسب ہے۔ طویل کی جمع اطوال بھی آتی ہے اور بقلبِ الواوِ یاءً (یہ کہ واؤ کو یاء سے بدل دیں) اطیال بھی منقول ہے۔

البائن ہمزہ کے ساتھ ہے بعض نے یآ کے ساتھ لیا ہے جو صریح وہم ہے کیونکہ اسمِ فاعل میں اعلال واجب ہوتا ہے، جب اس کے فعل میں اعلال ہوا ہو جیسے بائع اور قائل۔

(ا) یہ بان یبین بیاناً سے ہے (باب ضرب یضرب) (یعنی البائن صیغہ اسمِ فاعل از باب ضرب یضرب سے ہے اس کی ماضی بَانَ مضارع یَبِیْنُ اور مصدر بیاناً) بمعنی ظھر کے آتا ہے۔ معنیٰ یوں ہو گا کہ لیس بالطویل البائن ای الظاھر طولہ (یعنی آپؐ نمایاں لمبے قد والے نہیں تھے)

(ب) یا یہ بان یبون بوناً (بروزن قال یقول قولاً) سے ہے (باب نصر ینصر) جس کا معنیٰ بَعُدَ بمعنی دوری کے ہیں پس بائن بمعنی البعید کے ہو گا یعنی لیس بعید عن حَدِّ الاعتدال (آپؐ کا قد حدِ اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں تھا یعنی قد مبارک معتدل تھا)

(ج) یا یہ ,,البین،، سے ہے بمعنی قطع (جدا) اور مفارقت کے کیونکہ جب درازی قد پر نظر پڑتی تھی تو یہی تصور پیش ہوتا تھا کہ (۱) ان کلاً من اعضائہ مبانٍ عن الآخر (آپؐ کے بدن مبارک کا ہر عضو دوسرے سے واضح اور الگ تھا) (۲) اولانہ ظھر علی غیرہ (یا وہ دوسرے پر نمایاں تھے)

(۴) اویفارق غیرہ فی الطول والقامۃ (یا قد مبارک لمبائی اوردرازی میں دوسروں سے ممتاز تھا) (مناوی ص ۱۳)

ولا بالقصیر ..... یعنی حضور اقدس ﷺ پستہ قد بھی نہ تھے جس کے اعضاء ایک دوسرے میں متداخل نظر آئیں۔ یہ نفی پستہ قد ہونے کی ہے آپ کا قد مبارک درمیانہ اور معتدل تھا یعنی متوسط انداز میں، البتہ طول کی طرف میلان غالب تھا۔ قصر (باب نصر ینصر) بمعنیٰ کوتاہی اور قصور کے آتا ہے قاصر اس کا اسمِ فاعل ہے اور قصر جب کرم کے باب سے ہو تو معنیٰ اس کا پست قامتی کا ہوتا ہے اس کی صفت مشبہ قصیر آتی ہے، جمع اقصار اور مصدر قصر آتا ہے۔ یہ جملہ بالطویل پر عطف ہے اور کلمہ لا تاکیدِ نفی کے لئے ہے لہذا معنیٰ یہ ہوگا انہ کان متوسطاً بین الطول والقصر لازائد الطول ولاالقصر (جمع ص ۱۳) (یعنی قد مبارک متوسط اور میانہ تھا، نہ زیادہ طویل تھا اور نہ کوتاہ)

قصیر کی صفت متدیر کے ساتھ نہیں لائی گئی جبکہ الطویل کی صفت البائن لائی گئی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک طول کی طرف مائل تھا وانہ کان الی الطول اقرب کمارواہ البیھقی (دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۱ ص ۲۵۲) (جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا قد مبارک کچھ مائل بہ درازی تھا) چنانچہ ہند بن ابی ہالہؓ کی خبر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کان اطول من المربوع واقصر من المشذَّبُ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۶) (یعنی درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے اور زیادہ دراز قد نہیں تھے)۔

نیز باب ہذا کی روایت نمبر ۶ میں لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالطویل الممغط (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد بہت زیادہ لمبا نہیں تھا) کے الفاظ منقول ہوئے ہیں۔

آپؐ کے قد مبارک کا یہ وصف "اطول من المربوع" (درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے)

وکان ربعۃ من القوم (المرجع السابق : ۲۲۹) (اور آپ ﷺ لوگوں میں درمیانی قد والے تھے) کے منافی نہیں ہے کہ یہ وصفِ تقریبی ہے تحدیدی نہیں جیسا کہ حضرت براءؓ کی خبر میں ہے کان ربعۃ وھو الی الطول اقرب۔ (کہ آپؐ میانہ قد مائل بہ درازی تھے)۔

بیہقی اور ابن عساکرؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ

جب چلتے تھے تو سب سے دراز قد نظر آتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات دراز قد صحابہ ؓ آپ ؐ سے کندھا ملا کر چلتے تھے مگر آپ ﷺ درازی قد میں ان پر غالب نظر آتے تھے۔

خصائص ابن سبع میں ہے جب حضور ﷺ اپنی جماعت میں تشریف فرما ہوتے تو آپ ؐ کے دونوں شانے مبارک سب سے اونچے اور غالب نظر آتے تھے۔ (کذا ذکر السیوطی فی " الخصائص الکبریٰ" ج ۱ ص ۱۱۶) (علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص الکبری میں ایسا ہی ذکر فرمایا ہے)

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورتِ حال آپ کی درازی قد ہی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ معجزہ تھا تاکہ حضور اقدس ﷺ سے جیسا کمالاتِ معنوی میں کوئی بلند نہیں ہے اسی طرح صورتِ ظاہری میں بھی آپ ؐ سے کوئی غالب محسوس نہ ہو۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی مقصد اپنے ان الفاظ سے بیان کر دیا کہ ولعل السر فی ذالک انه لا یتطاول علیه احد صورة کمالا یتطاول علیه معنیً (جمع ص ۱۳)

شہکارفطرت:

نہ پستہ قد، نہ لمبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے
مگر مجمع میں ہوتے تھے جب کبھی حضرتِ والا نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سر و قد بالا
وہ قامت نخلِ طوبیٰ بھی پئے تعظیم جھک جائے وہ ایک شہکار فطرت، جس پہ خود خالق کو پیار آئے

رنگ مبارک:

ولا بالا بیض الا مهق (یعنی بالکل خالص سفید نہیں تھے) نفی قید (الامھق) پر وارد ہے مقید (الابیض) پر نہیں، ابیض سفید کو کہتے ہیں۔ امھق کا مادہ مھق ہے (چونے کی طرح سفیدی) یہ افعل کے وزن پر باب سمع سے ہے ایسی سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی اور نورانیت سے خالی ہو یعنی ابیضِ خالص، یہ رنگ ناپسندیدہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اس پر ابرص زدہ کا گمان ہوتا ہے جبکہ حضور ؐ کے چہرہ مبارک کی رنگت سفیدی مائل بہ سرخی تھی (جیسے سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو یہ رنگ بہت پسندیدہ خوش منظر اور ذوقِ جمال کی تسکین کا باعث ہوتا ہے) جس میں ملاحت بھی تھی اور نورانیت بھی،

جاذبیت بھی تھی اور محبوبیت بھی جیسا کہ ایک روایت میں **کان ازھر اللون** (آپ ﷺ ہلکے سے گندم گونی رنگ والے تھے) بھی منقول ہے۔

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی 'صباحت تھی
یہاں سرخی تھی' گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امہق کے لفظ سے تکرار نہیں آتا کیونکہ یہ ایک مستقل اور علیحدہ معنیٰ رکھتا ہے جو بیان کیا جا چکا ہے اور اگر تکرار بھی ہو تو اس سے مبالغہ مقصود ہوگا جیسے **جاد مجد** میں ہے اور اگر **مھق باب فتح** سے لیں تو اس کا معنیٰ دوڑنا آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپؐ حسنِ یوسف رکھتے تھے تاہم ملاحت لیے ہوئے تھا۔ آپؐ کا رنگ نہایت ہی صاف شفاف چاندی کی طرح کھلتا تھا' رنگ میں سفیدی کے ساتھ لالی کبھی چمکتی ہے اسی طرح آپؐ نہ بالکل سفید اُجلے تھے نہ بالکل پیلے اور نہ لال بلکہ خالص صاف گندمی رنگ کے تھے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ آپؐ کے حسن و جمال کی تعریف میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَوْ کُنْتَ مِنْ شَیْءٍ سِوَی بَشَرٍ
کُنْتَ الْمُضِیَٔ لَیْلَةَ لُبَدْرِ

(یعنی اگر آپؐ انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق میں سے ہوتے تو یقیناً آپؐ چودھویں رات کے روشن اور چمکدار چاند ہوتے)۔(**دلائل النبوۃ ۱ / ۳۰۱**)

شدتِ بیاض کی توجیہات:

بعض روایات میں آپؐ کے رنگ مبارک کو **شدید البیاض** (سخت سفید) سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ بزار کی خبر میں ہے **عن ابی ھریرۃ کان شدید البیاض** (یعنی آپؐ کا رنگ مبارک سخت سفید تھا) طبرانی کی خبر میں ہے **عن ابی الطفیل ماانسی شدۃ بیاض وجھہ** (ابو طفیل سے روایت ہے کہ میں آپؐ کی رنگ مبارک کی گہری سفیدی کو نہیں بھلا سکتا)۔ جبکہ روایت باب میں **شدتِ بیاض** کی نفی ہے تو بظاہر تعارض ہے۔

علماء نے اس کے جواب میں مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) شدتِ بیاض (انتہائی تیز سفیدی) کی روایات بریق ولمعان، درخشانی، نورانیت، چمک اور جمال کے کمال پر محمول ہیں جیسا کہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ **کانّ الشمس تجری فی وجهه** (شمائل) (گویا کہ سورج آپؐ کے چہرہ انور میں گھوم رہا ہے)۔اسی طرح مصنفؒ کی ایک روایت میں جو یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ **امهق لیس بابیض** (چونے کی مانند سفید تھے نہ سفید) علماء نے اس کے جواب میں بھی متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) امام داؤدیؒ اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض وہم ہے۔(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ روایت مقلوب ہے اصل روایت یوں ہے **ابیض لیس بامهق** (آپ ﷺ سفید رنگت والے تھے نہ سفیدی مثل چونے کے)(۳) یہ روایت تاویل پر مبنی ہے کہ **مهق** کا اطلاق کبھی **حُمرة** (سرخی) پر بھی ہوتا ہے اور کبھی **خُضرة** (سبز رنگ) پر بھی۔

خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہ تھا کہ لوگوں کو معیوب دکھائی دے، جس طرح برص زدہ ہوتا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا رنگ مبارک متوازن، معتدل اور حسین امتزاج کا نمونہ تھا جیسا کہ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں بہترین اور خوبصورت رنگ ''سفید سرخی مائل'' ہے اور آخرت کا بہترین اور خوبصورت رنگ ''سفید زردی مائل'' ہے اس لئے آپؐ ان دونوں بہترین اور خوبصورت رنگوں کا مرقع تھے۔

ولا بالآدم ---آدم افعل صفتی کے وزن پر، مهموز الفا ہے یعنی اَئْدَمُ ایک ہمزہ جو فا کلمہ ہے تخفیف کے لئے الف سے بدل گیا آدم بنا جس کا معنی **شدة السمرة** ہے جو بیاض اور سواد کے درمیان ایک معتدل رنگ ہے **ادمة** کہتے بھی اس رنگ کو ہیں جس میں گندم گونی ہو یعنی سیاہی کا عنصر قدرِ غالب ہو، باب **فتح وسمع** سے آتا ہے۔اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ بعض روایات میں **اسمر اللون** (گندم گونی رنگ والے) کہا گیا ہے اور یہاں اس کی نفی کی جارہی ہے جواب یہ ہے کہ **ادمة** اور **سمرة** دونوں مترادف نہیں ہیں بلکہ دو درجے ہیں۔

اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے ان مدارج کی تعیین نہیں کی جاسکتی ادمة" سفیدی مع سرخی کو کہتے ہیں جبکہ سرخی قلیل ہو اس سے پہلے سمرة" کا مرتبہ ہے جس میں سفیدی مع کثیر سرخی کے ہو جبکہ اس سے قبل حمرة (خالص سرخی) ہے حمرة سے قبل بیاض (سفیدی) ہے ادمة" کے معنی کدورت کے ہیں جبکہ کدورت کے بعد سواد کا درجہ ہے۔ ادمة باب ضرب سے بھی آتا ہے تو معنیٰ محبت کرنے کے ہیں یادِم ای یا لف۔ (یعنی محبت کرتا ہے) خلاصہ یہ کہ ادمت یہ ہے کہ سفیدی سواد کے اقرب ہو تو اسے سمرة کہا جائے گا جو سواد کا ایک جزء ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ سمرة کی نفی سے مراد شدة السمرة (سخت اور گہری گندم گونی جو مائل بہ سیاہی ہو) ہے مطلقاً سمرة کی نفی مقصود نہیں لہذا یہ اثباتِ سمرة کے منافی نہیں ہے جس طرح کہ بعض روایات میں سمرة ثابت ہے اور شدت سمرة کی نفی پر دلائل متعدد روایات ہیں جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کان ابیض بیاضه الی السمرة (آپ ﷺ سفید تھے اور رنگ مبارک کی سفیدی گندم گونی کی طرف مائل تھی) اور مسند احمد میں روایت منقول ہے جسمه ولحمه احمر (جسمِ اطہر اور گوشت کا رنگ سرخ تھا) ایک دوسری روایت ہے اسمر الی البیاض (گندم گون مائل بہ سفیدی)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ تمام روایات سے ثابت ہوا کہ بیاض (سفیدی) سے مراد وہ بیاض ہے جس کے ساتھ حمرة (سرخی) مخلوط نہ ہو اور سمرة ثابته (سرخی ثابت شدہ) سے مراد وہ حمرة (سرخی) ہے جو مخلوط بالبیاض (سفیدی کے ساتھ ملی ہوئی) ہو۔

ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ کالا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ چیز آپؐ کے اوصاف کے بالکل خلاف ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ مبارک سرخ وسفید تھا جس میں کسی قدر گندم گونی پائی جاتی تھی۔

بال مبارک:

ولا بالجعد یہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کی صفت ہے۔ جَعْد جیم کے فتحہ، عین کے سکون کے ساتھ جعودت سے ہے۔ جسم کی مضبوطی اور بالوں کی گھنگھریالے پن کے معنیٰ میں آتا

ہےامام مناویؒ فرماتے ہیں والجعد يرد بمعنى الجواد والكريم والبخيل واللئيم ومقابل السبط (مناوی ص ۱۴) (یعنی جعد کا لفظ سخی، بزرگ، بخیل اور کمینے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں سبط (بالکل سیدھے بال) کا لفظ ہے) اس کا باب ضرب اور باب کرم ہے وهي في الشعر ان لا يتكسر تكسراً تاما ولا يسترسل (جمع ص ۱۴) (بالوں میں جعودت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکمل طور پر گھنگریالے نہ ہوں اور بالکل سیدھے اور لٹکے ہوئے بھی نہ ہوں)۔

وفي المصباح جعد الشعر اذا كان فيه التواء وانقباض (مواهب ص ۹) (بالوں کی جعودت سے مراد یہ ہے کہ وہ مڑے ہوئے ہوں اور اس میں سلوٹیں ہوں) القطط بفتحتين وبكسر الثاني وهو شدة الجعودة (جمع ص ۱۴) (قطط دو فتحوں یعنی قاف اور طاء کا یا پھر طاء کا کسرہ ہو تو بالوں میں سخت پیچیدگی کے معنیٰ میں ہے) قَطَطُ قَطِطُ اور قَطُطُ بلا ادغام تین لغات ہیں تیسری لغت شاذ ہے کثير الشعر، بہت زیادہ بال اور حبشیوں کی طرح بال وفي التهذيب القطط شعر الزنج (مناوی ص ۹) (اور تہذیب میں قطط کا معنیٰ حبشیوں جیسے بال کا ذکر ہے) الجعد القطط کا معنیٰ بہت زیادہ گھنگریالے اور پیچدار بالوں کے ہوتے ہیں۔

چونکہ الجعد القطط کے ساتھ بھی معنیٰ مراد متعین نہیں ہو سکتے تھے اسلئے مزید توضیح کے لئے ولا بالسبط (نہ بالکل سیدھے بال) کا اضافہ فرمایا بسکون الباء وبفتحتين اس میں بھی تین لغات ہیں جمع سباط آتی ہے سمع کا باب ہے بمعنی سیدھے بال، اکڑے اور کھڑے بال۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں الغالب على العرب جعودة الشعر وعلى العجم سبوطته وقد احسن الله لرسوله الشمايل وجمع فيه ماتفرق في غيره من الفضائل (مواهب ص ۹) (اکثر عربوں کے بالوں میں گھنگریالہ پن پایا جاتا ہے جبکہ عجمیوں کے بالوں میں سیدھا اور اکڑا پن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کے شمائل، اوصاف اور سرشت کو اتنا حسین اور جامع بنایا تھا کہ اس میں وہ تمام فضائل موجود تھے جو دوسرے انسانوں میں متفرق اور مختلف طور پر پائے جاتے ہیں) (مواهب ص ۹) خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک نہ تو مسترسل (سیدھے، لٹکے ہوئے) تھے

نہ جعد قطط (بہت زیادہ گھنگھریالے) تھے بلکہ درمیانی کیفیت میں معتدل تھے (وخیر الامور اوسطها) (سب کاموں میں میانہ روی بہتر ہوتی ہے) اس کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کان شعره بین الشعرین لا رجل سبط ولا جعد قطط (مواهب ص ۹) (کہ آپ ﷺ کے بال مبارک بالوں کی دونوں قسموں کے درمیانی کیفیت سے موصوف تھے نہ تو بالکل سیدھے لٹکے ہوئے اور نہ بہت زیادہ گھنگھریالے تھے)

بعثت نبوی:

بعثه اللّٰه تعالیٰ علی رأس اربعین سنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ بعثه' یقول کا معمول ہے بمعنی ارسله بالاحکام وشریعة الاسلام (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اسلامی شریعت اور احکام کے ساتھ بھیجا) (مواهب ص ۹) ویسے تو رأس کا متبادر اور متعارف معنیٰ ''سر'' ہوتا ہے۔ یہاں اس کے تین معنیٰ محتمل ہیں۔

(۱) اول شئ (۲) آخرِ شئ (۳) وسطِ شئ

بعثت سے متعلق روایات بھی تین قسم کی منقول ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا (۲) چالیسویں سال کے وسط میں (۳) اور چالیسویں سال کے آخر پر۔

اسی بناء پر شراحِ حدیث کا بھی اختلاف ہوگیا ہے کہ آپؐ چالیس سال کے اول میں، یا آخر میں یا وسط میں مبعوث ہوئے۔

چالیسویں سال پر بہرحال سب کا اتفاق ہے مگر شروع اور انتہاء میں اقوال مختلف ہیں۔

قال شراح الحدیث المراد بالرأس الطرف الاخیر منه لما علیه الجمهور من اهل السیر والتواریخ من انه بعث بعد استکمال اربعین سنة قال الطیبی الرأس مجاز عن آخر السنة کقولهم رأس الآیة ای آخرها وتسمیة آخر السنة رأسها باعتبار انه مبدأ مثله من عقد آخر انتهیٰ (جمع ص ۱۴) (شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ ''رأس'' سے مراد سال کا آخری حصہ ہے اس لئے کہ جمہور سیرت نگاروں اور اصحابِ تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر کے چالیس سال مکمل

ہونے کے بعد آپ مبعوث ہوئے ،علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "رأس" سال کے آخر سے مجاز ہے جیسے کہا جاتا ہے "رأس الآیة" یعنی آیت کا آخری حصہ۔سال کے آخر کو اس وجہ سے "رأس" کہتے ہیں کہ وہ اس جیسے دوسرے سال کے لئے مبدأ ہوتا ہے)

ماہ ربیع الاول اور پیر کے روز کی خصوصیات:

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے ، پیر کے روز آپؐ کی بعثت ہوئی ، پیر کے روز آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی' مدینہ منورہ میں پیر کے روز داخل ہوئے اور وصال مبارک بھی پیر کے روز ہوا۔ولادت کا مہینہ ربیع الاول کا تھا بعثت بھی ربیع الاول میں ہوئی رحلت بھی ربیع الاول میں ہوئی۔

چالیس سال:

اس قول کی رُو سے بعثت پورے چالیس سال پر ہوتی ہے۔بعض حضرات کا قول ہے کہ آپؐ کی بعثت رمضان المبارک میں ہوئی تو اس صورت میں پھر پورے چالیس سال نہیں ہوں گے بلکہ ساڑھے انتالیس برس یا ساڑھے چالیس برس ہوں گے اس کی وجہ سے بعثت کے وقت عمر مبارک میں اختلاف بھی ہے۔شارحینِ حدیث اختلاف کا جواب یا روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ جن حضرات نے چالیس سال کہا انہوں نے کسر کو چھوڑ دیا اور پورا عدد ذکر فرمایا۔بہر حال اربعین کا معنیٰ چالیس سال کا مجموعہ ہے' چالیس سال کی عمر کو انسانی اوصاف' کمالات اور اخلاق وعادات کی اصلاح وتکمیل میں بڑا دخل ہے۔حضرت امام غزالیؒ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ مَنْ جَاوَزَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً وَمَاغَلَبَ خَیْرُہٗ شَرَّہٗ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (الحدیث)(یعنی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوگئی ،اور اس کا خیر اور بھلائی اس کے شر پر غالب نہیں ہوئی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلے)

دوشبہات کا ازالہ:

چالیس سال کی عمر کو اعطاءِ نبوت کا معیار مقرر کیا گیا ہے البتہ اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ

بھی کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو بچپن ہی سے نبوت مل گئی تھی ان کے بچپن کے اس ارشاد سے بھی یہ بات ثابت ہے" قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیّاً " (۱۹ : ۳۰)(وہ بولا میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے نبی بنایا ہے) محدثین فرماتے ہیں عام ضابطہ اور اصول تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اعطاءِ نبوت کا یہ معاملہ کسی خاص حکمت کی بنا پر کیا گیا جو عام ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کی تخلیق پانی اور مٹی کے درمیان تھی)۔

شیخ ابن حجر ہیثمی مکیؒ فرماتے ہیں کہ بعثت کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیری (۲) حقیقی

جن روایات میں آیا ہے کہ آپؐ، حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے وہ تقدیری کا بیان واظہار ہے یعنی آپؐ کی نبوت کا تقدیر میں مقدر ہونا اور اس کا فرشتوں پر اظہار بھی ہو چکا تھا جس کا تحقق بعد میں ہوا' گویا اربعین کی روایت سے اس کا تحقق ہوا ارر کنت نبیاً کی روایت میں تقدیر کا اظہار ہوا۔

مکہ میں قیام دس یا تیرہ سال:

فاقام بمكة عشر سنين ـــ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال قیام پذیر رہے۔

(۱) لہذا علماء نے اس روایت کی یوں توجیہ کی ہے کہ فاقام بمكة عشر سنين ای رسولاً وثلاث عشر سنة نبياً ورسولاً (جمع ص ۱۵) (یعنی آپؐ نے مکہ میں دس سال قیام فرمایا صرف رسول کی حیثیت سے، جبکہ مزید تین سال کو ملا کر مجموعی طور پر آپؐ تیرہ سال مکہ میں نبی اور رسول کی حیثیت سے قیام پذیر رہے)

(۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے کسر کو حذف کر دیا ہو حذفِ کسور محاورات میں ہوتا رہتا ہے جیسے بعثت کے متعلق بعض نے چالیس سال دس دن، بعض نے بیس دن اور بعض نے چالیس

سال دو ماہ کہا ہے لیکن کسر کو حذف کر کے محدثین چالیس سال ذکر کرتے ہیں، اس طرح یہاں بھی کسور کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس روایت میں انقطاع وحی کے تین سال کو شمار نہیں کیا گیا۔

وحی کیوں منقطع رہی' علماء نے اس کی بھی حکمتیں لکھی ہیں۔

(ا) آپؐ تکالیف' اور مشقت کے عادی ہوں

(ب) اسباق مشکل تھے تا کہ آپ انہیں یاد کر لیں۔

(ج) انتظار میں شوق بڑھ جائے اور خوف جاتا رہے۔

تین سال کے انقطاع کے بعد نزولِ وحی کا تواتر رہا تو حضرت انسؓ نے گویا صرف رسالت کا زمانہ ذکر کر دیا اسلئے تو ملا علی قاریؒ نے اقام رسولاً (کہ آپ ﷺ نے مکہ میں (دس سال تک) رسول کی حیثیت سے قیام فرمایا) سے توجیہ کر دی ہے۔ انقطاع وحی کے ایام کو زمانہ فترت بھی کہتے ہیں تین سال کے اس عرصہ میں آپؐ مخفی اور سرّی تبلیغ کرتے تھے اور مغموم رہتے تھے یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی تسلی کے لئے وحی لائے "مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی" (الضحیٰ:۳) (آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا)

عمر مبارک کی تعیین:

فتوفاه الله علی رأس ستین سنةً۔۔۔ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تیرہ (۱۳) سال تک مکہ مکرمہ میں اور دس سال تک مدینۃ المنورہ میں مقیم رہے اس لحاظ سے آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) سال بنتی ہے حدیث اور سیرت کی تمام کتب میں آپؐ کی یہی عمر مبارک منقول ہے جبکہ اس روایت میں ساٹھ (۶۰) سال ایک اور روایت میں پینسٹھ (۶۵) سال اور معروف روایات میں تریسٹھ (۶۳) سال نقل کی گئی ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ تریسٹھ (۶۳) سال عمر مبارک پر جمہور علماء کا اتفاق ہے جبکہ ساٹھ اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہات کی گئی ہیں (ا) عرب اپنے محاورات میں اصل عدد

کو لے کر کسور کو حذف کر دیتے ہیں اسلئے مکہ میں تیرہ سال کے قیام کو دس سال کہا گیا ہے اور آپؐ کی عمر مبارک کو بجائے تریسٹھ سال کے ساٹھ سال بتایا گیا ہے اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات عرب سال ولادت اور سال وفات کو بھی علیحدہ علیحدہ سال شمار کرتے ہیں۔ آپؐ کی صحیح عمر مبارک تو تریسٹھ سال ہی ہے اور جب سال ولادت کے چند ماہ اور سال وفات کے چند ماہ کو الگ الگ سال شمار کیا جائے تو وہ پینسٹھ سال ہو جاتے ہیں۔

ولیس فی راسه ولحیته .... یعنی حضور اقدس ﷺ کی رحلت کے وقت آپؐ کے سر مبارک میں اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے بعض روایات میں سترہ اور بعض میں اٹھارہ منقول ہیں بعض نے کہا اگر گنے جاتے تو انیس (۱۹) ہوتے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیس سے متجاوز نہیں تھے حالانکہ بالوں کی سفیدی کے اسباب موجود تھے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے "**شَیَّبَتْنِیْ هُوْدُ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ وَ اِذَاالشَّمْسُ کُوِّرَتْ**" (رواہ الحاکم والترمذی فی الشمائل) یعنی ان سورتوں میں بیان کردہ آخرت کے ہولناک واقعات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آپؐ کے سر اور داڑھی کے بالوں میں شیب (بڑھاپا) نمایاں نہیں ہوا تھا دنیا کے لوگ شیب (سفید بالوں) کو عیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ وقار، نور اور عظمت کی علامت ہے **اول من شاب ابراهیم** (یعنی سب سے پہلے ابراہیمؑ کے بال سفید ہو گئے تھے) حضرت ابراہیمؑ سفید بال دیکھ کر حیران ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار کی علامت ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی **اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ وَقَارًا** (اے اللہ میرے وقار کو زیادہ کر) (مشکوٰۃ ص ۳۸۵) ایک روایت میں ہے **لا تَنْتِفُوا الشَّیْبَ فَاِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ الخ**" (مشکوٰۃ ص ۳۸۲) (یعنی سفید بالوں کو نہ اکھیڑو یہ تو مسلمان کے لئے نورانیت کا سبب ہے) سفید بالوں والوں کو اللہ پاک خود شفقت و رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں تاہم خواتین اسے عیب سمجھتی ہیں معاشرے کے لوگ بھی اسے عیب سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور اقدسؐ کو بھی شیب سے محفوظ رکھا تاکہ لوگوں کی نظر میں تحقیر کا پہلو نہ نکلے اور لوگوں کے ایمان محفوظ رہیں بہر صورت جن روایات میں شیب (بالوں کی سفیدی) کا ذکر آیا ہے وہاں بیس سے کم بال مراد ہیں اور

جہاں نفی آئی ہے وہ مکمل شیب کی ہے تو شیب کی نفی اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اثبات بھی صحیح ہے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضور اقدس ﷺ کے شیب کو عیب اور مکروہ سمجھنا باعث کفر نہیں کیونکہ یہ کراہت طبعی ہے جو امور تکلیفیہ سے خارج ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

---

(۲) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلاَ بِالْقَصِيْرِ حَسَنَ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَّلاَ سَبْطٍ اَسْمَرَ اللَّوْنِ اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ.

ترجمہ: ,, حمید بن مسعدہ بصری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا' آپ نہ تو نمایاں لمبے قد والے تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت۔ آپ کا جسم مبارک بڑا حسین تھا، اور آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے' آپ کا رنگ مبارک ہلکا سا گندم گونی تھا' جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ڈھلوان کی طرف اتر رہے ہیں،،۔

راویانِ حدیث (۵) حمید (۶) عبدالوہاب (۷) حمید الطّویل کے حالات ,,تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی،، میں ملاحظہ فرمائیں۔

رَبْعَةً:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ رَبْعَةً ... کان کا اسم رسول اللہ اور رَبْعَةً اس کی پہلی خبر ہے۔ اس لفظ کو ربعاً بھی پڑھتے ہیں اور ربعة بھی اِس میں تا' تائے تانیث کی نہیں بلکہ یہ نقل من الوصفية الى الاسمية (وصفیت سے اسمیت) کے لئے ہے ۔ ربعة درمیانہ نہ لمبا، نہ پست معتدل القامت کو کہتے ہیں مکان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جمع رَبَعَات اور رَبْعَات اور مربوعات آتی ہے معناه المتوسط بين الطويل والقصير (مناوی ص ۱۶)(ربع کا معنی متوسط اور معتدل قد وقامت والا نہ بہت دراز اور نہ کوتاہ)

عطرفروش کے ڈبہ کوبھی ''الربعة'' کہتے ہیں کہا جاتا ہے **فتح العطار ربعه** یعنی عطرفروش نے اپناڈبہ کھولا' یہاں بمعنی **مربوع الخلق** کے ہے (درمیانہ قدکاانسان) عرب یوں بھی کہتے ہیں کہ **رجل ربعة و امراة ربعة** (معتدل قد وقامت والامرداور درمیانی قد والی عورت) مراد معتدل قدوقامت ہے۔

طویل اور قصیر کا مفہوم:

لیس بالطویل... (یعنی قد مبارک بہت زیادہ طویل نہیں تھالہذا یہاں'' **البائن المفرط فی الطول** (بہت زیادہ طوالت) کی نفی ہے۔اس مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث بھی، گذشتہ حدیث کے موافق ہے۔ **لیس بالطویل ولابالقصیر** یہ **ربعة** سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے اور ایک روایت میں **ولیس بالطویل** (یعنی واؤ کے ساتھ) آیا ہے تو اس صورت میں یہ **ربعة** کے لئے عطف تفسیر قرار پاتا ہے (مناوی ص۱۶)

جسم مبارک کی خوبصورتی:

حَسَنُ الْجِسْمِ ... یہ **کان** کی دوسری خبر اور **تعمیم بعدالتخصیص** (یعنی ایک چیز کو تخصیص کے بعد عام کرنے) کے قبیل سے ہے **حسن** کا معنی بہترین' خوبصورت' خوشنما اور متناسب کے ہیں۔حضور اقدس ﷺ **حسن الجسم** (متناسب جسم والے) تھے ای **لوناً ونعومة واعتدالاً فی الطول واللحم** (جمع ص ۱۷) (یعنی رنگ کے اعتبار سے ملائم ہونے کے اعتبار سے،اور گوشت اور درازی قد میں متناسب ،خوبصورت اور خوشنما تھے) ویسے تو حسن ایک اضافی اور عارضی چیز ہے مختلف اقوام' تہذیبوں' قوموں اور ملکوں کے حسن کے معیار بھی مختلف ہیں۔

تاہم مناویؒ نے لکھا ہے **کل مبهج مرغوب** (مناوی ص۱۷) یعنی ہر بارونق' اور مرغوب چیز حسین ہے مناویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ **معتدل الجسم متناسب الاعضاء** تھے جسم سے مراد جسد ہے اور جسد بدن واعضاء دونوں کا نام ہے یعنی آپ **معتدل الخلق** اور **متناسب الاعضاء** تھے نہ تو زیادہ موٹے تھے

اورنہ کمزور وناتواں بلکہ آنحضرت ﷺ کا وجودِ اطہر نہایت ہی متناسب' دیدہ زیب اوردلفریب تھا۔

وکان شعره ... حدیث کے اس حصے کی تشریح ماقبل کی حدیث میں گزر چکی ہے یعنی آپؐ کے بال مبارک نہ بہت زیادہ پیچ داراور مڑے ہوئے تھے اور نہ سبط (یعنی بالکل سیدھے) تھے **بل کان بین ذالک وخیر الامور اوسطها** (مناوی ص ۱۷)

صباحت وملاحت کا متناسب امتزاج:

اسمر اللون معمولی سے گندم گونی رنگ کو، جس میں سرخی کی ملاوٹ ہو سمره کہتے ہیں۔بعض محبّینِ والہین اسے سنہری رنگ سے تعبیر کرتے ہیں البتہ شدید گندم گون رنگ کو ادمت کہتے ہیں اور خالص ادمت کمال حسن وجمال کے منافی ہے۔جبکہ حضور اقدس ﷺ کے رنگ مبارک میں سرخی اور سفیدی نمایاں تھی گویا صباحت اور ملاحت کا متناسب امتزاج تھا۔

وجاہت بھی فخامت بھی جمالِ دلبرانہ بھی ۔۔۔ جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
جمیل ودلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ ۔۔۔ جو ہوں نزدیک تو خوش منظر وشیریں وزیبندہ

لون پاک اسمر وابیض میں تطبیق:

ایک دوسری روایت میں رنگ مبارک کے بارے ,,ازهر اللون،، کے الفاظ منقول ہیں جبکہ پندرہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو ابیض اللون سے موصوف کیا ہے علامہ احمد عبدالجواد الدومیؒ اپنی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

والتوفیق ان نقول المراد بالسمرة الحمرة المخلوطة بالبیاض وهذا یدخل فیه "ازهر اللون" وعلی ذالک فلا تعارض ولا تناقض (اتحافات الربانیة ص ۳۱) (تطبیق کی صورت یہ ہے کہ گندم گونی سے مراد وہ سرخی ہے جس میں سفیدی کی آمیزش ہو اور اس میں ,,ازهر اللون،، بھی داخل ہے لہذا اب کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے) **السمرة** سے مراد وہ سرخی ہے جس کے ساتھ سفیدی ملی ہوئی ہو اور ازهر اللون کے بھی یہی معنی ہیں لہذا اب کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے۔

شارحین نے لکھا ہے کہ آپؐ کے ابیض اور اسمر ہونے میں منافات نہیں ہیں ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کے جن اعضاء مبارک پر سورج کی روشنی پڑتی تھی وہ اسمر تھے اور جو لباس سے پوشیدہ ہو گئے وہ ابیض تھے مگر اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ کیا ہے کہ آپؐ پر تو ہمیشہ بادل کا سایہ رہتا تھا تو آپ پر دھوپ کیسے پڑتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بادل کا سایہ قبل از نبوت بطور ارہاص کے ہوتا تھا بعد از نبوت اس کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس کا عکس ثابت ہے۔

چنانچہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک پہاڑ کی چٹان کے سایہ میں آپؐ کو لے گئے اسی طرح جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو ناواقف لوگ آپؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا اگر بادل سایہ کرتا تو آپؐ نووارد اور ناواقف پر ہرگز پوشیدہ نہ ہوتے (جمع ملخصاً ص ۱۷)

رفتار مبارک:

اذامشیٰ یتکفأ ... یہ بھی کان کی خبر ہے یعنی جب حضور ﷺ چلتے تھے تو سامنے کی طرف جھک کر ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔ ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں **کما ینحط من صبب ای منحدرٍ من الارض** (مناوی ص ۱۸) (گویا اونچائی سے نشیب میں اتر رہے ہیں) **ای یتمایل الی قدام کا لسفینة فی جریها** (جمع ص ۱۷) (یعنی چلتے وقت سامنے کی طرف جھک کر جاتے جیسے کشتی آگے کی طرف جھکی ہوئی چلتی ہے)

بعض روایات میں **یتوکأ** منقول ہے اس سے مراد اعتماد اور تثبت ہے جو سرعتِ مشی کا مؤید ہے **یتوکأ** کا معنی پاؤں پر اس قدر سہارا اور بھروسہ کرنا جس طرح عصا پر کیا جاتا ہے۔

یتکفأ کے تین معانی نقل ہوئے ہیں۔

(۱) تیزی سے چلنا (۲) آگے کی طرف جھک کر چلنا (۳) قدم اٹھا کر چلنا۔

حضور اقدس ﷺ کی رفتار مبارک میں یہ تینوں اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے یہ تینوں صفات

عجز وانکسار اور تواضع وعبدیت پر دلالت کرتے ہیں آپ ؐ کی رفتار میں غرور یا تکبر کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا کشادہ کشادہ قدم اٹھاتے' سینہ تان کر اکڑ کر نہ چلتے' نہایت ہی باوقار' عزت مندانہ اور پسندیدہ چال چلتے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ صفت قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے۔

وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْناً (۲۵:۶۳) یعنی خدا کے بندے تو وہ ہیں' جو زمین پر متکبر لوگوں کی طرح اکڑ اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ نہایت وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ رفتارِ ''ھون'' کا معنیٰ یہ ہے کہ سکون ووقار کے ساتھ بلا تکبر کے اور بلا ہلائے کندھے کے چلے (زادالمعادج اص ۱۵۸)

خلاصہ یہ کہ آپ تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے سست اور مریل چال نہ چلتے اور آپ کے لئے زمین لپٹتی تھی یعنی معمولی رفتار سے بھی چلتے تو مسافت زیادہ طے ہوتی یہ آپ ؐ کا معجزہ تھا کہ آپ ؐ آگے نکل جاتے دوڑتے ہوئے بھی اصحاب آپ کے ساتھ شریک نہ ہو پاتے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپ ؐ کی سرعتِ رفتار' کمالِ قوت کی وجہ سے تھی۔

ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح چلنا عزم' ہمت وشجاعت کا چلنا ہے یہ سب سے بہتر رفتار ہے اور جسم کے لئے راحت بخش ہے (زادالمعادج اص ۱۶۷)

---

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍیَّعْنِي الْعَبْدِیَّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ یَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مَّرْبُوْعًا بَعِیْدَ مَابَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ عَظِیْمَ الْجُمَّةِ اِلٰی شَحْمَةِ اُذُنَیْهِ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ مَارَاَیْتُ شَیْئاً قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ.

ترجمہ! محمد بن بشار یعنی عبدی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا۔انہوں نے شعبہ سے روایت کی۔شعبہ نے ابواسحٰق سے روایت نقل کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرد میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل) آپ ؐ کے دونوں

مونڈھوں کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے تھے جو کان کی لوتک آتے تھے۔ آپؐ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپؐ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

راویانِ حدیث (۸) محمد بن بشار عبدی (۹) محمد بن جعفر (۱۰) شعبہ (۱۱) ابواسحٰق (۱۲) البراء بن عازبؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

یعنی کا فاعل کون؟

حدثنا محمد بن بشار یعنی العبدی ہمیں بیان کیا محمد بن بشار یعنی العبدی نے۔ امام ترمذی کے اس صنیع سے قدرے خلجان ہوگیا ہے کہ ''یعنی'' کا فاعل کون ہے؟ اس سلسلہ میں شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یعنی کی ضمیر بطورِ التفات خود امام ترمذیؒ کو راجع ہے اور ابو یعقوب سکاکیؒ کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ بطور التفات اپنے آپ کو غائب بنادیا جائے اس صورت میں یعنی کے فاعل خود امام ترمذیؒ ہیں مگر یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ وہ تو خود سند بیان کررہے ہیں۔

(۲) العبدی کا اضافہ امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ ان کے کسی تلمیذ کا ہے مقصد یہ ہے کہ امام ترمذیؒ محمد بن بشار سے مراد العبدی لیتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ عبد قیس کے ساتھ تھا یہ توضیح اس لئے ضروری تھی کہ محمد بن بشار کے نام سے اور افراد بھی تھے لہٰذا العبدی کہہ کر ان کو ممتاز کردیا گیا۔ شارحین نے اس توجیہ کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳) لفظ ''یعنی'' خود امام ترمذیؒ کی طرف منسوب ہے مگر مجہول طریقے سے یعنی خود امام ترمذیؒ نے کہا **محمد بن بشارٍ یُعْنیٰ الْعَبْدِی** مقصد یہ ہے کہ یہ روایت محمد بن بشار سے منقول ہے جس سے **محمد بن بشار عبدی** مراد لیا جائے۔

(۴) بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لفظِ یعنی لفظ اِی کی طرح حرف تفسیر ہے مطلب یہ ہوگا کہ امام ترمذیؒ کہہ رہے ہیں **حدثنا محمد بن بشار ای العبدی** جس طرح لا کی جگہ لَیْسَ استعمال ہوتا ہے

اسی طرح ای کی جگہ یعنی بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظِ **یعنی** اصل میں **اعنی یا نعنی** تھا اس صورت میں یہ الفاظ خود امام ترمذیؒ کے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد بن بشار وہ ہے جو **العبدی** ہے گویا یہ لفظ **اعنی یانعنی** تھا مگر کاتب نے اسے یعنی بنادیا (ملخصاً از جمع ص ۱۸)

لفظِ رجلاً کی بحث:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً مربوعاً ... یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میانہ قد مرد تھے بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ **رجلاً** (مرد) کے لفظ کا استعمال کوئی موزون بات نہیں ہے اور نہ یہ کلمہ ء تعریف ہے۔اس کے جواب میں شارحینِ حدیث نے متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔(۱) اگرچہ آنحضرت ﷺ کا رجل اور مرد ہونا قابل بیان نہ تھا مگر یہاں یہ **تمهيداً لبيان الصفة** (ای مربوعاً) (یعنی صفت (مربوعاً) کے بیان کی تمہید ہے) ذکر کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ بسا اوقات موصوف کو صفت بیان کرنے کے لئے ذکر کردیتے ہیں

(۲) یہ لفظ **رجلاً (بضم الجيم)** نہیں بلکہ **رجِلًا** ہے یعنی جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور رَجِل کا معنی شکستگی اور ٹیڑھا پن یا گھنگھریالہ پن مراد ہے یعنی آپؐ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے **ويحتمل ان يراد به شعره الاطهر صلى الله عليه وسلم وكان هذا المعنىٰ اصوب** (جمع ص ۱۹) یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ "رَجِلًا" کے لفظ سے آپؐ کے بال مبارک مراد ہوں اور یہ معنی زیادہ صحیح ہے۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عرب اپنی اصطلاح اور عرف میں لفظِ رَجُل کو مدح و توصیف کے مقام میں بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حماسہ کا مشہور شعر ہے۔

رَجُلاً اِذَا مَا النَّائباتُ غَشِينَهُ — اَكْفٰى لِمُعْضَلَةٍ وَّاِنْ هِىَ جَلَّتِ

وہ ایسا مرد ہے کہ جب اسے مصائب گھیر لیتے ہیں تو وہ کفایت کرتا ہے یعنی ان کا مقابلہ کرتا ہے اگرچہ وہ مصائب بڑے ہوں گویا یہاں پر لفظِ رَجُل بطور مدح و توصیف کے استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) لفظ رَجُـل بطور ربط اور تمہید خبر کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اگر چہ مستقلاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی خود قرآن میں اصحابِ قریہ کی طرف مبعوث پیغمبروں کا کلام بھی اسی طور سے نقل کیا گیا ہے " بَلْ اَنْتُـمْ قَـوْمٌ مُسْرِفُوْنَ" (۳۶: ۱۹) (بلکہ تم ایک قوم ہو حد سے نکل جانے والے) اس سے مقصد تو صرف اتنا تھا کہ ان کو مسرفون کہا جائے مگر یہاں پر قوم کا ذکر بطور ربط وتمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) سب سے احسن توجیہ یہ ہے کہ رجل اپنے معنی مرادف یا معنی متعارف پر محمول ہے اور مراد اس سے کامل رجلیّت (مردانگی) ہے والاحسن ان یحمل علی المعنیٰ المرادف او علی المتعارف ویراد به کامل الرّجُلیّة و هو کثیر فی العرف یقال فلان رجل کریم ورجل صالح (جمع ص ۱۹) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی صورت یہ ہوگی کہ معنیٰ متعارف پر حمل کرتے ہوئے اس سے رجلیّت (مردانگی) میں کمال مراد لیا جائے اور یہ عرف عام میں کثیر الاستعمال بات ہے کہا جاتا ہے کہ فلان رجل کریم کہ فلاں شخص سخاوت میں کامل ہے (بڑا سخی ہے) اور فلاں بڑا نیک ہے)

لفظِ مربوعٌ منکبین اور بعید:

مربوعاً... اس سے قبل کی روایت میں رَبْعَةٌ کا لفظ تھا یہاں مربوعاً ہے دونوں کا مفہوم ایک ہے والمربوع یراد ف الربعة (جمع ص ۱۹) (لفظِ مربوع ربعۃ کا مرادف (ہم معنیٰ ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ معتدل القامت اور میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد اور نہ پستہ قد۔

وقد علمت انه تقریبیٌ لا تحدیدی فلا ینافی انه یضرب الی الطول (جمع ص ۱۳) (اور یہ پہلے معلوم کر چکے کہ آپ ﷺ کے مربوع ہونے کا وصف تقریبی ہے (مکمل) تحدیدی نہیں تو یہ اس کے منافی نہ ہوا کہ آپ ﷺ قدرے مائل بہ درازی تھے) بلکہ حدیث میں صاف آیا ہے کان ربعة وهو الی الطولِ اقرب (مناوی ص ۱۴) (کہ آپ ﷺ میانہ قد قدرے مائل بہ درازی تھے)

بُـعَیْدَ ما بین المنکبینِ ـــ لفظِ بُعَیْد کو مصغر بھی پڑھ سکتے ہیں اور بَعِید یعنی مکبّر بھی، بُعَیدْ کو اگر

مصغّر پڑھیں گے تو معنیٰ'' قدرے '' یا کسی قدر فاصلہ ہوگا۔ اشارة الی تصغیر البعد (جمع ص ۲۰) (یہ اشارہ بعد کی تصغیر کو ہے) اور اگر مکبّر یعنی بَعِید پڑھیں گے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ ؐ کے کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا یعنی عامۃ الناس کی نسبت یہ فاصلہ ذرا زیادہ تھا بہرحال مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دوشانے مبارک نہ تو بالکل جڑے ہوئے تھے اور نہ بہت زیادہ کشادہ تھے بلکہ دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا وھو مستلزم لعرض الصدر (جمع ص ۲۰) (اور کندھوں کے درمیان فاصلے کا ہونا سینے مبارک کی چوڑائی کو مستلزم ہے) چنانچہ اسی تناسب سے سینہ مبارک بھی عام لوگوں کی نسبت کشادہ تھا جو شجاعت' نجابت اور شرافت کی علامت ہے۔ واراد ببعید ما بینھما السعة اذ ھی علامة النجابة و کنایة عن سعة الصدر وشرحه الدال علی الجود والوقار (جمع ص ۲۰) (دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ سے مراد فراخی اور وسعت کا ہونا ہے جو کہ نجابت وشرافت کی علامت اور سینے کی وسعت (فراخی) اور شرح صدر سے کنایہ ہے جو کہ شجاعت، سخاوت اور وقارِ نفس پر دال ہیں) منکبین 'منکب کا تثنیہ ہے اور مناکب جمع ہے کندھا' شانہ' شانہ کی ہڈی ' والمنکب مجمع العضد والکتف (مناوی ص ۲۰) (منکب کا معنیٰ بازو اور کندھے اکھٹے ہونے کی جگہ)

بال مبارک (وَفرہ' لِمّہ' جُمّہ):

عظیم الجمّة الی شحمة اذنیه... حضور اقدس ﷺ کے سر کے بال بڑے تھے جو کانوں کی لو تک آتے تھے بعض نے اس کے مفہوم میں کہا ہے کہ آپ ؐ کے بال مبارک گنجان تھے احادیث میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کے متعلق تین حالتیں بیان کی گئی ہیں جُمّہ' لِمّہ اور وَفْرہ اہل لغت کا ان کی تشریح وتفسیر میں اختلاف ہے ذیل میں ہم راجح تطبیقی مفہوم نقل کر رہے ہیں۔

وہ بال جو شحمۃِ اذنین (کانوں کی لو) تک پہنچیں'' وَفْرہ'' کہلاتے ہیں اور جو کانوں کی لو سے تجاوز کر کے گردن تک پہنچ جائیں ''لِمّہ'' کہلاتے ہیں یعنی منکبین سے اوپر اور اذنین سے نیچے ہوں اور جو بال منکبین تک پہنچ جائیں ان کو ''جُمّہ'' کہتے ہیں من الجموم الاجتماع وفی

النهاية ماسقط على المنكبين (مناوی ص ۲۰) (یعنی "جُمّہ" کا لفظ جُموم سے ہے، جس کا معنیٰ ہے جمع ہونا اور نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد وہ بال ہیں جو کندھوں پر پڑے ہوں) ج م م کے مادہ میں کثرت کے معنیٰ ہیں مجمع البحار اور نہایہ میں یہی تفصیل موجود ہے۔

بعض شارحینِ حدیثؒ نے تینوں قسم کے بالوں کو ولج کی مثال سے یوں سمجھایا ہے کہ ولج میں جس طرح واو پہلے ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں وفرہ گویا حدّ اول ہے لام درمیان میں ہے لمّہ کی حد بھی درمیان میں ہے ج آخر میں ہے تو بالوں کی حد میں جمّہ بھی انتہاء ہے البتہ ان کا ایک دوسرے پر اطلاق بھی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔ مختلف حالات اور اوقات میں حضور ﷺ نے بالوں کے مذکورہ تینوں صفات کو اختیار فرمایا ہے۔

بعض شارحین مزید تشریح و تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپؐ نے بال بنوائے تو کانوں کی لو تک رکھے جنہیں اصطلاح ولغت میں "وفرہ" سے تعبیر کیا گیا ہے اور کبھی ایک ماہ تک بالوں کو چھوڑ دیا تو وہ بڑے ہو کر گردن تک پہنچ جاتے تھے جنہیں "لمّہ" کہا جاتا تھا اور بعض حالات میں کئی کئی ماہ تک بھی بال مبارک چھوڑ دیا کرتے تھے تو بال مبارک مزید بھی لمبے ہو کر شانوں تک پہنچ جاتے تھے اسی حالت کو حدیث میں "جمّہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وجمع القاضی عياض بان ذلک لاختلاف الاوقات فكان اذا ترک تقصيرها بلغت المنكب واذا قصرها كانت الى الأذن او شحمتها او نصفها فكانت تطول وتقصر بحسب ذلک (جمع ص ۲۱) (حضور ﷺ کے بالوں کی جو مختلف صورتیں مذکور ہوئیں علامہ قاضی عیاضؒ ان کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی ہیئت کا اختلاف بوجہ مختلف اوقات کے ہوتا رہتا پس جب آپ ﷺ بالوں کو کترنا چھوڑ دیتے۔

تو وہ کبھی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے اور جب کبھی کتر لیتے تو پھر کانوں یا کانوں کی لو تک ہوتے یا کندھے اور کانوں کے درمیان (یعنی گردن) پر ہوتے تو بالوں کا بڑھنا اور لمبا ہونا یا چھوٹا ہونے کا مدار اسی وجہ سے ہوتا تھا)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال یہ ہے کہ روایت میں لفظ جمّہ مذکور ہے جو منکبین (کندھوں) تک پہنچے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں مگر آگے اسی روایت میں الی شحمة اذنیه (کانوں کے لوتک) سے اس کی تحدید کردی گئی ہے جسے اصطلاح میں وفرہ کہتے ہیں۔اس کا جواب اوپر کی تشریح میں بھی آ گیا ہے کہ بعض اوقات اور بعض حالات میں یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اس مقام پر بھی وفرہ کی جگہ جمّہ کو استعمال کیا گیا ہے۔

شحمہ کا لغوی معنیٰ چربی ہے اب اصطلاح میں اس کا اطلاق مالان من الاذن (کان کا نرم حصہ) پر ہوتا ہے وجہ شبہ بھی لینیّت اور نرمی ہے جبکہ مالان (کان کا نرم حصہ) موضع القرط (بالی کی جگہ) کو کہتے ہیں۔ شارحین نے الی شحمة اذنیه کو ترکیب میں جمّة کی صفت بنا کر مجرور قرار دیا ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوتا ہے عظیم الجمّة الواصلة الی شحمة اذنیه (آپ ؐ بڑے جُمّہ والے تھے جو کانوں کے نرم حصہ تک پہنچا ہوا تھا) اس صورت میں جمّہ کا معنیٰ وفرہ ہے اور یہ مجازاً استعمال ہوا۔عظیم کا لفظ مرتبہ اور کیفیت میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے یہاں مجازاً کثرتِ کمیت اور تعداد میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے آپ ؐ کا طاقتور ہونا ثابت کیا گیا ہے کیونکہ کثرتِ شعر طاقتوری پر دلالت کرتی ہے۔

حُلّہ کا مفہوم:

وکان علیه حلة حمراء ... لفظِ علیه' کان کی خبر ہے یا ضمیرِ کان سے حال ہے ۔

حلّہ لغت میں (۱) چادر اور تہہ بند و اِزار کو کہتے ہیں (۲) یا وہ کپڑا جس کے دو تہہ ہوں ثوبان او ثوب له بطانة (مناوی ص۲۱) یعنی دو کپڑے یا پھر ایک کپڑا جس کا استر ہو۔ (۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ حُلّۃ خاص ان دو چادروں کا نام ہے جو یمن سے آتی تھیں وفی النهاية هی بردة الیمن ولا تسمّی حلة الا ان یکونا ثوبین ومن جنسٍ واحد (مناوی ص۲۱) (نہایہ میں ہے کہ حُلّہ یمنی دھاری دار

چادر کو کہتے ہیں اور وہ اس وقت حلّہ (جوڑا) کہلایا جائے گا جبکہ دو کپڑے اور ایک ہی قسم کے کپڑے سے بنے ہوئے ہوں) انبیاء اور صلحاء کا لباس یہی تھا حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کا لباس بھی یہی تھا بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ احرام بھی اسی لباس کی یادگار ہے۔

سُرخ کپڑے پہننے کا حکم:

باقی رہی یہ بات کہ سرخ کپڑے پہننے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے پہننے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑا اگر زعفران یا کسی دوسری نجس چیز سے رنگا ہوا نہ ہو تو اس کا پہننا جائز ہے اور **احمر قانی** (خالص سرخ) ہو یا **مخطّط** (دھاری دار) ہو یہ سب جائز ہیں حدیثِ زیر بحث ان کا مستدل ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے اس **حلة حمراء** کی زمین (سطح) سرخ نہ تھی بلکہ روایت اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں جیسا کہ جمع الوسائل میں ہے **ھی ثیاب ذات خطوطٍ** (جمع ص ۲۱) یعنی وہ (حُلّہ) دھاری دار کپڑا تھا۔ حضور اقدس ؐ سے خالص سرخ کپڑا پہننا ثابت نہیں ہے۔

(۲) احنافؒ کے ہاں سرخ کپڑے پہننے کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ علامہ شامیؒ نے نو اقول نقل کئے ہیں۔ (راجع ردالمحتار ج۵ ص۲۲۸) فقہاء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ تفصیل سامنے آئی ہے اور جو مختار ہے کہ معصفر اور جو نجس چیز سے رنگا ہو وہ حرام ہے بالاتفاق اور جو معصفر نہ ہو اور نہ ہی کسی نجس چیز سے رنگا ہوا ہو تو اگر **احمر قانی** (سخت سرخ) ہو تو مرد کے لئے اس کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو **مائل الی السواد** (سیاہی کی طرف مائل) ہو جسے عنابی رنگ بھی کہا جاتا ہے وہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اسی طرح اگر **احمر قانی** (سخت سرخ) نہ ہو بلکہ **مخطّط** (دھاری دار) ہو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے البتہ خواتین کے لئے یہ سب رنگ جائز ہیں۔ اس جگہ حلۃ حمراء سے مراد مخطّط حلہ ہوگا چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ حُلّہ بالکل ہی سرخ تھا اسے غلط فہمی ہوئی بلکہ سرخ جوڑا سے مراد دو لمبی چادریں تھیں، جن پر عام یمنی چادروں کی طرح سرخ اور سیاہ

لکیریں تھیں، ان سرخ دھاریوں کی وجہ سے ان کو سرخ چادروں سے موسوم کیا گیا، بالکل سرخ لباس تو اسلام میں بڑی سختی سے ممنوع ہے (ملخصاً از زاد المعاد)

احناف کے دلائل:

(۱) حدیث میں مطلقاً سرخ لباس سے ممانعت آئی ہے اور اصول یہ ہے کہ حرمت اور اباحت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے (۲) حدیث باب میں احتمالِ تخصیص موجود ہے۔ (۳) ممکن ہے کہ یہ سرخ لباس تحریم اور نہی سے پہلے پہنا گیا ہو (۴) حمراء کا معنیٰ **مخطط بخطوطِ حمراء** (سرخ لکیروں سے دھاری دار) بھی ہوسکتا ہے اور ایسا لباس بالاتفاق جائز ہے۔ **والحاصل ان عندنا یؤوّل الحمراء بالتی لها خطوط حمراء او یعدّ من خصائصه صلی الله علیه وسلم بعد تسلیم صِحة الحدیث اویحمل لبسه علی ماقبل نهیه** (جمع ص ۲۱) (حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک سرخ جوڑا سے مراد یہ ہے کہ جس میں سرخ دھاریاں ہوں یا اس روایت کو اپنے معنیٰ پر برقرار رکھتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ سرخ جوڑا کا پہننا آپؐ کے ساتھ خاص تھا یا یہ ممانعت سے پہلے واقعہ ہے) (۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس روایت میں محمد بن جعفر راوی ضعیف ہے۔

حسنِ کامل:

مارائیت شیأ قط احسن منه... حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے حسین کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی سبحان اللہ! حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت، شیفتگی اور عشق کا کیا عالم ہے کہ کائنات خداوندی کے اندر اگر کسی کا حسن ان کی آنکھوں میں سما سکا تو وہ صرف اور صرف ذاتِ اقدس، مجسمہ حسن وجمال 'صاحبِ قاب قوسین او ادنیٰ' خاتم النبیین' صاحبِ شفاعتِ کبریٰ، رحمۃ للعالمین، مومنوں کے لئے رؤف'' رَّحِیم' احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود مبارک ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(اے پروردگار! مخلوق میں سب سے بہتر، اپنے حبیبؐ پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت اور سلامتی نازل فرما)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "**وقد صرحوا بان من کمال الایمان اعتقاد انه لم یجتمع فی بدن انسان من المحاسن الظاهرة ماجتمع فی بدنه ﷺ ومع ذالک فلم یظهر تمام حسنه والا لما طاقت الاعین رویته**،، (مواهب ص ۱۴)

یعنی علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ کمالِ ایمان کے معتقدات میں ایک اعتقاد یہ بھی ہے کہ جو کچھ حسن ظاہر' حضور سراپا حسن و جمال کے وجودِ مبارک میں جمع کر دیا گیا ہے وہ کسی انسانی وجود میں ہر گز مجتمع نہیں ہوا باوجود اس اجتماع حسن ظاہری کے جو حسن آپ کا تھا تمام کا تمام ظاہر نہیں ہوا اور نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس حسن کو جی بھر کر دیکھ سکتے۔

احسن 'صیغہ اسم تفضیل' شیأً کی صفت ہے تاہم ابلغ یہ ہے کہ جیسے ترتیب ہے ویسے کہا جائے یعنی احسن کو دوسرا مفعول قرار دیا جائے اور رَأیتُ کو رؤیت علمیہ پر حمل کیا جائے **ان احسن مفعول ثان لرائیت علی ان الروية علمية** (جمع ص ۲۱) اس میں ایک مبالغہ اور بھی ہے کہ بجائے رجلاً کے تعمیم کے لئے شیئاً کہا گیا یعنی انسان ہو یا غیر انسان (چاند سورج وغیرہ) سب سے آپؐ زیادہ حسین تھے۔ جیسا کہ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: **وانما قال شیأدون انساناً لیشمل غیر البشر کالشمس والقمر** (مواهب ص ۱۴) تاہم اگر انسان کا لفظ بھی ہوتا' تب بھی درست تھا کیونکہ مخلوقات میں انسان سے احسن کوئی چیز نہیں اور آپؐ انسانوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔

لفظِ قَطُّ کی بحث' امام اعظمؒ کے ایک شاگرد کی ذکاوت:

قط : عربی زبان میں نفی کی تاکید کے لئے عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک **قط** جو ماضی منفی کی تاکید کے لئے آتا ہے ایک **عَوضُ** جو مستقبل منفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔

قطُّ میں پانچ لغتیں ہیں **قَطُّ (بالتشدید) قَطُ (بلا تشدید) قُطُّ (بضمتین والتشدید) قُطْ (بسکون ثانی وضم الاول) قَطْ (بفتح الاول وسکون الثانی) فهذه خمس لغات والاشهر منها الاولیٰ** (مواهب ص ۱۴)

شرح جامی میں ان ہی پانچ لغات کو ایک دوسرے طرز سے ضبط میں لایا گیا ہے ومنها قط مفتوح القاف مضموم الطاء المشددة وهذا اشهر لغاته وقد تخفف الطاء المضمومة وقد تضم القاف اتباعًا لضمة الطاء المشدّدة او المخففة وقد جاء قط ساكنة الطاء مثل قط الذى هو اسم فعل فهذه خمس لغات (شرح جامی ص ۲۴۹) (اورظروفِ مبنیہ میں سے لفظ (۱) قطُّ ہے جو قاف کے فتحہ اور طاء مضموم مشددہ کے ساتھ ہو اور یہ اس کی سب لغات میں مشہور ہے (۲) اور کبھی طاء مضمومہ کو مخفف کیا جاتا ہے یعنی قَطُ (بفتح القاف اور سکون الطاء) (۳) اور کبھی قاف کو بھی ضمہ طاء مشددہ کی اتباع میں دیا جاتا ہے یعنی قُطُّ (۴) قاف پر ضمہ اتباع طاء مخففہ یعنی قُطُ (۵) اور کبھی قَطْ طاء ساکنہ کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے کہ قَطْ اسم فعل تو یہ پانچ لغتیں ہوئیں) اور قط سے تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ انه كان كذالك من المهد الى اللحد لان معنى قط الزمن الماضى ولا يستعمل الا فى النفى (مواہب ص ۱۴) یعنی آپؐ جیسا حسن و جمال سے متصف شخص میں نے (گہوارہ سے لحد تک) یعنی زندگی بھر نہیں دیکھا (وہ غیر معمولی جمال وکمال اور سراپا حسن آپؐ ہی کے ساتھ خاص تھا) قَطُّ کا معنیٰ زمانہ ماضی ہے اور یہ صرف نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔

تفسیرِ قرطبی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ (خلیفہ ابوجعفر منصور کا ایک درباری) چاندنی رات میں اپنے بیوی سے گفتگو کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے بیوی سے یوں کہا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِيْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی اگر تو اس چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تجھ پر تین طلاق۔ بات تو اس نے کہہ دی مگر اس کا نتیجہ دوررس تھا بات خلیفہ کے دربار تک پہنچی کہ ایسا کہنے سے واقعی طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ علماء سے فتویٰ لیا گیا' تو سب نے کہا کہ طلاق پڑ گئی ہے کیونکہ عورت چاند سے حسین نہیں ہوسکتی۔

دربار میں امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد بھی موجود تھے خلیفہ منصور خاص طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ بھی اپنی رائے دیں تو انہوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر "سورہ تین" کی ابتدائی آیات وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵:۱،۲،۳،۴) (قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کے اور اس شہر امن والے کی البتہ تحقیق پیدا

کیا ہم نے آدمی کو بیچ اچھی ترکیب کے) تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں ہونا بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان جیسی حسین کوئی ہستی کائنات میں پیدا ہی نہیں کی تو چاند ایک انسان سے زیادہ بہتر کیسے ہوسکتا ہے لہذا عورت چاند سے حسین ہے اور اس پر طلاق نہیں پڑی یہ سن کر سب لوگ مطمئن ہو گئے (قرطبی ج۲۰ص۷۷) حقیقت یہی ہے کہ انسان بہترین مخلوق ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی فطری امور کے مطابق ادا کرے

نفی قیدِ زائد کی بھی اور مساوی کی بھی:

یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ نفی ہمیشہ قید زائد کی طرف راجع ہوتی ہے تو یہاں نفی رویتِ احسن کی ہوئی مساوی فی الحسن (حسن میں برابری) کی نفی نہیں ہوئی حالانکہ مقامِ مدح اور حقیقت واقعہ میں مساوی کی نفی بھی ضروری ہوتی ہے۔ شارحینِ حدیث نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اسم تفضیل بعض حالات میں زیادۃ کے معنیٰ سے مجرد ہو کر نفسِ صحت کے لئے ہوتا ہے جس کی مشہور مثال الخمر احلٰی من الخل (کہ شراب سرکہ سے میٹھی ہے) میں ہے کہ خل میں سرے سے حلاوت ہے ہی نہیں۔

" اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ " مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا " (۲۴:۲۵)(اہلِ جنت اس روز قیامگاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے) " وهو اهون عليه " (اور وہ بہت آسان ہے اوپر اس کے) ان مثالوں میں اسم تفضیل زیادۃ کے معنیٰ سے مجرد ہو کر استعمال ہوا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کیفیات میں قلت اور کثرت تو بیان ہوسکتی ہے لیکن کیفیات اور حالات میں مساوات کا علم و بیان محال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کیفیات میں مساوات کا قول کرے تو اس کے قول کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ شرح جامی میں ہے وان قال كيفما تقرأ اقرأ فهٰذا القول باطل (اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ جس کیفیت سے تم پڑھتے ہو، میں بھی اسی کیفیت سے پڑھتا ہوں تو تساوی کا یہ دعویٰ باطل ہے) تو یہاں بھی بیانِ کیفیت ہے اور مساواتِ کیفیت ممکن نہ تھی اسلئے اس

کی نفی کی ضرورت نہ تھی البتہ زیادتی فی الحسن چونکہ شیٔ ممکن ہے لہذا اسکی نفی کرنی تھی کہ حضوراقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں ہے کم ہے تو ہے مساوی تو ممکن ہی نہیں۔

---

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَارَاَيْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّةٍ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَّضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ .

ترجمہ! محمود بن غیلانؒ بیان کرتے ہیں، انہوں نے وکیعؒ سے نقل کیا اور وہ سفیانؒ سے نقل کرتے ہیں، سفیانؒ نے ابواسحٰقؒ سے روایت کی ہے وہ براء بن عازبؓ سے روایت نقل کرتے ہیں، براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضوراقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضوراقدس ﷺ کے بال' مونڈھوں تک آرہے ہیں' آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپؐ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے ۔

راویانِ حدیث (۱۳) محمود بن غیلانؒ (۱۴) وکیعؒ اور (۱۵) سفیان ثوریؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

مَا رَاَيْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّةٍ ... اللہ تعالیٰ نے حضوراقدس ﷺ کی جسمانی بلکہ آپ سے منسوب تمام اشیاء کو حسن و جمال، خوبصورتی اور کمال سے نوازا تھا حضوراقدس ﷺ کے اس مبارک حسن اور فطری جمال کو آپ کی حسین زلفوں اور سرخ دھاریدار حلّة نے مزید نور'' علیٰ نورٍ بنا دیا تھا یہاں اگر رویتِ بصریہ مراد ہو تو من زائدہ ہوگا کیونکہ کلام غیر موجب ہے اور ذا لمۃ مفعول اول اور احسن اس کی صفت ہوگی اور اگر رویتِ قلبیہ مراد ہو تو ذالمۃ مفعول اول اور احسن غیر منصرف مفعول ثانی ہے (تقریر ترمذی ۲۴۷)

عظیم الجمة اور ذی لمة میں تعارض نہیں:

بہرحال یہ کوئی اعتراض نہیں کہ پہلی روایت میں عظیم الجمۃ کہا گیا تھا اور یہاں ذی لمّة کی تصریح ہے۔ کہ تطبیق واضح ہے جو قاضی عیاض کے حوالے سے اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ حالاتِ مختلفہ اوقاتِ مختلفہ میں ہوئے ہیں۔

بال مبارک کی مختلف روایات میں تطبیق:

لـه شعر يضرب منكبيه ... آپؐ کے بال مبارک آپ کے کندھوں تک پہنچتے تھے یہاں یـضـرب 'یصل کے معنٰی میں ہے والـضـرب كناية عن الوصول (جمع ص ۲۴) (اورضرب کنایہ ہے پہنچنے سے)

قاضی محمد عاقل تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے ماقبل کی حدیث کا مفہوم تو یہ تھا کہ آپؐ کے سر مبارک کے بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے جبکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ لو سے گزر کر منکبین تک پہنچتے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک تک پہنچتے تھے اور صحیحین میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک کے آخر تک پہنچتے تھے لہذا یہ اختلاف روایات کس طرح حل ہوگا۔

- اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلافِ روایات' اختلافِ اوقات پر مبنی ہے جس وقت حضورؐ قصر (کترنا) فرماتے تو بال مبارک کانوں کی لو یا نصف کانوں تک پہنچتے اور جس وقت ترک قصر کرتے تو بال مبارک اتنے لمبے ہو جاتے کہ کندھوں مبارک تک پہنچتے یعنی جس حالت میں صحابہ کرامؓ نے دیکھا اسی کیفیت کو بیان کر دیا۔ (حلاوۃ المتعلمین قلمی نسخہ)

---

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ وَلاَ بِالْقَصِيْرِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ ضَخْمُ الرَّاسِ ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ

طَوِيلُ الْمَسْرُبَةِ اِذَامَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّأً كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَقَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ! محمد بن اسماعیلؒ بیان کرتے ہیں، ان کے سامنے بیان کیا ابونعیمؒ نے، وہ مسعودیؒ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے عثمان بن مسلم بن ہرمز سے، انہوں نے روایت کی نافع بن جبیر بن مطعم سے جنہوں نے یہ روایت کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد۔ ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لئے محمود ہیں اس لئے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں‘ عورتوں کے لئے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں‘ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔

راویانِ حدیث (۱۶) محمد بن اسماعیلؒ (۱۷) ابونعیمؒ (۱۸) المسعودیؒ (۱۹) عثمان بن مسلمؒ (۲۰) نافع بن جبیر بن مطعمؒ اور (۲۱) حضرت علیؓ بن ابی طالب کے حالات ”تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہتھیلیاں اور قدمین مبارک:

شثن الكفين والقدمين ... یعنی ہاتھ مبارک اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ حدیث کے پہلے حصے کی تشریح گذشتہ احادیث میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ شثن (باب كرم يكرم) سے ہے شَثْنٌ (بسکون الثاء) شَثِنٌ (بکسر الثاء) صیغہ صفت ہے مصدر شثون وشثونۃ اور شثانة آتا ہے یہاں شَثْنٌ مرفوع ہے اور ھو محذوف کی خبر ہے یا كان محذوف کی خبر منصوب ہے جس پر قرینہ لم يكن موجود ہے جب باب كرم اور سمع سے ہو تو معنیٰ موٹے ہونے کے ہوتے ہیں یعنی پُر گوشت اتنا کہ بدنما نہ ہو۔ شثن الكفين میں اضافة الصفة الى الموصوف (صفت کی اضافت موصوف کو ہے) ہے۔ بہر حال اس کا لفظی معنی کھردرے، گوشت سے بھرے ہوئے مضبوط اور قوی

ہونے کے ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کھردرے نہ تھے بلکہ نرم اور ملائم تھے ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا کہ رگیں ظاہر نہ ہوں مردوں کا حسن ہے مردوں میں یہ صفت محمود ہے کہ اس سے گرفت مضبوط ہوتی ہے لیکن عورتوں میں یہ صفت اچھی اور پسندیدہ نہیں ہے **وهو مما يحمد في الرجال لانه اشد لقبضهم ويذم في النساء** (جمع ص ۲۶) (ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا مردوں میں بوجہ قوت اور شدت گرفت ہونے کے پسندیدہ صفت ہے اور یہ صفت عورتوں میں ناپسندیدہ شمار ہوتی ہے)

بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ شَثْن کا معنیٰ ہے پوری انگلیاں جو موٹی اور مضبوط ہوں لیکن چھوٹی نہ ہوں **ششن الكفين اى يميلان الى الغلظ من غير قصرٍ ولا خشونة** (مناوی ص ۲۵) (ہتھیلیوں کے پُر گوشت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موٹائی کی طرف مائل تو ہوں لیکن نہ چھوٹی اور نہ کھردری ہوں) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **ما مسست خزا ولا حريرا الين من كف رسول** ﷺ (جمع ص ۲۵) یعنی میں نے دیبا اور حریر بھی آپ ﷺ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ملائم اور نرم نہیں دیکھا۔ یہ روایت، حدیثِ زیرِ بحث کے خلاف نہیں کیونکہ جب انگلیاں اور ہتھیلیاں پُر گوشت ہوں گی تو اس وقت نرم و ملائم ہوں گی۔بعض محدثین کا ارشاد ہے کہ نرمی جلد اور چمڑے میں تھی سختی اور مضبوطی ہڈیوں میں تھی جسم مبارک نرم اور ملائم مگر جوڑوں میں زور، مضبوطی اور قوت تھی۔

اسلئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **فكان اذا عمل في الجهاد اومهنة اهله صار كفه خشنا للعارض المذكور واذا ترك ذالك صار كفه الى اصل جبلته من النعومة** (جمع ص ۲۵) (جب آپ ؐ جہادی امور سرانجام دیتے یا گھر کا کام کاج کرتے تو ان عارضی امور کی وجہ سے ہتھیلیاں سخت اور کھردری ہو جاتیں اور جب یہ امور نہ ہوتے تو ہتھیلیاں فطری طور پر نرم اور ملائم ہو جاتیں)۔

سر مبارک اور اعضاء و اندام کے جوڑوں کا بیان:

ضخم الراس (باب کرم یکرم) موٹاپن، بڑائی **ضخم** (بسکون الخاء وبکسرھا) اور ضخیم صفت کے صیغے ہیں یہاں بھی **اضافة الصفةِ الى الموصوف** (صفت کی اضافت موصوف کو ہے)

اور یہ دونوں مل کر فاعل ہے۔قاضی محمد عاقل تحریر فرماتے ہیں کہ سر کا بڑا ہونا دماغ کے قوی ترین ہونے کی کامل ترین علامت ہے جو کہ فہم وفراست کی زیادتی کا سبب ہے اور اس میں بے شمار فائدے ہیں۔ علامہ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وھو آیة النجابة (المواھب ص ۱۶)یعنی یہ شرافت کی علامت ہے ۔ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے وھو دال علی کمال القویٰ الدماغیة وبکمالها یتمیز الانسان عن غیرہ (جمع ص۲۶) (یہ دماغی قوتوں کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دماغی قوت کے کامل ہونے کی وجہ سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے)

المسربة :

طویل المسربة (باب سمع) بالوں کا طولانی خط جو سینہ سے لیکر ناف تک ہوتا ہے ھی الشعر الدقیق الذی یبدی من الصدر وینتھی بالسرّة (بالوں کی وہ بارک لکیر جو سینہ سے شروع ہو کر ناف پر ختم ہوجاتی ہے) آپؐ کے سینہ پر بالوں کی دھاری لمبی تھی عام تجربہ ہے کہ بعض لوگوں کے سینہ پر بال ہوتے ہی نہیں اور بعض کا سینہ بالوں سے بھرا ہوتا ہے مگر آنحضرتؐ کے سینہ مبارک پر ناف تک بالوں کی لمبی سی دھاری تھی جو نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔شارحین نے تصریح کی ہے کہ حضوراقدس ﷺ کے سینہ اور شکم مبارک پر سوائے ایک لمبی بالوں کی لکیر کے اور بال نہیں تھے جیسا کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں له شعرات من سرته تجری کا لقضیب لیس علی صدرہ ولا علی بطنه غیرھا(مناوی ص۲۶، جمع ص۲۶،دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۰۴)

اندازِ رفتار:

اذا مشیٰ تکفّأ۔۔۔اس حصہ کی تشریح اس سے قبل احادیث میں بھی گزر چکی ہے کہ تکفا تین صفات کی چال کو کہتے ہیں حضوراقدس ﷺ کی رفتار میں یہ تینوں صفات موجود تھے یعنی آپؐ تیز رفتار بھی تھے،قدم اٹھا کر چلتے تھے اور آگے کی طرف ذرا جھکاؤ ہوتا تھا جیسا کہ حدیثِ زیر بحث میں ہے کانما ینحط من صبب گویا آپؐ اوپر سے نیچے کی طرف ڈھلوان میں اتر رہے ہیں انحطاط کا

معنی النزول و الاسراع (اترنا اور تیزی کرنا) ہے واصلہ الانحدار من علوٍ الی سفل (جمع ص ۲۷) قال فی شرح السنة یرید انه کان یمشی مشیاً قویاً یرفع رجلیه من الارض رفعاً ثابتاً لا کمن یمشی اختیالاً ویقارب خطاه تنعماً (جمع ص ۲۷) (شرح السنہ میں اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ آپ ؐ مضبوطی کے ساتھ چلتے تھے، پاؤں کو پوری طرح زمین سے اٹھاتے، آپ ؐ کا اندازِ رفتار ان لوگوں کی طرح نہیں تھا جو اِترا کر چلتے ہیں اور نازکی وجہ سے قریب قریب قدم رکھتے ہیں)

کمالِ جمال کی حسین تعبیر:

لم ار قبله و لا بعده مثله ﷺ ... حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ؐ سے پہلے بھی اور آپ ؐ کے بعد بھی آپ جیسی شخصیت نہیں دیکھی۔ حضرت علیؓ نے اس ایک جملہ میں حضور اقدس ؐ کے حسن و جمال اور خوبصورتی و کمال کا کتنا پیارے انداز میں تذکرہ فرمایا ہے عموماً ایسی عبارتیں مبالغہ میں آتی ہیں لیکن حضور اقدس ﷺ کے اوصاف میں یہ مبالغہ نہیں اس لئے کہ وہاں کمال جمال تعبیر سے باہر ہے اللہ پاک نے آپ ؐ کو کمالات باطنیہ کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی **علی وجه الاتم** (اکمل طور پر) عطا فرمایا تھا۔

اُم المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔

لَوَاحِیُ زَلِیْخَا لَو رَاَیْنَ جَبِیْنَهٗ   لَآثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْیَدِ

زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کے کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔

اور بعض حضرات اسی مفہوم کو ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

لَوْ رَأَتْ طَاعِنَاتُ زُلَیْخَا نُوْرَ حُسْنِهٖ   لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْاَیْدِیْ

یعنی اگر زلیخا پر طعنے مارنے والی عورتیں آپ ﷺ کے حسن کی روشنی دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔

فارسی کے ایک شاعر نے جمال محمدؐ کا کچھ یوں ذکر کیا ہے۔ ؎

زنانِ مصر بہ ہنگامہ جلوۂ یوسف　　زروئے بے خودی از دستِ خویش بریدند

مصر کی خواتین نے جمال یوسف کا نظارہ کیا　　تو مدہوشی کے عالم میں اپنے ہاتھ کٹوا دیئے

مقرر است کہ دل پارہ پارہ مے کردند　　اگر جمال تو اے نورِ دیدہ مے بینند

یہ بات طے ہے کہ وہ دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں　اے نورِ چشمان! اگر وہ آپ کے حسن و جمال کا نظارہ کرتیں۔

تجھ سے کبھی یوسف کو اگر بدلے زلیخا　　زندان میں پڑوں پر کسی صورت سے نہ بدلوں

رویت علیؓ پر اعتراضات اور جوابات:

لم ارقبلہ ولا بعدہ ... اس میں تعمیم مراد ہے۔ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علیؓ چھوٹے تھے پھر **قبلہ** کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ شارحین حدیث جواب میں فرماتے ہیں کہ (۱) یہاں رویتِ قلبیہ مراد ہے ای **لم اعتقد قبلہ ولا بعدہ** (میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپؐ جیسا نہ آپؐ سے پہلے گزرا ہے اور نہ آپؐ کے بعد کوئی ہوسکتا ہے) تو صغرسنی میں یہ امر ہرگز مستبعد نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ **قبل** اور **بعد** کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے **ای قبل وفاتہ وبعد وفاتہ** مقصد یہ ہوا کہ آپؐ کی حیاتِ مبارک میں آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا تاہم یہ دونوں توجیہات اصل مقصد اور ہدف کے لحاظ سے مخدوش ہیں کیونکہ حضرت علیؓ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ آپؐ کی مثل نہ پہلے وجود میں آئی نہ بعد میں آئے گی۔ شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ جب کسی ایک جنس کی دو چیزوں کو متکلم ذکر کرتا ہے تو وہاں استغراقِ جنس مقصود ہوتا ہے وہی دو چیزیں مقصود نہیں ہوتیں ورنہ بہت سے معانی اور مقاصد میں خلل پڑتا ہے جیسے **رب المشرق والمغرب** (کہ وہ مشرق ومغرب کے رب (مالک) ہیں) میں استغراق ہے اور مراد **رب الجھات کلھا** (سب سمتوں کا مالک اور رب ہونا ہے) ہے جیسے نفی میں مثال مشہور ہے **لاناقۃ ولا جمل یا لاخلّ لدیّ ولا خمر** (کہ نہ اونٹ ہے اور نہ اونٹنی یا نہ میرے پاس شراب ہے اور نہ سرکہ) دونوں کا معنیٰ **لاشئی عندی** (کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے) ہے تو اس اصول کے پیش نظر **لم ارقبلہ ولا بعدہ** (کہ میں نے حضورؐ

جیسا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا) کا معنیٰ لم ارفی جمیع الازمنة (کہ سب زمانوں میں اس جیسا نہیں دیکھا) کے ہے۔ تستعمل هذه العبارة فى نفى الشبيه من غير ملاحظة القبلية والبعدية (جمع ص ۲۷) (اس قسم کی عبارت شبیہ اور مثل کی نفی کے لئے استعمال ہوتی ہے پہلے اور بعد کے مشاہدہ کرنے کا لحاظ اس میں نہیں ہوتا)

حَدَّثَناَ سَفْيٰنُ بن وكيعٍ حدثنا ابى عن المسعودى بهٰذا الاسناد نحوَه بمعناه (ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے باپ نے مسعودی سے اسی اسناد کے ساتھ اسی معنیٰ میں روایت کی ہے)

(راویانِ حدیث (۲۲) سفیان بن وکیع کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں

مثله ' نحوه اور بمعناه :

نحوه بمعناه یعنی سفیان بن وکیعؒ نے یہی حدیث ایسی سند اور معانی و مفہوم کے ساتھ نقل کی ہے جو اس روایت کے ہم معنیٰ ہے مراد یہ ہے کہ الفاظ تو مختلف ہیں مگر معانی میں اس سے قبل والی حدیث کے ساتھ متفق ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب ایک حدیث لفظی اعتبار سے یا معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہو تو اختصار کے پیش نظر حدیث کے پورے الفاظ دوبارہ لکھنے کی بجائے حضرات محدثین صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون پچھلی حدیث سے ملتا جلتا ہے اس مقصد کی ادائیگی کے لئے مصنفین یا محدثین تین الفاظ استعمال کرتے ہیں (۱) مثله (۲) نحوه (۳) بمعناه ۔ جب دوسری حدیث پہلی حدیث کے ساتھ الفاظ اور معانی میں مشترک ہو تو مثله کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جب الفاظ میں اختلاف اور معانی میں اشتراک ہوتا ہے تو نَحْوه' استعمال ہوتا ہے اور بمعناه بھی اسی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ مجازاً بھی ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں (جمع ص۲۳) مطلب یہ ہوا کہ زیر بحث روایت کے الفاظ اگرچہ ہو بہو پہلی روایت سے نہیں ملتے مگر مفہوم وہی ہے۔

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ''واعلم انه قد جرت عادة اصحاب الحديث ان الحديث

اذا روی بـاسنادين او اكثر وساقوا الحديث باسناد اوّلا ثم ساقوا باسنادا آخر يقولون فی آخره مثله اونـحـوه اختـصـاراً والمثل يستعمل بحسب الاصطلاح فيما اذا كانت الموافقة بين الحديثين فی اللفظ والمعنیٰ والنحو يستعمل اذا كانت الموافقة فی المعنیٰ فقط هذا هو المشهور فيما بينهم وقد يستعـمل كل واحد منها مقام الآخر فعلی هذا قوله بمعناه لا رادة ان النحو يستعمل فی هذا المقام للمعنیٰ دون اللفظ مجازا ،،(جمع ص ۲۳)

---

(۲)حَـدَّثَـنَـا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّیُّ الْبَصْرِیُّ وَعَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَاَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَ هُـوَ ابْـنُ اَبِـیْ حَـلِيْـمَه وَالْمَعْنیٰ وَاحِدٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا عِيْسَی بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰی غُـفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُـحَمَّدٍ مِّنْ وُلْدِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِیٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَـلَّـی الـلّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِـالـطَّـوِيْـلِ الْـمُـمَّـغِطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِـالسَّبْـطِ كَـانَ جَـعْـدًا رَجِلًا وَلَـمْ يَـكُـنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ فِیْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْـرَبٌ اَدْعَـجُ الْـعَـيْـنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتِدِ اَجْرَدُ ذُوْمَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْـقَـدَمَيْـنِ اِذَا مَشٰی تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ فِیْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُـوَ خَـاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَـنْ رَاٰهُ بَـدَاهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : ہمیں بیان کیا احمد بن عبدۃ ضبی بصریؒ نے اور علی بن حجرؒ نے اور ابوجعفر محمد بن حسینؒ نے اور وہ ابن ابی حلیمہؒ ہے ان سب کا ایک ہی بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونسؒ نے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت عمر بن عبداللہؒ سے لی تھی، جو کہ غفرۃ کا آزاد کردہ غلام تھا وہ کہتا ہے کہ مجھے روایت بیان کی ابراہیم بن محمدؒ نے، جو کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے وہ کہتا ہے کہ جب حضرت علیؓ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تھے، تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ

زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے' نہ آپ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور اقدس ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا) حضور اقدس ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز' بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی' آپ کے بدن مبارک پر (کہیں بھی زائد) بال نہیں تھے۔ آپ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے جب آپ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے۔ آپ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی' آپ خاتم النبیین تھے۔ آپ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے' سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے آپ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ کے اخلاق کریمہ اور اوصاف جمیلہ کا گرویدا ہو کر) آپ کو محبوب بنا لیتا تھا آپ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا (باجمال و باکمال) نہ حضور اقدس ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

راویانِ حدیث (۲۳) احمد الضبیؒ (۲۴) علی بن حجرؒ (۲۵) ابوجعفر محمد بن الحسین (۲۶) عیسی بن یونسؒ (۲۷) عمر بن عبداللہ اور (۲۸) ابراھیم بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انقطاع روایت کا اشکال:

اس روایت میں بظاہر ایک نقص بلکہ اشکال یہ ہے کہ راوی حدیث ابراھیم بن محمد کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں' بلا واسطہ یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے بھی تصریح کر دی کہ

هذا الحديث بهذا الاسناد ليس اسناده بمتصل (جمع ص ۳۰) (یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ متصل نہیں) کیونکہ درمیان کا راوی حذف ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس قدر واضح انقطاع کے باوجود اس روایت کو قبول کرلیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ احنافؒ کے نزدیک منقطع روایت مُسنَد سے بھی زیادہ معتبر ہے نیز سیرت اور تاریخ کی روایات میں ایسی چیزوں کو گوارا کرلیا جاتا ہے اور اس روایت میں بھی چونکہ عقائد اور اعمال کی بحث نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہے لہذا ان میں ضعیف روایات اور منقطع روایات بھی معتبر ہوتی ہیں۔

وُلدِ عَلِيّ:

وُلدِ (بضم الواو وسكون اللام) اور وَلَدِ (بفتحين) دونوں مفرد اور جمع کے لئے استعمال ہوتے ہیں، کوئی تخصیص نہیں ہے البتہ بكسر الواو وسكون اللام (واؤ کے کسرہ اور لام کے سکون یعنی وِلدِ) شاذ ہے۔ الغرض اس کا اطلاق جمع اور اسم جنس دونوں پر ہوتا ہے۔

الطويل الممغط :

قال كان علیّ اذ اوصف رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالطويل المُمغط۔۔۔ یعنی حضور اقدس ﷺ بہت طویل قد والے نہ تھے۔ وَصَفَ، وصفٌ سے ہے بمعنی تعریف کرنا، صفت بیان کرنا اور حلیہ بیان کرنا۔ الممغط مغط مصدر سے ہے من مغط الحبل فانمغط اذا مده فامتد (مناوی ص ۳۰) (الممغط یہ مغط الحبل سے ماخوذ ہے بمعنی اس نے زور سے رسی کو کھینچا پھر وہ لمبی ہوگئی) الممغط کے معنی ,,کھینچے ہوئے،، کے ہوتے ہیں الطويل الممغط کا معنی بہت لمبے، بے ڈھنگے لمبے، اسم فاعل من الانمغاط من باب الانفعال اى المتناهي فى الطول من قولهم امغط النهار اذا امتد (جمع ص ۳۰) الممغط دوسری میم کی شد اور غین معجمہ کے ساتھ اسم فاعل ہے، اصل میں امّغاط سے امغاط بھی دراصل انمغاط تھا اسم

فاعل منغمط تھا نون کو از جہت مطاوعت منقلب کر کے میم بنا دیا اور میم کو میم میں مدغم کر دیا تو امغاط بن گیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والنون للمطاوعة فقلبت میماً وادغمت فی المیم هذا هو الصواب (جمع ص ۳۰) بعض حضرات نے مُمَغَّطُ پڑھا ہے (غین کی شد کے ساتھ) اور یہ تمغیط سے اسم مفعول بنا ہے معنیٰ وہی ہیں کہ آپؐ کا قد مبارک بے ڈھنگا لمبا نہیں تھا فالمراد نفی الطول البائن وقلة اللحم (جمع ص ۳۰) (تو مراد آپ ﷺ کے بہت طویل اور انتہائی لاغر ہونے کی نفی ہے) یہی مراد اس سے قبل والی حدیث میں بالطویل البائن کے الفاظ کے ساتھ نقل ہو چکی ہے۔

القصیر المتردد :

ولا بالقصیر المتردد ... المتردد، قصیر کی صفت ہے یعنی قصیر سے بھی بہت کم ہو کہ بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں یعنی نہایت پست قد، ٹھنگنا آدمی، یہ چیز بھی حسن کے خلاف ہے جو حضور ﷺ میں نہیں پائی جاتی تھی۔ المتناهی فی القصر کانه رد بعض خلقه علی بعض وتداخلت اجزاءه کذافی النهایة (جمع ص ۳۰) (یعنی بہت کوتاہ قد کہ بعض اجزاء کا بعض میں گویا تداخل ہوا نہایہ میں اسی طرح قصیر متردد کا معنیٰ مذکور ہے) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ میں مائل بہ درازی قد تھے یعنی جب تنہا ہوتے تو معتدل القامت نظر آتے نہ لمبے اور نہ پست قد، اور جس وقت آپؐ صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما ہوتے تو سب سے بلند قامت دکھائی دیتے یہ آپؐ کا سب سے بلند نظر آنا دراز قامتی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزانہ طور پر تھا جیسا کہ قاضی محمد عاقل نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ "وایں در معنی معجزہ آں سرورؐ است"

ربعة ورَجِلًا:

وکان ربعة من القوم ... یعنی حضور اقدس ﷺ درمیانے قد والے تھے اور یہ بات تو پہلے کئی بار لکھی جا چکی ہے کہ ان وصفه بالربعة للتقریب فلا ینافی انه کان اطول من المربوع (مواھب ص ۱۸) (آپ کا درمیانہ قد والا ہونا وصفِ تقریبی ہے (تحدیدی نہیں) تو یہ اس روایت کے منافی

نہیں جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے) آپؐ کے بال مبارک جعد القطط یعنی محض یا تمام تر گھنگھریالے نہ تھے اور نہ ہی سیدھے بالوں والے تھے بل کان بین ذلک قواماً (مواهب ص ۱۸) بلکہ کان جعدا رجلاً یعنی نیم گھنگھریالے تھے رَجلاً تھوڑی تھوڑی سی شکستگی کو کہتے ہیں فیہ تکسر یسیر فکان بین السبوطة والجعودة (جمع ص ۳۰) (تو گویا آپؐ کے بال مبارک گھنگھریالے اور سیدھے پن کے درمیان ہی تھے)

مطهّم ومكلثم :

لم یکن بالمطهّم ولا بالمكلثم ... مطهم، تطهیم سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنیٰ موٹا، پھیلا ہوا، فربہ جسم یا کمزور وناتوان اور نحیف جسم، یہ لفظ اضداد میں سے ہے اس کے دونوں معانی آتے ہیں قیل نحیف الجسم وقیل بادن الجسم و کثیر اللحم (اس کا معنیٰ ہے کمزور جسم والا، اور فربہ وپُر گوشت جسم کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے) مطہّم اگر گھوڑے کی صفت ہو تو کامل فی صِفات الفرسِیَّةِ (ایسا گھوڑا جس میں گھوڑے کی تمام صفات موجود ہوں) کو کہتے ہیں۔

شیخ ابراہیم البیجوری فرماتے ہیں .وسیاتی تفسیرہ فی کلام المصنف بالبادن ای کثیر البدن متفاحش السمن وقیل ھو المنتفخ الوجه وقیل نحیف الجسم فیکون من اسماء الاضداد قیل طھمة اللون ان تمیل سمرته الی السواد ولا مانع من ارادة کل من ھذه المعانی ھنا (مواهب ص ۱۸) (مصنف نے خود آنے والے کلام میں مطہّم کی تفسیر ''فربہ جسم'' سے کی ہے، جو بہت زیادہ موٹا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مطھم ''پھولے ہوئے چہرہ والے'' کو کہتے ہیں اور بعض نے ''کمزور جسم والا'' سے اس کی تفسیر کی ہے پس یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔

بعض نے کہا کہ لون (رنگ) میں طھمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ گندمی رنگ مائل بہ سیاہی ہو اور یہاں پر ان معانی میں سے ہر ایک معنیٰ مراد لیا جا سکتا ہے)۔

ولا بالمكلثم . مکلثم اسم مفعول ہے اس کا مصدر کلثمة ہے وفی الصحاح الکلثمة اجتماع لحم الوجه (مناوی ص ۳۱) (''صحاح'' میں ہے کہ کلثمة چہرہ کا گوشت مجتمع ہونے کو

کہتے ہیں) درازی وجہ کو بھی کہتے ہیں جب منہ چپٹا اور گال پھولے ہوئے ہوں۔

شیخ ابراہیم البیجوری فرماتے ہیں معناه مدور الوجه والمراد انه اسيل الوجه مسنون الخدين ولم يكن مستديراً غاية التدوير بل كان بين الاستدارة والاسالة هو احلٰى عند كل ذى ذوقٍ سليم وطبع قويم ونقل الذهبى عن الحكيم ان استدارة الوجه المفرطة دالة على الجهل (مواهب ص ۱۸) (اس کا معنیٰ ہے چہرہ کا گول ہونا اور مراد تو اس چہرہ اور روشن رخسار والا، جو بہت زیادہ گول نہ ہو بلکہ گولائی اور لمبائی کے درمیان ہو، ایسا چہرہ ہر ذوقِ سلیم اور صحیح طبیعت کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے حکیمؒ سے نقل کیا ہے کہ چہرے کا بہت زیادہ گول ہونا جہالت پر دلالت کرتا ہے)۔

تدوير :

وكان فى وجهه تدوير ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی جو آنحضرت ﷺ کے حسن میں اضافہ کا باعث تھی۔ تدویر کتابی صورت کو کہتے ہیں جس میں نہ زیادہ گولائی ہو نہ زیادہ لمبائی بلکہ درمیان درمیان میں ہو۔ تدویر کا لفظ مصدر نہیں بلکہ حاصل مصدر ہے اس کا معنیٰ گول کرنے کا نہیں بلکہ گولائی ہے اور اس پر تنوین تقلیل کے لئے ہے اى شىء قليل منه (مناوى ص ۳۱) یعنی چہرہ مبارک میں تھوڑی سی گولائی تھی۔ والحاصل انه كان بين الاستدارة والاسالة (جمع ص ۳۱) (خلاصہ یہ کہ چہرہ مبارک گولائی اور لمبائی کے درمیان تھا)

ابيض مشرب :

ابيض مُشْرَبٌ ... یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اى هو ابيض (مناوى ص ۲۶) (یعنی لفظِ ابیض ھو مبتداءِ محذوف کی خبر ہے) اور لفظ مشرب اس کی صفت ہے اشراب سے ہے باب افعال ہے وهو بصيغة المفعول من الافعال (جمع ص ۳۱) (مشرب باب افعال سے صیغہ اسم مفعول ہے) اور جب باب افعال سے آتا ہے تو اس کے معنیٰ ایک رنگ کا دوسرے رنگ کے ساتھ اختلاط کے ہوتے ہیں والاشراب خلط لون بلون (جمع ص ۳۱) (اِشراب کا معنیٰ ایک رنگ کا

دوسرے سے مخلوط ہونا) مشرب بمعنی ممزوج کے ہے' قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (۹۳ : ۲) اوران کے دلوں میں اس بچھڑے کی محبت پیوست ہوگئی تھی)

ابیض ' مشرب کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخی آمیز تھا گویا سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی جیسے گلاب کے پھول کا رنگ ہوتا ہے . فالبیاض المثبت ماخالطه حمرة والمنفی مالایخالطها و هوا لذی تکرهه العرب (مناوی ص ۳۱) (جو سفیدی آنحضرت ﷺ کے لئے ثابت ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں سرخی ملی ہوئی ہو اور جس سفیدی کی آپ ؐ سے نفی ہے یہ وہ ہے جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو اور ایسے ہی رنگ کو عرب ناپسند کرتے ہیں)۔

ادعج العینین :

ادعج العینین .... ادعج کا مصدر دَعج '' ہے بمعنیٰ نہایت سیاہ' خوب کالا ہونا کشادگی کے ساتھ هو سواد العین مع سعتها (قاموس) (آنکھوں کی کشادہ اور خوب سیاہ ہونا) سمع کے باب سے آنکھوں میں جو حصہ سفید ہے اس کی سفیدی تیز ہو اور جو سیاہ ہے اس کی سیاہی تیز ہو اس سیاہی کے تیز ہونے کو دَعج '' کہتے ہیں جیسا کہ مناوی میں ہے وقیل شدة بیاض البیاض وسواد السواد (مناوی ص ۳۱)

اهدب الاشفار :

اهدب الاشفار .... خوبصورت لمبے لمبے ابرو۔ سمع کے باب سے ہے اس کی جمع هُدُبٌ بروزن فُعُلٌ آتی ہے یعنی پلکوں کا دراز اور خمیدہ ہونا۔ اشفار' شفر کی جمع ہے جس کا معنیٰ پلک ہے یہ پلک کا معنیٰ لینا مجازاً ہے کیونکہ اس کا لغوی معنیٰ منبت الشعر (بال اُگنے کی جگہ) ہے اور ظاہر ہے پلکوں کی پیدائش کی جگہ کی درازی کوئی وصفِ محمود نہیں ہے لہذا مجاز اً ذکر محل کا ہے اور ارادہ حال کا ہے یا مضاف حذف ہے ای اهدب شعر الاشفار (مواهب ص ۱۸) پلکوں کے بال بڑے ہوں تو جمال بھی ہے اور حسن بھی اور یہ قوت پر بھی دلالت کرتے ہیں والحاصل ان الاهدب هوا لذی شعرا جفانه

كثير مستطيل (جمع ص ۳۲) (یعنی اهدب اس کو کہتے ہیں جس کے پلکوں کے بال بڑے اور زیادہ ہوں) شب وروز کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگوں کی پلکیں لمبی ہوتی ہیں جنہیں بعض اوقات کاٹنا پڑتا ہے بعض کی پلکیں چھوٹی ہوتی ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کسی مرض یا عارضہ کی وجہ سے ان کی پلکیں جھڑتی رہتی ہیں مگر حضور ﷺ کی پلکوں میں ایسا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کے پلکوں کے بال اعتدال کے ساتھ لمبے تھے۔

جليل المشاش :

جليل المشاش .... جلیل قوی اور مضبوط کو کہتے ہیں جلالت کا معنیٰ لغت اور ادب کی کتابوں میں موٹے کوہان والا اونٹ اور اونٹنی کے ہیں یہاں موٹائی اور بلندی مراد ہے۔جلالت کا معنیٰ موٹائی، جلالۃ القدر کا معنیٰ مجازاً بلند قدر کے ہیں۔اسم جنس ہے مثل کرادیس کے ہے وقيل رؤس العظام اللينية یعنی نرم نرم ہڈیوں کے سر کو مُشاش کہتے ہے جمع مشاشةٍ وهى رؤس العظام (مواهب ص ۱۸) ہڈیوں کے کنارے بدن کے جوڑوں کی ملنے والی ہڈیاں یعنی آپؐ کے ہڈیوں کے کنارے جليل المُشاش یعنی مضبوط تھے۔ اى عظيم رؤس العظام كالمرفقين والكتفين والركبتين (جمع ص ۳۲) (یعنی ہڈیوں کے جوڑ (جیسے کہنیاں کندھے اور گھٹنے) مضبوط تھے)

الكتد دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ انه مجمع الكتفين (مواهب ص ۱۸) اس کی جمع اكتاد اور كتود ہے وهو يدل على غاية القوة وفخامة الشجاعة (جمع ص ۳۲) (اور وہ انتہائی قوت اور بہادری پر دلالت کرتا ہے) اجرد اى هو اجرد (جمع ص ۳۲) (یعنی لفظ اجرد مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے) یعنی بغیر بالوں کے، بن بال، آپؐ کا جسم مبارک تقریباً بالوں سے خالی تھا یعنی جسم مبارک پر زیادہ بال نہیں تھے۔شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں اجرد اى غير اشعر لكن هذا باعتبار اغلب المواضع لوجود الشعر فى مواضع من بدنه (مواهب ص ۱۹) (اجرد کے معنیٰ بالوں سے خالی تاہم یہ آپؐ کے بدن مبارک کے اکثر حصّہ کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ آپؐ کے بدن کے کچھ حصوں پر بال بھی پائے جاتے تھے) وفى القاموس ان الاجرد اذا جعل وصفاً للفرس كان بمعنى

صغر شعره واما اذا جعل وصفاً للرجل فمعناه انه لاشعر عليه (جمع ص ۳۲) (''قاموس'' میں ہے کہ اجرد جب گھوڑے کی صفت ہو تو بالوں کے چھوٹا اور کوتاہ ہونے کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور جب یہ انسان کی صفت واقع ہو تو اس کا معنیٰ بالوں سے خالی ہونا ہے) وقيل اجرد اى ليس فيه غل ولا غش فهو على اصل الفطرة (جمع ص ۳۲) (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجرد سے مراد یہ ہے کہ جس میں کوئی آمیزش، خیانت اور ملاوٹ نہ ہو اور وہ اپنے اصلی فطرت پر ہو) اور بعض حضرات نے کہا اجرد من كثافة البدن والروح کہ آپ ؐ بدن اور روح کے میل کچیل سے پاک تھے۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ صوفیانہ معنیٰ ہے اور اس پر تعریض کر گئے اور کہا کہ معنیٰ تو عمدہ ہے لیکن اعضاء اور خلق کے بیان سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے خود یہ توجیہ کی کہ اجرد مقابل اشعر کے ہے کہ آپ ؐ اشعر نہ تھے اشعر کا معنیٰ ہے جس کے تمام بدن پر بال ہوں اجرد کا معنی اکثر بدن بالوں سے خالی تھا تو یہ معنیٰ متعارف ہوئے لغوی نہ ہوئے لیکن عمدہ ہیں۔

ذومسربة اور شثن الكفين کا معنیٰ اس سے قبل حدیث میں گزر چکا ہے۔

تقلع کا معنیٰ:

اذا مشى تقلع... تقلع کا معنیٰ اکھڑنا اور مضبوط قدم لینا اى مشى بقوة (مواهب ص ۱۸) (آپ ؐ قوت اور وقار سے چلا کرتے) وهى مشى اهل الجلادة والهمة لامن يمشى اختيالا (مواهب ص ۱۸) (یہ مضبوط اور باہمت لوگوں کی چال ہوتی ہے، نہ کہ ان لوگوں کی رفتار جو اترا کر چلتے ہیں)۔ كانما ينحط فى صبب. كانما محل نصب میں صفت ہے مفعول مطلق محذوف کی۔ یعنی تقلع تقلعاً كانما الخ اور یہ تقلع کے معنیٰ کی تاکید ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی کہ آپ ؐ کی رفتار مبارک میں قدم اٹھا کر چلنا جھک کر اور تیز رفتاری سے چلنا تینوں صفات پائی جاتی تھیں اور یہی معنیٰ تکفأ کا ہے فالقلع قريب من التكفى (جمع ص ۳۲) (تو قلع اور تکفائکا معنیٰ قریب قریب ہوا) فی ضبب بمعنی من صبب کے ہے اور صبب بلند زمین کو کہتے ہیں چونکہ بلندی اور پستی امورِ اعتباریہ میں سے ہیں اسلئے اگر فی کو اپنے معنیٰ پر رکھا جائے تو بھی صحیح ہے۔

واذا التفت التفت معًا ای بجمیع اجزائه فکان اذا توجه الی شئی توجه بکلیته ولا یخالف بعض جسده بعضاً کیلا یخالف بدنه قلبه وقصده مقصده فی ذلک من التلون وامارة الخفة وعلم التصون (مناوی ص ۳۲) مراد یہ ہے کہ حضور اقدسؐ جس طرف بھی توجہ فرماتے تو وہ توجہ تام ہوتی اور مکمل طور پر اس طرف متوجہ ہو جاتے تاکہ جسم وقلب اور قصد ومقصد میں مخالفت نہ ہو۔ یعنی جب کسی کی بات سنتے یا کسی معاملہ کو نمٹاتے یا نمٹانے کا معاملہ فرماتے تو اس میں لاپرواہی کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ عام متکبر لوگ کرتے ہیں بلکہ تلون مزاجی اور اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنے کی علامت ہوا کرتی وحاصله انه اذا توجه الی انسان للتکلم اوغیره یلتفت الیه بجمیعه ولا یتوجه الیه بلیِّ العنق لانه فعل المختالین (جمع ص ۳۲) (اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپؐ کسی کی طرف کلام وغیرہ کے لئے متوجہ ہوتے تو پورے بدن اور پوری توجہ سے اس کی طرف التفات کرتے متکبرین کی طرح صرف گردن موڑ کر ملتفت نہ ہوتے)

خاتم النبوة :

بین کتفیه خاتم النبوة وهو خاتم النبیین ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپؐ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے تھے اس موضوع پر تفصیلی بحث آئندہ باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں اجمالاً عرض ہے کہ بین الکتفین لغوی اعتبار سے سینے کو بھی کہتے ہیں اور پشت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر محاورہ میں پشت کے حصے کو کہتے ہیں لفظ نبوۃ' نبا سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے نبا السیف ای اذا ارتفع (عرب کے مقولہ میں نبأ السیف اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ اپنی تلوار کو (دشمن کے مقابلہ میں) بلند کرے) اور نبوت میں نبی کو بھی مخلوق سے بلند' مختار اور برگزیدہ بنالیا جاتا ہے یا نبأ بمعنی بھاری خبر دینے سے ماخوذ ہے اور نبی بھی بھاری خبریں دیتا ہے۔

لفظِ خاتم کی بحث:

لفظ خاتم کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے (۱) ختام (۲) خاتام (۳) خاتیام اس کی جمع

خواتیم اور خیاتیم آتی ہے یہ خاتم ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو باقی بدن سے مرتفع دونوں کندھوں کے درمیان تھا اور کبوتر جیسے پرندہ کے انڈہ کے بقدر تھا جیسے علامہ بیجوریؒ بھی نقل کرتے ہیں **ای قطعة لحم کانت بارزة بین کتفیه بقدر بیضة الحمامة اوغیرها** (مواهب ص ۱۹) جو آپ کی نبوت اور صداقت کی علامت تھا اور یہی علامت کتب سابقہ میں مذکور تھی **و کان فی الکتب القدیمة منعوتاً بهذ الاثر فهو علامة علیٰ نبوته** (مواهب ص ۱۹) (اور کتب سابقہ سماوی میں بھی اسی علامت سے موصوف تھے تو گویا یہی آپ ﷺ کی نبوت کی علامت ہوئی) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرشتوں کے مقابلہ میں شیاطین ہیں' انبیاء کے مقابلہ میں دجاجلہ ہیں جیسے حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایک خاتم یا مہر ختم نبوت تھی، اسی طرح جو خاتم الدجاجلہ ہوگا اس پر بھی ایک خاتم یا مہر لگی ہوگی جیسے کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۳) **وهو خاتم النبیین ای آخرهم فلانبی بعده تبتدا نبوته فلا یرد عیسیٰ علیه السلام لان نبوته سابقةلامبتداة بعد نبینا** ﷺ (مواهب ص ۱۹) (اور آپؐ خاتم النبیین ہیں سب سے آخر میں مبعوث ہوئے لہذا آپؐ کے بعد از سرِ نو کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ورود سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ وہ سابقہ نبوت کی بنیاد پر تشریف لائیں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد وہ نئی نبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے)۔

اجود الناس صدراً :

اجود الناس صدراً ... حضور اقدس ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپؐ سینہ کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سے زیادہ فیاض تھے آپؐ کے ہاں مال کی کثرت اور اعطاءِ مال سب سے زیادہ کا ثبوت نہ بھی ہو تب بھی قلب مبارک سب سے زیادہ سخی تھا کہ جو کچھ بھی میسر ہوتا خندہ پیشانی سے عطا فرماتے تھے اور یہ بھی آپؐ ہی کی خاصیت تھی ورنہ عموماً سخی لوگ بھی تنگ ہونے لگتے ہیں اور ہمیشہ خوش دل اور خوش رُو ہونا مشکل ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک کو اجود کہا گیا اس لئے کہ سخاوت انشراحِ صدر سے ہوتی ہے

اور سینہ قلب کا محل ہے اور دراصل سخاوت قلب کی صفت ہے فیکون من تسمیة شئی باسم محله او مجاوره (جمع ص ۳۳) (تو اجود الناس صدراً میں ایک چیز کا نام اس کے محل اور مجاور کے نام سے مسمی کرنا ہے یعنی ذکر سینے کا ہے اور مراد قلب ہے) گویا اجود الناس قلباً کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مبارک اجود القلوب (سب دلوں سے زیادہ سخی) تھا والمراد ان جوده کا ن عن طیب قلب وشرح صدرٍ وسجیةِ طبع لاعن تکلف وتصلّف (جمع ص ۳۳) (مطلب یہ ہے کہ آپ کی سخاوت دل کی پاکیزگی، سینہ کی کشادگی اور طبعی عادت کی وجہ سے تھی، تکلف اور بناوٹ کی وجہ سے نہیں تھی)

(۲) اوسعهم قلباً یعنی آپ کشادہ دل والے تھے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تصریح بھی آئی ہے کان اجود الناس کفّاً وارحب الناس صدراً والرحب بمعنی السعة (جمع ص ۳۳) (لوگوں میں سب سے زیادہ جود وسخا والے اور کشادہ سینے والے تھے۔ رحب کے معنیٰ کشادگی ہے)۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ الجَودَة (بفتح الجیم) سے ماخوذ ہے اور جاد کا مصدر ہے اذا صار جیّداً ای احسنهم قلباً بسلامته من کل رذیلة من بخل وغش وغیرهما (جمع ص ۳۳) (یعنی آپ کا قلب مبارک ہر قسم کے رذائل، بخل، دھوکہ وغیرہ سے سالم اور پاک تھا)

اصدق الناس لهجةً:

اصدق الناس لهجة .... یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طرزِ گفتگو کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچے تھے آپ کے منہ مبارک سے کبھی بھی جھوٹی بات نہیں نکلتی تھی۔ لهجة (بفتح الهاء وسکونها) اگر بالسکون ہو تو معنیٰ زبان ہے اور اگر بالفتح ہو تو معنیٰ تحریک لسان کا ہوتا ہے ای لساناً علی ما فی المهذب اوتحریکه علی مافی الفائق (جمع ص ۳۳) (یعنی لهجة کا معنیٰ زبان ہے جیسے کہ ''مهذب'' میں ہے یا زبان کی تحریک مراد ہے جیسے کہ ''فائق'' میں ہے۔ سمع کے باب سے ہے لهجت الریح یعنی ہوا آہستہ آہستہ چلی جس میں تحریک کا معنیٰ مضمر ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لهجة دراصل مطلق آواز کے نکالنے کو کہتے ہیں یہاں مراد کلام ہے مگر صراحة کلام کا لفظ اس لئے

نہیں لایا گیا کہ آپؐ کے کلام میں صدق وسچائی کی تعمیم مقصود ہے جس پر لفظِ لهجة دلالت کرتا ہے جولفظِ کلام سے عام ہے بل بمعنى الكلام لانه هو الذى يتصف بالصدق (مواہب ص ۱۹) (علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ لہجہ کا معنیٰ اگر چہ لغت میں زبان ہے لیکن اس سے یہی عضو مرادنہیں) بلکہ بمعنیٰ کلام کے ہے اس لئے کہ کلام ہی سچائی سے موصوف ہوسکتا ہے) کلام میں صدق وسچائی حضور اقدسؐ کے تمام اوصافِ جلیلہ کی طرح ایک امتیازی وصف ہے جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف تھا حتیٰ کہ عام دنیوی معاملات میں بھی کسی کو آپؐ پر کذب کی تہمت کی جرأت نہیں ہوئی چنانچہ جب عتبہ بن ابی لہب کو حضور اقدس ﷺ نے بددعا دی کہ تجھ پر اللہ پاک کوئی کتا مسلط کرے گا تو وہ سفر میں نہیں جایا کرتا تھا اسے یقین تھا کہ حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ زبان صدقِ وصفا ہے جوفرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا پھر ہوا بھی ویسے جیسے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا۔ بالآخر ایک مرتبہ عتبہ جنگل میں ایک سفر میں نکلا تو شیر نے اسے اچک لیا اور اٹھا کر لے بھاگا تو اس نے کہا تھا کہ میں نے محمد ﷺ سے اصدق لهجةً (زیادہ راست گو) کوئی نہیں دیکھا۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ ادائے کلام اور ادائے مخارج میں صحیح اور موزوں تر لہجہ رکھتے تھے۔

فيتكلّم بمخارج الحروف كما ينبغى بحيث لا يقدر عليه احد (جمع ص ۳۲) (حروف کے مخارج کے مطابق کلام فرماتے، اس طور پر کہ کوئی دوسرا شخص اس جیسے کلام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا) آپؐ کی طرح پاکیزہ اور مناسب لہجہ کسی بھی دوسرے کا نہ تھا اسلئے، مخلوق میں آپؐ افصح تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ انا افصح العرب وان اهل الجنة يتكلمون بلغة محمد ﷺ . میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اور اہلِ جنت محمد ﷺ کی زبان (عربی) میں باتیں کریں گے۔

وضع المظهر موقع المضمر :

اصدق الناس لهجة پر ایک شبہ یہ کیا گیا ہے کہ جب اس سے قبل اجود الناس صدرا گذر چکا ہے تو اب ضمیر کا موقع تھا اصدقهم کہا جاتا اسم ظاہر کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہاں (ضمیر کی

جگہ پر اسم ظاہر ذکر) کیا گیا ہے۔ نیز اس کے بعد کے جملہ میں بھی تو ضمیر لائی گئی ہے الینھم اگر یہاں اسم ظاہر لانا تھا تو بعد والے جملے میں بھی اسم ظاہر لانا چاہئے تھا اور الین الناس کہا جاتا۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ دراصل آپ ؐ کو لوگوں پر ترجیح دینے میں مبالغہ مقصود ہے اسلئے تاکیداً ,,الناس،، کو صراحۃً ذکر کیا گیا اور جب اس جملہ میں ایک مرتبہ تاکید ہوگئی تو پھر الینھم میں تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی اسلئے حسب قاعدہ بعد والے جملے میں ضمیر لائی گئی۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں **النکتة هی زیادة التمکن کما فی قل هوا لله احد الله الصمد حیث لم یقل هو الصمد وبالحق انزلناه وبالحق نزل ماقال وبه نزل** (مناوی ص ۳۳) یعنی اس میں تاکید کی زیادتی کا نکتہ ہے جیسا کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ" میں ہے ، کہ یہاں پر (ضمیر کو ذکر نہیں کیا اور "هُوَ الصَّمَدُ" نہیں کہا (بلکہ اللّٰهُ الصَّمَدُ کہا اسی طرح) وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ فرمایا اور بِهٖ نَزَلَ نہیں فرمایا۔

الينهم عريكة :

الينهم عريكة ... یعنی حضور اقدس ﷺ نہایت ہی نرم طبیعت کے مالک تھے .الین اسم تفضیل ہے **افعل من اللین ضد الصلابة** (مناوی ص ۳۳) (یعنی الین مادہ لین سے اسم تفضیل ہے اور صلابة (سختی) کا ضد ہے) اس کا مصدر لینٌ ولیان آتا ہے جس کا معنیٰ نرمی ہے **عریکة** بروزن **فعیلة** بمعنیٰ اسم مفعول **معروکة** کے ہے **عریکة** کا معنیٰ مزاج وطبیعت ہے **والعریکة الطبیعة** (مناوی ص ۲۸) **معروکة** کا معنیٰ رگڑی ہوئی چیز' مصدری معنیٰ ''رگڑ'' کے ہوتے ہیں مراد مزاج اور طبیعت کے ہیں جو مختلف حالات واطوار اور مراحل سے گزر کر رگڑ جاتی ہے تو معنیٰ یہی ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت نرم تھی کسی پر ناراضگی اور انتقام کا خیال نہیں فرماتے تھے تاہم یہ ملحوظ رہے کہ ناحق فعل پر کسی کی رعایت کرنا یہ لین (نرمی) مطلوب نہیں ہے بلکہ مداہنت اور شرعاً گناہ ہے **ومعنیٰ لینها انقیادها للخلق فی الحق فکان معهم علی غایة من التواضع والمسامحة والحلم مالم تنتهک حرمات الله تعالی** (مواهب ص ۱۹) یعنی ''لین'' کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق کے معاملے میں

مخلوق کے موافق ہو، تو گویا وہ انتہائی تواضع اور صبر و برداشت سے ان کا ساتھ دیتا ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوں) جب کسی شخص سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جو موجب اعراض وانکار ہو یا مستوجبِ سزا ہو یعنی شریعت کے خلاف ہو تو اس پر مواخذہ ونکیر شرعاً مطلوب ہے البتہ ایسی حرکت جو موجب تکلیف' خلافِ طبیعت اور باعثِ تکدر تو ہو مگر اس سے امورِ شرعیہ کا ترک نہ ہوتا ہو وہاں رعایت کرنے کو لین کہتے ہیں یہی لین حضور اقدس ﷺ کی فطرت تھی فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (۳: ۱۵۹) (سو اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا)۔

خاندانی تفوّق وامتیاز:

واکرمهم عشيرة --- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نسبی اور خاندانی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ مکرم' باعزت اور بزرگ تھے۔ لفظ عشيرة' عشر سے ماخوذ ہے اور عشر جماعت ہے اسی سے قبیلہ کو بھی عشيرة کہا جاتا ہے بعض نسخوں میں عِشْرَة کا لفظ نقل کیا گیا ہے جو معاشرہ کے معنیٰ سے ماخوذ ہے معنیٰ ہوگا مجالست اور صحبت واجتماعی زندگی اور میل جول میں رعایت کرنا۔ علامہ مناویؒ عشرة (بکسر عین) کا یہی معنیٰ نقل کرتے ہیں بالكسر اسم من المعاشرة وهي المخالطة (مناوی ص ۲۸) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و كلا المعنين صادق في حقه ﷺ لان قبيلته اشرف القبائل ومخالطته اكرم من جميع مخالطة الناس (جمع ص ۳۳) (اور دونوں معانی آپؐ پر صادق آتے ہیں اس لئے کہ قبیلوں میں آپ کا قبیلہ سب سے زیادہ معزز تھا اور لوگوں کے ساتھ آپؐ کا میل جول بھی انوکھا تھا)۔

علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ عباد (بندوں) سے اللہ تعالیٰ کا تعلق دو طرح کا ہے (۱) خلق کا (۲) اختیار کا۔ دوسرے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ خلق کے بعد اس میں سے کوئی چیز اللہ نے اپنے لئے پسند اور منتخب فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اولاد اسمٰعیل یعنی عرب کو پھر عربوں میں سے بنی کنانہ (یعنی خزیمہ) کو پھر اولاد کنانہ سے قریش کو پھر قریش میں سے بنو ہاشم کے خاندان کو پھر بنو ہاشم سے سردار دو عالم محمد ﷺ کو منتخب فرمایا۔ علامہ ابن قیمؒ کے الفاظ یہ ہیں ومن هذا

اختیارہ سبحانہ ولد اسمٰعیل من اجناس بنی آدم ثم اختار منهم بنی کنانة من خزیمة ثم اختار من ولد کنانة قریشا ثم اختار من قریش بنی هاشم ثم اختار من بنی هاشم سید ولد آدم محمدا صلی الله علیه وسلم (زاد المعاد ص ۱۹ ج ۱)

باقی رہا یہ سوال کہ عرب تو بعثت سے قبل تباہ حال تھے عاصی، طاغی، نافرمان اور گندے حالات میں تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان کی بربادیاں اور تباہیاں ان کے اعمال کی وجہ سے تھیں اور اعمال عموماً مجالس کے تابع ہوتے ہیں ان القرین بالقرین مقتدی (کہ ایک مصاحب (ساتھی) اپنے مصاحب کا پیروکار ہوتا ہے) لیکن صلاحیتیں، استعداد، ملکات اور اخلاق فطری ہوتے ہیں عرب ان فطری خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز اور منتخب تھے عربوں پر اوپر کی دونوں باتیں صادق آتی ہیں وہ وہبی ملکات، قدرتی صلاحیتوں اور خداداد استعداد اور فطری اخلاق کی وجہ سے اشرف ممتاز اور مکرم تھے۔ لیکن بدعملی، معصیت وبغاوت اور سرکشی کی وجہ سے عظمت ورفعت کے مقامِ ممتاز سے گر گئے تھے۔ جب نورِ ہدایت آیا اور ان کے قلوب نورِ علم سے منور ہوئے اور ان کے ملکات سے تاریکی کے پردے اٹھ گئے تو ان کے حقیقی اور باطنی فضائل ظاہر ہوئے اور ان کو اقوامِ عالم میں امتیازی مقام نصیب ہوا۔

رعب بھی اور محبوبیت بھی:

من رآہ بدیهة هابه ومن خالطه معرفة احبه.. حضرت علیؓ فرماتے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کو اچانک دیکھ لیتا هابه یعنی اس پر رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی تھی لما فیه من صفة الجلال وعلیه الهیبة الالهیة والفیوض السماویة (مناوی ص ۳۴) یعنی صفتِ جلال کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا آپؐ پر ہیبت الٰہی طاری رہتی اور آسمانی فیوض کا نزول ہوتا۔

یہ ہیبت اور رعب یا خوف حضور اقدس ﷺ کے تقویٰ، پرہیزگاری اور خوفِ خدا کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتے ہیں تو جبرائیل سے فرماتے ہیں کہ تو بھی اس کے ساتھ محبت کر الخ۔ ان الله اذا احبّ عبداً دعا جبرائیل فقال انی احبّ فلاناً فاحِبّه، الحدیث (مشکوٰۃ ص ۴۲۵) (بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر

فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب بنالے) البتہ ایسے لوگ جن کی ہیبت یا عظمت کسی عہدہ، دنیا یا حکمرانی اور ظلم و جبر کی وجہ سے ہو، عظمت واحترام احکام الٰہی کی وجہ سے نہ ہو تو وہ ہیبت نہیں بلکہ خوف اور دہشت ہے اس کی پہچان بھی آسان ہے وہ یوں کہ جس شخص سے پہلے پہل علماء اور صلحاء محبت کریں تو وہ مِن جانب اللّٰہ ہے اور اگر اس سے محبت میں عوام کالانعام (جو چوپائیوں کی مانند ہیں) پہل کریں تو یہ محبت من جانب اللّٰہ (اللہ کی طرف) نہیں ہوگی

قال ابن القیمؒ والفرق بین المهابة والکبر ان المهابة اثر من آثار امتلاء القلب بعظمة الرب ومحبته واجلاله فاذا امتلأ القلب بذلک حل فیه النور ونزلت علیه السکینة والبس رداء الهیبة فکلامه نور وعلمه نور ان سکت علاه الوقار وان نطق اخذ بالقلوب والابصار واما الکبر فانه اثر من آثار امتلاء القلب بالجهل والظلم والعجب فاذا امتلا القلب بذلک ترحلت عنه العبودیة وتنزلت علیه الظلمات الغضبیة فمشیته بینهم تبختر ومعاملته لهم تکبر لا یبدأ من لقیه بالسلام وان رد علیه یریه انه بالغ فی الانعام لا ینطق لهم وجهه ولا یسعهم خلقه (مواهب ص ۱۹)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہیبت الٰہی اور کبر کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہیبت، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت و بڑائی کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور جب دل کے اندر مذکورہ صفات آجائیں تو اس میں ایک خاص نور آجاتا ہے اور اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور وہ ہیبت کے لباس سے مزین ہوجاتا ہے پس اس کا کلام بھی پُرنور رہتا ہے اور علم بھی پُرنور رہتا ہے اگر وہ خاموش رہے تو اس کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر وہ بولنے لگے تو دلوں اور نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور کبر کی پہچان یہ ہے کہ یہ عُجب، تاریکی اور جہالت کے اثر سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دل کبر سے بھر جاتا ہے تو اس سے بندگی رخصت ہوجاتی ہے اور اس پر غضب کی تاریکی چھا جاتی ہے پس وہ لوگوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے اور ان کے ساتھ تکبر کا معاملہ کرتا ہے، اپنے ملنے والوں ، سلام کرنے میں پہل نہیں کرتا اور اگر لوگوں کو سلام کا جواب دیتا ہے تو گویا ان پر ایک بڑا انعام کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش نہیں آتا)۔ بدهٔ، بداهةً اور بدیهةً کا معنیٰ ،اچانک،، کے آتے ہیں۔ رویة بداهةٍ (یعنی مضاف رؤیة محذوف ہے) تھی مضاف الیہ کو قائم مقام مضاف کے کیا گیا ہے بدہ

الامر ای فاجا یعنی اچانک امر کا واقع ہونا اور مَنْ شرطیہ ہے جبکہ ھابه جزاء ہے شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای روية بديهة فهو مفعول مطلق يعنى فجآة من غير سابقة مخالطته و معرفة احواله او قبل النظر فى اخلاقه العالية و احواله السنية (مناوی ص ۲۴) یعنی تقدیرِ عبارت یوں ہے روية بديهة پس یہ رأی کا مفعول مطلق ہے مراد اچانک دیکھنا بغیر کسی سابقہ اختلاط و ملاقات اور حالات کے پہچان کے۔ یا آپؐ کے بلند اخلاق اور روشن حالات میں غور کرنے سے پہلے دیکھنا۔ و من خالطه جس نے آپؐ سے کثرتِ مجالست کی، قریب آیا تو وہ ہمیشہ آپ کے لئے بے تاب رہا' دل و جان سے فدا ہوا اور اسی مجلس و صحبت کو حاصل زیست قرار دیا یہی معنیٰ ہے احبه کا' ۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں لكمال حسن معاشرته و باهر عظيم مؤالفته حباً شديدًا حتى صار عنده احب اليه من والديه وولده والناس اجمعين (جمع ص ۳۴) یعنی آپؐ کی مثالی حسنِ معاشرت اور بے مثال الفت کی وجہ سے لوگ آپؐ کے گرویدہ ہو جاتے یہاں تک کہ آپؐ ان کو اپنے والدین' اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاتے۔ يقول ناعته ای واصفه اجمالاً عجزاً عن بيان جماله وكماله تفصيلاً (جمع ص ۳۴) (آپؐ کے جمال و کمال کو تفصیل سے بیان کرنے سے عاجز انسان اجمالاً آپؐ کی صفت یوں بیان کرتا تھا) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں النعت الوصف بالجميل والوصف اعم والمعنىٰ من اراد ان يصفه وصفاً تامًا بالغًا فيعجز عن وصفه يقول الخ (مناوی ص ۳۴) (کہ لغت کا معنیٰ کسی کو جمیل اور خوبصورت وصف سے بیان کرنا اور وصف عام ہے۔ یعنی نعت اور وصف میں عموم خصوص مطلق ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ کے انتہائی اوصاف تامہ کا تذکرہ کرے گا تو وہ اوصاف کاملہ بیان کرنے سے عاجز ہو کر کہے گا لم ارقبله الخ) لم ار الخ ای لم ارقبله ولا بعده من يساويه صورة وسيرة وخَلقاً وخُلقا (مواهب ص ۲۰) یعنی (آپؐ کی صفت بیان کرنے والا کہتا کہ) میں نے آپ جیسی شخصیت نہ آپ سے پہلے دیکھی ہے نہ آپؐ کے بعد جو صورت، سیرت، اخلاق اور خلقت میں آپؐ کی ہم پلّہ ہو۔ یہ چند حوالے اضافی اور طلباء حدیث کے افادہ کے لئے لکھ دیئے ہیں۔

حدیث کے اس حصہ کی بحث اس سے قبل کی روایت میں تفصیل سے آچکی ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى رَحِمَهُ اللّٰهُ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِيَّ يَقُوْلُ فِيْ تَفْسِيْرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُمَّغِطُ الذَّاهِبُ طُوْلاً وَقَالَ سَمِعْتُ اَعْرَابِيًّا يَقُوْلُ فِيْ كَلَامِهِ تَمَغَّطَ فِيْ نُشَّابَتِهِ اَىْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيْدًا وَالْمُتَرَدِّدُ الدَّاخِلُ بَعْضُهُ فِيْ بَعْضٍ قِصَرًا وَاَمَّا الْقَطِطُ فَالشَّدِيْدُ

الْجُعُوْدَةِ وَالرَّجِلُ الَّذِىْ فِيْ شَعْرِهِ حُجُوْنَةٌ اَىْ تَثَنٍّ قَلِيْلًا وَاَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادِنُ الْكَثِيْرُ اللَّحْمِ وَالْمُكَلْثَمُ الْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ وَالْمُشْرَبُ الَّذِىْ فِيْ بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ وَالْاَدْعَجُ الشَّدِيْدُ سَوَادِ الْعَيْنِ وَالْاَهْدَبُ الطَّوِيْلُ الْاَشْفَارِ وَالْكَتِدُ مُجْتَمَعُ الْكَتِفَيْنِ وَهُوَ الْكَاهِلُ وَالْمَسْرُبَةُ هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيْقُ الَّذِىْ كَاَنَّهُ قَضِيْبٌ مِّنَ الصَّدْرِ اِلَى السُّرَّةِ وَالشَّثْنُ الْغَلِيْظُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ وَالتَّقَلُّعُ اَنْ يَّمْشِيَ بِقُوَّةٍ وَالصَّبَبُ الْحَدُوْرُ تَقُوْلُ اِنْحَدَرْنَا فِيْ صَبُوْبٍ وَّ صَبَبٍ وَقَوْلُهُ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ يُرِيْدُ رُءُوْسَ الْمَنَاكِبِ وَالْعِشْرَةُ الصُّحْبَةُ وَالْعَشِيْرُ الصَّاحِبُ وَالْبَدَاهَةُ الْمُفَاجَأَةُ يُقَالُ بَدَهْتُهُ بِاَمْرٍ اَىْ فَجَأْتُهُ.

ترجمہ: ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن حسین سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سنا جو کہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کی تشریح میں یوں فرماتے تھے اَلْمُمَّغِطُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ لمبا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی کو سنا جو اپنے کلام میں کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور مُتَرَدِّدُ کا معنیٰ یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے بعض حصے بعض میں ملے ہوئے ہوں کوتاہ ہونے کی وجہ سے اور قَطِطُ سے مراد بالوں کا شدت کے ساتھ گھنگھریالہ ہونا اور رجل کا معنیٰ معمولی گھنگھریالے ہونا ہے مُطَهَّمُ بھاری جسم والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور مُکَلْثَم گول چہرے والے آدمی کو کہتے ہیں مُشْربُ اس رنگ کو کہتے ہیں کہ سفیدی میں سرخی کی ملاوٹ ہو اور اَدْعجُ بالکل سیاہ آنکھوں والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور اَهْدَبُ لمبی پلکوں والے آدمی

کو کہتے ہیں اور کَتِدُ دونوں کندھوں کے اکھٹے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اوراس کو کَاهِلُ کا نام بھی دیا گیا ہےاور مَسْـرُبَةُ باریک بالوں کو کہتے ہیں' گویا ایک پتلی لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے اور شَثْنُ سے مراد دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا پُر گوشت ہونا ہےاور تَـقَلَّعَ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قوت کے ساتھ چل رہا ہےاور صَبَبٌ سے مراد پستی یا ڈھلوان ہے جیسے تو کہتا ہے کہ ہم نچلی جگہ میں اُتر گئے اور راوی کے جلِيْلُ الْمُشَاشِ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کندھوں کے کنارے بڑے تھے اور عِشْرَةٌ کا معنیٰ رفاقت اور عَشِيْرٌ سے مراد ساتھی ہے بَدِيْهَةٌ سے مراد اچانک ملاقات ہے جیسے کہا جاتا ہے میں اس کے پاس کوئی معاملہ لیکر اچانک آیا۔

قال ابوعیسیٰ:

قال ابو عیسیٰ ... شارحینِ حدیث نے اس میں دو توجیہات بیان کی ہیں (۱) یہ خود مصنف کا کلام ہےاور وہ اسی کنیت سے مشہور ہیں (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تلامذہ کا کلام ہو۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں عبر عن نفسه بكنيته لاشتهاره بها ويحتمل كونه من كلام الرواة عنه (مناوی ص ۳۴) (امام ترمذیؒ چونکہ اسی کنیت سے مشہور تھے اس لئے نام کے بجائے اس کو ذکر کیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آپؒ سے روایت کرنے والے کا کلام ہو)۔

اس روایت میں مشکل الفاظ آئے ہیں۔امام ترمذی ان مشکل الفاظ کے معانی' توضیح اور تشریح کرنا چاہتے ہیں یہ معانی وتوضیح بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ معروف ائمہ لغت کے حوالے سے نقل کردی ہیں مشکل الفاظ کے معانی وتوضیح کے علمی کام کا نام ''غریب اللغات'' ہے جو فن حدیث کا ایک شعبہ ہے۔

امام ابوالقاسم جاراللہ زمخشریؒ نے الفائق الحدیث کے نام سے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی ہے امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب بھی معروف اور متداول ہے۔

(۲۹) امام اصمعیؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

فی تفسیر صفة النبی صلی الله علیه وسلم :

ابوجعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سنا یقول فی تفسیر صِفة النبی ﷺ یعنی امام اصمعیؒ حضوراقدس ﷺ کے حلیہ مبارک سے متعلق احادیث کے مشکل الفاظ اورغریب لغات کی توضیح میں یوں کہتے تھے ای فی تفسیر ماورد من الفاظ فی صفة النبی ﷺ (یعنی ان مشکل الفاظ کی تفسیر جوحضور ﷺ کے صفت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ای فی شرح بعض اللغات الواقعة فی الخبر المروی (جمع ص ۳۵) (لیکن بعض ان لغات کی شرح میں جو حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کی خبر (حدیث) میں واقع ہیں) دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے کہ مصنف نے امام اصمعیؒ سے جس طرح کلام سنا اسی طرح نقل کردیا جبکہ امام اصمعیؒ نے یہ تفصیل صرف حدیثِ زیربحث کی تشریح وتوضیح میں بیان نہیں کی بلکہ انہوں نے مطلقاً صفة النبی (نبی علیہ السلام کی صفت) میں واقع الفاظِ حدیث کی تفسیر بیان کی ہے ولقد نبه علیه المصنف بقوله فی تفسیر صفة النبی دون ان یقول فی تفسیر هذا الحدیث (جمع ص ۳۵) یعنی مصنفؒ نے" فی تفسیر صفة النبی" کہہ کر مذکورہ بات پرمتنبہ کیا ہے یہ نہیں کہا کہ یہ تفصیل اسی حدیث کی تفسیر میں ہے

المُمّغِط الذّاهب طولا... ممغط سے متعلق پچھلی حدیث میں تحقیق گزرچکی ہے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں واصل الممغط من مغطت الحبل فانمغط ای مدته فامتد (مواھب ص ۲۰) (الممغط یہ دراصل مغطت الحبل الخ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ میں نے رسی کوزور سے کھینچا تو پھر وہ لمبی ہوگئی) ممغط ایسی انسانی قدوقامت جوزیادہ دراز ہو پہلی روایت میں لیس بالطویل البائن سے بھی واضح کردیا گیا کہ آپؐ کا قدمبارک نمایاں دراز نہیں تھا جومعیوب سمجھا جاتا ہے پچھلی روایت کے الفاظ یہ تھے لیس بالطویل الممغط۔

حضوراقدس ﷺ کا قدمبارک قدرِ اعتدال کے ساتھ درازی کی طرف مائل تھا امام ذہلیؒ کی یہ روایت اس سے قبل بھی نقل کی جاچکی ہے کہ وهو اقرب الی الطول (کہ آپ ﷺ قدوقامت میں مائل بہ درازی تھے) امام اصمعی اپنے بیان کردہ اس معنیٰ پر دلیل پیش کرتے ہوئے بیان فرماتے

ہیں وقال سمعت اعرابیاً الخ بعض حضرات نے یہاں قال کی ضمیر کا مرجع ابو جعفر اور بعض نے مصنف قرار دیا ہے یہ محض وہم اور صریح غلطی ہے بلکہ قال کی ضمیرِ فاعل کا مرجع اصمعی ؒ ہیں۔

امام اصمعی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کو سنا حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں عرب کے دیہاتی لوگوں کی زبان کو معیار سمجھا جاتا تھا شہری ماحول میں اغیار کی آمد اور اختلاط کی وجہ سے عربی زبان محفوظ نہیں تھی چونکہ دیہاتی لوگ اس اختلاط سے محفوظ تھے اسی وجہ سے ان کی عربی بھی خالص اور معیاری سمجھی جاتی تھی اس وجہ سے مکّہ کے معززین بھی اپنی اولاد کو پیدائش کے بعد کچھ عرصہ کے لئے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے دیہاتوں کی بہتر آب وہوا اور اصل عربی کی حفاظت کا فائدہ حاصل کیا جاتا تھا خود حضور اقدس ﷺ نے بھی اپنی عمر کے ابتدائی چار سال دیار بنی بکر میں حضرت حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں گزارے بہرحال اصمعی ؒ فرماتے ہیں کہ دیہاتی نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور کہا **تمغط فی نُشابته ای مدّھا مداً شدیداً اشارة الی لزوم المد والامتداد للکلمة** (جمع ص ۳۵) (اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کلمہ کے ساتھ "خوب کھینچنے" کا معنی لازم ہے) نشابہ تیر کو کہتے ہیں۔ جو کمان کے چلے میں چڑھا کر زور سے کھینچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نشانے پر پہنچ جائے

امام ابو القاسم القشیری ؒ، نضر بن شمیل مازنی ؒ، کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام مازنی ؒ جو علمِ حدیث صرف اور نحو کے امام تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک تہہ بند خریدا ۔ **فوجدته قصیراً** مگر اسے چھوٹا پایا اور میرے لئے مکمل ستر کا کام نہیں دیتا تھا مگر خرید چکا تھا اب واپسی مناسب نہ تھی یا ممکن نہ تھی **فسألت ربی ان یمغِط لی ذرعاً** پس میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ وہ اس تہہ بند کو ایک ہاتھ کے برابر کھینچ دیں تاکہ یہ مجھے مکمل فائدہ دے سکے۔

چنانچہ رب العالمین نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا تہہ بند از خود ایک ہاتھ کے برابر بڑھ گیا الفاظ پر غور کیا جائے تو امام مازنی ؒ، کے اس کلام سے بھی **تمغط** کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

قامتِ معتدل:

والمتردد الداخل بعضه فی بعضٍ قِصراً .... متردد، رد سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ

متعدی ہیں رد کرنا اور متردد اس کا لازم ہے یعنی (رد ہونا) مراد گٹھا ہوا، انسان کے جسم کے بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں فلشدة قصره كان بعض اعضائه دخل فی بعض فیردد الناظر اهو صبی ام رجل (مواهب ص ۲۰) یعنی بہت زیادہ کوتاہ ہونے کی وجہ سے بعض اعضاء دوسرے بعض اعضاء میں گھسے ہوئے ہوں تو دیکھنے والے کو شک ہوتا ہے کہ یہ بچہ ہے یا بڑا آدمی؟ یہ حالت ٹھگنے آدمی کی ہوتی ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے حضور اقدس ﷺ کی قد مبارک کے بارے میں گذشتہ حدیث میں صریح الفاظ منقول ہیں کہ ولا بالقصیر المتردد کہ نہ ہی اس قدر پست قامت تھے کہ آپ کے اعضاء ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں بلکہ آپؐ کا قد مبارک اعتدال کے ساتھ لمبائی کی طرف مائل تھا۔

واما القطط فالشدید الجعودة والرجِل الذی فی شعره حجونة ای تثنٍ قلیلا.. لفظِ قطط کا معنیٰ بہت شکستہ بال ہونا جبکہ اس سے قبل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی صفت میں آیا ہے لم یکن بالجعد القطط یعنی آپؐ بہت زیادہ شکستہ بالوں والے نہیں تھے ولا بالسبط تھے نہ ہی آپؐ کے بال مسترسل تھے۔ بلکہ جعداً رجلاً یعنی قدرے گھنگھریالے تھے حجونة کا معنیٰ ٹیڑھا ہونا اور محجن اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سر ٹیڑھا ہو عربی میں باز کے پنجرے کو بھی محجن کہتے ہیں کہ اس کا سر ٹیڑھا ہوتا ہے تثن قلیلاً .. تثن باب تفعل کا مصدر ہے۔ دراصل تثنِیٌ تھا پھر قاضٍ کی طرح تثنٍ ہو گیا تنوین تقلیل کے لئے ہے قلیلاً اس کی تاکید ہے لفظِ ای سے تفسیر یا تو امام اصمعیؒ کر رہے ہیں یا ابو جعفرؒ یا خود امام ترمذیؒ کر رہے ہیں۔

جسم اطہر کی وضعِ مبارک:

واَمّا المطهّمُ فالبادن الكثير اللحم .... مطّهم بھاری جسم والے پر بولا جاتا ہے جو گوشت کی زیادتی کی وجہ سے وزنی ہو گیا۔ البادن اسم فاعل بمعنیٰ ذی بدن اور کثیر اللحم اس کی تفسیر ہے ۔ ضرب یضرب کے باب سے ہے نصر سے بھی آتا ہے بمعنیٰ موٹا اور بڑے بدن والا حضور اقدسؐ کے جسم مبارک میں نہ تو لحم کی حد اعتدال سے زیادتی تھی نہ موٹائی، جس سے جسم بھدا معلوم ہو۔ المکلثم کی مراد امام اصمعیؒ نے المدور الوجه سے بتائی ہے ایسا چہرہ جو درہم کی طرح بالکل گول

ہو آپؐ کا چہرہ ایسا بھی نہ تھا' چہرہ انور میں گولائی بھی تھی مگر موزون انداز ے میں درازی کی طرف بھی میلان تھا شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ولا یکون الا مع کثرۃ اللحم (مناوی ص ۳٦) (اور وہ (گولائی) نہیں ہوتی مگر گوشت کی کثرت کی وجہ سے) والمشرب الذی فی بیاضہ حمرۃ یعنی حضور اقدس ﷺ کے سفید رنگ میں تھوڑی سی سرخی کی ملاوٹ تھی گویا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا والا شراب خلط لون بلون آخر (جمع ص ۳٦) (اشراب اس کو کہتے ہیں کہ ایک رنگ دوسرے رنگ کے ساتھ ملا ہوا ہو) والا دْعَجُ کا مطلب امام اصمعیؒ نے الشدید سواد العین بیان کیا ہے یعنی بہت زیادہ سیاہ آنکھوں والے' ارباب ذوق کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ حسین آنکھیں وہ ہوتی ہیں جن کی پتلیوں میں بہت زیادہ سیاہی ہو جیسے کہ متنبّی نے کہا ہے حضور اقدس ﷺ کی آنکھیں ایسی تھیں وقیل الدعج شدۃ سواد العین فی شدۃ بیاضھا وھو الانسب (جمع ص ۳٦) (بعض لوگ الدعج کا معنیٰ آنکھ کی سیاہی کی زیادتی کا آنکھ کی سفیدی کی زیادتی کے ساتھ ہونا اور یہی معنیٰ زیادہ مناسب ہے) وقیل شدید بیاض البیاض وشدید سواد السواد (مواھب ص ۲۱) (اور بعض کہتے ہیں کہ شید کی سفیدی کا شدید ہونا اور سیاہ کی سیاہی کا شدید ہونا) والاھدب ' یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے . طویل الاشفار لمبی پلکوں والے کو کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی پلکوں میں موزون درازی تھی مولف نے طویل الاشفار کہہ دیا جس سے وہم ہوتا ہے کہ اشفار ہی اہداب ہیں لیکن یہاں مضاف حذف ہے فھو علی حذف مضاف ای الطویل شعر الاشفار (جمع ص ۳٦) (تو یہاں مضاف شعر محذوف ہے یعنی اصل عبارت طویل شعر الاشفار ہوگی) یعنی پلکوں کے بال دراز تھے۔ اومن تسمیۃ الحال باسم المحل (جمع ص ۳٦) (یا یہ از قبیل تسمیہ حال باسم المحل یعنی نام رکھنا حال کا بنام محل کے ہے) والکتد دونوں کندھوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں جسے امام اصمعی مُجْتَمَعُ الکتفین سے تعبیر کرتے ہیں اس کو کاہل کا نام بھی دیا گیا ہے جس کی جمع کواہل آتی ہے وھو مقدم الظھر من العنق اومعرز العنق فی الصلب اوما بین اصل العنق الی اصل الکتفین اواعلی الکتف (مناوی ص ۳۷) مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے کندھے' ہڈیوں کے جوڑ

کہنیاں گھٹنے سب سے بڑے اور مضبوط تھے جو قوت کی علامت ہیں۔

المسربة ، اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ باریک بالوں کو کہتے ہیں گویا کہ ایک پتلی باریک لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے ۔ کانه قضيب اى غصن نظيف اوسيف لطيف على مافى القاموس اوسهم ظريف على ما فى المهذب (جمع ص۳۷) (گویا کہ ایک صاف ستھری ٹہنی یا باریک تلوار ہے جیسے کہ قاموس میں ہے اور یا خوبصورت تیر جیسا کہ مہذب میں ہے) اگلی روایت میں اسے مزید واضح کر دیا گیا ہے۔ الششن کی بحث اس سے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے ششن کا معنیٰ کھردرا ہونا ہے مگر یہاں پر مراد وہ ششن ہے جو الکتفين کی طرف مضاف ہے مطلب پُر گوشت ہونا ہے جو حسن وخوبی اور جسمانی قوت کی علامت ہے۔

تقلع کا معنیٰ قوت کے ساتھ چلنا بیان کیا گیا ہے ان يمشى بقوة تفصیل تو پہلے گزر چکی ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں كانه يرفع رجله من الارض رفعاً قوياً لا كمشي المختالين والمتكبرين ولا كمشى النساء والمريضين (جمع ص۳۷) یعنی آپؐ چلتے وقت پاؤں کو قوت کے ساتھ زمین سے اٹھاتے تھے، آپؐ کی چال مغرور اور متکبر لوگوں کی طرح نہیں تھی اور نہ ہی عورتوں اور بیمار لوگوں کی طرح چلتے تھے۔ الحدور ' ضد الصعود (اترنا چڑھنے کی ضد ہے) ہے

والصبب کا معنیٰ ہے نچلی جگہ یعنی پستی اور ڈھلوان جیسے کہا جاتا ہے انحدرنا فى صبوب وصبب (اى مكان منحدر) یعنی ہم نچلی جگہ میں اتر گئے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فالمقصود ان مشيه ﷺ كان على سبيل القوة وعلى وجه التواضع لا على طريق التكبر والخيلاء قال تعالىٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ' قال عز وجل وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ اى توسط بين الاسراع والتوانى (جمع ص۳۷) یعنی آپؐ کی چال قوت اور تواضع کے ساتھ ہوتی تھی، آپؐ کا اس طرح چلنا تکبر اور اتراہٹ کے طور پر نہیں ہوتا تھا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں'' (۲۵۔۶۳) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر'' (۳۱۔۱۹) یعنی جلدی اور آہستگی کے درمیان رفتار۔

جلیل المشاش کے ترجمے میں امام اصمعیؒ فرماتے ہیں یرید رؤس المناکب یعنی حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے کنارے بڑے تھے جو کہ حسن وقوت کی علامت ہیں۔

والعشرة' عشر کا معنیٰ باہمی میل جول' رفاقت قربت اور صحبت ہے اور العشیر صاحب' ساتھی اور قریبی رفیق کو کہتے ہیں عشیرة کا معنیٰ خاندان ہے کہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے قریب اور مصاحبت میں بہت نزدیک ہوتے ہیں واما العشیرة فالقوم من جهة الاب والام وقوله والعشیر الصاحب ویطلق علی الزوج کما فی خبر ویکفرن العشیر (مواهب ص ۲۱) یعنی ''عشیرة'' سے قوم کے وہ افراد مراد ہوتے ہیں جو باپ اور ماں کی جہت سے ہوں اور ''عشیر'' ساتھی کو بھی کہتے ہیں نیز یہ لفظ شوہر کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ والبداهة المفاجاة' بدیهة سے مراد اچانک ملاقات ہے یقال فجأ ای جاء بغتةً (مناوی) (کہا جاتا ہے فلان فجأ یعنی جب اچانک آجاتا ہے) تفصیلی بحث اس سے قبل گزر چکی ہے شیخ عبدالرؤفؒ اس موقع پر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں قال الحافظ ابو نعیم قد اختلف الفاظ الصحابة فی نعته وصفاته وذلک لما رکب فی الصدور من جلالته وحلاوته وعظیم مهابته وطلاوته ولما جعل فی جسده الشریف من النور الذی یتلألأ ویغلب علی بشرته فاعیاهم ضبط صفته ونعت حلیته حتی قال بعضهم کان مثل الشمس طالعة وقال بعضهم کان یتلا لا تلا لؤ القمر لیلة البدر وقال بعضهم لم ارقبله ولا بعده مثله ولذلک کان اختلا فهم فی نعت خلقته ولونه (مناوی ص ۳۷' ۳۸) حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی توصیف وتعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ جب دلوں میں آپ ﷺ کی آب وتاب، بزرگی، حلاوت اور جلالتِ شان پیوست ہوگئی اور جب آپ ﷺ کا جسمِ اطہر اس نور سے منور ہوگیا جو آپ ﷺ کے جسم پر بھی غالب آگیا تھا لہذا اس سے وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک کی تعریف اور صفت بیان کرنے سے عاجز آگئے تو بعض نے کہا کہ آپ ﷺ مانند آفتاب کے چمک دار تھے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا اور کوئی یہ اعتراف کرنے لگا کہ میں نے آپ ﷺ جیسا انسان نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا ہے اور نہ آپ ﷺ کے بعد۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کی خلقت اور رنگ

مبارک کو بھی مختلف انداز میں بیان کیا۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ

وَكُلٌّ اِلٰى ذٰلِكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

ترجمہ! آپؐ کا بے پایاں حسن ایک ہی ہے اوراس کو بیان کرنے کے لئے ہماری تعبیریں مختلف ہیں تاہم یہ ساری تعبیریں اور عبارتیں اسی جمالِ بے مثال کی طرف راجع ہیں۔

---

(۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ اِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهٖ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُّلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكَنّٰى اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَنْ ابْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِی هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ يَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَيْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًامُّفَخَّمًايَتَلَاْ لَاْ وَجْهُهٗ تَلَاْ لُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيْمُ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَقَ وَ اِلَّا فَلَا يُجَاوِزُشَعْرُهٗ شَحْمَةَاُذُنَيْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ فِیْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَاعِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَى الْعِرْنِيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَّعْلُوْهُ يَحْسَبُهٗ مَنْ لَّمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِیْ صَفَاءِ الْفِضَّةِمُعْتَدِلُ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِيْضُ الصَّدْرِ بَعِيْدُ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيْنِ ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ اَنْوَرُ الْمُتَجَرِّدِ مَوْصُوْلُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِیْ كَالْخَطِّ عَارِی الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ اَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَاَعَالِی الصَّدْرِ طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْقَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ خَمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ مُسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْعَنْهُمَاالْمَاءُ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُوْ تَكَفِّيًاوَيَمْشِیْ هَوْنًا ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيْعًاخَافِضُ الطَّرْفِ نَظْرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَكْثَرُ

مِنْ نَظَرِهٖ اِلَی السَّمَآءِ جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ یَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ یَبْدَءُ مَنْ لَقِیَ بِالسَّلَامِ.

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جمیع بن عمیر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا اس طریقے سے کہ انہوں نے اپنی کتاب سے لکھوادیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی بنی تمیم کے ایک شخص نے ، جو ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور امّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا (سابقہ) خاوند تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی اس نے روایت بیان کی ابو ہالہ کے ایک فرزند سے۔ انہوں نے روایت نقل کی حضرت حسن بن علیؓ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہندؓ بن ابی ہالہ سے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں۔ ماموں جان نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپؐ خود اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔

آپؐ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا آپؐ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے ذرا پست تھا' سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا' بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ جس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔

آپؐ کا رنگ مبارک نہایت چمکدار تھا اور پیشانی مبارک کشادہ تھی آپؐ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے' دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے' ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی' آپؐ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا' ابتدا دیکھنے والا آپؐ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن وچمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی) آپؐ کی داڑھی مبارک بھرپور

اور گنجان بالوں کی تھی، رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے، گوشت لٹکے ہوئے تھے، آپ ؐ کا دہن مبارک، اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (منہ تنگ نہ تھا) آپ ؐ کے دانت مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذراذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ ؐ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسے صاف اور خوبصورت تھی، آپ ؐ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن گٹھا ہوا تھا پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔

آپ ؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا، جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ ؐ کا بدن روشن اور چمکدار نظر آتا تھا (یا یہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی روشن اور چمک دار تھا، جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو) ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دہاری تھی اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھے، البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپ ؐ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پُر گوشت تھے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔

آپ ؐ کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا فوراً ڈھل جاتا تھا جب آپ ؐ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپ ؐ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے جب آپ ؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپ ؐ کی نظر نیچی رہتی تھی آپ ؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

آپ ؐ کی عادت شریفہ عموماً گوشہء چشم سے دیکھنے کی تھی، یعنی غایت شرم وحیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے، چلنے میں صحابہؓ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپ ؐ پیچھے رہ جاتے

تھے جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔

راویانِ حدیث (۳۰) جُمیع بن عمیر العجلی (۳۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (۳۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور (۳۳) حضرت ہند رضی اللہ عنہ ابن ابو ہالہ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

املاء کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

املاءً علینا من کتابه ... حضراتِ محدثین کے ہاں روایت بیان کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) ایک صرف روایات کا پہنچا دینا۔ (۲) دوسرا یہ کہ حدیث کا متن، ماله و ما علیه نکات اور شرح وتفصیل سب کو بیان کر دینا۔ جیسے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں وقال بعض الشراح الا ملاء عند المحدثين القاء الحديث على الطالب مع بيان ما يتعلق به من شرح اللغات وتوضيح المعانى والنكات (جمع ص ۳۸) ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں اسی اسی ہزار طالبانِ حدیث جمع ہوا کرتے تھے۔ یہاں املاء کا اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لکھوانا مراد ہے والاملاء فى الاصل الالقاء على من يكتب (مواهب ص ۲۲) (دراصل املاء محدث اور شیخ کا اپنے تلامذہ کو احادیث کا لکھوانا اور املاء کروانا ہے)۔

یعنی جُمیع بن عمیر عجلی نے یہ روایت اپنی کتاب سے ہمیں لکھوادی وهو الاليق هنا (مواهب ص ۲۲) (یہاں یہ تشریح مناسب ہے) ولما كان الاملاء اعم من ان يكون بحفظه او كتابه قيده بقوله من كتابه (جمع ص ۳۸) (چونکہ املاء کا لفظ عام ہے چاہے اپنی یادداشت سے ہو اور چاہے کتاب سے ہو اس لئے ''من کتابه'' کی قید لگا کر واضح کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب سے املاء کرائی ہے) واضح رہے کہ یہ کلامِ سفیان ہے اور منصوب على الحالية (یعنی املاءً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) سفیان فرماتے ہیں حدثنا جُميع حال كونه ممليا او ملقياً اوتالياً (جمع ص ۳۸) (کہ ہمیں جُمیع عجلی نے بیان کیا اس حال میں کہ وہ املاء کرانے والے تھے یا القاء کرنے والے اور یا تلاوت کرنے والے (اپنی کتاب سے) دیکھنے والے) یعنی مصدر بمعنیٰ اسم فاعل کے ہے اور من کتابه حال متداخلہ ہوا۔ اور حال متداخلہ اس حال کو کہتے ہیں کہ پہلے حال کو اس کے لئے ذوالحال قرار دے کر اس کو اس

سے حال بنایا جائے جیسے کہ سند مذکور میں املاء کو ذوالحال قرار دیکر من کتابہ یعنی ناظراً من کتابہ کو اس کا حال متداخلہ بنادیا گیا۔ یعنی ناظراً من کتابہ یا املاء مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل فعل حدثنا ہے وجہ ظاہر ہے کہ املاء بھی ایک قسم گویا نوعِ تحدیث ہے ای حدثنا تحدیث املاءٍ (یعنی تحدیث کو محذوف کر کے املاء کو اس کے قائم مقام بنادیا گیا) یا املاءً حدثنا سے تمیز ہے املاء من کتابہ سے احتیاط فی بیان الحدیث مقصود ہے تاکہ روایت کرنے میں حتی الوسع غلطی واقع نہ ہو۔ اپنی کتاب سے دیکھ کر املاء کرانا بعض محدثین تو اسے ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس روایت کو راجح قرار دیتے ہیں جو راوی اپنی یادداشت میں سے بیان کرے بشرطیکہ وہ تام الضبط ہو۔ تو یہ افضل ہے مگر تغیر وتبدل سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اور کمال احتیاط کے لحاظ سے املاء من کتابہ (اپنی کتاب سے لکھوانا) افضل ہے۔

سماع لفظ الشیخ وھو املاء وغیرہ ای تحدیث من غیر املاء و کل منھما یکون (من حفظ) للشیخ ومن کتاب لہ ۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحمل حدیث کے طریقے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کا حدیث بیان کرنا یا بطور املاء ہوگا یا بغیر املاء کے اور ہر دو صورتوں میں شیخ محترم یا اپنے حافظہ اور یادداشت سے املاء کراتا ہے یا اپنی کتاب میں سے اور یہی (یعنی کتاب سے املاء کرنا) جمہور کے نزدیک تحدیث کی ارفع اور اعلیٰ قسم ہے) وھو ارفع الاقسام عند الجماھیر (تدریب الراوی ص ۲۳۹) املاء دراصل املال سے ہے دوسرے لام کو حرف علت سے اور پھر حرف علت کو ہمزہ سے بدل دیا جیسے تقضی البازی میں یا دسّاھا میں ہے کہ اصل میں تقضّض اور دسّس تھا۔

املال کا معنیٰ ایک آدمی بولتا یا پڑھتا جائے اور سامعین سنتے اور لکھتے جائیں اس میں تحدیث کا معنیٰ ہے اسی وجہ سے املاء مفعول مطلق بن سکتا ہے۔

رجلِ بنی تمیم اور ابو ھالہ کی وضاحت:

قال اخبرنی رجل من بنی تمیم من وُلدِ ابی ھالۃ زوج خدیجۃ یکنی اباعبداللہ جُمیع

بن عمیر کہتا ہے کہ مجھے بنی تمیم کے ایک شخص نے خبر دی ۔ جو کہ ابوھالہ کی اولاد سے تھا **فھو تمیمی واسمه یزید بن عمرو وقیل اسمه عمرو قیل عمیر وھو مجھول الحال فالحدیث معلول** (مواھب ص ۲۲) (**رجل بنی تمیم** کے متعلق علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ وہ تمیمی ہیں اور اس کا نام یزید بن عمرو ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عمر ہے اور بعض نے عمیر کا قول کیا ہے اور وہ مجہول الحال ہے اس لئے حدیث معلول ہوئی)

پھر اگلی عبارت میں اس کی وضاحت ہے کہ ابوھالہ سے مراد کون ہے؟ فرماتے ہیں **زوج خدیجة** یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا پہلا خاوند ہے جس کا نام مالک یا ہند یا نباش بن زرارہ یا زرارہ بن نباش تھا ابی ھالہ موصوف اور **زوج خدیجة** صفت ہے بیان کرنے والے شخص کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ لفظِ **رجل** موصوف ہے **من بنی تمیم** صفت اولٰی **من ولد ابی ھالة** صفت ثانیہ اور **یکنّٰی ابا عبداللہ** صفت ثالثہ ہے۔

ابا عبداللہ منصوب کیوں؟

یُکنّٰی ابا عبداللہ یہ رجل کی صفت ثالثہ ہے **ویکنی بصیغة المجھول مخففاً ومشدداً** (مواھب ص ۲۲) (یکنی یہ صیغہ مضارع مجہول مخفف اور مشدد دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے)

اس عبارت پر اشکال یہ کیا گیا ہے کہ لفظِ **یُکنّٰی** فعل مجہول ہے اور ظاہر ہے کہ فعل مجہول کے بعد اس کا نائب فاعل لفظِ ابو (حالتِ رفعی میں) آنا چاہئے۔ جبکہ عبارتِ بالا میں **ابا** (حالتِ نصبی میں) لایا گیا ہے۔

شارحین نے اس اشکال سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **انه منصوب بنزع خافض** (ابا عبداللہ منصوب ہے بوجہ دور کرنے جار کے) اور عام قاعدہ کے مطابق حرف جار اڑا کر منصوب پڑھ لیتے ہیں۔

(۲) **اباعبداللہ** نائب فاعل نہیں بلکہ یہ مفعول ثانی ہے اور اس کا نائب فاعل **ھو** ہے گویا عبارت یوں ہوئی **یکنّٰی ھو ابا عبداللہ** (وہ کنیت کیا جاتا ہے ابوعبداللہ کے ساتھ) جب مفعول منصوب ہو

گیا تو لازماً اس کو ابا عبداللہ ہی پڑھنا ہوگا۔

(۳) ملا علی قاریؒ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فیحتمل ان یکون ابا عبدالله منصوباً بالمدح اعنی بتقدیر یعنی (جمع ص ۳۹) (کہ یہ بھی ایک احتمال ہو سکتا ہے کہ ابا عبداللہ منصوب بالمدح ہو مطلب یہ کہ لفظ یعنی مقدر کے ساتھ منصوب ہو)

ابن لابی ھالة :

عن ابنٍ لابی ھالة ابوعبداللہ نے روایت کی ہے ابوھالہ کے ایک فرزند سے جس کو ہند کہتے تھے نچلے ابوعبداللہ کا نام بھی ہند تھا اور اس کی کنیت بھی ابوھالہ تھی اور اس کو ابوعبداللہ کی کنیت سے بھی پکارا جاتا تھا فذلک الابن حفید لابی ھالة واسمه هند وكذالک ابوه اسمه هند بل واسم جده ایضاً هند فهذالابن وافق اسمه اسم ابیه واسم جده (مواهب ص ۲۲) یعنی یہ لڑکا ابوہالہ کا پوتا ہے ان کا نام ہندؓ ہے اور اسی طرح ان کے باپ کا نام بھی ہند ہے بلکہ ان کے دادا کا نام بھی ہند ہے لہذا یہ لڑکا اپنے باپ اور دادا کا ہم نام ہے۔

انقطاعِ سند کا اشکال اور جواب:

مذکورہ روایت میں امام حسنؓ کا سوال ابوھالہ کے حقیقی ابن سے ہے اس کے سند پر اشکال ہے چنانچہ حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سند میں انقطاع ہے وجہ ظاہر ہے کہ ابن ابی ھالة کا نام ھند ہے جو آپؐ کی تربیت میں رہے ہیں جبکہ ابوعبداللہ طبقہ سادسہ میں سے ہیں جن کی ملاقات ھند بن ابی ھالة سے ثابت نہیں ہے۔ ولقاؤه ابن ابی هالة منتف قطعاً لان الطبقة السادسة لم يثبت لهم لقاء الصحابة وابن ابی هالة من قدماء الصحابة لامحاله (جمع ص ۳۲) (اور ابوعبداللہ کی ملاقات ابن ابی ھالہ سے یقیناً نہیں ہوئی اس لئے کہ چھٹے طبقہ کے راویوں کی ملاقات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں حالانکہ ابن ابی ھالہ یقیناً متقدمین صحابہ میں سے ہیں) خلاصہ یہ کہ راویوں کے طبقہ سادسہ کی ملاقات صحابہ کرامؓ کے ساتھ ثابت نہیں اور ابن ابوہالہ یقیناً قدیم صحابہ میں سے ہیں۔

البتہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں روایت میں ھند ابی ھالہ کا ذکر تو نہیں ہے بلکہ ابن لابی ھالۃ ہے اور ابن کے لفظ کا جیسے صلبی اولاد پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی ابن الابن کو بھی ابن کہا جاتا ہے تو یہ جائز ہے کہ ابو ہالہ کے ابن الابن سے ابو عبداللہ کی ملاقات ہوئی ہو تو اب سند میں انقطاع نہ رہے گا اسلئے کہ ابو ھالۃ کے پوتے سے طبقہ سادسہ کے رجال کی ملاقات ہوسکتی ہے ہندؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اخیافی بہن بھائی ہیں لہذا ہندؓ حضرت حسنؓ کے خالو ہوئے تو اس سے واضح ہوگیا کہ عن ابن لابی ھالۃ سے ھند بن ابی ھالہ مراد نہیں اگرچہ اس کا احتمال ہے کہ ابو ھالہ کے کسی دوسرے بیٹے سے روایت کرتے ہوں۔

وکان وصّافاً :

وکان وصّافاً عن حِلیۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ---- وصّافاً یہ حال ہے اور علت ہے سوال کی، بمعنیٰ بہت وضاحت سے بیان کرنے والے وَصَفَ یَصِفُ وَصْفًا وَصِفَۃً بیان کرنا، تعریف کرنا اس کے متعدد معنی کیے گئے ہیں۔

مثلاً کثرت سے بیان کرنا، بار بار بیان کرنا اور مزے لے لے کر بیان کرنا ای یحسن صفۃ المصطفی وفی القاموس الوصاف العارف بالصفۃ واللائق تفسیرہ بکثیر الوصف وھوا لماسب فی ھذا لمقام (مواھب ص ۲۲) یعنی وہ حضور اقدس ﷺ کی صفت اچھے طریقے سے بیان کرتے تھے ، قاموس میں ہے کہ وصّاف اس کو کہتے ہیں جو صفت وتعریف بیان کرنا جانتا ہو اور اس میں ماہر ہو اور اس کی تفسیر ''بہت زیادہ صفت بیان کرنے والا'' ہے جو اس مقام کے مناسب ہے۔

ھند بن ابی ھالہ حضور اقدس ﷺ کے ربیب تھے بچپن سے ہی آپ کی پرورش میں رہے اور بے تکلف تھے ظاہر ہے کہ انہیں آپ ؐ کے عادات، خصائل اور حلیہ مبارک کا خوب علم ہوا ہوگا پھر تھے بھی تو عاشقِ صادق اور محبِ مخلص، وہ بیان بھی تو خوب مزے لے لے کر کرتے ہونگے وکان ھند قد امعن النظر فی ذاتہ الشریفۃ فی صغرہ فمن ثم خص مع علی بالوصاف (مواھب ص ۲۲) (اور یہ ھند بن ابی ھالہ چونکہ وہ آپ ﷺ کے ربیب تھے اس لئے لڑکپن ہی سے حضور ﷺ کی ذات شریفہ

میں گہری اور خصوصی نظر اور توجہ رکھا کرتے تھے اس لئے تو حضرت علیؓ کے ساتھ یہ بھی وصّاف کے ساتھ مخصوص ہوئے)

لفظ ,,عن،، کی بحث:

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وصف کا صلہ ''عن'' نہیں آیا کرتا کیونکہ وصف فعل متعدی بنفسہ ہے جیسے کہا جاتا ہے وصفته یامتعدی باللام ہوتا ہے ای وصفته له یہاں عن حرف جار ,,وصافاً،، کے متعلق نہ ہوگا۔

شارحین کہتے ہیں کہ یہ یاتو سألت کے متعلق ہے والجار والمجرور متعلق بقوله سألت لا بقوله وصّافاً (مواهب ص۲۳) (عن حلية الخ جار مجرور سألت کے متعلق ہے نہ کہ وصّافاً کے) پس اگر سألتُک کہا جائے تو معنیٰ ہوگا تم سے سوال کیا اور اگر سالت عنک کہا جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے متعلق پوچھا یا تضمین ہوکر حال بنالیا جائے کان وصافاً کاشفاً عن حلية رسول الله صلى الله عليه وسلم (اور وہ ایسے صفت بیان کرنے والے تھے کہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کی پوری وضاحت فرمانے والے تھے) یا مفعول مطلق بنالیا جائے کان وصّافاً وصفاً ناشياً عن حلية رسول الله صلى الله عليه وسلم (اور وہ ایسے وصف کے وصّاف تھے جو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے نکلنے والا ہوتا یعنی آپ ﷺ میں موجود ہوتا تھا)

حضرت حسنؓ کا سوال کیوں؟

یہاں بظاہر ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اپنے ماموں سے سوال کیوں کر رہے ہیں جس کا أنا أشتهي (کہ میں چاہتا ہوں) سے اظہار ہو رہا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ گھر کے فرد ہوکر خود نہیں جانتے تھے۔ محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت حسنؓ کی عمر سات سال کی تھی بچپن تھا وہ پختگی اور ذوق علم کی عمر نہیں تھی اور نہ وہ ایسی عمر میں تھے جس میں انسان اپنے اکابر کے اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کے تمام گوشوں پر

نظر رکھنے کی استعداد رکھتا ہو انما قال الحسنؓ ذلک لان المصطفیٰ مات والحسنؓ صغیر لا یقتضی له التأمل فی الاشیاء و یحفظ اوضاع الاشکال والاعضاء (جمع ص ۴۰) (ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپؓ چھوٹے بچے تھے آپؐ کے اخلاق و اعمال اور اعضاء و اشکال کی کیفیات و ہیئات کو اس عمر میں محفوظ اور یاد رکھنا مشکل کام تھا)

اس لئے تو یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان یصف لی منها شیئاً اتعلق به حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میری اپنی خواہش بھی یہ ہوتی ہے کہ میرے ماموں حضور اقدس ﷺ کے عادات اور خصائل اور حلیہ مبارک کے متعلق میرے سامنے کچھ بیان کریں۔ تا کہ میں ان سے محبت اور تعلق رکھوں شیئاً سے عموم مراد ہے خواہ ہیئت ہو سیرت ہو یا اخلاق و عادات اور اعمال ہوں قال ابن حجر وتنوینه للتعظیم والتکثیر او التقلیل وهو الانسب بالسیاق (جمع ص ۴۰) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شیئاً کی تنوین تعظیم اور تکثیر کے لئے ہے یا تقلیل کے لئے ہے اور سیاق کلام کے ساتھ یہی انسب ہے) اس کا فائدہ اور نقد ثمره اتعلق به ای تعلق علم ومعرفة (مواهب ص ۲۳) (علم و معرفت کے حصول) کی صورت میں حاصل ہوگا خود بھی یاد کروں گا اقتداء بھی کروں گا اور دوسروں تک بھی پہنچاؤں گا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اتشبث بذلک الوصف واجعله محفوظاً فی خزانة خیالی (جمع ص ۴۰) (کہ ان اوصاف و اخلاق جمیلہ پر کاربند بھی رہوں اور اپنے خیال کے خزانہ میں انہیں محفوظ بھی کرلوں)

فخماً مفخماً :

فقال کان رسول الله ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا ۔۔ لفظِ فقال کا عطف سألت پر ہے ضمیر ھند کو راجع ہے فَخِمًا (بکسر الخاء) نصر اور کرم کے باب سے آتا ہے مراد وہ شخص ہے جو عزت و عظمت والا ہو اور جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے بھی موزون ہو اور اگر جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے موزون نہ ہو تو وہ فَخِماً نہیں کہلاتا۔ فخماً سے مراد فی الواقع ذاتی طور پر اور مفخماً سے مراد عندالناس ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں ھند بن ابی ھاله نے حضور اقدسؐ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ خود اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور دوسرے

معزز ورؤسا لوگوں کی نظر میں بھی معظّم تھے۔ کسی بڑے سردار کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم نہ کرے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای عظیماً فی نفسه ومعظماً فی صدر الصدور وعین العیون لایستطیع مکابر ان لا یعظمه (مواهب ص ۲۳) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کان معظماً فی الظاهر والباطن (جمع ص ۴۱) یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں معظّم تھے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں فخم عظیم عندالله مفخم معظم عندالناس (مناوی ص ۴۱) (اللہ کے نزدیک عزت اور عظمت والے تھے اور لوگوں کے نزدیک بھی محترم اور معظّم تھے) اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ سے ایک دعا بھی منقول ہے ۔ اللهم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً (بزّار عن بریدة بن الخصیب) یعنی اے اللہ کر دے مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا)۔ لوگوں کی نگاہوں میں بڑائی وتعظیم دین کے حوالے سے ہے یا دفعِ مضرت کے لئے ہے! علماء فرماتے ہیں کہ مال تو جلبِ منفعت کے لئے ہوتا ہے اور جاہ دفعِ مضرت کے لئے ۔اگر یہ اس غرض اور ہدف تک محدود ہو تو یہ نعمت ہے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا ارشاد ہے۔

جاہ اتنا کہ نہ ہوں میں پامال مال اتنا کہ جس سے ہو خورد ونوش

اس قدر جاہ کا حصول مباح ہے کہ اس سے دفعِ مضرّت ہو سکے۔

چہرہ انور:

یتلألأ وَجْهُهُ تَلألُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْر... حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ انور بدرِ کامل کی طرح چمکتا تھا آپ کے وصف مبارک کے بیان کا آغاز چہرہ انور سے کیا گیا وبدأالوصاف بالوجه دون الهامة لانه اول مایتوجه اليه النظر واشرف ما فی الانسان وغیره من کل حیوان (مناوی ص ۴۱) (صفت بیان کرنے والے نے آپؐ کی صفت چہرہ سے شروع کی نہ کہ سر اور دھڑ سے اس لئے کہ نظر پہلے چہرہ پر پڑتی ہے اور انسان بلکہ ہر حیوان میں سب سے اشرف اور معزز حصہ چہرہ ہوتا ہے)۔ التلألؤ ' هو الاضاءة والاشراق .یتلألأ وجهه ای یستنیر ویشرق ویضئی (مناوی

ص ۴۱) (اس کا چہرہ چمکتا تھا) خلاصہ یہ کہ " تلألؤ "روشنی اور چمک دمک کو کہتے ہیں۔

اس کو شاعرانہ تخیّل پر حمل نہ کیا جائے یہ ایک حقیقت ہے. لؤلؤ خالص قدرتی طور پر پیدا ہونے والے عمدہ موتی کو کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بارش ہونے پر سمندر میں موجود سیپی کا منہ قدرتی طور پر کھل جاتا ہے اور جب بارش کا کوئی قطرہ سیپی کے منہ میں داخل ہوتا ہے تو خدا کی قدرت سے سیپی کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اور مختلف مراحل اور تغیّرات کے بعد ایک خاص مدت میں وہ قطرہ خود بخود ایک عمدہ اور شاندار موتی بن جاتا ہے یہ موتی خوبصورت روشن اور چمکدار ہوتے ہیں۔حدیثِ زیرِ بحث میں آپؐ کو چودھویں کے چاند یعنی بدرِ کامل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں . ثم تشبیه بعض صفاته بنحو الشمس والقمر انما جریٰ علی عادة الشعراء والعرب او علی التقریب والتمثیل والا فلا شئی یعادل شیئاً من اوصافه اذ ھی اعلی واجلٍ من کل مخلوق (جمع ص ۴۱) (آپؐ کے بعض صفات کی تشبیہ سورج اور چاند جیسی چیزوں کے ساتھ دینا شعراء کی عادت اور عرب کے محاورہ کے مطابق تھا یا پھر یہ محض سمجھانے کے لئے اور تمثیل کے لئے تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی چیز آپؐ کے صفات کے برابر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ تو سارے مخلوق سے بلند و برتر تھے) تاہم ابن ابی ھالة نے تشبیہ میں سورج پر ذکرِ قمر کو ترجیح دی ہے ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں لانه یتمکن من النظر الیه ویؤنس من شاھده بخلاف الشمس لانھا تغشی البصر وتؤذیه (جمع ص ۴۱) (اس لئے کہ چاند پر نظر ٹکتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے انس پیدا ہوتا ہے بخلاف سورج کے کہ وہ نظر کو چندھیاتا ہے اور اسے تکلیف دیتا ہے) ۔ شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں لانه صلی الله علیه وسلم محا ظلمات الکفر کما ان القمر محا ظلمات اللیل (مواھب ۲۳) یعنی (چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ) آپؐ نے کفر کے اندھیروں کو ختم کر دیا، جیسے چاند رات کی تاریکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

موزون قامت:

اطول من المربوع واقصر من المشذّب .... حضور اقدس ﷺ کے قد مبارک کی تفصیلی

بحث اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے یہاں لفظِ مشذّب نیا آیا ہے باب تفعیل سے ہے مجرد میں باب نصر سے آتا ہے دونوں کا معنیٰ ایک ہے جب کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تو لمبا نظر آتا ہے کھجور کی زائد اور خشک شاخوں کے کاٹ دینے کو تشذیب کہتے ہیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **واصله من النخلة الطويلة التي شذب عنها جريد ها** (جمع ص ۴۱) اسی تناسب سے تہذیب اخلاق کو بھی تشذیب کہتے ہیں طولِ قامت کو بھی تشذیب اسلئے کہتے ہیں کہ انسان شاخوں کٹے درخت کی مانند دراز قامت نظر آتا ہے تو **مشذب** کا معنی طویل بائن کے ہوگا۔

اطول من المربوع یعنی پست قد سے قدر لمبے تھے۔ یہاں پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلی روایات میں آپؐ کا مربوع اور **ربعة** ہونا ثابت کیا گیا تھا جبکہ اس روایت میں اس کی نفی ہے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں۔ کہ اعضاء کی مناسبت اور موزونیت کی وجہ سے آپؐ کا میلان طول کی جانب تھا، مگر درازئ قد نمایاں نہ تھی جو ربعۃً یا مربوع سے بڑھ جائے البتہ دیگر مربوعین کی نسبت آپؐ کے قد کا میلان طول کی طرف تھا ۔ **وقد عرفت ان وصفه فيما مر با لربعة تقريبي فلا ينافي انه اطول من المربوع وقال بعضهم المراد بكونه ربعة فيما مر كونه كذالك في بادى النظر فلا ينافي انه اطول من المربوع في الواقع** (مواھب ص ۲۳)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہی آپؐ کا معجزہ تھا جتنا بھی طویل سے طویل تر انسان آپؐ کے ساتھ چلتا آپؐ اس سے اونچے نظر آتے تھے " **وما مشىٰ به احد الا كان اطول** " اور جب ساتھ چلنے والا آپؐ سے جدا ہو جاتا تھا تو وہی طویل نظر آتا تھا اور آپؐ اس سے کم نظر آتے تھے اسی طرح یہ بھی آپؐ کا معجزہ تھا کہ جب مجمع میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپؐ کا سر مبارک اور منکبین بلند معلوم ہوتے تھے **ورفعنالک ذكرک** (۹۴:۴) (اور بلند کیا ہم نے واسطے تیرے ذکر تیرا) سے بھی یہی مراد ہے کہ آپؐ کو ہر حیثیت سے رفعت دی گئی تھی **والسرّ في ذلک هو التنبيه على انه لا يتطاول عليه احد من الامة صورة كما لا يتطاولون عليه معنى** (جمع ص ۴۱) (اس میں راز یہ ہے کہ اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ جیسے معنی اور حقیقتاً کوئی آپؐ کا ہمسر نہیں ہے اسی طرح

صورتاً بھی امت میں سے کوئی آپؐ کے برابر نہیں ہے) خلاصہ یہ کہ **وھو بمعنی لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر المتردد** (جمع ص ۴۲) (**اطول من المربوع الخ بمعنیٰ لیس بالطویل البائن الخ** کے ہے یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پستہ قد)

سر مبارک:

عظیم الھامة ... یعنی حضور اقدس ﷺ کا سر مبارک موزون اور حد درجہ مناسب حد تک قدرتی طور پر اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا **الھام** اور **الھامة** دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے جیسے **التمر** اور **التمرة** تخفیف میم کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد سر ہے۔ **وقال فی المھذب الھامة وسط الراس** (جمع ص ۴۲) (مھذب میں ہے **ھامة** وسطِ سر کو کہتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ یہاں پہلا معنی یعنی سر ہی مراد و مطلوب ہے یہ تو اطباء نے بھی لکھا ہے اور عام مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر سر قدرتی طور پر موزون حد تک بڑا ہوگا تو اس شخص کا دماغ بھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑی ہوگی اور یہ خوبی کی علامت ہے **وعظم الراس ممدوح لانہ اعون علی الادراکات والکمالات** (مناوی ص ۴۲) (اور سر کا بڑا ہونا قابل مدح صفت ہے اس لئے کہ وہ علوم اور کمالات کے حصول میں بڑا معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے)

رجِل الشعر .... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک قدرے گھنگریالے تھے۔

ان انفرقت عقیقتہ فرق والا فلا انفراق کا معنیٰ ہے مانگ نکالنا اگر بسہولت آپؐ کے بال مبارک جدا ہو جاتے تو آپؐ بھی جدا کر دیتے یعنی مانگ نکال لیتے ورنہ ادھر تمام توجہ نہیں دیتے تھے اپنے عام معمول یا غسل کے بعد یا تیل لگانے کے بعد عموماً آپ بھی اپنے بالوں کو سنوارتے اگر بہ سہولت بہ ادنیٰ توجہ بالوں میں مانگ نکل آتی تو فبہا ورنہ لازمی طور پر ہمہ توجہی سے مانگ نکالنے پر وقت نہیں ضائع کرتے تھے **فلا** کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی **فلا یتکلف** یعنی آپؐ مانگ نکالنے میں تکلّف نہیں فرماتے تھے۔

عقیقہ سے مراد وہ بال ہیں جو اولِ ولادت کے وقت مولود کے سر پر ہوتے ہیں پھر انہی بالوں

کے مونڈنے کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات لفظِ عقیقہ بول کر مطلق بال مراد لئے جاتے ہیں اس حدیث میں بھی مراد مطلق بال ہیں **والعقيقة كالحقيقة واصل العق القطع والشق ومن ثم قيل للذبيحة التي تذبح عن المولود يوم سابعه عقيقة لانها يشق حلقهاو قيل للشعر الخارج على راس المولود من بطن امه عقيقة لانه يحلق ثم قيل للشعر النابت بعد ذلك عقيقة مجازا لانه منها ونباته من اصولها** (مناوی ص ۴۲) (اورعقیقہ بروزن حقیقہ ہےاور عق کالغوی معنیٰ کاٹنے اور چیرنے کا آتا ہےاس لئےتواس مذبوحہ جانور جونئے مولود کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے عقیقہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا حلق کاٹا جاتا ہےاور بعض لوگ ان بالوں کو جومولود کے سر پر پیدائشی ہوتے ہیں ان کو بھی عقیقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی مونڈھے جاتے ہیں اوراس کے بعد پیدا ہونے والے بالوں کوعقیقہ کہنا بطور مجاز کے ہوتا ہےاس لئے کہ یہ بھی ان کی جڑوں میں سے پیدا ہوئے ہیں)اور حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی تعبیر لفظ عقیقہ سے کی گئی ہے شارحینِ حدیث نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں

(۱) چونکہ اولِ ولادت میں آپؐ کا عقیقہ نہیں ہوا تھا وہی پیدائشی بال چلے آئے ہوں لہذا اسی مناسبت سے آپ کے بالوں کو لفظِ عقیقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر بعض شارحین نے اس توجیہ کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عرب اور بالخصوص بنو ہاشم کے خاندانی روایات سے بعید ہے جو شرفاء کا خاندان تھا لہذا ایسے کام سے وہ کیونکر غفلت برت سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ پیدائش کے ساتویں دن وہ بچے کے بال مونڈواتے اور بکری ذبح کر کے فقراء کو کھانا کھلاتے تھے۔ **فانه مستبعد جدا في العادة فان عادتهم حلق شعر المولود في السابع وكذا ذبح الغنم واطعام الفقراء** (جمع ص ۴۲) (یہ عرب کے دستور و عادت سے انتہائی بعید ہے اس لئے کہ ان کی عادت مولود کے بالوں کو ساتویں دن مونڈھنے اور بکری وغیرہ کو ذبح کر کے فقراء کو کھلانا ہوتا تھا)۔

(۲) بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپؐ کے بال مبارک بطور اعجاز کے باقی رہ گئے ہوں کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ آپؐ کی پیدائش سے چھ ماہ قبل وفات

پا چکے تھے چنانچہ آپؐ کے بال مبارک باقی رکھے گئے تاکہ کوئی مشرکانہ رسم ادانہ کی جاسکے۔

فرقها .... ای جعل شعره نصفين نصفاً عن اليمين ونصفاً عن اليسار قيل بالمشط وقيل بيده (مناوی ص ۴۲) یعنی ''فرق'' کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کنگھی یا ہاتھ سے سر کے آدھے بال دائیں طرف کردیتے اور آدھے بائیں طرف کردیتے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ترجمہ وتوجیہ:

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں ترجمہ وتوضیح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ,, اکثر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ یہ مشہور ترجمہ ہے تاہم اس پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اقدسؐ کا قصداً مانگ نکالنا تو بعض روایات سے ثابت ہے۔اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور اقدس ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لئے مشکل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نکالنی شروع فرمائی تھی اس لئے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے۔

سر کے بال اور حضور اکرمؐ کا معمول:

يجاوز شعره شحمة اذنيه ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے تجاوز کرجاتے تھے مراد واضح ہے کہ اگر کسی وقت بال بنوانے میں دیر ہوجاتی تو وہ بڑھ جاتے۔

اذاهو وفره یعنی آپؐ بالوں کو بڑھاتے تھے وگرنہ عام معمول یہی تھا کہ بال کانوں کی لو تک رہتے تھے۔آگے مانگ نکالنے کے بارے میں شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں **واعلم ان المصطفیؐ كان اولاً لا يفرق اجتناباً لفعل المشركين وموافقة لاهل الكتاب وهذا دابه قبل الايحاء وفيما لم**

یومر به ثم خالف اهل الکتاب وفرق واستمر علیه وقال الحافظ العراقی وکان صلی اللہ علیه وسلم لا یحلق راسه الا لاجل النسک وربما قصره (مناوی ص ۴۳) یعنی وحی کے نزول سے پہلے آپؐ کی عادت یہ تھی کہ مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے، آپؐ ہر اس امر میں یہ طریقہ اختیار کرتے جس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا ، پھر آپؐ نے اہل کتاب کی مخالفت میں بالوں میں مانگ نکالنا شروع کیا اور اسی پر آپؐ بدستور عامل رہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حج وعمرہ کے موقع پر سر کے بال مونڈ واتے یعنی حلق کرتے اور کبھی کبھار بالوں کو کاٹ دیتے یعنی قصر کرتے۔

حضور اقدس ﷺ کے سر کے بالوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں تین قسم کا ذکر آیا ہے **وفرہ، جمّہ** اور **لمّہ** (تفصیلی بحث کتاب ھذا کے صفحہ ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو)۔

تینوں طرح بال رکھنا سنت ہے تاہم یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ آج کل بعض مرد بالکل خواتین کی طرح بال چھوڑ دیتے ہیں جو سینہ تک اور بعض اوقات اس سے بھی لمبے ہو جاتے ہیں وہ قطعاً خلاف سنت ہیں حضور اقدس ﷺ نے اس طرح بال رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر کے ایک حصہ پر تو (بناؤ اور سنگھار کے لئے) بال رکھے جائیں اور ایک حصہ سے ترشوا دیے جائیں۔

ازھر اللون :

ازھر اللون ... حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا جس میں سرخی ملی ہوئی اور ہلکی سی گندم گونی تھی اور یہی رنگ خوبصورت ہوتی ہے اس سے قبل بھی یہ بحث کتاب ھذا کے صفحہ نمبر ۱۰۲ پر گذر چکی ہے۔ **ازھر اللون** سفید، چمکدار رنگ والے کو کہتے ہیں اس کی اصل **زھرۃٌ** ہے جس کے معنیٰ سفیدی خوبصورتی تازگی حسن اور روشنی کے ہوتے ہیں **الزھرۃ فی اللغة اشراق فی اللون بیاضاً وغیرہ** (مواھب ص ۲۴) (**زھرہ** کا معنیٰ لغوی رنگ میں چمک دمک چاہے سفیدی ہو یا کوئی دوسرا رنگ) ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں **ای ابیضه بیاضاً نیرا مشرباً بحمرةٍ وقیل معناه متلألئی اللون وفی المهذب الازھر الابیض المستنیر** (جمع ص ۴۳) (**ابیضه** کا معنیٰ ایسی روشن سفیدی

جوسرخی کے ساتھ ملی ہوئی ہواور بعض لوگ چمکدار رنگ کو کہتے ہیں اور ''مہذب'' میں ہے کہ الازھر کا معنیٰ سفید چمکنے والا) وقال ابوحنیفةؒ الزھرة اشراق فی الالوان کلھا (مناوی ص ۴۳)(امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زھرہ کا معنیٰ سب رنگوں کی چمک اور روشنی)اس میں اضافت' صیغہ صفت کی فاعل کی طرف ہے ای ازھر لونہ جبکہ ازھر صفت مشبہ کے لئے فتح کے باب سے بمعنیٰ چمکدار رنگ ہونے کے آتا ہے۔

دراصل زھر گلاب کے پھول کو کہتے ہیں گلاب کے عرق کو بھی زھر کہتے ہیں رونق' روشنی اور چمک بھی اس کا معنیٰ ہے مراد یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ پررونق اور روشن تھا یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب لونہ کو ازھر کا فاعل کہا جائے تو رنگ والے معنیٰ سے اس کی تجرید کی جائے گی بعض حضرات نے کہا ہے کہ اللون مضاف الیہ کو تمیز کہا جائے ای ازھر لوناً (کہ آپ ﷺ رنگت کے لحاظ سے چمکدار تھے)

واسع الجبین :

یعنی آپؐ کی پیشانی مبارک طولاً وعرضاً کشادہ تھی ای واضحة وممتدة طولاً وعرضاً (جمع ص ۴۲) یہ حسن کی علامت ہے۔ پیشانی کے بالوں کے نیچے بالکل سامنے والے حصے کو جبھة کہتے ہیں اور سامنے سے دائیں بائیں والے دونوں حصوں کو جبین کہتے ہیں خدّین سے اوپر جبین ہے اور یہ اضافت بھی تمیز کی طرف ہے اور تمیز گویا محول عن الفاعل ہے ای واسع جبیناً ای جبینہ ۔ جبین کی جمع جُبُنٌ' اَجْبُنٌ اور اَجْبُنَۃٌ آتی ہے' مراد یہ ہے کہ تخلیقی طور پر آپؐ کی پیشانی وسیع تھی یا اس سے مراد خوش خُلقی کی علامت کشادہ روئی ہے وقیل کنایة عن طلاقة الوجه (جمع ص ۴۲) (یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''واسع الجبین'' خندہ روئی سے کنایہ ہے) جبکہ تخلیقی طور پر وسیع الجبین ہونا حسنِ خُلق پر دلالت ہے وسعة الجبین محمودة عند کل ذی ذوق سلیم (مناوی ص ۴۳) (اور ہر سلیم الذوق شخص کے خیال میں پیشانی کی وسعت اور فراخی پسندیدہ چیز ہے)

ازجّ الحواجب :

ازجّ الحواجب سوا بغ من غیر قرن بینهما عرق یدرّہ الغضب ... حضوراقدسؐ کے ابرومبارک باریک خمدار تھے وہ کامل تھے مگر آپس میں ملے ہوئے بھی نہیں تھے دونوں ابروں کے درمیان ایک باریک رگ تھی جو غصّہ کے وقت ابھر آتی تھی۔

زجّ باب نصر سے آتا ہے جس کا معنیٰ دوڑنا اور نیزہ مارنا ہوتا ہے اسی طرح نیزے کے نیچے والے لوہے کو بھی زجّ کہتے ہیں اور زجاج شیشے کو بھی کہتے ہیں۔

صاحب قاموس نے ازجّ کا معنیٰ استقواس الحاجبین مع طول (مواہب ص ۲۴) یعنی بھوؤں کا قوس کے مثل مع قدرے طول کے ہونا بتایا ہے اور صاحب صحاح الجوھری نے دقة الحاجبین بالطول (جمع ص ۴۳) (بھوؤں کا طویل اور باریک ہونے) کے معنیٰ میں لئے ہیں وفی الاساس الدقة والاستقواس ویمکن الجمع (جمع ص ۴۳) یہاں دونوں معانی مراد ہوسکتے ہیں یعنی حضوراقدس ﷺ کے ابرومبارک کمان کی طرح بھی تھے اور دقیق وباریک بھی تھے۔

حواجب جمع حاجب کی ہے دربان، چوکیدار اور محافظ کو کہتے ہیں بھوؤں کو بھی اس لئے حاجب کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کے محافظ اور مانع ہیں۔ عام اصول کے مطابق انسانی جسم کے تمام دوہرے اعضاء مؤنث استعمال ہوتے ہیں مگر حواجب اس سے مستثنیٰ ہیں اور مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ حواجب کے بال ساتر بشرة (چمڑے کو چھپانے والے) ہیں مگر یہ توجیہ اسلئے درست نہیں قرار دی جاسکتی کہ اس کے پیش نظر پھر تو تمام بالوں کو حاجب کہا جائے گا کیونکہ بال تو سب کے سب ساتر بشرة ہوتے ہیں سب سے بہتر توجیہ امام غزالیؒ نے حکمة العین میں لکھی ہے کہ آنکھ، جس پر نصف زندگی موقوف ہے اس میں بینائی کو سات پردوں میں رکھا گیا ہے اس کے بعد گوشت کا پردہ لٹکا دیا گیا اس میں عجیب وغریب چیز یہ رکھی گئی کہ وہ خود بند ہوتا اور خود کھلتا ہے جب بھی کوئی چیز آنکھ تک پہنچنے لگے تو پھر اس سے بچنے کے لئے انسان کے ارادہ کی ضرورت نہیں ہوتی آنکھ خود بخود بند ہوجاتی ہے اگر اس موقع پر کھولنا بھی چاہے تب بھی نہیں کھل سکتی اس کے اوپر

پلکیں حفاظت کے لئے رکھی گئی ہیں ان پر ھڈی رکھی گئی جس کی وجہ سے آنکھ چوٹ سے محفوظ رہتی ہے ۔خلاصہ یہ کہ بھویں آنکھوں کو مضرات اور نقصان دہ چیزوں سے روکنے والے ہیں اس لئے ان کو حاجب کہا جاتا ہے۔

حاجب کے لئے حسن کے اعتبار سے تین صفات بیان کی جاتی ہیں (۱) طویل ہونا (۲) دقیق ہونا (۳) بین الحاجبین (دونوں بھوؤں کے درمیان فُرجہ (فاصلہ) ہو۔ ازجّ کے لفظ میں اولین دوصفات کا مدلول موجود ہے یعنی طویل ہونا اور دقیق ہونا۔ سوابغ من غیر قرن (کامل ہوں اور آپس میں ملے ہوئے نہ ہوں) میں تیسری صفت آ گئی۔

سوابغ ' سابغ کی جمع ہے بمعنیٰ کامل کے' یہ مزید توضیح کے لئے بڑھایا گیا ہے اس کا رفع خبریت کی بنا پر ہے اور منصوب علی الحالیة من الحواجب (اور حواجب سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے).

قرن بمعنیٰ اَقْرَنْ ہونے کے ہیں اَقْرَنْ وہ شخص ہے جس کے حواجب بالکل متصل ہوں جبکہ یہ وصف مذموم ہے۔ قَرَنَ یَقْرُنُ قَرْناً جوڑنے کے معنیٰ میں آتا ہے حج کی ایک قسم قِران اسی سے ماخوذ ہے قرین جس کا معنیٰ ساتھی ہوتا ہے اور قَرِنَ باب سمع سے مقرون الحواجب کے معنیٰ میں آتا ہے۔

بینهما عرق :

بینهما عرق ... هما کی ضمیر کا مرجع حواجب ہیں باعتبار حاجبین کے، جبکہ حواجب صیغہ جمع کثرت ِ شَعر اور مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے ووضع الحواجب موضع الحاجبین لان التثنية جمع او للمبالغة فی امتداد هما حتی صارا کالحواجب (مواهب ص ۲۴) (اور یہاں حواجب (جمع) کو حاجبین (تثنیہ) کی جگہ استعمال کیا گیا کہ تثنیہ بھی جمع ہوتا ہے کیونکہ مافوق الواحد جمع کہلاتا ہے) اور یا اس لئے کہ ان کے طویل ہونے کی وجہ سے مبالغۃً ان کو مثل حواجب (جمع) کے ساتھ تعبیر کر دیا) اور حقیقت میں ہوتے بھی تو حاجبین ہیں مراد یہ ہوگی کہ حضور اقدس ؐ کے حاجبین خط مستقیم کی طرح نہ تھے بلکہ درمیان میں فرجه (خالی حصّہ) تھا جو محمود ہے۔ام معبد کی روایت کہ

آپؐ کے ابرو ازجّ بھی تھے اور اقرن بھی' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ **متصل الحاجبین** تھے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ نفی والی روایت سے مقصد یہ ہے کہ درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ تھا اور مثبت روایت سے مراد یہ ہے کہ کچھ اتصال بھی تھا **فھو ابلج فی الواقع اقرن بحسب الظاھر** (مواھب ص ۲۴) (تو آپ ﷺ کے ابرو مبارک درحقیقت علیحدہ علیحدہ تھے لیکن بظاہر ملے ہوئے معلوم ہوتے تھے) **عرق** 'کا معنی پسینہ اور کشید شدہ پانی بھی ہوتا ہے نیز عرق کا معنی رگ اور جوڑ ہوتا ہے یہاں رگ مراد ہے۔ انسان کے وجود میں نظام جسم وحیات کے قیام واستحکام کے لئے بہت سی رگیں پھیلی ہوئی ہیں بعض رگیں غیر مجوف ہیں ان کو اعصاب اور جو رگیں مجوف ہیں ان کو عرق کہتے ہیں جن میں خون اور پٹھے ہوتے ہیں **والعِرق بکسر العین وھو اجوف یکون فیہ الدم والعصب غیر اجوف** (جمع ص ۴۴) (عرق بکسر العین ایسی مجوف رگیں جس میں خون ہو اور عصب ایسی رگیں جو مجوف نہ ہوں)

حضور اقدس ﷺ کے دونوں ابروں کے درمیان میں ایک ایسی باریک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر کر نظر آنے لگتی تھی **یدرّہ الغضب** (غصہ اس کو ابھارتا اور ظاہر کردیتا) یہ جملہ عرق کی صفت ہے ضرب کے باب سے بمعنیٰ تھوڑا تھوڑا بہنا' دودھ کو بھی اس لئے در کہتے ہیں. **یقال در اللبن** (کہا جاتا ہے کہ تھنوں سے (تھوڑا تھوڑا) دودھ نکلا) بارش کو بھی در کہتے ہیں مدرارا موسلا دھار بارش ادرار کا لفظ پیشاب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بہرحال **یدرہ الغضب** کا معنیٰ یہ ہے کہ غصے کے وقت وہ رگ پھول جاتی تھی اس پر غضب کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ صفت محمود ہے جو کمالِ قوت کی علامت ہے **وھذا دلیل علی کمال قوتہ الغضبیۃ التی علیھا مدار حمایۃ الدیار وقمع الاشرار وکمال الوقار وتمکنہ من الغیظ** (مناوی ص ۴۴) (اور یہی آپ ﷺ کی قوتِ غضبیہ کے کمال کی دلیل ہے۔ جس پر گھروں اور ملکوں کی حفاظت، شریر لوگوں کا قلع قمع، رعب اور دبدبے کا کمال اور غیظ وغضب کی

قدرت حاصل ہوتی ہے)۔

ناک مبارک کا تذکرہ!

اقنی العرنین ... عرنین کا معنیٰ ناک اور بینی کا درمیانی حصہ ہے اور اقنی بروزن افعل ہے از باب نصر بمعنیٰ اکساب وجمع مال اور جب سمع سے ہو تو بمعنیٰ لزوم کے ہے اقنی وہاں بولتے ہیں جب ناک میں یہ تین چیزیں پائی جائیں (۱) طول (۲) دقّت (۳) کچھ بلندی و القنا طول الانف ودقة ارنبته وحدب فی وسطه (جمع ص ۴۴) حضور اقدس ﷺ کی ناک مبارک اونچی تھی بانسہ اونچا اور قدرے لمبا معلوم ہوتا تھا جس پر ایک نور اور چمک تھی جو شخص غور سے نہیں دیکھتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ آپ ؐ کی ناک مبارک اونچی ہے جبکہ فی الواقع ایسی نہ تھی۔ وحاصل المعنیٰ ان الرائی له صلی الله علیه وسلم یظنه اشمّ لحسن قناه ولنور علاه ولو امعن النظر لحکم بانه غیر اشم (مواهب ص ۴۴) بلکہ آپ ؐ کی ناک مبارک بھی آپ ؐ کے دیگر جسمانی اعضاء کی طرح بالکل معتدل تھی آپ ؐ معتدل الخلق تھے له نور یعلوه کی وجہ سے ناک مبارک نمایاں معلوم ہوتی تھی ۔ یحسبه سے بلندی کی حد کا بیان ہے۔ اشمّ ' اشمم بلا ادغام سے ماخوذ ہے بمعنیٰ بلندی کے اشمّ کا لفظی معنیٰ پہاڑ کی چوٹی ہے اور بلندی کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ والشم ارتفاع القصبة مع استواء اعلاها واشراف الارنبة قليلاً (جمع ص ۴۵) (شم کا معنیٰ ناک کے بانسہ کی بلندی معتدل کچھ اونچائی کے ساتھ) من لم یتاَمَّلُهُ! والتامل اعادة النظر فی الشی مرةً بعد اخریٰ حتیٰ یعرفه ویتحققه (مناوی ص ۴۵) (تاَمل کا معنیٰ کسی چیز کو بار بار دیکھنا تاکہ اس کی پہچان اور تحقیق کرلے) حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک کو تامّل اور جی بھر کر نہ دیکھ سکنے کی وجہ آپ ؐ کی ہیبت' جلال اور رعب تھا۔ مراد یہ ہے کہ ناک مبارک بلا تامّل اونچی نظر آتی تھی مگر درحقیقت صفاتِ ثلاثہ مذکورہ کی جامع تھی۔ له نور یعلوه میں له کی ضمیر کا مرجع عرنین ہے یا حضور اقدس ﷺ ہیں۔

کث اللحیة... حضور اقدس ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی کثّ یَکُثُّ کَثّاً کا معنیٰ گھنا اور گنجان ہونا ہے والـلحية الشعر النابتُ على الذقن وهو مجتمع اللحيين (مواهب ص

۲۵) یعنی ٹھوڑی پر نکلے ہوئے بالوں کو داڑھی کہتے ہیں۔نہایہ میں ہے کہ داڑھی کی کثاثت یہ ہے کہ باریک اور لمبی نہ ہو بلکہ اس میں گنجان پنا اور محبوبیت ہو مجمع البحرین میں ہے یعنی چھوٹی داڑھی اور گھنی داڑھی وفی روایة کان کثیف اللحیة وفی اخریٰ عظیم اللحیة (جمع ص ۴۵) (ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ گھنی داڑھی والے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عظیم اللحیة (بڑی داڑھی والے) تھے وفی روایة کان کث شعر الراس واللحیة (مناوی ص ۴۵)(ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ کے سر اور داڑھی مبارک کے بال گھنے تھے)۔

رخسار مبارک:

سھل الخدین ۔۔۔ حضور اقدس ﷺ کے رخسار نرم، ہموار، صاف اور حسین تھے کیل چھائیوں داغ اور دھبوں سے پاک تھے۔ سھل (از باب کرم) کالفظ بلند زمین کے مقابل بولا جاتا ہے سھل الخدین کا معنیٰ غیر مرتفع الخدین (مواھب ص ۲۵) (نہ ابھری ہوئی رخساریں) اس طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کا چہرہ اور رخسار مبارک اگر چہ پُر گوشت تھے مگر غیر مناسب نہیں تھے وذلک اعلی واغلی واحلی عندالعرب (مناوی ص ۴۵) یعنی عربوں کے نزدیک یہی سب سے اعلیٰ محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔

دہن مبارک :

ضلیع الفم ... ضلیع کا معنیٰ پسلی ہوتا ہے اور قوی جانور کو بھی کہتے ہیں جس کی کوکھیں بھری ہوئی ہوں یہاں ضلیع کا معنیٰ عظیم ہے یعنی واسع الفم 'الضلیع الذی عظمت اضلاعه فاتسع جنباه ثم استعمل فی العظیم فالمعنیٰ عظیم الفم وواسعه (مواھب ص ۲۵) یعنی ضلیع اس کو کہتے ہیں جس کی پسلیاں بڑی ہوں اور پہلو کشادہ ہو گئے ہوں۔

پھر یہ لفظ ''عظیم'' کے معنی میں استعمال ہونے لگا لہذا ''ضلیع الفم'' کا معنی بڑا اور کشادہ منہ ہے۔ یہ وسعت فم رجال میں محمود ہے اور خواتین میں مذموم ہے دھن مبارک کشادہ تھا' نہ چھوٹا اور تنگ تھا

کہ منہ سے نکلی ہوئی بات میں فصاحت نہ رہتی اور نہ اعتدال وموزونیت سے بڑا تھا کہ بھدّا نظر آتا' موزون معتدل اور مناسب کشادہ دھن سے موصوف تھے جو ایک عمدہ اور اچھی صفت ہے وفیه ایماء الی قوة فصاحته وسعة بلاغته (جمع ص ۴۵) یعنی اس میں آپ کی قوتِ فصاحت اور وسعتِ بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔

دانت مبارک :

مفلج الاسنان ... تفلیج سے ہے دانت مبارک قدرے کشادہ تھے دانتوں میں مکمل اتصال نہیں تھا بلکہ درمیان میں معمولی سا فاصلہ تھا۔ مفلج اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دانت متصل ہوں مگر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں بلکہ درمیان میں تھوڑا سا فرق ہو۔

اس کے مقابلہ میں مراص الاسنان بولا جاتا ہے وہ شخص جس کے دانت ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوں اور بہت متصل ہوں۔ ایک اور لفظ ابلس بولا جاتا ہے جس کے دانتوں میں کافی فاصلہ اور زیادہ کشادگی ہو۔ انفراج جمیع الاسنان عیب عند العرب (مواهب ص ۲۵) تاہم دانتوں میں تھوڑا سا فاصلہ اور ہموار کشادگی عربوں میں محمود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت سے متصف تھے۔

دقیق المسربة ... سینہ مبارک پر بالوں کی ایک باریک خوبصورت لکیر تھی جو سینہ سے شروع ہو کر ناف تک چلی گئی تھی۔ المسربة' سربة (باب کرم) سے ہے وهی الطریقة (مناوی ص ۴۶) ووصف المسربة بالدقة للمبالغة اذهی الشعر الدقیق (مواهب ص ۲۵) یعنی بالوں کی لکیر (المسربة) کی صفت باریکی (الدقة) لانا مبالغہ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ باریک بال تھے۔ تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱۹ میں گزر چکی ہے۔

گردن مبارک :

کانّ عنقه جید دمیةٍ ... حضور اقدس ﷺ کی گردن مبارک ایسی تھی گویا کسی حسین وجمیل مورتی

کی گردن ہو۔ جید گردن یا گردن کا وہ مقام جہاں ہار پہنتے ہیں۔
دمیة پتلی کو کہتے ہیں وہ پتلی جو منقش اور مزیّن ہو اور اس میں خون کی طرح سرخی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دمیة ہاتھی دانت کی پتلی کو کہتے ہیں ۔عرب لوگ مثال کے طور پر کہتے ہیں احسنُ من الدمیة یعنی پتلی سے بھی زیادہ خوبصورت۔ عادتِ انسانی بھی تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کو حسن کی تصویر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں چنانچہ زمانہ قدیم میں پتھر سے خوبصورت گڑیاں مورتیاں اور پتلیاں بنائی جاتی تھیں، صنم گری ایک فن تھا بدھ مذہب تو اس میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کمال یہاں تک کہ ایک کاریگر نے چاول کے ایک دانہ پر مہاتما بدھ کا نہایت خوبصورت مجسمہ بنایا تھا۔ متنبّی نے بھی اپنے محبوب کی تعریف میں کہا

صنمًا مِّن الاصنام لولا الروح

اگر میرے محبوب میں زندگی کی روح نہ ہوتی تو ایک حسین مجسمہ معلوم ہوتا۔ یہاں مذکورہ روایت میں بھی حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ آپؐ کی گردن مبارک کسی خوبصورت مورتی کی طرح حسین تھی سرخ رنگ کی مناسبت سے اس کا نام دمیة رکھا گیا۔ پہلے عنق کہا گیا ہے پھر جید لائے ایک تو اس میں تفنن فی العبارة (الفاظ وعبارت میں تنوّع) ہے وارادة التفنن المعنوی (جمع ص ۴۶) دوسرا کمالِ ادب بھی ملحوظ ہے کیونکہ جید کا لفظ عام روزمرہ استعمال میں عشاق اپنے معشوق کے لئے جائز و ناجائز ہر صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ راوی نے حضور اقدسؐ کے وصف واقعی کے بیان میں صرف اس کلمہ کو استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا اور عنقه کہا اور دمیة کے لئے جید کا لفظ لایا گیا فشبه عنقه الشریف بعنق الدمیة فی الاستواء والاعتدال وحسن الهیئة والکمال والاشراق والجمال (مواھب ص ۲۵) یعنی آپؐ کی گردن مبارک کو منقّش اور مزیّن پتلی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ تشبیہ برابری، اعتدال، حسن ہیئت، کمال، تابانی اور جمال میں ہے۔
باقی رہا یہ سوال کہ عنق کی تخصیص کیوں کی گئی۔ شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ جو اعضاء مثلاً گردن وغیرہ کھلے رہتے ہیں ان پر میل وغبار پڑتا رہتا ہے لیکن جب یہ زیادہ صاف اور شفاف ہوں تو دیگر اعضاء تو بطریق اولیٰ صاف وشفاف ہوں گے۔ وفیه ایماء الی بیاض عنقه الذی یبرز للشمس

المستلزم ان سائر اعضائه اولی (جمع ص ۴۶) (اوراس میں اشارہ ہے آپ ﷺ کی گردن کی سفیدی کی جانب کہ اس پر باوجود دھوپ وغیرہ پڑنے کے اس میں صفائی ہے تو یہ باقی اعضاء کے صفائی کو مستلزم ہے)

فی صفاء الفضّة... یعنی صفائی بالکل چاندی جیسی تھی جب چاندی کے زیور یا برتن کو صاف کرکے پالش کرلیا جائے تو وہ صفائی اور حسن میں چمکتا اور دمکتا ہے۔ جنتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا o قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا (۷۶:۱۵) (اوران کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے، وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا)۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں قيل صفة لدمية او لجيد دمية او خبر بعد خبر لكأنّ عنقه وهو الاولىٰ (جمع ص ۴۶) یعنی" فی صفاء الفضة "پتلی کی صفت ہے یا پتلی کی گردن کی صفت ہے اور یا کأنَّ کے لئے خبر بعد خبر ہے اور یہ توجیہہ اولیٰ ہے۔

معتدل الخلق :

معتدل الخلق... حضور اقدس ﷺ نہایت موزون اور متناسب جسم والے تھے۔ راوی کا یہ جملہ ماقبل کی نسبت سے اجمال بعد التفصيل اور مابعد کی نسبت سے اجمال قبل التفصيل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ گذشتہ تمام صفات کو شامل ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں والمراد انه معتدل الصورة الظاهرة بمعنى ان اعضائه متناسبة غير متنافرة و كل متناسب معتدل و كل متوسط فى كم و كيف معتدل و كل مستقيم قويم معتدل (مناوی ص ۴۶) (یا مراد یہ ہے کہ آپؐ کی ظاہری صورت معتدل تھی یعنی اعضاء متناسب تھے اور ہر متناسب معتدل ہوتا ہے، اسی طرح کمیت وکیفیت میں متوسط چیز معتدل ہوتی ہے اور ہر مستقیم واستوار چیز معتدل ہوتی ہے)

اور معتدل الخلق کا ایک معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ غصہ کے وقت میں غصہ اور رحمت کے وقت میں رحمت فرماتے تھے۔

بادن متماسک سواء البطن والصدر:

لفظِ بادن ' بدانۃ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ ذی بدانۃ کے۔ یعنی حضوراقدس ﷺ کا جسم بالکل نحیف وضعیف نہیں تھا بلکہ اعتدال کے ساتھ بھاری، گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کہ حضوراقدس ﷺ کے جسم مبارک میں موٹاپا نہیں آیا تھا، سے اس کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس جگہ بدانۃ (موٹاپا) سے مراد وہ بدانۃ ہے جو حسن کے عین مناسب ہو اس لئے تو راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کی صفت کا اضافہ کردیا ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ولما کانت البدانۃ قد تکون من الأعضاء وقد تکون من کثرۃ اللحم والسمن المفرط المستوجب لرخاوۃ البدن وھو مذموم اردفہ بما ینفی ذلک فقال متماسک (مناوی ص ۴۷) یعنی موٹاپا چونکہ کبھی اعضاء کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور حد سے زیادہ موٹاپے سے بدن ڈھیلا پڑ جاتا ہے جو ناپسندیدہ ہوتا ہے اسلئے راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کا لفظ لاکران مذموم صفات کی نفی کردی بادن یعنی حضوراقدس ﷺ کا جسم مبارک ڈھیلا ڈھالا نہیں بلکہ مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔

متماسک کا معنیٰ اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط اور جڑا رہنا اور اپنی جگہ پر قوی ہونا۔ حضوراقدس ﷺ کا بدن مبارک نہ زیادہ بھاری تھا اور نہ بالکل نحیف والحق انہ لم یکن سمیناً قط ولا نحیفاً قط (مناوی ص ۴۷) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والحاصل انہ تخصیص بعد تعمیم اوتذییل وتتمیم (جمع ص ۴۷) (حاصل یہ ہوا کہ لفظِ متماسک تعمیم کے بعد تخصیص ہے یا اور یا پھر تکمیل وتتمیم ہے)

سواء البطن والصدر ... اس جملہ میں بھی حضوراقدس ﷺ کے بدن مبارک کی موزونیت اور اعتدال کا بیان ہے یعنی تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ خوب اور موزون تھے جسے پیٹ اور سینے کی برابری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سواء الشئی وسطہ لاستواء المسافۃ الیہ من الاطراف (نہایۃ) (سواء الشئی کا معنیٰ اس چیز کا درمیان کیونکہ اطراف کی مسافت درمیان کو مساوی ہوتی ہے) والمعنیٰ ان

بطنه وصدره الشريفان مستويان لاينتا احدهما عن الآخر فلا يزيدبطنه على صدره ولايزيد صدره على بطنه (مواهب ص۲٦) (مطلب یہ کہ آپ ﷺ کا پیٹ اورسینہ مبارک بالکل مساوی اور معتدل تھے ان میں کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوانہیں تھا۔ نہ تو پیٹ سینے پر زیادہ (پھولا) تھا اور نہ سینہ پیٹ پر زیادہ (ابھرا) ہوا تھا)

عریض الصدر... یہ ماقبل کی تاکید ہے اور ایک روایت میں رحب الصدر (فراخ سینہ والے) بھی منقول ہوا ہے یعنی حضور اقدس ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا تھا جو مردوں میں حسن وکمال، جمال، عظمت اور قوت کی علامت ہے علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں وذلک آية النجابة فهو مما يمتدح به في الرجال (مواهب ص۲٦) بعيد المنكبين کی بحث ۱۰۷ پر تفصیل سے لکھی جا چکی ہے۔

ضخم الكراديس ... کرادیس جمع ہے کردوس کی۔ بروزن عصفور۔ اس سے جوڑوں کے کنارے یا ہڈیوں کو ملانے والے جوڑ مراد ہیں، یعنی حضور اقدس ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں، جو باطنی قویٰ کے کمال کو مستلزم ہیں (مواہب ص۱٦)

ظاہری اعضاء کی نورانیت:

انور المتجرد ... انور سے مراد روشن، نورانی۔ المتجرد باب تفعّل سے اسم فاعل ہے اور انور کا مضاف الیہ ہے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وہ اعضاء مبارک جو خود بخود ظاہر اور کھلے ہوتے تھے مثلاً ہاتھ، پاؤں، چہرہ مبارک وغیرہ وہ نہایت خوبصورت روشن نورانی اور چمکدار ہوتے تھے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ باب تفعّل سے اسم مفعول ہے تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپ ؐ کے جو اعضاء کھلے اور ظاہر نہ تھے بلکہ لباس میں پوشیدہ تھے اگر وہ کسی صورت میں ظاہر اور مجرد ہو جاتے (لباس اتارتے) تو وہ روشن اور منور ہوا کرتے تھے وفي رواية لابن صاعد بن سراقة دنوت منه وهو على ناقته فرايت ساقه في غرزه كانها جمارة (مناوی ص۴۸) (ابن صاعد بن سراقہ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے قریب آیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے، رکاب کے اندر میں نے آپ ؐ کی پنڈلی دیکھ لی گویا کہ وہ ایک چمکدار اور روشن انگارہ تھا)۔

لبّہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر:

موصول مابین اللبّةِ والسّرة ... دقيق المسربة تفصیل میں جو بحث گذر چکی ہے یہ اس کی مزید توضیح وتشریح ہے یہاں ما یا تو موصولہ ہے اور یا موصوفہ ہے۔

لبّة سے مراد وہ گڑھا ہے جو حلقوم کے نیچے ہوتا ہے موضع القلادة سے بھی اس کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے وهي النقرة التي فوق الصلر (جمع ص۴۸) یعنی یہ سینہ کے اوپر ایک گڑھا ہوتا ہے اوموضع القلادةولبة البعير موضع نحره (مناوی ص ۴۸) (یا یہ اس حصّہ کو کہتے ہیں جس پر ہار باندھا جاتا ہے اور اونٹ کا لبة اس کے ذبح کرنے کی جگہ ہوتی ہے)۔

سرّةَ کا معنیٰ ناف ہے وانما هي الموضع الذی قطع منه السر(بالضم) (مناوی ص۴۸) یعنی ''سُرة'' پیٹ کے اس مقام کو کہتے ہیں جس سے ناف کاٹتے ہیں۔

والمعنیٰ وصل مابین لبته وسرته (مناوی ص۴۸) سرة کی جمع سُرَرُ 'سرّات آتی ہے۔

کالخطّ.. الخطَ الطريق 'ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں الطريقة المستطيلة في الشي (جمع ص ۴۸) فكانه جعل اللبّة نقطة والسرّة نقطة والشعر بينهما خط لاتصاله بينهما (مناوی ص۴۸) (تو گویا'' لبّة '' کو ایک نقطہ قرار دیا اور ''سرة '' کو دوسرا نقطہ اور ان دونوں کے درمیان میں بالوں کی لکیر ان کو آپس میں ملاتی ہے)

ثديين 'ذراعين اور زندين کی بحث:

عاری الثديين والبطن ... بالوں کی باریک سی مذکورہ لکیر کے علاوہ آپؐ کی دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا۔ عاری منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے عری سے ماخوذ ہے سمع کے باب سے ہو تو بمعنیٰ ننگے ہونے کے آتا ہے اور نصر کے باب (عرا یعرو) سے ہو تو بمعنیٰ پیش آنے کے آتا ہے۔ دونوں ابواب سے اسم فاعل عاری آتا ہے جس کی جمع عراة ہے یہاں مراد بالوں سے ننگا ہونا ہے والمعنیٰ لم يكن على ثدييه وبطنه شعر غير مسربة

ویؤیده ماوقع فی حدیث ابن سعد له شعر من لبته الی سرته کالقضیب لیس فی بطنه ولا صدره شعر غیره (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کی چھاتیوں اور پیٹ پر بالوں کی ایک باریک لکیر کے علاوہ زائد بال نہیں تھے اور اس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپؐ کے لبّۃ اور ناف کے درمیان ٹہنی کے مانند بال تھے، آپؐ کے سینے اور پیٹ پر اس کے علاوہ مزید بال نہیں تھے۔

اشعر الذراعین ... اشعر کا معنیٰ کثیر الشعر وطویله (قاموس) یعنی کثیر اور طویل بالوں کے ہے یہ اجرد کا ضد ہے الذراعین 'من المرفق الی الاصابع (کہنیوں سے انگلیوں تک کے حصہ) کو کہتے ہیں۔ والمنکبین 'مجتمع راس الکتف والعضد (منکبین ،کندھے اور بازو کے سنگم) کو کہتے ہیں اعالی 'اعلیٰ کی جمع ہے۔ای شعر هذه الثلاثة غزیر کثیر (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کے دونوں بازوؤں' دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کثیر اور گھنے بال تھے۔

طویل الزندین ... حضور اقدس ﷺ کی کلائیاں اعتدال کے ساتھ دراز تھیں وفی المغرب هما طرفا عظم الساعدین (جمع ص ۴۹) زندین 'زند کا تثنیہ ہے امام اصمعی کا مقولہ ہے لم یر احد اعرض زندا من الحسن البصری کان عرضه شبرا (مواهب ص ۲۶) یعنی حضرت حسن بصریؒ سے زیادہ چوڑا کلائی والا نہیں دیکھا گیا ہے۔اس کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔

رحب الراحة .... رحب (کرم اور سمع) کے باب سے آتا ہے بمعنیٰ ہتھیلی کی کشادگی اور وسعت' اس سے خلقت کا بیان ہے تو ظاہر ہے اور اگر وصف کا بیان ہے تو سخاوت وجود سے کنایہ ہے تاہم وسعت رحب کا مدلول فیاضی ہے جو آپؐ میں بتمام وکمال موجود تھی۔

قیل رحب الراحة دلیل الجود و ضیقها دلیل البخل (جمع ص ۴۹) (ہتھیلی کی کشادگی سخاوت کی دلیل ہے جبکہ اس کی تنگی بخل کی دلیل ہے)

شثن الکفین والقدمین آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں دونوں پُر گوشت تھے تفصیلی بحث ۱۱۸ پر گذر چکی ہے۔

انگلیاں، پوٹے، تلوے اور قدمین مبارک:

سائل الاطراف اور شائل الاطراف ۔ آپ ؐ کی انگلیاں تناسب کے ساتھ دراز تھیں ۔ راوی کو تردّد ہے کہ استاد نے سائل کا لفظ ارشاد فرمایا تھا یا شائل کا ۔ سائل سیلان سے ہے بمعنیٰ بہنے کے اور شائل، شول سے ہے بمعنیٰ ارتفاع کے ۔ مراد لمبا اور فراخ ہونا ہے ۔

الغرض سیلان ہو یا شول لغوی معنیٰ اونٹ یا گھوڑے کی دم کا ابھرا ہوا ہونا ہے ۔ اطراف کے معنیٰ پورو ے ۔ مراد انگلیاں ہیں والمعنیٰ کان مرتفع الاطراف بلا احدید اب ولا انقباض (مواہب ص ۲۶) (مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی انگلیاں مبارک نہ بہت لمبی تھیں اور نہ سکڑی ہوئیں)

خمصان الاخمصین یہ لفظ خمص اور خموص باب نصر سے ماخوذ ہے لغوی معنیٰ ورم بیٹھنا، باریک تکلم، خالی پیٹ ہونا آتا ہے یہاں مراد تلوے کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے ۔ انسانی پاؤں کا یہ حصہ گوشت سے خالی ہوتا ہے اور زمین سے نہیں لگتا واخمص القدم ھو الموضع الذی لایمسہ الارض عند الوطنی من وسط القدم (مواہب ص ۲۷) (قدم میں اخمص وسط قدم کی وہ درمیانی جگہ (تلوے) کہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے) بخلاف اونٹ کے کہ اس کے تلوے گوشت سے بھرپور ہوتے ہیں اور پورا پاؤں زمین کے ساتھ لگتا ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں پاؤں کے تلوے انسانی فطرت کے مطابق قدرے گہرے، زمین سے مرتفع اور گوشت سے بھرپور نہ تھے اور ان کا درمیانی حصہ زمین کو نہیں چھوتا تھا ۔

مسیح القدمین ... یعنی ہموار، سپاٹ، تلوے والا، نرم، جس میں پھٹن اور شگاف نہ ہو ای املسھما مستو یھما لینھما بلا تکسرٍ ولا تشقق جلد (مناوی ص ۵۱) یعنی حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک صاف، روشن، چکنے اور معتدل اور ہموار تھے حتیٰ کہ اگر ان پر پانی بھی ڈالا جاتا تو وہ بہہ نکلتا ینبؤ نبا سے ہے بمعنیٰ بہہ جانے کے یقال نبا تجا فیٰ وتقاعد وزایل وعلا و ارتفع والاخیر ھنا انسب (مناوی ص ۵۱) (علامہ مناویؒ نبأ کے مختلف معانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بمعنیٰ دور ہونے کے، بیٹھنے، اپنی جگہ سے زائل ہونے، بلند و مرتفع ہونے کے اور یہی اخیر معنیٰ زیادہ مناسب

ہے) یہ مسیح القدمین کی توضیح اور دلیل ہے جب ینبوُ کا صلہ عن آئے تو وہ دور ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے بوجہ نرمی کے پانی کا ورود اور سیلان جلدی ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات نے مسیح القدمین کا معنیٰ یہ لیا ہے جس کا تمام قدم زمین پر لگے اور درمیان میں گہرائی نہ ہو اور قدم رکھتے وقت قدم کا درمیانی حصہ یعنی تلوے زمین سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت بھی اسی مفہوم کی منقول ہے۔ اذا وطئی الارض بقدمه صلی الله علیه وسلم وطئی بکله لیس له اخمص ۔(الخصائص الکبری ج اص ۷۱ا) یعنی آنحضرت ﷺ زمین پر پورا قدم رکھتے تھے، قدم کے تلوے زمین کے ساتھ لگتے تھے۔ تو اس روایت کا خمصان (کہ تلوے زمین کے ساتھ نہیں لگتے تھے) والے مفہوم سے تعارض ہے۔ شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک زمین سے زیادہ مرتفع نہیں تھے جو بغیر تامّل اور امعانِ نظر کے معلوم ہو۔ لہذا جن حضرات نے امعانِ نظر اور تامل نہ کیا اور اوّلِ وھلہ میں اپنا مشاہدہ نقل کر دیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے نہیں تھے، لیس له اخمص اسی حالت میں کہا گیا تھا و نفی الاخمص فی خبر ابی ھریرةؓ محمول علی نفی عدم الاعتدال (مواھب ص ۲۷) جن حضرات نے گہری نظر سے غور کیا اور تامل کے بعد اپنا مشاہدہ بیان کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے تھے اور خمصان الاخمصین کے دعوے پر قائم رہے فمن اثبت الخمص اراد ان فی قدمیه خمصاً یسیرا و من نفاه نفی شدته (جمع ص ۵۱) حاصل یہ کہ جس نے خمص کو ثابت کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ قدم رکھتے وقت تلوے زمین سے قدرے اوپر رہتے اور جس نے خمص کی نفی کی ہے تو اس نے زیادہ اٹھان کی نفی کی ہے، کہ تلوے زیادہ اٹھے ہوئے نہیں تھے۔

چال مبارک:

اذا زال ... چال مبارک کا بیان ہے قلعاً کا معنیٰ' زور سے اور قدم اٹھا کر چلنا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں والقلع فی الاصل انتزاع الشی من اصله اوتحویله عن محله و کلاھما صالح لان یراد ھنا انه ینزع رجله عن الارض اویحولها عن محلها بقوة (مناوی

ص ۵۱)(قلع اصل میں کسی چیز کو جڑ سے نکالنے یا اس کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں اور دونوں معانی یہاں مراد لینا درست ہے بایں طور کہ آپ ؐ چلتے وقت پیر کو اچھی طرح زمین سے اٹھاتے یا اس کو اپنی جگہ سے قوت کے ساتھ منتقل کرتے)حضور اقدس ﷺ قدم اٹھا کر چلتے تھے پاؤں کو زمین پر نہیں گھسیٹتے تھے ای رفع رجله عن الارض رفعاً بائناً بقوةٍ لا کمن یمشی اختیالاً ویقارب خطاه تبختراً (جمع ص ۵۱) (کہ آپ ﷺ اپنے قدم مبارک زمین سے پوری قوت سے اچھی طرح اٹھاتے تھے نہ اس شخص کی چال چلتے جو اکڑ کر چلے اور ناز ونخرے کے ساتھ قدم قریب قریب رکھ کر چلے)ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنیٰ انه کان یستعمل التثبّت ولا یتبیّن منه حینئذٍ استعجال ولا استمهال وهذا معنیٰ قوله تعالیٰ واقصد فی مَشیک (جمع ص ۵۱) یعنی آپ ؐ قدم کو اس طرح مضبوطی کے ساتھ اٹھاتے کہ جس سے جلد بازی اور ڈھیلا پن ظاہر نہیں ہوتا تھا اور یہی معنی ہے باری تعالیٰ کے ارشاد ''واقصد فی مشیک'' (۱۹:۳۱) کے یعنی اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔ اس سلسلہ کی مزید بحث صفحہ ۱۰۳ پر تفصیل سے کی گئی ہے ویخطو تکفیا یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

ویمشی هونا .تفنن فی العبارة ہے اذا زال الخ میں کیفیة رفع رجلیه عن الارض (زمین سے پاؤں اٹھانے کی ہیئت اور کیفیت) کا بیان تھا یہاں کیفیة وضعهما علی الارض (زمین پر پاؤں رکھنے کے طریقے) کا بیان ہے(مواهب ص ۲۷) کہ حضور اقدس ﷺ چلتے وقت نہایت وقار کے ساتھ چلتے تھے والمراد انه یمشی برفق وسکینة وتثبتٍ ووقار وحلم واناة وعفاف وتواضع (مطلب یہ کہ آپ ﷺ انتہائی تثبت پُرسکون، نرمی، حلم، وقار اور تواضع سے چلتے تھے)اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مشی هون (عاجزی کے ساتھ چلنا) کے ساتھ تو قرآن نے عام صالحین کو بھی موصوف کیا ہے پھر حضور اقدس ﷺ کے ایسے وصف کے ذکر سے کیا فائدہ جس میں خواص امت بھی آپ ؐ کے ساتھ شریک تھے وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً (۲۵:۶۳) (اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں) . جبکہ صفت کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اس صفت میں موصوف کو خاص امتیاز اور فضل وتفوق حاصل ہے۔شیخ عبدالرؤفؒ جواب میں لکھتے ہیں

قلت المراد انه اثبت منهم فی ذلک واکثر وقاراً ورفقاً وسکینة (مناوی ص ۵۲) یعنی آپ دیگر انسانوں سے اس صفت میں وقار، نرمی اور سکون کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے۔

ذریع المشیة ذرع' بسط الید (ہاتھ لمبا کرنے) کو کہتے ہیں التذریع فی الشئی سے مراد تحریک الذراعین (کہنیوں کو حرکت دینا) ہے ذریع کا معنی سریع ہے امام راغب فرماتے ہیں ذریع کا معنی واسعُ الخطوِ (کشادہ قدم) ہے (المفردات ۱۷۸) مراد مشی معتاد یعنی عادت کے مطابق چلنا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اشارة الی سعة خطوه فی المشی وهی المشیة المحمودة للرجال واما النساء فانهن یوصفن بقصرِ الخطا (جمع ص ۵۲) یعنی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ چلتے وقت کشادہ قدم لیتے تھے اور یہ مردوں کے اعتبار سے پسندیدہ چال ہے جبکہ عورتوں کے لئے کوتاہ قدم لینا قابلِ صفت ہے۔

اذا مشی الخ رفتار مبارک سے متعلق بحث صفحہ نمبر ۱۰۳، ۱۱۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مبارک نگاہیں :

خافض الطرف نظره الی الارض اطول حضور اقدس ﷺ کی نگاہ مبارک زیادہ تر زمین ہی کی طرف جھکی رہتی تھی۔ خفض (نیچے) سے مراد ضد الرفع (اوپر) اور الطرف سے مراد آنکھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نگاہیں خشوع خضوع، حیا و کثرتِ خوف اور تواضع کی وجہ سے اکثر اوقات نیچی رہتی تھیں ہاں بوقت ضرورت نگاہیں آسمان کی طرف بھی اٹھ جایا کرتی تھیں۔

ایک تعارض کا حل :

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَاءِ (۲: ۱۴۴) (بے شک ہم آپؐ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں) سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی نگاہیں آسمان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں اور ابو داؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کان صلی الله علیه وسلم اذا جلس یتحدث یکثر ان یرفع طرفه الی السماء یعنی حضور اقدس ﷺ جب گفتگو کے لئے

تشریف فرما ہوتے تو کثرت سے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے جبکہ شمائل کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نگاہیں اکثر نیچی رہتی تھیں، لہذا بظاہر تعارض ہے۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں (۱) نگاہوں کا اٹھنا' انتظار وحی پر محمول ہے۔

(۲) ابوداؤد کی روایت میں کثرۃ فی نفسہ (اکثریت فی ذاتہ) کا بیان ہےاور شمائل ترمذی کی روایت میں صرف نسبۃ الی الارض (کثرت بنسبت زمین کے ہے) کا بیان ہے۔

(۳) شمائل ترمذی میں حالت مشی (رفتار) کی اکثریت کا بیان ہے یعنی چلتے وقت نگاہیں نیچی رہتی تھیں اور ابوداؤد میں حالتِ جلوس وتحدیث (بیٹھنے اور بات چیت کرنے) کا بیان ہے۔

(۴) وقیل الاکثر لا ینافی الاکثار (جمع ص ۵۳) (اور بعض کہتے ہیں کہ اکثر (بہت زیادہ) اور اکثار (بہت کرنا) میں منافات نہیں)

جل نظرہ الملاحظۃ .... جُل کا معنیٰ اکثر ومعظم اور الملاحظۃ لحاظ سے ہے بمعنیٰ گوشہ چشم سے دیکھنا لحظ الیہ ای نظر الیہ بمؤخر العین (جمع ص ۵۳) الملاحظۃ کا معنیٰ گوشہ چشم سے لاپرواہی سے دیکھنا' مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی ایک جانب گھور گھور کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ایک ہی نظر میں حقیقت کو پاجاتے تھے اور یہی حضور اقدس ﷺ کا اکثر معمول تھا بظاہر اس کا بھی اذا التفت التفت جمیعاً سے تعارض ہے۔ محدثین حضرات اس اشکال کے جواب میں کہتے ہیں۔

(۱) کہ جب حضور اقدس ﷺ قصداً کسی چیز کو دیکھنا اور توجہ فرمانا چاہتے تھے تو اذا التفت التفت جمیعاً (پوری طرح توجہ سے دیکھنے) کا معمول تھا متکبرین کی طرح گوشہ چشم سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور جب کسی طرف توجہ نہ ہوتی تو نظریں نیچی رہتی تھیں پھر تبعاً گوشہ چشم سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل دنیا اور حریصوں کی طرح' چیزوں پر نظر نہ ڈالتے اور نہ دنیا اور اس کے اسباب پر ٹپکتے تھے بل کان ینظر الیھا فی الجملۃ وبقدر الحاجۃ لا سیّما الی الدنیا وزخرفھا امتثالاً لامر ربہ بقولہ ولا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلَیٰ مَا مَتَّعْنَا بِہٖ الخ (۱۵: ۸۸) (مناوی ص ۵۳) یعنی آپ چیزوں کو خصوصاً

دنیا اور اس کی زیب وزینت کو سرسری نظر سے اور بقدرِ حاجت دیکھتے تھے۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد ''آپ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے ان چیزوں کو جو ہم نے برتنے کے لئے دے رکھی ہے'' پر عمل کرتے ہوئے۔

صحابہؓ کے ساتھ چلنے کی کیفیت :

یسوق اصحابه ... سفر میں آپؐ کا معمول تھا کہ خود پیچھے چلتے تھے اور اپنے صحابہؓ کو آگے آگے رکھتے تھے **ای یقدمھم بین یدیه ویمشی خلفھم کانه یسوقھم** (جمع ص ۵۳) (یعنی آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اپنے آگے اور سامنے رکھا کرتے اور خود حضور ﷺ ان کے پیچھے چلتے گویا کہ ان کے سائق (چلانے والے) ہیں) اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ

(۱) چونکہ آپؐ تیز رفتار تھے صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ چلنا دشوار ہوتا تھا اس لئے آپؐ ان کو آگے آگے چلاتے تا کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے **لان ھذا شان الراعی** (جمع ص ۵۳) (کہ یہی محافظ اورنگہبان کی شان ہے)

(۲) آپؐ کا ارشاد ہے **خلوا ظھری للملائکة** یعنی میرے پیچھے کی جگہ ملائکہ کے لئے خالی کردو کیونکہ آپؐ کے پیچھے فرشتے چل رہے ہوتے تھے **لعله ماخوذ من قوله تعالیٰ وَالْمَلَائِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِيْر** "(۴:۶۶) (جمع ص ۵۳) یعنی ہوسکتا ہے کہ آپؐ کا مذکورہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس قول ''اور فرشتے آپؐ کے پیچھے مددگار ہیں'' سے ماخوذ ہو۔

(۳) یہ کمالِ تواضع کی بنا پر تھا کہ حضور اقدس ﷺ سب سے پیچھے اور سب سے آخر میں رہتے تھے تا کہ سب پہ نظر ہو اور جو تربیت کا مستحق ہو اس کی تربیت کی جائے، جو تکمیل کا محتاج ہو ان کی تکمیل کی جائے جو **معاتبة** (ڈانٹنے) کے مستحق ہوں ان پر عتاب کیا جائے جنہیں تادیب کی ضرورت ہو انہیں ادب سکھلایا جائے **وھذا شان الولی مع المولّی علیه** (مناوی ص ۵۳) (اور یہی حال مربی اور متولی کا ہوتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جن کی ولایت اس کے سپرد کی گئی ہوتی ہے)

(۴) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **وایماء الی مراعاة اضعفھم فیتاخر عنھم رعایة للضعفاء واعانة**

للفقراء (جمع ص ۵۳) یعنی اس میں سب سے کمزور کی رعایت کرنے کی طرف اشارہ ہے تو آپؐ کمزوروں کی رعایت اور فقراء کی اعانت کی غرض سے ان کے پیچھے چلتے۔

سلام میں پہل:

یبدر من لقی بالسلام ... آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے اور کسی کو بھی آپؐ سے پہل کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ سلام کرنے میں بچوں تک کو مخاطب فرماتے اور پہل کرتے اور یہ کمالِ تواضع وعبدیت کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے وہ کبر سے بری ہوتا ہے **البادی بالسلام بری من الکبر** (رواہ البیھقی)۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور امت کو ادائے فرض کا ثواب ملنے کی غرض سے پہل فرماتے تھے۔ **لان جواب السلام فرض وثوابه اجزل من ثواب السنة** (مناوی ص ۵۴) (اس لئے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور اس کا ثواب بھی بمقابلہ سنت کے بہت زیادہ ہے) اگرچہ ملا علی قاریؒ نے **قلت هذا غفلة عن القاعدة المقررة ان الایثار فی العبادات غیر محمود الخ** فرما کر اس توجیہ کی حیثیت کو کم کر دیا (جمع ص ۵۴) یعنی اس توجیہہ میں مقررہ قاعدہ ''عبادات میں ایثار ناپسندیدہ ہے'' سے غفلت برتی گئی ہے۔

بہرحال آپؐ صاحبِ خلق عظیم پر تھے ہر ملنے والے کے ساتھ حتیٰ کہ خواتین اور بچوں کے ساتھ بھی سلام میں پہل فرماتے' یہی کمال حسن اخلاق تھا اور اس میں تعلیم امت بھی تھی۔ الشیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **وفی هذه الافعال السابقة من تعلیم امته کیفیة المشی و عدم الالتفات وتقدیم الصحب والمبادرة بالسلام ما لا یخفی علی الموفقین لفهم اسرار احواله** (مواھب ص ۲۸) یعنی آپؐ کے سابقہ افعال، چلنے کی کیفیت، ادھر اُدھر التفات نہ کرنا، دنیا کے چیزوں سے بے رغبتی، آپؐ کا اپنے ساتھیوں کو چلنے میں آگے رکھنا اور سلام میں ابتدا کرنے میں امت کو تعلیم ہے اس سے آپ کے حالات کے اسرار و رموز کا سمجھنا واقفین پر مخفی نہیں۔

---

(۸) حدَّثنا ابُوْ مُوْسی مُحمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حدَّثنا مُحمَّدُ بْن جعْفرٍ حدَّثنا شُعبةُ عنْ سماكِ بْنِ حرْبٍ قال سمِعْتُ جابرَبْن سمُرةَ يقُوْلُ كانَ رَسُوْلُ اللّٰه صلّى اللّٰهُ عليْه وسلَّم ضليْعَ الْفمِ اشْكلَ الْعيْنِ منْهُوْس الْعقِبِ قالَ شُعْبةُ قُلْتُ لِسماكٍ ماضلِيْعُ الْفمِ قال عظيْمُ الْفمِ قُلْتُ ما اشْكلُ الْعيْنِ قال طوِيْلُ شقِّ الْعيْنِ قُلْتُ مامنْهُوْسُ الْعقِبِ قال قلِيْلُ لحْمِ الْعقِبِ ..

ترجمہ: ہمیں ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا' ان کومحمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہیں شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہؐ فراخ دہن تھے' آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے' ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔ شعبہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سماک بن حرب سے پوچھا کہ ضلیع الفم سے کیا مراد ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ منہ کا بڑا ہونا۔ میں نے عرض کیا کہ اشکل العین کیا ہے؟ فرمایا کہ آنکھ کی دراڑ کا کشادہ ہونا۔ میں نے پوچھا کہ منھوس العقب کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ایڑیوں پر گوشت کا کم ہونا۔

راویانِ حدیث (۳۴) ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰؒ (۳۵) محمد بن جعفرؒ (۳۶) شعبہؒ (۳۷) سماک بن حربؒ اور (۳۸) حضرت جابر بن سمرۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

چہرہ، آنکھ اور ایڑیاں:

ضليع الفم اشكل العين منهوس العقب ... حدیثِ باب کے لفظی ترجمہ میں مراد واضح کردی گئی ہے ضليع الفم ۔ آپؐ اعتدال کے ساتھ کشادہ دہن تھے اور عرب معتدل کشادہ دہن کو پسند کرتے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی بھی علامت ہوتی ہے ایسا شخص محترم بزرگ اور محمود سمجھا جاتا ہے اس لئے اللہ پاک نے آپؐ کو یہ صفت محمودہ بھی عنایت فرمائی تھی۔ مزید بحث صفحہ نمبر ۱۶۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اشكل العين : محدثین' ائمہ لغت اور شارحین حدیث کہتے ہیں کہ سماک بن حرب کو اشکل العین کا معنیٰ بیان کرنے میں اشتباہ ہوا ہے سماک بن حرب نے اشكل العين کا معنیٰ طويل شق العين

(آنکھ کے دراڑکی درازی یا فراخ چشمی) سے کیا ہے جبکہ اس کے لئے عربی لغت اور محاورہ میں عینُ النجلاء (بڑی اور خوبصورت آنکھ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں "هذا التفسير خلت عنه كتب اللغة المتداولة ومن ثم جعله القاضي عياض وهما (اس سابقہ تفسیر سے لغت کی مشہور کتابیں خالی ہیں اسی لئے تو قاضی عیاضؒ نے اس کو وہم قرار دیا ہے)

خلاصہ یہ کہ "أشكل العين" کی مذکورہ تشریح درست نہیں ہے۔

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ شکلاء، حمرة في بياضِ العين کو کہتے ہیں یعنی آنکھ کی سفیدی والے حصہ میں سرخ ڈوریاں۔ جس آنکھ کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہوں اس کو عین الشکلاء کہتے ہیں اور یہ آپؐ کے علاماتِ نبوت میں سے ایک علامت بھی ہے۔ والصواب ان الشكلة حمرة في بياض العين وهي احدى علامات النبوة كما قال الحافظ العراقي والأشكل محمود محبوب قال الشاعر اور صحیح بات یہ ہے کہ شکلہ وہ سرخی جو آنکھ کی سفیدی میں ملی ہوئی ہے اور یہ نبوت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے۔

جیسے حافظ عراقیؒ نے فرمایا ہے اور اشکل شخص پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے

وَلَا عَيْبَ فِيْهَا غَيْرُ شُكْلَةِ عَيْنِهَا
كَذَالِكَ عِتَاقُ الْخَيْلِ شُكْلٌ عُيُوْنُهَا

ترجمہ: اس میں صرف اتنا عیب ہے کہ اس کے آنکھوں کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہیں جبکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں میں یہ صفت موجود ہوتی ہے۔ (مواهب ص ۲۹)

مگر حضرت سماکؒ نے یہاں پر ترجمہ عين النجلاء والا کر دیا ہے جو ان سے علمی غلطی ہوئی ہے سرخ ڈورے والی آنکھ کو اشکل کہتے ہیں جو کہ حسن و جمال کی علامت ہے جس سے حضور اقدسؐ بدرجہ اتم متصف تھے۔

بیہقی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے كان رسول الله صلى الله عليه وسلم عظيم العينين اهدب الاشفار مشرب العين بحمرة آپؐ کی آنکھوں مبارک میں سرخ ڈورے تھے لمبے ابرو تھے سرخی اور سفیدی ملا ہوا یعنی سنہری رنگ مبارک تھا۔

خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان

وہ قاتل بے پیئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

شعبہ کے پوچھنے پر ان کے استاد سماک بن حرب نے منھوس العقب کا مفہوم سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایاقلیل لحم العقب یعنی ایڑیوں پر کم گوشت ہونا۔ منھوس کالغوی معنیٰ دانتوں سے نوچنا یعنی آپؐ کے عقب مبارک سے گوشت نوچ لیا گیا تھا قلیل اللحم سے یہی مراد ہے عرب کہتے ہیں رجل منھوس القدمین و العقبین ای خفیف لحمھما (مناوی ص ۵۵) (یعنی جب ایڑیوں اور قدموں پر گوشت کم ہو جاتا) جبکہ نہش کا معنیٰ ہے تمام دانتوں سے نوچنا یہاں مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایڑیاں موٹی اور پُر گوشت نہیں تھیں بلکہ ان پر گوشت کم تھا۔

---

(۹) حَدَّثَنَا هَنَّادُبْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْثَرُبْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَشْعَثَ يَعْنِي ابْنَ سَوَّارٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِيْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ .

ترجمہ! ہمیں بیان کیا ہناد بن سری نے انہیں بیان کیا عبثر بن قاسم نے انہوں نے اشعث یعنی ابن سوار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابی اسحاق سے اور انہوں نے جابر بن سمرۃؓ سے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا حضور اقدس ﷺ اس وقت سرخ جوڑا زیبِ تن فرماتے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپؐ کو بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔

راویانِ حدیث (۳۹) ہنّاد بن سریؒ (۴۰) عبثر بن قاسمؒ اور (۴۱) اشعثؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال محمد ﷺ :

رائیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی لیلةٍ اضحیانٍ ... حضرت جابرؓ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ اضحیانٍ لیلة کی صفت ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مراد وہ رات ہے جس میں اول سے لے کر آخر رات تک چاندنی ہو ای لیلة مقمرة من اولها الی آخرها (مواهب ص ۲۹) اس کو لیلة ضحیا اور اضحیان واضحیانةٍ بھی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں فالمراد لیلة مضیئة لا ظلمة فیها ولا غیم بل مقمرة نیرة من اولها لآخرها (مناوی ص ۵۶) (مراد ایسی رات جو روشن ہو اور اس میں کوئی بادل یا اندھیرا بالکل نہ ہو، بلکہ شروع سے آخر تک روشن اور چاندنی رات ہو)۔

وعلیه حلة حمراء ۔حضور اقدس ﷺ سرخ دھاری دار یمنی لباس پہنے ہوئے تھے جس میں وہ بہت حسین وجمیل نظر آرہے تھے والقصد بها بیان ما اوجب التامل وامعان النظر فیه من ظهور مزید حسنه صلی الله علیه وسلم حینئذٍ (مواهب ص ۲۹) (اس سے مقصود اس چیز کا بیان ہے جو آپ ﷺ کے حسن وجمال کی طرف راغب اور متوجہ کرنے والا تھا)۔ باقی رہی یہ بحث کہ حلة حمراء سے مراد کیا ہے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فجعلت انظر الیه... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں کبھی آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا میرے نزدیک حضور اقدس ﷺ چاند سے زیادہ حسین تھے۔ عندی کا لفظ احتراز کے لئے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے نزدیک یہی تھا لہذا یہ قید اتفاقی ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا نظریہ بیان کرتا ہے لبیان الواقع ولا فتخاره باعتقاده لا للتخصیص والاحتراز عن غیره فانّه کذلک عند کل مسلم رآه بنور النبوة (جمع ص ۵۶) یعنی "عندی" کا قید بیانِ واقع کے لئے ہے اور اپنی اس عقیدت پر فخر کرنے کے لئے نہ کہ تخصیص اور دوسروں سے احتراز کے لئے بلکہ ہر مسلمان اسی طرح آپ ﷺ کو نورِ نبوت سے منوّر دیکھتا۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حسن وجمال کے مقابلہ میں چاند کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے فنور وجهه صلی الله علیه وسلم ذاتی لا ینفک عنه ساعة فی اللیالی والایام ونور القمر مکتسب مستعار ینقص تارة ویخسف اخری (جمع ص ۵۶) یعنی آپ ﷺ کے چہرہ کی تابانی اور نور ذاتی تھا، آپ ﷺ دن رات اس نور سے منور اور روشن رہتے جبکہ چاند کی روشنی تو ماخوذ اور

مستعار ہے کبھی گھٹ جاتی ہے اور کبھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر عرفاً حسن و جمال کے لئے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

صحابی کا یہ قول محض حسنِ عقیدت یا محض جذباتِ محبت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی شئی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ یا کہ حضرت براء بن عازب ؓ کا ارشاد ہے

مارایت شیئاً قط احسن منه ۔

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا　　　مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

اور حضرت حسان ؓ کا قول بھی کہ

وَاَحسَنُ مِنکَ لَم تَرَقطُّ عَینِی　　　وَاَجمَلُ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّسَاء

خُلِقتَ مُبَرَّأً مِن کُلِّ عَیبٍ　　　کَأَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاء

یعنی آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی بھی نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت انسان خواتین نے نہیں جنا۔ آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے تھے گویا آپ ﷺ اپنی چاہت کے مطابق پیدا ہوئے تھے۔

نیز فارسی کے شاعر نے اپنے تخیلات کو اس انداز سے پیش کیا کہ

حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

(۱۰) حَدَّثَنَا سُفیَانُ بنُ وَکِیعٍ حَدَّثَنَا حُمَیدُبنُ عَبدِ الرَّحمٰنِ الرُّؤَاسِیُّ عَن زُهَیرٍ عَن اَبِی اِسحٰقَ قَالَ سَأَلَ رَجُلُ الْبَرَآءَ بنَ عَازِبٍ أَكَانَ وَجهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مِثلَ السَّیفِ قَالَ لَا بَل مِثلَ القَمَرِ ۔

ترجمہ۔ سفیان بن وکیع نے حمید بن عبدالرحمٰن رواسی سے روایت کی ہے۔ وہ زہیر سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے ابی اسحٰق سے یہ روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براء ؓ سے

پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا انہوں نے کہا نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

راویانِ حدیث (۴۲) حمید بن عبد الرحمٰنؒ الرواسی اور (۴۳) زہیرؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

چہرہ انور:

قال سال رجل ... کسی شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور (**استنارة** اور **استطالة**) یعنی تابانی اور لمبائی میں تلوار کی مانند تھا۔ فرمایا نہیں **بل مثل القمر** یعنی چاند کی طرح روشن اور گولائی لیے ہوئے تھا۔ وجہ شبہ لمعانیت ولمبائی یا استنارۃ اور استطالۃ ہے محاورہ بھی اسی کا متقاضی ہے جیسے حاتم طائی کا مشہور وصف سخاوت ہے تو تشبیہ بھی اس میں ہوگی۔ تلوار میں بھی دو صفتیں ہے لمعانیت اور استطالۃ۔ احتمال استطالۃ کی وجہ سے جواب نہیں دیا کہ یہ تو مذمت ہے البتہ استنارۃ وجہ تشبیہ ہوسکتی ہے، جواب آیا کہ مثل القمر نہیں بلکہ فوق القمر تھے

بل كان احسن منه ولله در القائل ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ حسین تھے اللہ جزائے خیر اور بھلائی دے اس قائل کو۔

اِذَا عِبْتَهَا شَبَّهْتَهَا الْبَدْرَ طَالِعًا
وَحَسْبُکَ مِنْ عَیْبٍ لَهَا شِبْهُ الْبَدْرِ

(جمع ص ۵۷)

(جب تو اسے عیب لگائے تو پھر اسے تشبیہ دے دینا روشن چاند سے۔ اور تجھے اس کے معیوب کرنے کے لئے بدر (چودھویں کے چاند) کے ساتھ مشابہت دینا کافی ہے)

تلوار میں تو صرف چمک ہوتی ہے نورانیت نہیں ہوتی' لمبائی ہوتی ہے گولائی نہیں ہوتی' چاند میں نورانیت بھی ہے اور گولائی بھی۔ لہذا چاند کے ساتھ مشابہت زیادہ قرین قیاس ہے۔ تلوار میں روشنی کم اور زنگ آلودگی کی وجہ سے معرضِ زوال میں ہوتی ہے جبکہ چاند کی روشنی تمام اوقات بلکہ قیامت تک

باقی ہے اسلئے تلوار سے تشبیہ کی تردید کی گئی۔

نیز حضرت براءؓ کا اشارہ اس جانب بھی ہے کہ آپؐ کی قدر و منزلت، محبوبیت وعظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے الفاظ بھی ایسے منتخب ہوں کہ وہ اس کی حقیقی نہ سہی تو قریبی تعبیر تو بن سکیں، لفظِ سیف (از باب ضرب) ہلاک کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی بعثت انسانیت کے احیاء وبقا کے لئے ہے، ہلاکت کے لئے نہیں جبکہ لفظِ قمر (از باب نصر) بمعنیٰ غالب ہونے کے ہے قرآن کریم میں لفظِ راعنا کے ذریعے پکارنے سے بھی منع کیا گیا کہ اس میں سوءادب کا احتمال تھا انظرنا میں قطعی ادب تھا اسلئے اس کے بولنے کی تعلیم دی گئی۔

دراصل بتانا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رُخِ انور نہایت ہی خوبصورت انتہائی حسن و جمال لئے ہوئے کتاب نما تھا۔ صحیح مسلم میں ہے لا بل مثل الشمس والقمر یعنی ''اشراق واضاءت میں سورج کے مشابہ تھا اور حسن وملاحت میں چاند کی مانند۔ یہ تمام تشبیہات تقریبی ہیں ایک چاند کیا ہزاروں چاند حضور اقدس ﷺ کے ناخنِ پا کے ادنیٰ حسن و جمال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مزید تنویر کے لئے صفحہ نمبر ۱۶۹ اور ۱۱۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ الْمَصَاحِفِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُبْنُ شُمَيْلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِي الْاَخْضَرِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ كَاَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ رَجِلَ الشَّعْرِ ...

ترجمہ: ہمیں بیان کیا ابوداؤد مصاحفی سلیمان بن سلم نے۔ انہیں نضر بن شمیل نے بیان کیا انہوں نے روایت بیان کی صالح بن ابی الاخضر سے اور انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے روایت کی ہے ابی سلمہ سے اور انہوں نے روایت کیا حضرت ابوھریرۃؓ سے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر رشفاف، حسین وخوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپؐ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے آپؐ کے بال مبارک قدرے خمدار گھونگریالے تھے۔

راویانِ حدیث (۴۴) ابوداؤدالمصاحفیؒ (۴۵) نضرؒ بن شمیل (۴۶) صالح بن ابیؒ الاخضر (۴۷) ابن شہابؒ (۴۸) ابوسلمہؒ اور (۴۹) حضرت ابوھریرہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال جہاں آراء :

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم ابیض ۔۔۔ حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضوراقدسؐ کا رنگ مبارک سفید تھا۔ کانما صیغ من فضة. صیغ یعنی ڈھلا ہوا زیور،صوغ سے ہے بمعنی سانچے اور قالب میں ڈھالنے کے ہیں اور فضہ سے مراد وہ چاندی ہے جو تازہ معدن سے نکلی ہو جس کی سفیدی' تیز اور سخت نہیں ہوتی بلکہ قدرے سرخی مائل اور میلی سی ہوتی ہے جب چاندی کا یہ معنیٰ لیں گے تو اسمر کے خلاف نہ ہوگا گویا حضوراقدس ﷺ چاندی کے زیور کی طرح بنائے گئے تھے یہ تشبیہ اس کی نرمی' ملائمت اور چمک میں ہے خالص سفیدی کی وجہ سے نہیں۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضوراقدس ﷺ کے تمام اعضاء متناسب اور موزون تھے' چہرہ اقدس میں بھی اور وجودمقدس میں بھی حسن و جمال اور قدرتی نورانی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر تھا. وفیه ایماء الی تماسک اجزائه وتناسب اعضائه ونورانیة وجهه وسائر بدنه (جمع ص ۵۹) (اور حدیث میں آپ ﷺ کے اجزاء واعضاء کے متناسب،قوی ہونے اور چہرے اور باقی جسم مبارک کی نورانیت کو اشارہ ہے)

رَجِلَ الشعر ۔یعنی بال مبارک قدرے گھنگھریالے تھے(تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

---

(۱۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَآءُ فَاِذَا مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ کَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَ ةَ وَرَاَیْتُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهاً صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَهُ الْکَرِیْمَةَ وَرَاَیْتُ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْیَةُ.

ترجمہ: ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں لیث بن سعد نے ابوزبیر کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے روایت نقل کی صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں اور حضرت عیسیٰ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں۔

ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دحیہ کلبیؓ ہیں۔

راویانِ حدیث (۵۰) قتیبہؒ (۵۱) لیث بن سعدؒ (۵۲) ابوزبیرؒ اور (۵۳) حضرت جابر بن عبداللہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث مبارک کی تشریح:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عرض علی الانبیاء ۔۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء کرام کو پیش کیا گیا. عُرِضَ 'عرضَ سے ہے جس کے معنیٰ پیش کرنا ظاہر ہونا' دکھانا اور سامنے آنا وغیرہ ہیں۔

انبیاء کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جانا آپ کی سیادت اور قیادت کی طرف اشارہ ہے۔ کانوا کجنوده فان الجيش يعرض على السلطان ولا يعرض السلطان عليه (مناوی ص ۶۰) گویا وہ انبیاء کرامؑ آپؐ کے لشکر کی طرح تھے اس لئے کہ لشکر بادشاہ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور بادشاہ کو لشکر پر پیش نہیں کیا جاتا ولهذا قال بعض العارفين انه صلى الله عليه وسلم بمنزلة القلب في الجيش والانبياء مقدمته والاولياء ساقته والملائكة يمنة ويسرة متظاهرين متعاونين كما قال تعالىٰ والملائكة بعد ذلك ظهير والشياطين قطاع الطريق في الدين (جمع ص ۶۰) یعنی بعض عارفین

فرماتے ہیں کہ آپؐ لشکر میں ''قلب'' کی طرح تھے، انبیاء کرامؑ اس کا ''مقدمہ'' تھے، اولیاء کرامؒ اس کا ''ساقہ'' اور ملائکہ اس لشکر کے ''میمنہ'' اور ''میسرہ'' تھے جو ان کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں'' اور شیاطین دین کے راستہ کے ڈاکو ہیں۔

مقامِ عرض کی تعیین:

اب سوال یہ ہے کہ یہ مقامِ عرض کونسا تھا جہاں انبیاء کرام آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے اور آپؐ کی انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ شارحینِ حدیث اس کے دو احتمال بیان فرماتے ہیں۔

(۱) معراج کے موقع پر ملاقات ہوئی۔ واقعہ معراج کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں وذلک العرض لیلة الاسراء کماجاء فی روایات اخر کروایة ابی العالیة عن ابن عباس ورواية ابن المسیّب عن علی وابی هریرة کوشف له صور ابدانهم کما کانت (جمع ص ۲۰) یہ ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی جیسا کہ ابو العالیہ عن ابن عباس اور ابن المسیب عن علی و ابی ہریرہ کی روایات میں ہیں۔ ان کے ابدان کی صورتیں جیسی تھیں ویسے آپؐ کو دکھائی گئیں۔

(۲) دوسری روایت خواب کی ہوسکتی ہے ای عرضوا علیّ فی النوم بدلیل روایة البخاری ارانی اللیلة عند الکعبة فی المنام الحدیث (مواهب ص ۳۱) یعنی خواب میں مجھ پر انبیاءؑ پیش کئے گئے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے قریب دیکھا الخ الحدیث۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا یا شبِ معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے' بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایات ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو (خصائل)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت:

حدیث زیر بحث میں حضور اقدس ﷺ نے ان چند انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جن کی نسبت آپؐ سے زیادہ مستحکم تھی اور جن کی امتوں کے حالات بھی آپؐ کی امت کے حالات کے قریب قریب

تھے چنانچہ ارشاد فرمایا فاذا موسیٰ علیہ السلام ضرْبٌ من الرجال . ضرب صیغہ صفت ہے را کے سکون کے ساتھ ہو تو معنیٰ خفیف اللحم ' دبلے پتلے اور طاقتور آدمی کو کہتے ہیں اور جب رجال ضرب کے ساتھ آئے تو معنیٰ کم گوشت ' دبلے پتلے ' اکہرے اور چھریرے طاقتور بدن والے کو کہتے ہیں سبعۃ معلقہ کا شعر ہے۔

اَنَا الرَّجُلُ الضَّرْبُ الَّذِیْ تَعْرِفُوْنَهٗ　　　خِشَاشٌ کَرَاْسِ الحَیَّةِ الْمُتَوَقِّدِ

یعنی میں چھریرے بدن کا چست و چالاک آدمی ہوں کاموں میں اس طرح گھس جاتا ہوں جیسے کہ سانپ کا چمکدار سر جو تنگ سے تنگ سوراخ میں گھس جاتا ہے۔

اذا، مفاجاۃ کے لئے ہے۔ لفظ موسیٰ موشیٰ سے معرب ہے فرعون کی بیوی آسیہ نے آپ کا یہی نام رکھا تھا۔ عبرانی زبان میں مو پانی کو اور شیٰ درخت کو کہتے ہیں۔ حضرت آسیہ نے انہیں پانی اور شجر کے درمیان پایا تھا فھو بلغۃ القبط الماء بین الشجر (مناوی ص ۶۰) (پس موشےٰ قبطی لغت میں پانی درخت کے درمیان) کانه من رجال شَنُوْءَةَ جیسا کہ قبیلہ شنوءۃ کے جوان ہوتے ہیں اس قبیلہ کے لوگ مصر میں آباد تھے اور یمن کے علاقہ کی طرف بھی ان کی آبادیاں تھیں ازدحجر اور ازد پشنوءہ بھی اسے کہتے ہیں امام طحاویؒ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور عبداللہ بن کعب بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے یہ لوگ پہلے زمانہ میں جسم کے دراز قامت اور چست و چالاک اور پھرتیلے ہوا کرتے تھے اور معتدل اللحم ہونے میں مشہور ہیں یمن کی قوم سبا سے بھی تعلق ہے قومِ سبا کے انعامات میں ایک اعتدال اعضاء بھی ہے علاوہ ازیں یہ قبیلہ انتہائی پاکیزگی و نظافت ' حسن و خوبصورتی اور نیکی و افعال حسنہ کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت:

ورأيت عيسى ابن مريم عليه السلام فاذا اقرب من رايت به شبهاً عروة ابن مسعود شبهاً ش کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں جائز ہیں اقرب کی تمیز ہے ' میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا جو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ثقفی سے مشابہت میں

زیادہ قریب پایا یہ قبیلہ ثقیف کے سردار اور طائف کے رہنے والے تھے رئیس القوم تھے حضور ﷺ کی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔

اہل مکہ میں خوب متعارف تھے یہ وہی عروہ ہیں جن کو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضور ﷺ کے پاس بھیجا تھا آپؐ کی طائف سے واپسی کے بعد ہجرت کے نویں سال مشرف بہ اسلام ہوئے، وطن واپس لوٹے اور قوم کو اسلام کی دعوت دی ایک مرتبہ اذان دے رہے تھے کہ ان پر نیزہ سے حملہ کیا گیا اور اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے جب حضور ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا۔ **مثل عروة مثل صاحب یٰس دعا قومه الی الله فقتلوه** (مواهب ص ۳۲)

عروة کی مثال صاحب یٰس (حبیب نجار) کی طرح ہے جنہوں نے قوم کو اسلام کی دعوت دی مگر قوم نے ان کو شہید کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت:

ورأیت ابراهیم فاذا اقرب من رأیت به شبهاًصاحبکم یعنی نفسه الکریمة یعنی میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں خود ہوں کہ ان کی شکل وصورت مجھ سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ **نفسه الکریمة وهو من کلام جابر اومن دونه من الرواة** (جمع ص ٦٢)۔ "**نفسه الکریمة**" یہ الفاظ یا تو حضرت جابرؓ کے ہیں یا آپؐ کے علاوہ کسی اور نیچے راوی کے ہیں۔

اس حدیث میں **ترجمة الباب** کے ساتھ مناسبت بھی یہی جملہ ہے کہ آپؐ کی صورت مبارک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت مبارک کی مثل اور مشابہ تھی بلکہ حضراتِ اساتذہ فرماتے ہیں کہ آپؐ خَلقاً اور خُلقاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مشابہت:

ورایت جبرائیل ... میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں دحیہ کلبی کی

شکل وشباہت حضرت جبرائیل کی شکل وصورت سے زیادہ قریب ہے۔حضرت جبرائیل کو حضور اقدسؐ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ دیکھا پہلی مرتبہ آغازِ نبوت کے موقع پر جس کی تفصیل بخاری ج ا ص ۲ باب کیف کان بدءُ الوحی میں آئی ہے دوسری مرتبہ معراج کی شب سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا ان دو مواقع کے علاوہ حضور اقدس ﷺ حضرت جبرائیل کو کبھی انسانی شکل میں دیکھتے تھے اور کبھی وہ آپؐ کے دل مبارک سے رابطہ کر کے وحی القاء فرماتے تھے۔

انسانی شکل میں عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں نازل ہوتے تھے یہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں قبیلہ بنی کلب کے سردار ہیں۔دِحیہ کا معنیٰ بھی رئیس الجند (لشکر کے سردار) ہے نہایت حسین وجمیل اور وجیہ شخص تھے حضور اقدس ﷺ کے معتمد اور مخلص جان نثار تھے حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے انہیں خط دیکر بطور سفیر کے قیصر روم کے پاس بھیجا تھا انتخاب کی وجہ بھی یہی تھا کہ آپؐ کی شکل وصورت سے شرافت عظمت اور وجاہت ٹپکتی تھی۔بعض اوقات کسی دوسرے اجنبی انسان کی شکل میں بھی حاضر خدمت ہوتے تھے۔

ورایت جبرائیل -یہ عرض علی الانبیاء پر عطف ہے عرض قصة علی قصةٍ (کہ ایک واقعہ کا عطف دوسرے واقعہ پر ہو) کے قبیل سے ہے فلیس داخلاً فی عرض الانبیاء حتی یحتاج الی جعلہ منھم تغلیباً (مواھب ص ۳۲) (پس یہ عرض انبیاء میں داخل نہ ہوا تاکہ تغلیبی طور پر اس (جبرئیل) کو ان انبیاء ہی میں سے شمار کیا جائے) ہاں چونکہ حضرت جبرئیل کی حضرات انبیاء کرام کے ساتھ مخالطت کثیر تھی اور وحی بھی وہی پہنچایا کرتے تھے اسلئے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے جس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فسجد الملائکة کلھم اجمعون الا ابلیس (۱۵:۳۰) (ابلیس کے علاوہ سارے فرشتوں نے سجدہ کیا) جبرئیل بھی سریانی زبان کا لفظ ہے معناہ عبداللّٰہ او عبدالرحمن اوعبدالعزیز (مواھب ص ۳۲) (اس کا معنیٰ عبداللہ یا عبدالرحمٰن یا عبدالعزیز ہے)

تین انبیاء کا انتخاب کیوں؟

اس روایت میں تین انبیاء کرامؑ کی مشابہت کا ذکر ہے اور چوتھے حضرت جبرئیل کا۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وجہ الاقتصار علی الثلاثة المذكورين من بين الانبياء لان سيدنا ابراهيم جد العرب وهو مقبول عند جميع الطوائف وسيدنا موسىٰ وعيسىٰ رسولا بني اسرائيل والترتيب بين هؤلاء الثلاثة وقع تدليا ثم ترقيا فانه ابتدا بموسىٰ وهو افضل من عيسىٰ ثم ذكر ابراهيم وهوافضل منهما فهو بالنسبة الى الاول تدل وبالنسبة الى الاخير ترق (مواهب ص ۳۱) یعنی انبیاءؑ میں سے مذکورہ تین پر اکتفا کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ عرب کے جد ہیں اور سارے اقوام میں مقبول ہیں اور سیدنا موسیؑ اور سیدنا عیسیؑ بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔ اوران انبیاءؑ کے ذکر کرنے میں ترتیب تدلی ہے پھر ترقی ہے، اس لئے کہ روایت میں حضرت موسیؑ سے ابتدا کی گئی ہے جو حضرت عیسیؑ سے افضل ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ہے جو ان دونوں حضرات سے افضل ہیں۔ پس ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بسنبت موسیٰ علیہ السلام کے تدلی (تنزلی) اور بہ نسبت عیسیٰ علیہ السلام کے ترقی ہوئی)

---

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّ سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ سَعِيْدِ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الطُّفَيْلِ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰهُ غَيْرِيْ قُلْتُ صِفْهُ لِيْ قَالَ كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُّقَصَّدًا.

ترجمہ: ہمیں بیان کیا سفیان بن وکیعؒ اور محمد بن بشارؒ نے جن کے بیان کا مفہوم ایک ہی ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون نے سعید جریری کے حوالے سے خبر دی۔ اُس نے کہا کہ میں نے ابوطفیلؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور اقدس ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

راویانِ حدیث (۵۴) یزید بن ھارونؒ (۵۵) سعید الجریریؒ اور (۵۶) حضرت ابوطفیلؓ کے حالاتِ زندگی ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو طفیلؓ کی توصیفِ رسولؐ :

رأیت رسول اللہ ﷺ وما بقی علی وجه الارض احد راٰه غیری۔۔۔ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا اور اس وقت روئے زمین پر بغیر میرے آپؐ کو دیکھنے والا کوئی بھی موجود نہیں۔وما بقی الخ یہ کلمہ تفاخراً و تکبراً (بطور فخر، تکبر اور بڑائی کے) نہیں بلکہ اپنے بیان کی تاکید وتوثیق اور صحت کے لئے فرمایا مقصد یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ میں اس وقت میرے سوا کوئی بھی حیات نہیں لہذا آپؐ کا حلیہ مبارک اور خصائل واعمال مجھ سے پوچھے جائیں۔ترکیب میں احد موصوف ہے ر آہ جملہ اس کی صفت ہے دونوں مل کر مستثنیٰ منہ بنتے ہیں اور غیری مستثنیٰ ہے۔

تاریخی روایات اپنی جگہ مگر یہ حقیقت ہے اور متفق علیہ بات ہے کہ حضرت ابوالطفیل ۱۰۰ھ تک زندہ رہے اس سے حضور اقدس ﷺ کی یہ پیشن گوئی بھی صحیح ہو جائے گی جس میں آیا ہے کہ سو سال کے اندر موجودین میں سے کوئی نہ رہے گا وقال العصام وهو آخر من مات من الصحابة وفاته بعد رسول الله ﷺ بمائة علی وفق اخباره صلی الله علیه وسلم انه لا یبقی علیٰ راس المائة علی وجه الارض من كان فی زمانه وقیل مراده اصحابه (جمع ص ۶۴) (عصام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں یہی ابو طفیلؓ سب سے آخر میں وفات ہوئے۔آپؓ کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سو سال بعد ہوئی۔آپؐ کی اس پیش گوئی کے مطابق کہ ''سو سال بعد آپؐ کے زمانے کا کوئی فرد روئے زمین پر باقی نہ رہے گا'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپؐ کے صحابہؓ مراد ہیں)۔

ایک اشکال سے جواب:

بعض لوگوں نے یہاں پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض صحابہؓ آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے جیسے رتن ھندی کہ اس کی عمر (۵۰۰) سال تھی اور ۴۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ایسے معمّر المغربی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے وہ بھی آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے۔

محققین کہتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ ثابت نہیں ہے محدثین کہتے ہیں کہ رتن ھندی کذّاب تھا جو کہا کرتا تھا کہ میں نے آپؐ کو گود میں لیا ہے وزعم ان معمرا المغربی ورتن الهندی صحابیان

عاشا الی قریب القرن السابع لیس بصحیح (مواھب ص ۳۳) یعنی بعض کا خیال ہے کہ معمر المغربی اور رتن الہندی دو صحابہ تھے جو ساتویں صدی کے قریب تک زندہ رہیں، یہ بات درست نہیں۔

دوسرا یہ کہ **لا یبقی علی رأس المائة** والی روایت سے اس کا تعارض ہے اس لئے محدثین اسے نہیں لیتے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **رآہ غیری ای من البشر فخرج الملک والجن وخرج بقوله علی وجه الارض عیسیٰ فانه لم یکن علی وجه الارض وخرج الخضر ایضاً فانه لم یکن ممن خالطه کما هو المراد** (مواھب ص ۳۳)

لا یبقی علی وجه الأرض الخ والی روایت کے فوائد قیود بیان فرمارہے ہیں کہ ''غیری'' سے مراد ''بشر'' ہیں لہذا اس قید سے فرشتے اور جنّات نکل گئے اور '' **علی وجه الأرض** '' (روئے زمین) کی قید سے عیسیؑ نکل گئے اس لئے کہ وہ روئے زمین پر نہیں ہے (بلکہ آسمان پر ہیں) اور خضرؑ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ اختلاط کیا ہو۔ **او کان حینئذ علی وجه الماء فی البحر** (جمع ص ۶۳) یا حضرت خضرؑ اس وقت سمندر میں پانی کے سطح پر تھے۔

جمال وکمال کا مرقع:

قلت صفه لی قال کان ابیض ملیحاً مقصّداً ـــ سعید جریریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوطفیلؓ سے درخواست کی کہ میرے سامنے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کریں، اس سے سعید جریری اور تابعین کا آپ ﷺ سے کمال درجے کا عشق ومحبت اور ذوق وشوق کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ ﷺ کا حلیہ مبارک معلوم کر کے، آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تعلق اور رابطہ قائم کر کے عشق ومحبت اپنے اندر پیدا کرتے تھے اور اپنے قلب ودماغ میں اس کا نقش جماتے تھے اور یہی نجات اُخروی کا وسیلہ اور قطعی ذریعہ ہے۔

تو جواب میں ابوطفیلؓ نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخ وسفید تھا ملیح اور حسین وجمیل تھے اور قد مبارک درمیانہ تھا **ابیض، ملیح** اور **مقصّد** تینوں لفظوں میں آپ ﷺ کے حسن وجمال

اور کمال کی تمام صفات آ گئی ہیں ۔ ملیحاً جس میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی ہو ۔ ملح الشی (بالضم) ای سهل وحسن لانه كان ابيض مشرباً بحمرة و كان ازهر اللون وهذ غاية الملاحة (مواهب ص ۳۳) (علامہ بیجوریؒ حضور ﷺ کے ملیح ہونے کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ نرم ،خوبصورت تھے اس لئے کہ آپ ﷺ میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی تھی ازہر اللون تھے اور یہی اعلیٰ ملاحت ہے)مناوی نے ملیح کا معنیٰ سمین (فربہ) بھی کیا ہے سمینیت میں افراط کے توھم کے ازالہ کے لئے مقصّدا (درمیانہ) لایا گیا ہے۔

مقصّدا ۔ یہ باب تفعیل سے اسم مفعول ہے بمعنی متوسط کے' کہا جاتا ہے رجل مقصّد ای متوسط (درمیانہ شخص) قصد کا معنیٰ وسط آتا ہے قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وعلى الله قصد السبيل اى وسطه (اور اوپر اللہ کے پہنچتی ہے سیدھی راہ یعنی وسطِ سبیل (درمیانی راستہ)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

والمراد انه صلى الله عليه وسلم متوسط بين الطول والقصر وبين الجسامةو النحافة بل جميع صفاته على غاية من الامر الوسط فكان فى لونه وهيكله وشعره وشرعه مائلا عن طرفى الافراط والتفريط (مواهب ص ۳۳) یعنی مراد یہ ہے کہ آپؐ طول اور قصر کے درمیان،متوسط تھے اور جسامت وکمزوری کے درمیان تھے بلکہ آپؐ کے تمام امور میں انتہائی درجہ کا توسط اور اعتدال تھا۔آپؐ کا رنگ صورت اور بال وغیرہ سب افراط اور تفریط سے پاک تھے۔

---

(۱۴) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِالْحِزَامِیُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ ثَابِتِ الزُّهْرِیِّ حَدَّثَنِیْ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ابْنُ اَخِیْ مُوْسَی بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوْسَی بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُاِیَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ .

ترجمہ: عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا' ان کو خبر دی ابراہیم بن منذر حزامی نے' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی' عبدالعزیز بن ثابت زہری نے' وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا اسماعیل بن ابراہیم نے جو موسیٰ بن

عقبہ کے بھتیجے ہیں انہوں نے روایت بیان کی موسیٰ بن عقبہ سے انہوں نے نقل کیا کریب سے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے یعنی ان میں کسی قدر ریخیں تھیں گنجان نہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

راویانِ حدیث (۵۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ (۵۸) ابراھیم بن المنذر الحزامیؒ (۵۹) عبدالعزیز بن ثابت زھریؒ (۶۰) اسماعیل بن ابراھیمؒ (۶۱) موسیٰ بن عقبہؒ (۶۲) کریبؒ اور (۶۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حالات تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی میں ملاحظہ فرمائیں۔

دانتوں کی نورانیت:

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افلج الثنیّتین... حضور اقدس ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی یعنی وہ قطعی متصل نہ تھے۔ ثنیّتین سامنے والے دو دانتوں کو کہتے ہیں اور فلج کا اطلاق آگے والے دونوں دانتوں کے فاصلہ پر ہوتا ہے **والفلج (بالتحریک) تباعد بین الاسنان** (جمع ص ۶۷)۔(دانتوں کے درمیان فاصلہ) دیگر متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دیگر دانتوں میں بھی فلج تھا اس لئے یہاں ثنیّتین سے مراد **مافوق الواحد** کا اعتبار کیا جائے گا۔

اذا تکلم رُاِیَ کا لنور یخرج من بین ثنایاہ۔۔۔جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ سامنے کے دو دانتوں سے نور نکل رہا ہے۔ یہ نور معنوی تھا یا حسّی۔بعض حضرات نے اسے معنوی اور روحانی نور قرار دیا ہے۔اس خیال سے کہ نور سے مراد آپ ﷺ کے الفاظِ مبارکہ بطور تشبیہ ہیں مگر یہ ان کا محض وہم اور تاویل بعید ہے۔اور انہوں نے رُاِیَ کا مطلب نہیں سمجھا علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں **ومن صار الی انہ معنوی زاعما ان المراد بہ لفظہ الشریف علی طریق التشبیہ فقد وھم وما فھم قولہ رای** (مواہب ص ۳۴)

مگر جمہور کہتے ہیں کہ یہ رویت محض عقیدت کی بنا پر نہ تھی صحابہ کرامؓ کو یہ نور فی الحقیقت نکلتا ہوا نظر آتا

تھا یہ روشنی اور نورانیت بطور خرقِ عادت و اعجاز نبوت کے سب کو نظر آتی تھی۔ اس کی ایک مثال ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۹ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی (جس کا آپؐ نے غائبانہ جنازہ پڑھا تھا) کی قبر سے عرصہ دراز تک نور سا اٹھتا تھا جس کا صحابہ کرامؓ مشاہدہ کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ حضور اقدسؐ کے کلام کو جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن علامہ مناویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی حسّی چیز تھی جو بطور معجزہ حضور اقدس ﷺ کے دانتوں سے نکلتی تھی۔

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

(خصائل)

==========

بَا بُ مَاجَآءَ فِیْ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوت کے بیان میں

مہرنبوّت :

مصنفؒ نے اس باب میں مہر نبوت کے بیان میں آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں مہر نبوت کی ہیئت، شکل، رنگ، مقدار اور صفات کا بیان ہے **فی تحقیق وصفه من لونه ومقداره وتعیین محله من جسد النبی ﷺ** (جمع ص ۶۷) یہ مہر نبوت آپؐ کے کتفین (دونوں کندھوں) کے درمیان (ذرا دائیں کندھے کے قریب) بیضوی شکل میں ابھری ہوئی تھی۔ ماقبل سے ربط بھی ظاہر ہے کہ مہر نبوت کا تعلق آپؐ کے جسم کے ساتھ ہے اسلئے اسے حلیہ مبارک کے بیان سے متصل ذکر کر دیا۔ اگر چہ مہر نبوت بذات خود حلیہ شریف ہی ہے اسلئے ان روایات کو بھی پہلے باب کا جزء ہونا چاہئے تھا مگر مہر نبوت کے بوجہ مستقل اعجاز وعلامتِ نبوت ہونے کے علیحدہ باب قائم کر کے ذکر کیا جارہا ہے۔

خاتم النبوة ۔ لفظ خاتِم تا کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے جب کسرہ کے ساتھ فاعل' کے وزن پر پڑھا جائے تو ظاہر ہے کہ معنی بھی فاعلی ہوگا مراد **ما یختم به** ہوگا یعنی جس چیز کے ذریعہ مہر لگائی جائے اور وہ چیز مہر شدہ کر دی جائے قرآن مجید میں **وختٰمه مسک** کی مراد بھی یہی ہے یعنی اہل جنت کا مشروبِ خاص مہر شدہ شراب ہوگی جس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی اور جب تا کے فتحہ کے ساتھ خاتَم پڑھا جائے تو مراد انگوٹھی ہے۔ خط کے آخر پر لکھنے والے کی مہر کو خاتَم کہتے ہیں جس کے لئے امام ترمذیؒ نے علیحدہ باب قائم فرمایا ہے۔

مہر نسبت کے صحیح کرنے کی علامت ہے تو **خاتم النبوة** بھی آپ کی رسالت ونبوت کی علامت ہے، خاتم الانبیاء ہونے کی علامت ہے حضور اقدس ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں ان کے اجساد پر کوئی علامت نہ تھی۔ اسی طرح دجال اکبر سے قبل جتنے بھی دجاجلہ آئے ہیں یا آئیں گے ان

کے بدن پر کوئی علامت نہ تھی۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے جسدِ اطہر پر علامت ہے اسی طرح خاتم الدجاجلہ کی پیشانی پر علامت ہوگی ۔ حضراتِ اساتذہ نے فرمایا یہ خاتم صرف نبوت ہی کی نہیں بلکہ خاتم النبیین کی بھی علامت ہے۔

خاتمِ نبوت کی ہئیت یا حقیقت:

یہ تو پہلے عرض کیا جا چکا کہ یہ آپ ؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت کی ابھری ہوئی بیضوی شکل کی گلٹی تھی اور اس پر بال بھی تھے۔صحابہ کرامؓ میں سے جس جس صحابیؓ نے اس کو جس انداز سے مشاہدہ کیا اور سمجھا اور سمجھانے کے لئے جو پیرایہ اختیار کیا اور جو مثال بیان کی اس سے بظاہر اختلاف ہو گیا ورنہ درحقیقت مراد سب کی ایک ہے بعض نے اسے بند مٹھی سے تشبیہ دی گویا کسی نے جسد اقدس پر مٹھی بند کر کے رکھدی ہو بعض نے بال دیکھے یا محسوس کیے تو کہا شعرات مجتمعات (جمع شدہ بال) کسی نے چکور اور کسی نے کبوتری کے بیضہ (انڈے) سے تشبیہ دی بعض نے دلہن کی ڈولی اور بعض نے مسہری کے ساتھ لٹکنے والی گھنڈیوں سے تشبیہ دی کسی نے اسے کپڑے کے بنائے جانے والے موٹے بٹن کی مانند قرار دیا۔خلاصہ یہ کہ حقیقت تو ایک ہی ہے مگر جس نے جو دیکھا محسوس کیا اور سمجھانے کے لئے جو تعبیر استعمال کی ان تشبیہات و تمثیلات کو اگر تعارض پر حمل کیا جائے تو بظاہر اختلاف ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں اختلاف نہیں ہے **قال القرطبی وعیاض کل الاحادیث تفید ان الخاتم شئی بارز فی جسدہ** ﷺ (اتحافات ص ۵۴) یعنی قرطبیؒ اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ (مہر نبوت سے متعلق) تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ مہر آپ ؐ کے جسد مبارک میں ابھری ہوئی ایک چیز تھی۔

کتبِ سابقہ میں اس کا ذکر :

نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب سماوی میں اس خاتم نبوت کا ذکر موجود تھا اس زمانے کے اہل علم اہل کتاب اس خاتم کا پوچھتے اور دیکھتے تھے اور دیکھ کر ایمان بھی لاتے تھے۔

مہرِ نبوت پر لکھائی:

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس خاتم نبوت پر کچھ مکتوب بھی تھا یا نہیں بعض نے کہا "محمد رسول اللہ " لکھا ہوا تھا جو اس پر موجود بالوں سے بنا تھا بعض کہتے ہیں اس پر سِر فانک المنصور (آپ ﷺ (تبلیغِ احکام) کے لئے چلیں آپ ﷺ ہی کامیاب چلیں ہوں گے) تحریر تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔

مہرِ نبوت کب بنی؟

ایک بحث یہ بھی ہے کہ یہ خاتم النبوۃ پیدائشی تھی یا نبوت کے بعد جسمِ اقدس پر ابھری۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب سینہ مبارک پہلی مرتبہ چاک کیا گیا اس وقت مہر نبوت بھی بنا دی گئی۔ بعض کہتے ہیں پیدائشی تھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ مہر نبوت بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی وفات میں جب بعض صحابہ کرامؓ کو شک ہوا' تو حضرت اسماءؓ نے مہر نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی (خصائل)۔

(۱/۱۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّآئِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّا فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے بیان کیا' انہوں نے خبر دی حاتم بن اسماعیل سے' جنہوں نے یہ روایت جعد

بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سائب بن یزیدؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے حضور اقدسؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت فرمائی میں اتفاقاً یا قصداً حضور اقدس ﷺ کے پسِ پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہرِ نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔

راویانِ حدیث (۶۴) حاتم بن اسماعیلؒ (۶۵) جعد بن عبدالرحمٰنؒ اور (۶۶) حضرت سائب بن یزیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سائبؓ کی بارگاہِ نبوت میں حاضری :

ذهبت بی خالتی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ... میری خالہ جو آپؐ کی صحابیہ ہیں مجھے آپؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ قال العسقلانی لم اقف علی اسم خالته و امامه فاسمها علیة بنت شریح (مواهب ص ۳۴) ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی خالہ کے نام کا پتہ نہیں چلا البتہ ان کی ماں کا نام علیہ بنت شریح تھا۔ وقال الجزری هی اخت النمر بنت قاسط الکندی (مناوی ص ۶۸) علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ یہ نمر بنت قاسط الکندی کی بہن تھی۔

حضورؐ سے خطاب کے وقت درود کا حکم:

فقالت یا رسول الله ان ابن اختی وَجِعٌ... عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرا بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے۔ یہاں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ جس کلمہ میں حضور اقدس ﷺ کو خطاب کیا گیا ہو اس موقع پر درود پڑھنا کیسا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ایسے موقع پر آپؐ پر درود شریف نہ پڑھا جائے (فیض الباری) بعض حضرات نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔ مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سلف سے بھی یہی منقول ہے کہ دورد شریف نہ پڑھا جائے البتہ اس موقع کے علاوہ جہاں بھی آپؐ کا نامِ نامی، اسم گرامی آئے تو درود شریف میں بخل کرنا گناہ ہے۔

لفظِ وجع کی تشریح:

وجع کتِف کے وزن پرصفتِ مشبہ ہے بمعنیٰ دردمند کے ہے' بخاری کی بعض روایات میں وجع بمعنیٰ ساقط کے بھی آیا ہے دونوں سے مراد مریض ہے۔ بعض حضرات نے اسے وقِع سمجھا ہے وقع بھی صیغہ صفت مشبہ ہے بعض نے کہا کہ یہ فعل ماضی وقع ہے جس کا معنیٰ گر گیا تھا اور گرنے کی وجہ سے پاؤں میں تکلیف تھی۔ مگر زیادہ مشہور وجع ہے ای ذو وجع وھو یقع علی کل مرض (مواھب ص ۳۵) یعنی وہ تکلیف میں مبتلا تھے اور اس لفظ کا اطلاق ہر بیماری پر ہوسکتا ہے۔ بہر حال تھا تو مرض' البتہ مرض میں اختلاف ہے راجح یہی ہے وقع کا معنیٰ پاؤں کے تلووں یعنی نیچے گوشت میں درد کا ہونا والوقع ' وجع القدمین (اتحافات ص ۵۲) جس کی وجہ سے پاؤں میں ورم تھا و کان ذلک الوجع فی قدمیه بدلیل روایة البخاری (بخاری کی روایت کے مطابق ان کے قدمین (پاؤں) میں درد تھا) (مواھب ص ۳۵)

سر پر ہاتھ پھیرنے کی علت؟

فمسح رسول الله صلی الله علیه وسلم راسی ودعا بالبرکة ۔۔۔ آپؐ نے میرے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ یہاں پر بعض حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ درد تو پاؤں میں تھا پھر سر پر ہاتھ کیوں پھیرا۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) آپؐ نے سر پر دستِ شفقت رکھا' محبت فرمائی اور دعا دی شفا دینا اللہ کا کام ہے اس سے صحابیؓ کو تسلی ہوئی اور آپؐ کی دعا سے مرض ختم ہوا، یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی پھر حضورؐ کی دعا کے برکات ظاہر ہوئے نہ صرف یہ کہ حضرت سائبؓ کا مرض ختم ہوا بلکہ انہیں عافیت حاصل ہوئی کہ حضور ﷺ نے انہیں بارک الله فیک (اللہ تعالیٰ تجھے برکت سے رکھے) فرمایا تھا قال السائب قد علمت انی ماتمتعت بسمعی وبصری الا ببرکة الدعاء النبی ﷺ (اتحافات ص ۵۲) مجھے یقین ہے کہ میری بصارت وسماعت کی سلامتی حضور اقدس ﷺ کی

دعا کی برکت سے رہی۔ حضرت سائبؓ نے ۸۴سال عمر پائی اور آخر تک صحت برقرار رہی۔

(۱) بیہقی نے روایت کی ہے کہ آپؐ کے ہاتھ پھیرنے کا حضرت سائبؓ پر یہ اثر ہوا کہ لم یزل رأسه اسود مع شیب ما سواه یعنی سر کے بالوں کے سوا باقی بالوں میں بڑھاپے کا اثر سفیدی ظاہر ہوئی جبکہ سر کے بال سیاہ رہے۔

(۲) پاؤں کی طرح سر میں درد تھا ولا مانع ان یکون به المرضان (مواهب ص ۳۵) (اس میں کوئی مانع (رکاوٹ) نہیں کہ اس میں دو بیماریاں ہوں)

(۳) سب سے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور دماغ حیات کا مستقر ہے سر اور دماغ کا اثر سارے بدن تک پہنچتا ہے۔ سر پر ہاتھ رکھنا گویا تمام بدن کو اثر پہنچانا ہے۔ الشیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وآثر مسح الراس لان صرف النظر الی ازالة مرضه اهم اذ هو مدار البقاء والصحة ومیزان البدن ولا کذالک القدما ن (مواهب ص ۳۵) (کہ آپ ﷺ نے سر پر ہاتھ پھیرنے کو ترجیح دی کیونکہ اصل غرض اور توجہ سر کی بیماری کے ازالہ پر زیادہ اہم تھی کیونکہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور وہ صحت وسلامتی کا مدار ہے اور قدموں کو یہ حیثیت حاصل نہیں)

دم کرنے کا مسنون طریقہ :

(۱) المواہب میں ہے یوخذ منه ان یسن للراقی ان یمسح محل الوجع من المریض دم کرنے والے کے لئے یہ سنت ہے کہ بیمار کے درد کی جگہ ہاتھ پھیرے نیز دیگر احادیث میں بھی آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے بدن میں درد کی جگہ آپؐ کو بتاتے تو آپؐ اسے مسح فرما کر دعا کرتے صحت یابی نصیب ہو جاتی۔

برکت کا مفہوم :

البرکة کا لفظی معنیٰ زیادتی، نشوونما اور ثمرات میں اضافہ ہونا ہے اور عرفاً مقدس قسم کی زیادتی جس میں خیر ہی خیر ہو، اللہ کی نصرت ہو تقدس کا مفہوم اور اللہ پاک کا فضل شامل ہو۔

لغت میں برکۃ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اونٹوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو بارکۃ اورحوض کو برکہٗ کہتے ہیں وفی الحدیث دلالۃ علی انہ لا مانع من الاستشفاء بدعاء الصالحین (الاتحافات ص ۵۲) (یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صلحاء کی دعا سے شفا طلب کرنا درست ہے)۔

وتوضا فشربت من وضوئہ.... پھر حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا اور میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا۔ کیا حضورِ اقدس ﷺ کے وضو کرنے کی غرض بھی یہی تھی کہ مریض اسے پی لے یا واقعۃً حضورؐ کو وضو کی حاجت تھی؟ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

لفظِ وضوء کی تحقیق :

وُضو (بضم الواو) سے مراد فعل شرعی یعنی غسل الاعضاء یعنی عملِ وضو جبکہ وَضو (بفتح الواو) سے مراد وہ پانی ہے جس کے ساتھ وضو کیا جائے اور وہ پانی بھی مراد لیا جا سکتا ہے جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو۔ یعنی ماء الوضوء سواء استعد للوضوء اوبقی او فضل بعد الوضوء او استعمل فی الاعضاء للوضوء (وضو کا پانی چاہے وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا باقی رہ گیا ہو یا وضو کرنے کے بعد بچ گیا ہو یا وضو کے لئے اعضاء پر استعمال کیا گیا ہو)۔

حضور اقدس ﷺ کا ماء مستعمل اور صحابہؓ کا طرزِ عمل:

حضور اقدس ﷺ کا مستعمل پانی پاک بھی تھا اور تبرک بھی اگر چہ عام لوگوں کا مستعمل پانی مکروہ ہے مگر آپؐ کا مستعمل پانی مکروہ نہیں ہے یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی صحابہ کرامؓ وضو کے دوران آپؐ کا مستعمل پانی گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ تبرک سمجھ کر استعمال کر لیا کرتے تھے۔

اکابرین قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو حضور اقدس ﷺ کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپؐ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے واپس جا کر رپورٹ دی کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں مگر جو تعظیم و تکریم

حضور اقدس ﷺ کی ان کے صحابہ کرامؓ کو کرتے ہوئے دیکھی وہ کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ خدا کی قسم! وہ تھوکتے ہیں تو تھوک بھی کسی نہ کسی صحابیؓ کے ہتھیلی پر ہوتی ہے جس کو وہ اپنے منہ اور جسم پر مَل لیتے ہیں جب وہ کسی کام کے کرنے کا امر فرماتے ہیں تو سب کے سب اس کام کے لئے دوڑ پڑتے ہیں واذا توضا کادوا یقتتلون علی وضوئه یعنی جب وہ وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ ان کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا ابھی لڑ پڑیں گے اور جب وہ گفتگو کے لئے لب کشائی فرماتے ہیں تو سب کے سب آپؐ کے حضور خاموش ہو جاتے ہیں اور آپؐ کی طرف تعظیماً نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا وہ اسے مَل لیتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسروں کے ہاتھوں کی تری لیکر مَل لیتا۔

شربِ وضو کے تین احتمال:

فشربت من وضوئه .... فيحتمل ان يراد به فضل وضوئه بمعنىٰ الماء الباقي في الظرف بعد فراغه وان يراد به ما اعد للوضوء وان يراد به المنفصل من اعضائه صلى الله عليه وسلم وهذا الاخير انسب بما قصده الشارب من التبرك (مواهب ص ۳۵) یعنی ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو یا اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا وہ پانی مراد ہو جو استعمال کے بعد آپؐ کے اعضاء سے الگ ہو گیا ہو اور یہ آخری احتمال زیادہ راجح ہے اس لئے کہ پینے والا اسے تبرک کے طور پر پیتا تھا

شوافعؒ کے استدلال سے احناف کا جواب:

شوافع حضرات حدیثِ باب کے مضمون یعنی حضرت سائبؓ کے شرب الوضوء سے ماء مستعمل کے طاہر و مطہر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ علماء احناف کہتے ہیں کہ

(۱) پہلے تو وَضو کا معنی قطعی طور ماء مستعمل للوضوء نہیں لیا جا سکتا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماء فضل عن الوضوء (وہ پانی جو وضو سے بچ گیا ہو) مراد ہے۔
(۲) شرب ماء کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ ابھی ماء مستعمل کے استعمال سے ممانعت نہیں اتری تھی اس کے عدم طہارت کا حکم بعد میں نازل ہوا۔
(۳) ماء مستعمل کی عدم طہارت یا عدم طہوریت کا حکم احناف خلطِ ذنوب کی وجہ سے دیتے ہیں جیسا کہ احادیث میں واضح ہے کہ وضو کے پانی سے گناہ خلط ہو کر بہہ جاتے ہیں۔ جبکہ حضور اقدسؐ معصوم تھے ان سے تو گناہ کا تصور بھی گناہ ہے۔
(۴) حضور اقدس ﷺ کے تمام فضلات وغیرہ سب طاہر ہیں تو وضوء کے ماء مستعمل کو تو بطریق اولیٰ طاہر ہونا چاہئے۔ پھر شرب ماء الوضوء میں بھی احتمالات ہیں (۱) ممکن ہے حضرت سائبؓ نے وضوء سے قبل پانی پی لیا ہو (۲) فضالہ وضوء یعنی بچے ہوئے پانی سے پیا ہو (۳) متساقطِ وضوء یعنی ماء مستعمل پیا ہو۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ روایت حضراتِ شوافع کا مستدل نہیں بن سکتی۔

زرا لحجلة :

وقمت خلف ظهره ... راوی کا بیان ہے کہ میں آپؐ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا پھر میں نے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا فاذا هو مثل زرّ الحجلة پس میں نے اسے چکور کے انڈے جیسا پایا۔ چکور (دجاج البر) کا انڈہ کبوتری کے انڈے سے بڑا اور مرغی کے انڈے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ الحجله چھپر کھٹ کو بھی کہتے ہیں زرّالحجلة یعنی چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح، حجله اس گھر کو بھی کہتے ہیں جو دلہن کے لئے قبہ کی طرح بنایا جاتا ہے اس پر پردے وغیرہ لٹکا کر آراستہ کرتے ہیں جسے ہم لوگ اپنی زبان میں ڈولی کہتے ہیں۔ بہر حال حضرت سائبؓ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مہر نبوت کی تفصیلات اس سے قبل ذکر کی جا چکی ہے۔

(۲/۱۶) حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ یَعْقُوْبَ الطَّالَقَانِیُّ اَخْبَرَنَا اَیُّوْبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ الْخَاتَمَ بَیْنَ کَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُدَّۃً حَمْرَآءَ مِثْلَ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ

ترجمہ! ہمیں سعید بن یعقوب طالقانی نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ایوب بن جابر نے انہوں نے روایت کی سماک بن حرب سے اور انہوں نے جابر بن سمرۃ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنی تھی۔

راویانِ حدیث (۶۷) سعید بن یعقوب الطالقانی (۶۸) ایوب بن جابر اور (۶۹) سماک بن حرب کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مہر نبوت کا رنگ اور حجم :

قال رایت الخاتم ... حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو غدۃ حمراء یعنی سرخ رنگ کی ایک گلٹی تھی جو بیضوی شکل میں کبوتری کے انڈے کے مشابہ تھی۔ غدۃ کی جمع غدائد آتی ہے اسے اردو میں غدود کہتے ہیں۔ گلٹی' پتولی اور رسولی کو کہتے ہیں انھا کل عقدۃ فی الجسد (ہر گرہ جو جسم میں ہو) المصباح میں ہے الغدۃ لحم یحدث بین الجلد واللحم یتحرک بالتحریک (مواھب ص ۳۶) یعنی ''غدہ'' وہ گوشت ہے جو کھال اور جسم کے گوشت کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے اور حرکت دینے سے وہ ہل جاتا ہے۔

حضرت جابر مہر نبوت کا رنگ اور حجم بتا رہے ہیں جو جسم اطہر کے اوپر بڑھے ہوئے گوشت کا ٹکڑا جیسا تھا گویا ایک سرخ گلٹی ہے جس کا حجم کبوتری کے انڈے کے برابر ہے۔ رنگ کے بارے میں یہاں حمرآء (سرخ) کی تصریح ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں سودآء (کالا) بعض میں خضراء (سبز) بعض میں کَلَوْنِ جسدہ (آپ کے جسم کے رنگ جیسا) منقول ہوا ہے۔

شیخ ابراہیم البیجوری فرماتے ہیں ولا تدافع بین ھذہ الروایات لانہ کان یتفاوت

باختلاف الاوقات فكانت كلون جسده تارة و كانت حمراء تارة وهكذا بحسب الاوقات .
(مواهب ص ۳۶) (ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مختلف اوقات میں اس کا رنگ بدلتا رہتا تھا کبھی تو اس کا رنگ آپ ؐ کے جسم کے رنگ کی طرح ہو جاتا اور کبھی وہ سرخ ہو جاتا اسی طرح کبھی دوسرے رنگ میں تبدیل ہو جاتا)۔

اس روایت میں مثل بيضة الحمامة (کبوتری کے انڈے جیسی) کی تصریح ہے جبکہ روایت سابقہ میں مثل زر الحجلة (چکور کے انڈے کی طرح) ابن حبانؒ کی روایت میں كبيضة نعامة (شتر مرغ کے انڈے جیسا) ' بیہقی ؒ کی روایت میں كالتفاحة (سیب جیسا)۔ ابن عساکرؒ کی روایت میں كالبندقة (مٹی کا غُلّہ) مسلمؒ اور مصنفؒ کی ایک روایت میں كانها ثاليل (سرِ پستان کی طرح) ' حاکمؒ کی روایت میں شعر مجتمع (مجتمع بال) اور مصنفؒ کی ایک روایت میں شعرات مجتمعات (بالوں کا مجموعہ) نقل ہوا ہے۔

اس تفصیل سے غرض یہ بتانا ہے کہ احادیث میں مہر نبوت کے مقدار اور رنگ میں قدرے اختلاف ہے۔ امام قرطبیؒ تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں انه كان يكبر و يصغر فكل شبه بما سنح له (مواهب ص ۳۶) یعنی مہرِ نبوت چھوٹی اور بڑی ہوتی رہتی تھی۔ ہر ایک نے جس حالت میں دیکھا اس جیسی چیز سے اس کو تشبیہ دے دی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے اپنے ذہن کے مطابق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے (خصائل)

(۱۷/۳) حَدَّثَنَاأَبُوْ مُصْعَبِ الْمَدَنِيُّ اَخبَرَنَا يُوْسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ اَبِيهِ عَن عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ جَدَّتِهِ رُمَيْثَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْ لَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْاَشَآءُ اَنْ اُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِىْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِنْ قُرْبِهِ لَفَعَلْتُ يَقُوْلُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ اِهْتَزَّلَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ..

ترجمہ ! ہمیں ابو مصعب مدنی نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی يوسف بن ماجشون نے اپنے باپ کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت عاصم بن عمر بن قتادة سے لی۔ انہوں نے اپنی دادی

رمیثہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون سنا اور میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سعد بن معاذ ؓ کے حق میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جُھوم گیا۔

راویانِ حدیث (۷۰) ابومصعب المدنی ؒ (۷۱) یوسف بن الماجشون ؒ (۷۲) عن ابیہ (۷۳) عاصم بن عمر بن قتادہ ؒ اور (۷۴) حضرت رمیثہ ؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

موضع استشهاد :

قالت سمعت رسول اللّٰه ﷺ ولو اشآء ان اقبل الخاتم الذی بین کتفیه من قربه لفعلت

حضرت رمیثہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا اور اگر میں چاہتی تو اس وقت آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے آپ ؐ کے دونوں کندھوں مبارک کے درمیان مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی روایت کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔ اس باب میں اس حدیث کے لانے کا مقصد بھی حضرت رمیثہ ؓ کا مندرجہ بالا ارشاد ہے۔ **من قربه** کے الفاظ قابل توجہ ہیں حضرت رمیثہ ؓ کی غرض مہر نبوت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ اس بیان کے سننے اور سمجھنے میں مجھ سے کسی قسم غلطی، یا غلط فہمی کا امکان نہیں ہے۔

بارگاہ نبوت میں جس طرح مردوں کو قرب خاص حاصل تھا اسی طرح بمقتضائے شان رحمۃ اللعالمین کے خواتین کو بھی یہ عزت وسعادت حاصل تھی

چنانچہ حضرت رمیثہ ؓ کا یہ جملہ کہ اگر میں چاہتی تو آپ ؐ کی مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی حضور اقدس ﷺ کی ان پر انتہائی شفقت ورافت اور کمال عنایت ورحمت کا مظہر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے مہر نبوت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ع

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر فخر ہے کہ جن سے میں نے آپ کے حسن و جمال کا نظارا کیا ہے۔ پڑ جاؤں اپنے پاؤں پر کہ پہنچایا تیرے کوچہ تک)

ایک اشکال کا جواب:

حضرت رمیثہؓ اجنبیہ خاتون تھیں جس کی نظر اجنبی مرد کے لئے حرام ہے۔ شیخ ابراھیم الیجوریؒ یہی سوال اٹھا کر تفصیل سے جواب دیتے ہیں کہ **لا یقال نظر المرأة الا جنبیة للأجنبی حرام لأنا نقول من خصائصه صلی الله علیه وسلم جواز نظر المراة الاجنبیة له** (مواھب ص ۳۷) یعنی یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اجنبی خاتون کا اجنبی مرد کو دیکھنا تو ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اجنبی خاتون کا آپؐ کو دیکھنے کا جواز آپؐ کی خصوصیات میں سے تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ ۔ حضرت سعدؓ **قدیم الاسلام** اور عظیم جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے ہجرتِ مدینہ سے قبل مصعب بن عمیرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا انصارِ مدینہ سے تعلق ہے۔ ہجرت سے قبل انصار مدینہ کے کئی لوگ مختلف اوقات میں حج کے ایام میں منیٰ کے مقام پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا حضرت سعدؓ بھی ان سعادتمند صحابہؓ میں سے ایک ہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ بارہ (۱۲) سرداروں کو اپنا نقیب مقرر فرمایا حضرت سعدؓ بھی اسی جماعت سے ہیں پھر ان ہی نقیبوں نے واپس جا کر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کیا تو بہت سے خوش نصیب ایمان لائے پھر اسی جماعت نے آپؐ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی آپؐ نے ان کی دعوت پر ہجرت کا فیصلہ کیا پھر وادی یثرب کو **مدینة الرسول** اور پہلا دارالاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ قد وقامت کے لحاظ بھی اونچے اور وجیہ تھے بدر میں شریک ہوئے ہجرت کے پانچویں سال جنگ خندق کے موقع پر زخمی ہوئے پھر ایک ماہ تک زندہ رہ کر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتوں نے شرکت کی تھی **وشهد جنازته سبعون الف ملک** (مواھب ص ۳۷)

ای فی شانه وبیان منزلته ومکانته عندالله تعالیٰ یعنی آپ ؐ حضرت سعد بن معاذؓ کی شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند مرتبہ ومقام کے بارے میں فرمارہے تھے۔حضرت سعدؓ وہی عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق فیصلہ دیا تھا کہ ان کے تمام بالغ مردوں کوقتل کردیا جائے ان کی خواتین اور بچوں کولونڈیاں اور غلام بنایا جائے یہی وہ موقع تھا جب اللہ کے نبی ؐ نے فرمایا کہ سعد کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔حضرت سعدؓ کی ۳۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

انتباہ !

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی اس قدر عظمتِ مقام اور بلند شان کے باوصف ایک حدیث کے مضمون کے مطابق قبر کی تنگی تھوڑی دیر کے لئے ان کو بھی پیش کی گئی بڑی عبرت کی جگہ ہے۔حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے جتنے مناظر بھی دیکھے ہیں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہولناک پایا (خصائل)۔

اھتزله العرش کی تشریح :

حضرت رمیثہؓ فرماتی ہیں کہ جس روز حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا اسی روز اهتزّ له عرش الرحمن (رحمٰن کا عرش ان کے لئے ہل گیا) هزّ از باب نصر بمعنیٰ ہلانا اور حرکت دینا اهتزّ اس کا لازم ہے ہلنے اور متحرک ہونے کے معنیٰ میں ہے قلوب کے فرحت وانبساط اور دل کی خوشی ومسرت کو بھی اهتزاز کہتے ہیں کہ خوشی کیوجہ سے دلوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عرش رحمٰن میں حرکت کیوں پیدا ہوئی۔شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یہ ہلنا استبشاراً بقدوم سعد تھا اس جنبش وحرکت کا مقصد حضرت سعدؓ کا استقبال تھا کہ اسلام کا جلیل القدر فرزند، نبی ؐ کا جان نثار اور مخلص فدا کار اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے ان کی

آمدروح کی خوشی میں عرش بھی جھوم اٹھا۔

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں ای استبشاراً وسروراً بقدوم روحه (یعنی آپؓ کی روح کی آمد کی خوشی میں عرش جھوم گیا) جس وقت انتہائی سرور ولطف اور وجدانی کیفیت میں جسم وجان اور روح جھوم جھوم اٹھتی ہے اسی جھومنے کو اهتزاز کہتے ہیں۔

(۲) یہ اهتزازِ عرش غضباً علی قاتلہِ (آپؓ کے قاتلوں پر غیظ وغضب کے اظہار کے لئے) تھا کفار کے ظلم، جبر اور نبی کریم ﷺ کے مخلص جان نثار کو بے دردی سے قتل کر دیئے جانے پر عرش رحمٰن میں غضب کی وجہ سے جنبش پیدا ہوئی اسے ان ظالم کفار پر غصہ تھا جنہوں نے حضور اقدس ﷺ کے مخلص شیدائی کو شہید کر دیا۔

(۳) یہاں پر مضاف محذوف ہے ای اهتز وفرح لقدومه حملة العرش کہ آپؓ کی روح کی آمد پر حاملین عرش خوش ہوئے اور خوشی سے جھوم جھوم اٹھے یہ مجازی معنیٰ ہے تو حملة العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ (۴۰:۷) (جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں) وَتَرَی الْمَلٰٓئِکَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (۳۹:۷۵) (آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے)۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سعدؓ کی وفات پر ان فرشتوں میں حرکت وجنبش پیدا ہوئی۔ جو حاملین عرش ہیں۔

(۴) یہ از قبیلہ اطلاق اسم المحل علی الحال (محل بول کر حال مراد لینا) کے ہے جیسے واسئل القریة (۱۲:۸۲) گاؤں سے پوچھ لو، مراد یہ ہے کہ گاؤں کے باشندوں سے پوچھ لو۔ اس طرح یہاں بھی عرش سے اہلِ عرش مراد ہیں (۵) اهتزاز عرش یہ کنایہ ہے از عظمت شان وفات حضرت سعدؓ قیل وهو کناية عن تعظيم شان وفاته والعرب تنسب الشئی المعظم الی اعظم الاشياء فتقول اظلمت الارض لموت فلان (جمع ص ۶۲) یعنی یہ حضرت سعدؓ کی وفات کی عظمتِ شان سے کنایہ ہے۔ عرب عظیم چیز کو سب سے بڑی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں فلاں کی وفات سے زمین پر اندھیرا چھا گیا۔

ایک ضعیف توجیہ کی تردید و دلائل:

یہ روایت بخاری میں بھی اهتز له العرش کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں العرش سے مراد عرش المیّت ہے جنازہ میں لوگوں کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے حضرت سعدؓ کے سریر الجنازة (جنازہ کی چارپائی) کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا جس سے اس میں بہت حرکت پیدا ہوئی حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحتاً عرش الرحمن کی تصریح ہے نیز حضرت جابرؓ فرماتے ہیں .. کان بین الجیشین ضغائن یعنی دونوں قبائل کے درمیان باہمی کینہ وریاں تھیں ۔شارحین حدیث اس لفظ کی تشریح میں کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور حضرت براءؓ کا قبیلہ خزرج سے ۔دونوں قبائل زمانہ جاہلیت میں باہمی جنگ و جدال' عداوت اور کینہ وری میں مبتلا تھے اس قدیم عداوت کی بناء پر قبیلہ اوس کی عظمت وفضیلت کو خزرجی زائل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ یہ تاویل کرتے ہیں۔

(۱) مگر یہ تاویل و توجیہ رحماء بینهم (کہ صحابہ کرامؓ آپس میں رحمدل ہیں) کی نص سے مردود ہے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں کسی سے کینہ کی بنا پر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد میں تحریف کریں۔

(۳) یہ بھی ایک محقق امر ہے کہ حضرت براءؓ بھی قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے خزرج سے نہیں دیکھیے تہذیب الکمال (ص ۱۹ ج ۳) اور تہذیب التہذیب (ص ۴۴۴ ج ۱)۔

رہی یہ بات کہ حضرت جابرؓ کا حضرت براءؓ کے اس قول اهتز السریر (کہ چارپائی نے حرکت کی) کے جواب میں یہ کہنا کہ کان بین الحیین ضغائن (کہ دونوں قبیلوں کے درمیان باہمی کینہ وریاں تھیں) اس کا کیا مطلب؟ تو اس کی توجیہ بھی علامہ عسقلانیؒ نے ان الفاظ میں بیان کی۔ وانما قال جابر ذلک اظهاراً للحق واعترافا بالفضل لاهله فکانه تعجب من البراء کیف قال ذلک مع انه اوسی ثم قال وانا وان کنت خزرجیاو کان بین الاوس والخزرج ماکان لم

یمنعنی من ذلک ان اقول الحق فذکر الحدیث بلفظ اهتز عرش الرحمن باضافة العرش الیٰ الرحمن (جمع ص ٦٢) (اورحضرت جابرؓ کا یہ کہنا صرف حق بات کے اظہاراور براء کے خاندان کی فضیلت اورشرافت میں بطوراعتراف کے تھا گویا کہ حضرت جابرؓ حضرت براءؓ سے تعجب وحیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ براءؓ نے یہ کیسے کہا (کہ جنازہ کی چارپائی میں حرکت ہوئی) حالانکہ وہ بھی قبیلہ اوس میں سے ہیں (اورحضرت سعدؓ بھی اسی قبیلہ کے فرد ہیں) پھر حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں اگر چہ خزرجی ہوں اور قبائل اوس اورخزرج کے درمیان جنگ وجدال آپ سب کو معلوم ہے لیکن اس کے باوجود بھی مجھے اس حق بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر حضرت جابرؓ نے حدیث کے الفاظ کو **اهتز عرش الرحمن** باضافۃ عرش لفظ رحمٰن کو نقل فرمائے (یعنی حضرت سعدؓ کے موت کے دن عرش خداوندی حرکت میں آیا)

(۴) حضرت ابن عمرؓ بھی ایک مدت تک حضرت براءؓ کی طرح عرش سے مراد سریرِ میت لیتے رہے اوراسی کے قائل تھے حالانکہ وہ خزرجی نہ تھے اوراس میں قبیلہ کی نسبت کا کیا دخل؟

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو حضرت جابرؓ بیان فرمارہے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محقق ہے اس میں کسی قسم کی زیادتی وتحریف نہیں ہے حضرت براءؓ کو پورے الفاظ یاد نہیں۔

کیونکہ میں خزرجی ہوں اورحضرت سعدؓ اوسی ہیں۔اوس اورخزرج میں مدتوں کینہ رہا تو ایک قبیلہ والا دوسرے مقابل کے قبیلہ کے فضائل میں زیادتی نہیں کرسکتا بلکہ پورا بیان کیا ہے کہ عــــرش الرحمن کے الفاظ تھے (تقریر ترمذی)۔

تتمہ بحث :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں **قال الحاکم الاحادیث المصرحة باهتزاز عرش الرحمن مخرجة فی الصحیحین ولیس لمعارضها ذکر فی الصحیح (جمع ص ٦٢)** (حاکم کہتے ہیں کہ جن

احادیث میں عرش رحمٰن کی حرکت کرنے کی تصریح ہے وہ صحیحین کی روایات ہیں اوان کے معارض مقابل روایات کا تذکرہ صحیح میں نہیں آیا)

غیر ذوی العقول کا ادراک:

ایک اور اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ عرش جو غیر ذوی العقول میں سے ہے کیونکر متحرک ہوا، جنبش وحرکت میں کیسے آیا؟ شارحین کہتے ہیں کہ دنیا میں عقل وشعور سے کوئی چیز خالی نہیں حتیٰ کہ جمادات اور شجر وحجر بھی اپنی اپنی عقل کے مطابق اپنے ربّ کا ذکر اور تسبیح پڑھتے ہیں۔

وان من شئی الا یسبح بحمدہ(۱۷: ۴۴) (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو)۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

روح المعانی (ص۸۳ ج۱۵) قرطبی (ص۲۶۶ ج۱۰) معارف القرآن (ص۴۷۵ ج۵)

اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی تھی۔

علماء محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں ہر چیز شعور و ادراک رکھتی ہے وان من الحجارۃ لما یتفجر منه الانهار (۲: ۷۴) (اور پتھروں میں سے تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ نکلتی ہیں)۔ وانّ منها لما یهبط من خشیة الله (اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ خشیت خداوندی سے گر پڑتے ہیں)

مگر ہر ایک کے عقل وشعور میں فرق ہے تاہم جن وانس کا ادراک، اور عقل وشعور اس قابل تھا کہ ان پر بار امانت ڈال دیا گیا باقی اشیاء کے ادراک میں وہ معیار نہیں تھا کہ ان پر بار امانت ڈالا جاتا۔

(۴/۱۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّیُّ وَ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰی غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِّنْ وُلْدِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِهٖ وَقَالَ بَیْنَ کَتِفَیْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا احمد بن عبدة ضبی اور علی بن حُجر اور بہت سے لوگوں نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے اور انہوں نے روایت اخذ کی عمر بن عبداللہ سے، جو غفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا ابراہیم بن محمد نے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ من جملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی اور آپؐ خاتم النبیین تھے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو باب اول میں چھٹے نمبر پر درج ہے جس میں تفصیلی بحث اپنے مقام میں ہو چکی ہے۔

محل مہر نبوت:

وقال بین کتفیه خاتم النبوة .... حضرت علیؓ نے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

وھو خاتم النبیین ۔آپؐ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ مصنفؒ کی غرض حدیث کا یہ حصہ یہاں نقل کرنے سے یہ ہے۔ کہ **وذکر ھٰھنا الحدیث لتعیین مکان الخاتم وتاکید وجوده** (اتحافات ص ۵۷) یعنی مہر کی جگہ کا تعین اور اس کے موجود ہونے کی تاکید۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **والمقصود من ایراده فی ھذالباب قوله بین کتفیه خاتم النبوة فانه یدل علی وجود الخاتم وتعیین محله من جسده صلی الله علیه وسلم** (جمع ص ۷۶) (اس حدیث کو باب ہذا میں لانے کا مقصد یہ قول ذکر کرنا ہے" **بین کتفیه خاتم النبوة**" یعنی آپؐ کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی اس سے مہر کی موجودگی اور آپؐ کے جسم میں ان کے مقام کا تعین بھی معلوم ہو گیا)۔

(۱۹/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَاصِمٍ اَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِیْ عِلْبَآءُ بْنُ اَحْمَرَالْیَشْکَرِیُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْزَیْدٍعَمْرُوبْنُ اَخْطَبَ الْاَ نُصَارِیُّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَااَبَا زَیْدٍ اُدْنُ مِنِیّ فَا مْسَحْ ظَھْرِیْ فَمَسَحْتُ ظَھْرَہٗ فَوَقَعَتْ اَصَابِعِیْ عَلَی الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعْرَاتٌ مُّجْتَمِعَاتٌ .

ترجمہ! محمد بن بشار نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عاصم نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عزرہ بن ثابت نے خبر دی' وہ کہتا ہے کہ مجھے علباء بن احمر (یشکری) نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس بیان کیا (ابوزید) عمرو بن اخطب انصاری نے' وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی۔ علباء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔

راویانِ حدیث (۷۵) ابوعاصمؒ (۷٦) عزرۃ بن ثابت بن ابی زید الانصاریؒ (۷۷) علباء ابن احمد الیشکریؒ اور (۷۸) حضرت عمر ابن اخطب الانصاریؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوزیدؓ کو مسِ ظہر کا حکم:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا زید ... حضور اقدس ﷺ نے انہیں کنیت سے پکارا اور کنیت سے پکارنا' عزت واحترام' اکرام اور باعث شرف سمجھا جاتا تھا۔ ادنُ منی یعنی ذرا میرے قریب ہو جائیے فامسح ظھری اور میرے پشت پر ہاتھ پھیریئے۔

حضور اقدس ﷺ نے کسی ضرورت (کھجلی' خارش وغیرہ) کے تحت صحابی کو قریب آنے اور پھر کمر پر ہاتھ پھیرنے کا حکم فرمایا اور عام معمول انسانی میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے جسم کی ایک جگہ کھجانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر وہ کھجا نہیں سکتا دوسرے کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم علم بنور النبوۃ ان ابازید یرید معرفۃ کیفیۃ الخاتم فامرہ ان یمسح ظھرہ (مواھب ص ۳۸)۔

یعنی حضور اقدس ﷺ نے نور نبوت سے جان لیا کہ ابو زید مہر نبوت کی کیفیت معلوم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہذا ان کو اپنی پشت مبارک چھونے یا اس پر ہاتھ پھیرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضور اقدس ﷺ کی حضرت ابو زیدؓ کے لئے دعا :

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے لکھا ہے کہ جامع المصنف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے دعا بھی فرمادی تھی **اللهم جمّله** اے اللہ! ان کو زینت بخش دے۔

راوی کا بیان ہے **فعاش مائة وعشرين سنة وليس فى راسه ولحيته الاشعرات بيض** (مواھب ص ۳۹) ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی ہوئی۔ مگر سوائے چند بالوں کے ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے۔ اور بیہقی کی روایت ہے کہ چہرہ پر ذرہ بھر شکن بھی نہ تھا بالکل صاف اور روشن جیسے جوانوں کا چہرہ ہوتا ہے۔

مہر نبوت کی تفصیلات:

فمسحت ظهره ' راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر ہاتھ پھیرا **فوقعت اصابعى على الخاتم** ہاتھ پھیرتے وقت میری انگلیاں مہر نبوت پر جالگیں۔ **قلت**' علباء بن احمر شاگرد عرض کرتا ہے **وما الخاتم** مہر نبوت سے مراد کیا ہے؟

حضرت ابو زیدؓ نے فرمایا **شعرات مجتمعات** گویا بالوں کا ایک مجموعہ تھا حضرت ابو زیدؓ کے اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مہر نبوت کو آنکھوں سے نہیں دیکھا صرف ہاتھوں سے چھونے کی سعادت حاصل کی اور جو محسوس کیا وہی بیان کردیا **وجواب ابى زيد لعلباء يدل على انه لم يره بعينه ' و انما حكى مالمسه من الشعر بيده 'ولعله الشعر الذى حول الخاتم قال القسطلانى ظاهره انه لم ير الخاتم بعينيه فاخبر عما وصلت اليه يده وهو الشعر** (اتحافات ص ۵۷) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ ابو زید کے جواب جو کہ اس نے علباء کو دیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے ہاتھ لگانے سے جو محسوس کیا (کہ

وہ مہر نبوت بالوں کا مجموعہ ہے)اس کی حکایت کر دی۔

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابوزید نے بعینہ مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے جہاں اس کا ہاتھ بالوں کو پہنچا اس کی خبر کر دی)

مہر نبوت کی روایات میں تطبیق :

شعرات مجتمعات کی تصریح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت بالوں کا گچھا تھا اور گوشت کا ٹکڑا نہیں تھا جبکہ اس سے قبل کی روایات میں اور دیگر روایات میں جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں میں تصریح ہے کہ **غدۃ حمراء** (سرخ گلٹی) تھی۔

محدثین حضرات تطبیق یوں کرتے ہیں کہ وہ یقیناً ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال پیدا ہو گئے تھے بعض روایات میں تصریح ہے مہر نبوت لحم (گوشت) تھا و **علیھا شعرات** جس پر بال تھے لہذا التقدیر عبارت یوں بنے گی **ھو ذو شعرات او ھو الذی علیہ شعرات او فیہ شعرات** یعنی وہ بالوں والا تھا یا اس پر بال تھے یا اس میں بال تھے۔

مہر نبوت کے مقدار، حجم اور کیفیت کے متعلق بظاہر جو روایات کا تعارض ہے اور اس کا حل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل صفحہ نمبر ۲۰۲ پر بیان ہو چکی ہے۔

گلٹی جس پر بال اگے ہوں:

علی العموم یہ کہا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ پر تل (گلٹی) اور اس پر بال اُگے ہوئے ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص زیادہ تکلیف اٹھانے والا ہوگا اور اس کے گھر والوں کو اس کی وجہ سے مصیبت اور تکلیف پہنچے گی اور اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوگی اور واقعۃً یہ بات ثابت ہے جیسا کہ اس کا نمونہ خود حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے کہ آپؐ میں یہ ساری علامات پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ زیادہ مشقت اور تکالیف اٹھانے والی ہستی تھی، غلبہ دین کے لئے مختلف قسم کے شدائد و مصائب برداشت کیے۔

(۲) حضور اقدس ﷺ کا خاندان خود حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے مختلف النوع امتحانات اور مصائب کا ہدف بنا ہوا تھا۔

(۳) حضور اقدس ﷺ کا سانحہ ارتحال بھی بظاہر زہر کی وجہ سے ہوا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے فقد قال مازالت اکلة خیبر تعاودنی فهذا اوان انقطاع ابهری (مواهب ص ۳۹، مناوی ص ۷۷) (ہمیشہ خیبر والے لقمے (زہر آلود) کا اثر بار بار ظاہر ہوا کرتا پس یہی میری شہ رگ کٹنے (یعنی موت) کا وقت ہے)

(۲۰/۶) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثِ الْخُزَاعِیُّ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ بُرَيْدَةَ يَقُوْلُ جَآءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بِمَآئِدَةٍ عَلَيْهَا رُطَبٌ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاسَلْمَانُ مَاهٰذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلٰی اَصْحَابِكَ فَقَالَ اِرْفَعْهَا فَاِنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَآءَ الْغَدَ بِمِثْلِهٖ فَوَضَعَهٗ بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاهٰذَا يَاسَلْمَانُ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ ابْسُطُوْا ثُمَّ نَظَرَ اِلَی الْخَاتَمِ عَلٰی ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْيَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا عَلٰی اَنْ يَّغْرِسَ لَهُمْ نَخِيْلًا فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيْهِ حَتّٰی تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهٖ.

ترجمہ! ابو عمار حسین بن حریث خزاعی نے بیان کیا، اُن کو خبر دی علی بن حسین بن واقد نے انہیں ان کے باپ نے روایت بیان کی اور اس نے عبداللہ بن بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ کہتے ہیں

کہ میں نے اپنے باپ بریدۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس پر تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے میرے پاس سے اٹھا لو۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمانؓ کھجور کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے سوال پر سلمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ ۔ پھر سلمانؓ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر مہرِ نبوت دیکھی تو مسلمان ہو گئے حضور اقدس ﷺ نے ان کو بہت سے دراہم کے عوض خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو مکاتب بنایا تھا اور بدل کتابت بہت سے دراہم قرار پائے اور نیز یہ شرط طے ہوئی کہ) حضرت سلمان ان یہود کے لئے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور ان درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک کا نہ تھا حضور اقدس ﷺ نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دستِ مبارک سے لگایا حضور اقدس ﷺ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

راویانِ حدیث (۷۹) ابو عمار الحسینؒ (۸۰) علی بن حسین بن واقدؒ (۸۱) حدثنی ابیؒ (۸۲) عبداللہ بن بریدۃؒ اور (۸۳) حضرت بریدۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اشکال سے جواب:

سمعت ابی بریدۃ یقول ۔عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدۃ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ یہاں بظاہر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ **ابی بریدۃ** ترکیب میں سمعت کا مفعول ہے تو قانون نحوی

کے لحاظ سے ابا بریدة ہونا چاہئے۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **وبریدة عطف بیان لابی او بدل منه لا مضاف الیه کماقد یتوھم** (مواھب ص ۳۹) یعنی لفظ ابی بصورت مبدل منہ وغیرہ کے **سمعت** کا مفعول ہے نہ کہ ابی بریدة بصورت اضافت بلکہ لفظ بریدة تو عطف بیان یا بدل ہے ابی کا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اگر **سمعت** کا مفعول **ابی بریدة** بطور کنیت (اضافت) استعمال ہوا ہوتا (تب معنیٰ ہوتا میں نے ابی بریدة کو سنا) تو پھر بلاشبہ **ابابریدة** ہی آتا اور اشکال صحیح ہوتا۔ حالانکہ عبارت بالا میں لفظ ابی **سمعتُ** کا مفعول ہے اور اس کا اعراب تقدیری ہے۔

سلمان فارسیؓ کا تذکرہ!

جاء سلمان الفارسی الی رسول الله ﷺ حین قدم المدینة ... جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت سلمان فارسیؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فارس والے اسے را کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر عربی میں یہ را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں ایران اور اس کے ماوراء کو فارس کہتے ہیں **نسبة لفارس لکونه منها او لغیر ذلک** (مواھب ص ۳۹) (سلمانؓ کو فارسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ علاقہ فارس سے تھے یا کسی دوسری وجہ سے) ان کو **سلمان الخیر** بھی کہا جاتا ہے **سئل عن ابیه فقال انا سلمان بن الاسلام** (مواھب ص ۳۹) یعنی کسی نے حضرت سلمانؓ سے ان کے باپ کا نام پوچھا تو جواب دیا کہ ''سلمان بن الاسلام''۔ الفارسی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ فرسان سے ماخوذ ہے اور وہاں کے لوگ گھوڑ سوار تھے مگر یہ توجیہ زیادہ قرینِ قیاس نہیں کیونکہ فرسان بھی عربی لفظ ہے بلکہ یہ پرس سے ماخوذ ہے اگر چہ سلمان اصفہانی تھے اور اصفہان فارس میں نہیں مگر عرب کے ہاں بعض اوقات ماسوائے عرب کو بھی فارسی کہا جاتا ہے جو عجمی کے مترادف ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی ہیں **وھو صحابی کبیر احدالذین اشتاقت لھم الجنة** (مواھب ص ۳۹) (یہ ان بڑھ مرتبے کے صحابہؓ میں سے ایک صحابی ہیں جن کے

لئے جنت بے تاب ہے) جناب سلمان فارسیؓ فارس کے رہنے والے تھے' فارس اصفہان کے علاقہ کو کہتے ہیں آج کل یہ ایران میں ہے' آپ کا تعلق مجوس آتش پرستوں سے تھا تاہم آپ ابتداء ہی سے عبادت گزار 'زاہد اور راہبانہ طبیعت رکھتے تھے۔ تحقیقِ مذاہب پر کافی محنت کی صاحب علم تھے اسی لئے تلاش حق میں مصروف رہے آتش پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کی ایران سے عراق آئے' پادریوں اور راہبوں کی خدمت میں رہ کر وافر علم حاصل کیا۔ بغداد سے موصل' موصل سے نصیبین' نصیبین سے عموریا الغرض مختلف عیسائی عالموں اور راہبوں کی خدمت کی۔

عموریا کے پادری کے ہدایات:

عموریا میں جس پادری سے تعلق جڑا وہ پادری نہایت ہی خداترس' نرم دل اور کتب سماویہ کا بہترین عالم تھا جب وہ مرنے لگا تو جناب سلمان نے ان سے پوچھا کہ اب میں کس کے پاس جاؤں اس نے جواب دیا کہ عیسائی علماء ختم ہو چکے ہیں عرب میں دینِ ابراہیم کا داعی نبی آخرالزمانؐ پیدا ہوگا اور مدینہ شریف کی تمام نشانیاں ان کو بتلا دیں اور کہا کہ اس پیغمبر کی یہ علامت ہے کہ وہ صدقہ نہیں کھائے گا' ہدیہ قبول کرے گا اور اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ جناب سلمان عموریا سے نکل پڑے' اثنائے سفر میں چند تاجروں سے پالا پڑ گیا وہ ان کو مکہ مکرمہ لے آئے اور اپنا غلام ظاہر کر کے مدینہ منورہ کے بنی قریظہ کے قبیلے کے ایک یہودی زمیندار پر فروخت کر دیا اس یہودی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ جناب سلمان فرماتے ہیں کہ جو نشانیاں عموریا کے پادری نے بتائی تھیں مدینہ پاک میں وہ سب کی سب بعینہٖ موجود تھیں اب میرے دل میں وہی تلاش کا جذبہ اُمڈ آیا اور میں دریافت کرتا رہا کہ آیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو کہ حق کی معرفت عطا کرے اور ان علامتوں والی شخصیت مجھے مل جائے جو اس پادری نے بتلائی تھیں۔

سلمان بارگاہِ نبوت میں:

اس تلاش میں پتہ چلا کہ قبا میں ایک صاحب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں اور نبوت

کے داعی ہیں ۔ میں اپنی شناخت کو پورا کرنے کے لئے ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھجوریں پیش کر کے عرض کیا کہ ,, یہ صدقہ آپ لے لیں ،، تو آپ ؐ نے فرمایا ,, اسے اٹھالیں ہم صدقہ نہیں کھاتے ،، دوسرے دن پھر اسی طرح کھجوریں حاضر کیں اور عرض کیا کہ ,, یہ تحفہ ہے قبول کرلیں ،، ارشاد فرمایا ,, اے صحابہ ؓ ! ہاتھ بڑھاؤ' یعنی کھاؤ اور سب میں تقسیم فرمائیں اب جناب کی دونوں شناختیں پوری ہوگئیں یعنی صدقہ نہیں لیا اور تحفہ قبول کرلیا اب تیسری شناخت باقی تھی کہ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوں حضور اقدس ﷺ بقیع کے قبرستان میں ایک جنازہ پر تشریف لے گئے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے جناب سلمان آپ کی پیٹھ کی طرف سے آتے ہیں اور جاتے ہیں ۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے نورِ نبوت سے جناب سلمان کے قلبی ارادہ کو ملاحظہ فرمالیا اور از راہِ شفقت وعنایت اپنی کمر مبارک سے کپڑا اٹھالیا بس پھر کیا تھا جناب سلمان کی کیفیت بدل گئی ۔

سلمان مسلمان ہوگئے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ؒ نے فرمایا ہے کہ سلمان نے کہا کہ میں جوش میں اس پر (مہر نبوت) جھکا اور اس کو چوم رہا تھا اور رو رہا تھا ,, جب جناب سلمان کی تسلی ہوگئی ,, پس ایمان لے آئے ،، حضور شفیق امت ﷺ نے کچھ دن گزر جانے کے بعد جناب سلمان ؓ سے فرمایا کہ اپنے آقا سے اس غلامی کا مکاتبت پر فیصلہ کرلو چنانچہ جناب سلمان ؓ نے دو باتوں پر یہودی سے فیصلہ کرلیا پہلی شرط یہ تھی کہ چالیس اوقیہ سونا ادا کرے' دوسری شرط یہ تھی کہ اس یہودی کے باغ میں تین سو درخت کھجور کے بوئے اور جب تک وہ پکا کھانے کے قابل پھل نہ لائیں تو جناب سلمان ؓ ان کی چوکیداری کریں جب ان کی دونوں شرطیں پوری ہوں تو پھر جناب سلمان ؓ غلامی سے آزاد ہوجائیں گے ۔ جناب سلمان ؓ نے یہ دونوں شرطیں اپنے آقا و مولیٰ' ملجاء وماویٰ' ہادی برحق ﷺ کی خدمت میں عرض کردیں آپ ﷺ خود بنفس نفیس اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور جناب سلمان ؓ ایک ایک پودا آنجناب ؐ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضور ﷺ اپنے بابرکت ہاتھوں سے وہ پودے لگاتے یہاں تک کہ سوائے ایک پودے کے تمام پودے لگادیئے ,, وہ ایک پودا جناب حضرت عمر فاروق ؓ نے لگایا ۔ یہ

آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ ایک برس کے اندر اندر آپ ﷺ کا لگایا ہوا باغ پھلا پھولا اور پھل دینے لگا مگر وہ ایک پودا جو عمر فاروقؓ نے لگایا تھا پھل نہ لایا،، یہ حضور پاک ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا جس نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ارشاد ہے کہ ''آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس درخت کو کیا ہوا،، جناب سیدنا عمر فاروقؓ نے عرض کیا,, یا رسول اللہ ﷺ اس کو میں نے بویا تھا،، سیدنا دو عالم ﷺ نے اس پودے کو اکھیڑ کر پھینک دیا اور پھر اپنے دست مبارک سے وہاں دوسرا پودا لگا دیا'' فرماتے ہیں کہ ''وہ اسی سال پھل لے آیا'' سبحان اللہ۔

حضور اقدس ﷺ کے معجزات ہیں کہ بارانِ رحمت کی طرح برس رہے ہیں اِدھر آپ ﷺ کے خیال مبارک میں کوئی بات آئی اُدھر معجزانہ طور پر وہ پوری ہو جاتی اس واقعہ میں یہ دوسرا معجزہ تھا اور تیسرا معجزہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ سونا آیا جو کہ تھوڑا تھا آپ ﷺ نے وہ سونا جناب سلمانؓ کو دے دیا کہ اس میں سے مالک کو چالیس اوقیہ دے دیں (ایک اوقیہ بروزن چالیس درہم ہے اور ایک درہم چار ماشے کا ہوتا ہے) جناب سلمانؓ نے عرض کیا کہ ''حضور یہ ناکافی ہے'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اسی سے پورا فرما دے گا،، جناب سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی سے چالیس اوقیہ سونا پورا کر کے اپنے یہودی مالک کو دے دیا'' گویا حضور اقدس ﷺ نے ہی جناب سلمانؓ کی بدلِ کتابت خود ادا فرمائی۔

مائدة کی حقیقت:

بمائدة عليها رطب... جب حضرت سلمان فارسیؓ آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے پاس ایک خوان تھا جس پر کچھ تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں۔ **مائدة** اسم فاعل ہے (ضرب کے باب سے) بمعنی میلان کے یعنی مائل ہونے والا۔ یہاں پر خوان کو **مائدة** کہا گیا یہ مجازاً ہے کیونکہ خوان یعنی **مائدة** مائل نہیں ہوتا بلکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ **يعنى مائدة اليها الناس وقال العسقلانى قد تطلق المائدة على كل مايوضع عليه الطعام لانها مما تميد اى تتحرك . ولا تختص بوصفٍ مخصوص اى ليس بلازم ان تكون خواناً** (جمع ص ۷۹) یعنی

جس کی طرف لوگ مائل ہوں اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ کبھی مائدہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے نیز یہ کسی خاص صفت کے ساتھ مختص نہیں ہوتا لہذا ضروری نہیں کہ یہ خوان ہو۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمشهور عند ارباب اللغة ان المائدة خوان عليه الطعام فاذا لم يكن عليه طعام فلا يسمىٰ مائدة فعلى هذا قوله عليها رطب لتعيين ماعليها من الطعام (جمع ص ۹ ۷) یعنی اہلِ لغت اس خوان کو مائدہ کہتے ہیں جس پر کھانا چنا جائے جب دسترخوان پر طعام نہیں ہوگا تو اسے مائدہ بھی نہیں کہیں گے اس لئے "عليها رطب" کہہ کر اس کی تعیین کی جارہی ہے کہ اس پر طعام تھا۔ بہر حال مائدہ تب مائدہ کہلاتا ہے جب اس پر کھانا چنا گیا ہو۔

اختلافِ اوصاف سے اشیاء کے اسماء بدل جاتے ہیں:

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں۔ قال ابن الانبارى فى كلام العرب اشياء تختلف اسماؤهاباختلاف اوصافها فمن ذلك انهم لايقولون لما عد لتقديم الطعام عليه مائدة الا ان يوضع عليها الطعام ولا يقال للبستان حديقة الا ان كان عليه حائط ولا للقدح كاس الا اذا كان فيه شراب ولا للبير اريكةالا اذا كان فيها ماء ولا يقال للدلو سجلا الا وفيها ماء ولا يقال لها ذنوب الا اذا كانت ملاولالـلانـاء كوزا لا اذا كان له عروة ولا للمجلس ناد الا وفيه اهله ولا للسرير ركية الا وعليه حجلة ولا للمراة ظعينة الا مادامت راكبة فى الهودج ولا للسترخدرا الا اذا اشتمل على امراة ولا للقدح سهم الا اذا كان فيه نصل وريش ولا للطبق مهدى الا مادامت فيه الهدية ولا للشجاع كمى الا اذا كان شاكى السلاح ولا للقناة رمح الا اذا ركب فيها السنان ولا للصوف عهن الا اذا كان مصبوغاً ولاللسرب نفق الا اذا كان مخروقاً ولا للخيط سمط الا اذا كان فيه نظم ولا للحطب وقداً الا اذا وقدت فيه النار ولا للثوب مطرف الا اذا كان فى طرفه علمان ولا لماء الفم رضاب الا مادام فى الفم ولا للمرءة عانس ولا عاتق الا ما دامت فى بيت ابويها (مناوى ص ۹ ۷) (ابن الانباری فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے نام ان کے صفات کے بدلنے سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مائدہ ہے کہ خوان کو اس وقت مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا چنا جائے اور بستان کو حدیقہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کے گرد دیوار ہو،

قدح کو کاس تب کہتے ہیں جب اس میں مشروب ہو، کنویں کو اریکہ تب کہتے ہیں جب اس میں پانی ہو اور ڈول کو سجل اس وقت کہتے ہیں جس وقت اس میں پانی موجود ہو اور اس کو تب ذنوب کہتے ہیں جب وہ بھرا ہوا ہو، برتن کو کوز اس صورت میں کہتے ہیں جب اس میں دستہ لگا ہو، اور مجلس کو ناد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں اہلِ مجلس جمع ہو، چارپائی کو رکیۃ تب کہتے ہیں جب اس پر حجلہ ہو، عورت کو ظعینہ اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہودج میں سوار ہو، پردہ کو خدر اس وقت تک نہیں کہتے جب تک اس کے اندر عورت نہ ہو، قدح اس صورت میں نیزہ کہلاتا ہے جب اس میں پھل اور پر لگی ہو، طبق کو مھدی تب کہتے ہیں جب اس میں ہدیہ ہو، شجاع (بہادر) کو کمی تب کہتے ہیں جب وہ ہتھیار بند ہو، قنات کو نیزہ تب کہتے ہیں جب اس میں پھل ہو، روئی کو عھن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگا ہوا ہو، سرب کو سرنگ تب کہتے ہیں جب اس میں سوراخ ہو، دھاگے کو سمط تب کہتے ہیں جب اس میں دانے پروئے گئے ہوں۔

لکڑی کو وقد تب کہتے ہیں جب اس سے آگ بھڑکائی جائے، کپڑے کو مطرف تب کہتے ہیں جب اس کے کنارے پر نقش ہوں، منہ کے پانی کو رضاب اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ منہ کے اندر ہو اور عورت کو عانس اور عاتق اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں۔

کھجور طعام ہے یا فاکھہ:

جب یہ طے ہوا کہ خوان بغیر طعام کے مائدہ نہیں کہلایا جاتا تو علیھا رطب (کہ اس پر تر کھجور تھیں) (جو مائدہ کی صفت ہے) سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھجور طعام ہے فاکھہ (پھل) نہیں، البتہ جو لوگ اسے فاکہہ کہتے ہیں تو وہ یہاں مائدۃ کو مجازی معنیٰ پر حمل کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وعلی القول بانہ من الفواکہ ولیس بطعامٍ استعیرت المائدة ھنا للظرف او استعملت للخوان (جمع ص ۷۹).

مختلف روایات کی تطبیق :

یہاں پر **علیھا رطب** کی تصریح ہے جبکہ مسند احمد اور طبرانی میں ہے **فاحتطبت حطباً فبعته فصنعت طعاماً فاتیت به النبی** ﷺ (میں نے لکڑیاں چن کر ان کو فروخت کیا اور اس کے پیسوں سے کھانا تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا) طبرانی میں ایک دوسری روایت میں **فاشتریت لحم جزورٍ بدرھم ثم طبختہ فجعلت قصعة ثرید فاحتملتھا علی عاتقی ثم اتیت بھا الخ** (میں نے اونٹ کا گوشت ایک درہم میں خرید کر پکایا پھر اس کا ثرید بنا کر اپنے کندھے پر اٹھا کر آپؐ کے پاس لے آیا) جبکہ طبرانی ہی کی ایک روایت میں **وعلیھا تمر** کہ اس خوان پر کھجور تھے نقل ہوا ہے۔

شارحینِ حدیث اس تعارض سے جواب دیتے ہیں۔

(۱) **تعدّد اشیاء ' تعدّد واقعه** (چیزوں کا مختلف ہونا واقعہ کے متعدد ہونے) پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) ممکن ہے سب چیزیں رکھی ہوں **و ان المائدة کانت رطباً وثریداً ولحماً** (کہ دستر خوان پر کھجور تھے، ثرید بھی تھا اور گوشت بھی رکھا ہوا تھا) کسی نے ایک چیز بیان کی' کسی نے دوسری اور کسی نے تیسری۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں **وخص الرطب لکونه المعظم واما روایة التمر فضعیفة** (مناوی ص ۷۹) (یہاں رطب کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ قابل قدر و عزت تھی اور جس روایت میں تمر (خشک کھجور) کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے)

سلمان کو نام سے پکارا :

فوضعھا بین یدی رسول اللہ ﷺ **فقال یا سلمان ماھذا** حضرت سلمانؓ نے وہ خوان حضور اقدس ﷺ کے سامنے رکھا آپؐ نے دریافت فرمایا۔ سلمان! یہ کیا چیز ہے؟

شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ یہ تو اولِ ملاقات تھی پھر آپؐ نے سلمانؓ کا نام کیونکر لیا' ملا علی قاریؒ اس کی پانچ توجیہات بیان فرماتے ہیں۔

(۱)انوارِنبوت کافیضان تھا کہ آپؐ کوان کانام معلوم ہوا۔
(۲)حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی آمد سے قبل آپؐ کوان کانام بتلا دیا ہوگا۔
(۳)خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان کا نام پوچھ لیا ہوگا (اور ہوسکتا ہے کہ ازخود سلمان نے ملاقات کرتے ہی اپنا تعارف بھی کرادیا ہواور نام بھی بتادیا ہوازمؤلف)۔
(۴)حاضرینِ مجلس جوحضرت سلمانؓ کو جانتے تھے ان کو دور سے دیکھتے ہی آپؐ سے ان کا تعارف کرادیا ہو۔
(۵)اوراس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے قبل ان کی آپؐ سے ملاقات بھی ہوئی ہواور جان پہچان بھی (جمع ص۷۹)۔

ماھذا؟ سے غرض سوال کیاتھی؟

اس استفہام سے خوان کی ماہیت یاطعام کی حقیقت سے سوال نہیں بلکہ یہ **کیف جئت به**(اس کوکیسے لائے ہو) کے معنیٰ میں ہے ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں **فالمقصود بالسؤال الغرض الباعث له علی اتیانه ووضعه** (جمع ص ۸۰) یعنی اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان کولانے اور رکھنے کاباعث اورغرض کیا ہے۔

صدقہ اورھدیہ کی بحث:

فقال صدقة علیک وعلی اصحابک الخ سلمان فارسیؓ نے عرض کیاحضور! یہ آپ کے لئے اور آپ کے اصحاب کے لئے صدقہ ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اس کواٹھالو ہم صدقہ نہیں کھاتے حضرت سلمانؓ نے وہ خوان اٹھالیا اوراگلے روز ویسا ہی خوان لے کر حاضرِ خدمت ہوئے آپؐ کے سامنے رکھا آپؐ نے پھر پوچھا یہ کیاہے؟ عرض کی **هدیة لک** آپؐ کے لئے ھدیہ ہے تب آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کھولواور بچھادوخود بھی تناول فرمایااور جوصحابہؓ موجود تھے انہوں نے بھی کھانا کھایا۔

صدقہ مالی عبادت ہے جو مالی لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف جاتا ہے وتکون من الاعلیٰ الی الادنیٰ (جمع ص ۸۰)۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مالی حیثیت اور دولت دی ہوتی ہے وہ اپنی توفیق واستطاعت کے مطابق مساکین فقراء اور غرباء کی امداد کرتا ہے صدقہ میں تقرّب الی اللہ اور رضاء الٰہی مقصود ہوتی ہے۔ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ (بے شک صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے اور زکوٰۃ کو صدقہ کہا گیا ہے۔ ھدیہ علی العموم مالی لحاظ سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جاتا ہے جس کی غرض بزرگوں کی خوشحالی، محبت ومروت اور تحبب غیر ہوتا ہے یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور بظاہر تحبب الی اللہ بالتبع ہے تحببّ غیر اللہ کے لئے جائز ہے مگر تصدق لغیر اللہ جائز نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے افضل الاعمال بعد الفرائض ادخال السرور فی قلب المسلم یعنی فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے بہترین عمل کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا ہے۔ اس بنیاد پر ھدیہ میں ثواب تو ملتا ہے مگر اصل مقصود اعزاز مسلم ہے جبکہ صدقہ میں متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہو) کا اعزاز مقصود نہیں ہوتا۔

ایک علمی فائدہ:

قال صدقة علیک وعلی اصحابک اس میں علیک اور پھر اس کے بعد علی اصحابک کی توضیح اس لئے کی تاکہ آپ ؐ خود تناول نہ فرماویں تو صحابہ کرام ؓ کو دیدیں اور یہ بھی احتمال تھا کہ اگر فقط علیک کہا جاتا تو تکبّر کے احتمال کی وجہ سے ردّ ہو جاتا اور نبوت کی پہچان نہ ہوتی کہ ردّ کس وجہ سے ہوا ہے آیا اس لئے ہوا کہ آپ ؐ نبی ہیں یا تکبر کی وجہ سے رد کیا ہے علی اصحابک کی تصریح سے تکبرانہ ردّ کا احتمال ختم ہو گیا کیونکہ یہ صدقہ خصوصی نہیں تھا۔

صدقہ اٹھانے کی توجیہہ:

ارفعھا میں ضمیر مائدہ کو یا صدقہ کو راجع ہے۔ یہاں پر بھی یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب صدقہ آپ ؐ

کے لئے مخصوص نہ تھا تو اس کو اٹھانے کا حکم کیوں دیا گیا وہ صدقہ صحابہ کرامؓ کو کیوں نہیں دیا۔
شارحین کہتے ہیں کہ ارفعها کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے واپس لے جاؤ، کوئی بھی نہیں کھائے گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ میرے سامنے سے یا میرے پاس سے اٹھالو۔ انه قال عني لا مطلقاً (مواهب ص ۴۰)
(کہ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھا تو مطلق اٹھانے کا حکم نہیں فرمایا)

صیغہ جمع متکلم لانے کی توجیہات:

انا لا ناکل الصدقة (ہم صدقہ نہیں کھاتے) متکلم مع الغیر کے صیغہ سے تعبیر فرمائی۔
(۱) مراد معشر الانبیاء ہیں جو صدقہ نہیں کھایا کرتے ای نحن معاشر الانبیاء (جیسا کہ ایک قول یہی ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ صدقہ نہ کھانا حضور اقدس ﷺ کا خاصہ ہے تو پھر لفظ فانّا لا نأکل (کہ ہم نہیں کھاتے) علی طریق التعظیم لایا گیا ہے۔
(۲) یا اس سے آپؐ اور آپؐ کے اقارب مراد ہیں او انا واقاربی من بنی هاشم والمطلب او الضمیر للعظمة (جمع ص۸۰) (یا جمع متکلم سے مراد آپ ﷺ اور ان کے دوسرے رشتہ دار بنو ہاشم و بنو عبد المطلب مراد ہیں یا پھر ضمیر جمع متکلم آپ ﷺ کی عظمت کے لئے ہے)

لفظِ ابسطوا کا معنیٰ وتشریح:

ابسطوا شارحین حدیث نے اس کے چار احتمال نکالے ہیں۔
(۱) الطعام مفعولِ مقدر ہے بسط بمعنیٰ نشر کے ہے ای انشروا الطعام لیصله کل منکم فیکون من بسطه بمعنی نشره۔ یعنی طعام کو پھیلا کر رکھ دو تا کہ تم میں سے ہر ایک کو پہنچ جائے لہذا یہاں بچھانا، پھیلانے کے معنیٰ میں ہے۔ (۲) الایدی مفعول مقدر ہے ای مدوا ایدیکم للطعام فیکون من بسط یده ای مدها یعنی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاؤ لہذا اس صورت میں بسطِ ید سے ہاتھ کا بڑھانا مراد ہوگا۔ (۳) المجلس مفعول مقدر ہے ای وسعوا المجلس لیدخل بینکم سلمان فیکون من بسط الله الرزق لفلان وسعه۔ یعنی مجلس میں توسع پیدا کرو تا کہ سلمان بھی آپ کے درمیان میں بیٹھ جائے

لہٰذا اس صورت میں ابسطوا کالفظ "بسط اللہ الرزق لفلان" کے قبیل سے ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں آدمی کے لئے رزق میں وسعت کی ہے۔

(۴) لفظِ سلمان مفعول ہے ابسطوا بمعنی سرّوا کے ہے ای سرّوا سلمان باکل طعامه فیکون من بسط فلان فلانا سره (مواھب ص ۱۴۱) (کہ تم سلمان کو اس کا کھانا کھا لینے سے خوش کرو تو یہ از قبیل "بسط فلان فلانا" کے ہوگا یعنی فلاں نے فلاں کو خوش کر دیا)

بعض روایات میں انشطوا آیا ہے بعض میں انشقوا منقول ہے (مواھب ص ۴۱)۔

بہر حال ان تمام روایات اور مذکورہ احتمالات کے باوصف یہ حقیقت مسلّم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر یہ ھدیہ تناول فرمایا۔

ھدیہ لینے والے کے لئے عملِ مستحب:

اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ھدیہ دیئے جانے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حاضرین مجلس کو بھی ھدیہ میں شریک کرے۔ جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کا مضمون بھی یہی ہے من اھدی له ھدیة فجلساء ه شرکاء ه فیھا (کہ جس شخص کو کوئی ہدیہ (تحفہ) پیش کیا جائے تو اس کے ہمنشین اس میں اس کے شریک ہوں گے) جلساء سے مراد بھی ہمیشہ کے ہمنشینِ مجلس ہیں وقال الترمذی فی الاصول المراد بھم الذین یداومون مجلسه ویعتکفون بابه ویتفقدون اموره لا کل من جالسا فی ذلک الوقت (جمع ص ۸۲) (امام ترمذیؒ الاصول میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اس کی مجلس میں حاضر رہتے ہوں اور اس کے دروازے پر موجود ہوتے ہوں اور اس کی خدمت میں لگے رہتے ہوں نہ کہ اس وقت میں ہر شریکِ مجلس۔

ھدایا میں اشتراک کا مسئلہ:

شارحینِ حدیث نے یہاں پر ایک بحث یہ بھی کی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ صدقہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صدقة علیک وعلی اصحابک (تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر یہ صدقہ ہے) جب دوسری دفعہ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کیا ھدیة لک (یہ تیرے

لئے ہدیہ ہے) دوسری مرتبہ حضرت سلمانؓ نے صحابہ کرام کا نام نہیں لیا مگر آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر وہ کھانا تناول فرمایا اس سے ھدیہ میں اشتراک کی بات پیدا ہوئی کہ جب ھدیہ میں صراحتاً ھدیة لک کہا گیا جو صرف آپؐ ہی کی ذات کے لئے تھا پھر اس میں صحابہ کرامؓ کو کیوں شریک کیا گیا۔ شارحینِ حدیث نے اس سلسلہ میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔

(۱) مسلکِ اولیاء یا مسلک صوفیاء یہ ہے کہ ھدیہ میں اشتراک نہیں ہے۔

(۲) فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر ھدیہ کھانے پینے کی اشیاء پر مشتمل ہے تو اس میں اشتراک موجود ہے اگر درہم و دنانیر ہیں تو اس میں اشتراک نہیں ہے۔ البیجوریؒ نے اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کسی ولی کے پاس ھدیہ لائے تو مجلس میں بیٹھے ایک صاحب نے کہا "الهدايا مشتركة" (کہ ہدیئے اور تحفے مشترک ہوتے ہیں) تو اس بزرگ نے جواب میں کہا "انا لا نحب الاشتراک" یعنی ہم ھدایا میں اشتراک کو پسند نہیں کرتے۔ وہ سمجھا کہ یہ بزرگ ہمیں کچھ دینا ہی پسند نہیں کرتے اور سارا ھدیہ خود ہی رکھنا چاہتے ہیں ادھر یہ ایسی بات سوچ ہی رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا اگر تم پسند کرو تو سارے کا سارا ھدیہ تم ہی لیجاؤ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو کیونکہ یہی ہمارا مسلک ہے کہ ھدایا میں اشتراک نہیں ہوتا چنانچہ وہ صاحب اس پر راضی ہو گئے مگر ھدیہ بہت زیادہ تھا کہ خود نہیں لے جا سکتے تھے چنانچہ اس بزرگ نے اپنے خدام و متعلقین کو حکم دیا کہ سارا ھدیہ اس صاحب کے گھر تک پہنچا دیں۔ اس تفصیلی قصہ سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ صوفیاء کے مسلک میں ھدیہ میں اشتراک نہیں ہے (مواھب ص ۴۱)

دوسرا قصہ امام ابویوسفؒ کا لکھا ہے کہ ان کے پاس کوئی صاحب ھدیہ لایا مگر یہ ھدیہ طعام نہیں تھا بلکہ نقدی تھی حاضرین مجلس میں کسی نے "الهدية مشتركة" (ھدیہ تو حاضرین میں مشترک ہوتا ہے) کی آواز بلند کی فقال ان "ال" فی الهدية للعهد والمعهود هدية الطعام (مواھب ص ۴۱) یعنی الهدية میں الف لام عہدی ہے اور معہود طعام ہے گویا ھدیہ میں اگر کھانے پینے کی اشیاء ہوں

تو اشتراک ہے اگر دراہم ودنانیر ہوں نقدی ہو تو اس میں اشتراک نہیں ہے
شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں **فانظر مابین مسلک الاولیاء ومسلک الفقهاء من الفرق** (مواہب ص۴۱) یعنی مسلکِ اولیاء اور مسلک فقہاء میں فرق کو ملاحظہ فرمایئے۔

ھدیہ کہاں سے آیا؟

بعض حضرات نے یہاں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ حضرت سلمانؓ تو غلام تھے ان کے پاس ھدیہ کہاں سے آیا؟ آیا یہ ان کی ذاتی ملکیت بھی تھا یا نہیں اور اگر یہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں تھا تو پھر آپؐ کو اس کا کھانا کیونکر جائز ہوا؟ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) حضرت سلمان فارسیؓ اپنے مالک کی طرف سے عبد ماذون تھے۔مگر یہ ایک امکانی یا احتمالی توجیہ ہے۔

(۲) مالک نے ان پر روزانہ کی ایک مقرر مقدار کا وظیفہ مقرر کر لیا تھا کہ وہ خود کمائے اور ایک خاص مقدار میں رقم مالک کو دے باقی جو بچے وہ اس کی اپنی ہو، یہ بھی امکان اور احتمال کی حد تک ایک جواب ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اصلاً آزاد تھے دھوکہ (خداعاً) سے ان کو غلام بنالیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اگر آزاد مرد کو جبراً اور خداعاً غلام بنالیا جائے تو شرعاً وہ غلام نہیں کہلاتا لہذا حریت کی صورت میں اپنی اشیاء پر اس کی ملکیت بھی درست ہوگی گویا انہوں نے اپنی ملکیت سے آپؐ کو ھدیہ پیش فرمایا تھا۔

ہدیہ کب قبول کرنا چاہئے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سلمانؓ کا ھدیہ تحبب کے لئے تھا فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب تک حرمت کا یقین نہ ہو ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا (مومنوں پر نیک گمان رکھو) کی رُو سے ہر مسلمان کا ہدیہ قبول کرنا چاہئے (تقریر ترمذی)۔

کیا سلمان فارسی کی خرید جائز تھی؟

یہاں پر یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ اگر وہ حر تھے تو پھر حضور اقدس ﷺ نے ان کو کیوں خریدا تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خرید حقیقی بیع نہ تھی بلکہ صلح کی غرض سے اور ظلم کے نجات کے لئے انہیں بظاہر خرید لیا تھا ورنہ در حقیقت یہ ایک تعاون کی صورت تھی.

مہر نبوت کی زیارت:

ثم نظر الی الخاتم ... پھر سلمان فارسیؓ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک پر مہرِ نبوت کو دیکھا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

اس طویل حدیث کے لانے سے یہی جملہ مقصود ہے کہ ترجمۃ الباب کا انعقاد بھی اسی مقصد کے لئے ہے **ثم** تراخی کے لئے ہے۔ مذکورہ دو علامات نبوت کے دیکھنے کے بعد اب تیسری علامت یعنی مہر نبوت کے دیکھنے کے لئے بے چین ہوئے اور انتظار کرنے لگے۔

ملا علی قاریؒ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ نقباء انصار میں ایک صحابیؓ کا انتقال ہوا حضور اقدس ﷺ نے ان کے جنازہ کے ساتھ مشایعت کی اور **بقیع الغرقد** (مدینہ شریف کا قبرستان) میں تشریف لے گئے پھر اسی جگہ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کی تدفین کا انتظار کرنے لگے اس دوران حضرت سلمان فارسیؓ حاضر خدمت ہوئے اور پشت کے پیچھے سے آئے تا کہ مہرِ نبوت کی زیارت کر سکے حضور اقدس ﷺ نے ان کے ارادہ کو بھانپ لیا یا آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا **فالقی الرداء عن ظهره فنظر سلمان الی الخاتم** (جمع ص ۸۳) یعنی آپ ﷺ نے اپنے پشت مبارک سے چادر کو ہٹایا اور سلمان نے مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ آپؓ آبدیدہ ہوگئے اور فرطِ محبت سے مہر نبوت کو چوم لیا۔ **فامن به** پس حضرت سلمان آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ یہاں پر **فا** ' **ماسبق من الآیات الثلاث** کے مجموعہ پر متفرع ہے یعنی تورات میں جو تینوں اوصاف بتائے گئے تھے وہ سب دیکھ لیے تو فوراً ایمان لے آئے **فلما تمت الآیات و کملت العلامات آمن به** (مواهب ص ۴۲)

مسئلہ بیع وشرط:

حتی تطعم اطعام (افعال) سے ہے اس کا ایک معنیٰ تو معروف ہے یعنی کھانا کھلانا مگر جب یہ شجر کے ساتھ استعمال ہو تو معنی ہے پھلدار ہو جانا والمعنیٰ حتی تثمر یقال اطعمت النخلة اذا اثمرت (جمع ص ۸۴) یعنی حتی تطعم کا معنی ہے ''یہاں تک کہ وہ پھلدار ہوا، کہا جاتا ہے اطعمت النخلة، جب وہ پھلدار ہو جائے۔ اس معاملہ پر بظاہر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط لہٰذا فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں دوسرا یہ بھی ہے کہ اس معاملہ میں خدمت بھی مجہول ہے۔

محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں فاشتراه میں لفظِ اشتراء مجازاً واقع ہوا ہے درحقیقت یہ بیع اور شراء تھی ہی نہیں جیسے ابھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے بلکہ یہ تو بدلِ کتابت تھی اور بدلِ کتابت میں یہ معاملہ ٹھہرا تھا جیسا کہ مسند احمد کی روایت ,, وكاتب يا سلمان (اے سلمان تو مولیٰ کے ساتھ مکاتب بن جانے کا معاملہ کرلے) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے جس میں بدل کتابت دراھم اور غرس قرار پایا چونکہ وہ خود ادا نہیں کر سکتے تھے حضور اقدس ﷺ نے ان کی مدد فرمائی

(۷/۲۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا بِشْرُبْنُ الْوَضَّاحِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَقِيْلِ الدَّوْرَقِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ الْعُوْفِيُّ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ فَقَالَ كَانَ فِيْ ظَهْرِهٖ بِضْعَةٌ نَاشِزَةٌ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن وضاح نے خبر دی۔ بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعقیل دَوْرَقی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابونضرۃ عوفی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کا پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ آپ کی پشت پر ایک گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

راویانِ حدیث (۸۴) بشر بن الوضاحؒ (۸۵) ابوعقیل الدورقیؒ (۸۶) ابونضرۃؒ اور (۸۷) حضرت

ابوسعید خدریؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابوسعید الخدریؓ کی وضاحت:

یعنی خاتم النبوۃ کے الفاظ سے توضیح کردی کہ خاتم سے مراد مہر ختم نبوت ہے ای لا الخاتم الذی کان فی یدہ الشریفۃ (مواہب ص ۴۳) یعنی وہ انگوٹھی مراد نہیں جو آپ ؐ کی انگلی میں ہوتی تھی۔

بضعة ناشزة کی توضیح:

فقال کان فی ظهره بضعة ناشزة .. حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ مہرِ نبوت حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک میں گوشت کا ابھرا ہوا لوتھڑا تھا۔ بضعة کا معنی گوشت کا ٹکڑا کیونکہ ب ض ع کے مادہ میں قطع کا معنی موجود ہے درانتی کو اسی لئے مِبْعَضة کہتے ہیں کہ وہ کاٹتی ہے۔ ناشزة کا معنی مرتفعة (ابھرا ہوا) ہے کہ ن ش ز کے مادہ میں ارتفاع ہے اسی سے وان خافت من زوجها نشوزاً او اعراضاً (۴:۱۲۸) (اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے) آیا ہے کیونکہ کل واحد من الزوجین یعلو صاحبه ویخالفه یعنی اختلاف کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے پر بلند ہونے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بضعة سے مراد ''قطعة لحم ''(گوشت کا ٹکڑا) اور الناشزة سے مراد المرتفعة ہے ولا تعارض بین'' فی ظهره'' وبین کتفيه'' کما هو الظاهر (اتحافات ص ۶۱) (اور حدیث میں لفظ فی ظهره (کہ مہر نبوت پیٹھ میں تھی) یا بین کتفيه (دونوں کندھوں کے درمیان تھی) میں کوئی تعارض نہیں جیسے کہ ظاہر ہے (کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی مقام ہے)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں۔

(۱) کان کی ضمیر خاتم کی طرف راجع ہے اور بضعة ناشزة موصوف صفت مل کر کان کی خبر ہے اور فی ظهره جار مجرور کان کے متعلق ہے۔ (۲) یا بضعة کان کا اسم ہے اور فاصلہ کی وجہ سے تذکیر کان جائز ہے اور فی ظهره اس کی خبر ہے (۳) یا بضعة کان کا اسم ہے اور ناشزة اس کی

خبر ہےاور فی ظھرہ ناشزۃ کے متعلق ہے(تقریرترمذی)۔

(۲۲/۸)حَدَّثَنَا اَبُوالاَشْعَثِ اَحْمَدُبْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِیُّ الْبَصْرِیُّ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ عَاصِمِ الاَحْوَلِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِیْ نَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَدُرْتُ ھٰکَذَا مِنْ خَلْفِہٖ فَعَرَفَ الَّذِیْ اُرِیْدُ فَاَلْقَی الرِّدَآءَ عَنْ ظَھْرِہٖ فَرَاَیْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰی کَتِفَیْہِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَھَا خِیْلَانٌ کَاَنَّھَا ثَاٰلِیْلُ فَرَجَعْتُ حَتّٰی اسْتَقْبَلْتُہٗ فَقُلْتُ غَفَرَاللّٰہُ لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ وَلَکَ فَقَالَ الْقَوْمُ اَسْتَغْفَرَلَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَکُمْ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الاٰیَۃَ وَاسْتَغْفِرْلِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ..

ترجمہ! ہمیں ابوالاشعث احمد بن مقدام عجلی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حماد بن زید نے عاصم الاحول کے حوالے سے۔ انہوں نے عبداللہ بن سرجسؓ سے یہ روایت نقل کی وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ کے پاس اس وقت مجمع تھا میں نے اس طرح حضور اقدس ﷺ کے پسِ پشت چکر لگایا حضور اقدس ﷺ میرا منشاء سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی میں نے مہر نبوت کی جگہ کو آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہمشکل دیکھا جس کے چاروں طرف تِل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے پھر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ پاک تیری بھی مغفرت فرمائے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اقدسؐ نے تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائی میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لئے بھی اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ اے محمد ﷺ مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے بھی۔

راویانِ حدیث (۸۸) ابوالاشعث احمد بن مقدامؒ (۸۹) حمّاد بن زید (۹۰) عاصم الأحولؒ اور (۹۱) حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ درتُ کا معنیٰ !

فدرت ھکذا من خلفه .. حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس طریقے سے آپؐ کے پیچھے گھومنے لگا گویا صحابیؓ نے بالفعل چکر لگا کر دکھایا۔ درت ' دوران سے ماخوذ ہے وھو الطواف بالشئی یقال دار حول البیت یدور دوراناً طاف به ودوران الفلک تواتر حرکاته بعضها اثر بعض من غیر ثبوت ولا استقرار (مناوی ص ۸۷) یعنی اس کا معنی ہے کسی چیز کے گرد گھومنا کہا جاتا ہے "دارحــول البیــت" جب اس کے گرد گھومنے لگے اور "دورانِ الفلک" فلک کے متواتر حرکات کو کہتے ہیں جس میں وقفہ اور ٹھہراؤ نہ ہو۔

ھکذا کی مراد:

ھکذا سے مراد کی تعیین میں بھی شارحین نے توجیہات کی ہیں۔

(۱) اشارة لکیفیة دورانه (۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے یہ حدیث مسجد نبوی میں بیان کی ہو جہاں بوقت ملاقات حضور اقدس ﷺ تشریف فرماتے اور ھکذا سے اس مکان کی طرف اشارہ کیا ہو جہاں سے وہ آپؐ کی جانب پشت کی طرف آئے تھے۔

حضورؐ کو کیسے معلوم ہوا :

فعرف الذی ارید پس حضور اقدس ﷺ نے میرے رویتِ خاتم (مہر نبوت کو دیکھنے) کے ارادہ کو نور نبوت سے یا خود میرے مضطربانہ دوران (گھومنے) سے جان لیا ای بنور النبوة او بقرینة الدورة (جمع ص ۸۷).

مہر نبوت ایک تھی:

فرأیت موضع الخاتم علی کتفیه الخ المراد بالخاتم هنا الطابع الذی ختم به جبرئیل حین شقّ صدره الشریف فانه اتی به من الجنة وطبع به حینئذٍ فظهر خاتم النبوة الذی هو قطعة لحم (مواهب ص ۴۴) یعنی اس عبارت میں "خاتم" سے وہ مہر مراد ہے جس سے حضرت جبرئیلؑ نے شقِ

صدر کے موقع پر (آپ ؐ کے کندھے کے قریب) مہر لگائی تھی۔ جبرئیلؑ اس مہر کو جنت سے لے کر آئے تھے۔ یہ مہر، مہرِ نبوت جو کہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس عبارت کے الفاظ "علی کتفیہ" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتفین پر دو خاتم تھے چنانچہ بعض حضرات کا یہ قول بھی ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ بین کتفیہ سے یہاں پر راوی کی مراد یہی ہے کہ مہر نبوت ایک تھی جو کندھوں کے درمیان ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای بینھما کما فی اکثر الروایات وھو من باب ارادة المقید بالمطلق واکثرا لروایات بالتثنیة لکن ورد بالافراد (مناوی ص ۸۸) یعنی کتفین سے مراد یہ ہے کہ مہر ان دونوں کے درمیان میں تھی جیسا کہ اکثر روایات میں ہے اور یہ مطلق بول کر مقید مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ اکثر روایات میں (کتفین) تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے تاہم صیغہ مفرد کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد قریباً من کتفه الایسر وقال العسقلانی السر فی وضع الخاتم علی جهة کتفه الایسر ان القلب فی تلک الجهة (جمع ص ۸۷) (مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت بائیں کندھے کے قریب تھی۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بائیں کندھے کے قریب مہر رکھنے میں راز یہ ہے کہ دل اس طرف واقع ہوتا ہے)۔

ملا علی قاریؒ نے یہاں دو واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

شیطان کی جگہ کہاں ہے؟

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو اسے خواب میں ایک بلوری جسد دکھایا گیا جس کا اندر باہر سے صاف نظر آتا تھا اور شیطان بصورت مینڈک دکھایا گیا جو بائیں کاندھے پر دل کے مقابل بیٹھا تھا اور مچھر کی طرح اس کی سونڈھ تھی جسے وہ اس کے دل میں داخل کر کے وسوسہ اندازی کر رہا تھا مگر جونہی وہ اللہ کا ذکر کرتا شیطان اپنی سونڈھ کو سمیٹ لیتا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی رب تعالیٰ سے انسانی جسم میں شیطان کے قیام کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو انہیں شیطان دکھایا گیا جس کا سانپ کی طرح سر تھا واضع رأسہ علی ثمرة القلب (کہ وہ اپنے سر کو انسان کے وسطِ دل پر رکھے ہوا تھا) جب بندہ ذکر کرتا ہے وہ اسے پیچھے ہٹا لیتا ہے اور جب ذکر ترک کر دیتا ہے تو وہ پھر اس قلب پر قبضہ جما لیتا ہے عن ابن عباس قال یولد الانسان والشیطان جاثم علی قلبه فاذا ذکر اسم الله خنس واذا غفل وسوس. (جمع ص ۸۸) (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قبضہ جمائے بیٹھا ہوتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب انسان ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے)

لفظِ الجُمع کی توضیح:

مثل الجُمعِ ، بند مٹھی مکّا اور مشت کو جمع کہتے ہیں قال حماد جمع الکف وجمع حماد کفه وضم اصابعه (جمع ص ۸۸) بظاہر مقصد تشبیه فی الهیئة ہے یعنی ہیئت میں کہیں کہیں خطوط بھی تھے اور کہیں ابھرا ہوا تھا ویفهم من ذلک ان فیه خطوطاً کما فی الاصابع المجموعة (مواهب ص ۴۴) یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہرِ نبوت پر لکیریں تھیں جیسا کہ تمام انگلیوں پر ہوتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے ویحتمل ان یکون تشبیهاً به فی المقدار ویحتمل ان یکون تشبیهاً فی الهیئة المجموعة وهو انسب لیوافق قوله زرا الحجلة (جمع ص ۸۸) یعنی اس کا احتمال ہے کہ بند مٹھی کے ساتھ مقدار میں تشبیہ مقصود تھی یا مجموعی ہیئت میں اس کے ساتھ تشبیہ مقصود تھی اور یہ احتمال زیادہ راجح ہے تا کہ اس قول '' زرالحجلة'' کے ساتھ موافق ہو۔

خیلان وثآلیل کا معنیٰ:

حولها خیلان کائنّها ثآلیل ... خیلان ، خال کی جمع ہے وهو الشامة فی

الجسد (جمع ص ۸۸) جسے ہم اپنی زبان میں تِل کہتے ہیں ثآلیل ' قنادیل کے وزن پر ہے ثؤلول کی جمع ہے بمعنیٰ مسّہ گوشت کے تِل برابر ابھرا ہوا حصہ' جو چنے کے برابر بڑھا ہوا ہوتا ہے وھی الحبة التی تظھر فی الجلد مثل الحمصة فما دونھا (وہ چھوٹے دانے (تِل) جو چنے یا اس سے کم جو چمڑے میں ظاہر ہوتے ہیں) حضور اقدس ﷺ کے مہر نبوت کے تِل جسم سے ابھرے ہوئے تھے سیاہ کے بجائے سرخ رنگ کے تھے۔

حضورؐ کے لئے دعاء مغفرت کا مفہوم :

غفر اللہ لک یا رسول اللہ۔ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے تھے کہ پھر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے آ گیا اور میں نے یہی دعائیہ کلمات عرض کیے یہ دعا' عزت و اکرام اور ترحم کے لئے بھی آتی ہے امتی کی جانب سے حضور اقدس ﷺ کے لئے ان دعائیہ کلمات کی محدثین نے متعدد توجیہات کی ہیں (۱) خبر دینا غرض ہے تو یہ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک کی طرف اشارہ ہے اس وقت یہ جملہ خبریہ ہوگا جس سے تصدیق نبوت کی طرف اشارہ ہے اور اسے جملہ دعائیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں خبر مطابق لقولہ تعالیٰ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر او انشاء ارید بہ زیادة المغفرة او ثباتھا لہ او المغفرة لامتہ المرحومة (جمع ص ۸۸) یعنی یا تو یہ خبر ہے باری تعالیٰ کے اس قول "تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کرے" (۴۸:۳) یا یہ انشاء ہے اور اس سے مغفرت کی زیادتی مراد ہے یا آپؐ کے لئے اثباتِ مغفرت مراد ہے یا آپؐ کی امتِ مرحومہ کے لئے مغفرت کا اثبات مراد ہے۔

یہ دعائیہ کلمات' عزت و ترحم کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور عربوں کا یہی محاورہ ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ باری تعالیٰ کی مغفرت غیر متناہی ہے تو معنیٰ ہوں گے زاد مغفرتک

لفظ و لک کی تشریح:

فقال ولک ای وغفر اللہ لک بالخصوص ایضاً حیث استغفرت لی او سعیت لرؤیة خاتمی او آمنت بی و انقدت لی وقیل ھذا من مقابلة الاحسان بالاحسان ولا شک ان دعائہ افضل

من دعائه حقیقة وان کان دونه صورة فلاینا فیه قوله تعالیٰ واذا حییتم بتحیّةٍ فحیّوا باحسن منها (جمع ص ۸۸) یعنی آپؐ نے عبداللہ بن سرجس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ آپ کی بھی مغفرت فرمائے بوجہ اس کے کہ آپ نے میرے حق میں استغفار میں کیا یا آپ نے میری مہر کو دیکھنے کی کوشش کی یا اس وجہ سے کہ آپ مجھ پر ایمان لائے ہیں۔۔اور ایک توجیہہ یہ ہے کہ یہ احسان کے مقابلے میں احسان کرنے کے قبیل سے ہے بلاشبہ آپؐ کی دعا ان کی دعا سے حقیقت میں افضل اور بہتر ہے اگرچہ ظاہراً اس سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہے۔لہٰذا یہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے ''اور جب تم کو دعا دیدے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر (۸۶:۴)

فقال القوم استغفرلک رسول الله ﷺ... قوم سے مراد وہ جماعت ہے جن کے سامنے حضرت عبداللہ بن سرجس نے بات کی تھی یا اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں استغفرلک میں ہمزہ وصلی ہے مگر مراد استفہام ہے . بهمزة الوصل والقصد الاستفهام (مواهب ص ۴۴).

حضرت عبداللہؓ کی رؤیت و لقاء اور سماع :

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے یہ استفسار اس لئے بھی کیا کہ بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن سرجس صحابی نہیں ہیں اور اگر حضور اقدس ﷺ کو ایمان کے ساتھ دیکھا ہے تو سماع ثابت نہیں اس لئے پوچھا گیا کہ کیا واقعی آپ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے دعاء مغفرت کی ہے تو جواب میں فرمایا کہ میری ہی تخصیص کیا ہے فقال نعم ولکم یعنی تمہارے لئے بھی دعا کی پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی کہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنٰت وبالجملة المقصود من هذا الاستفهام والاستخبار تثبیت رؤیة عبدالله بن سرجس النبی ﷺ وصحبته معه . وقال ابو عمر لا یختلفون فی ذکره فی الصحابة ویقولون له صحبة علی منهبهم فی اللقاء والرؤیة والسماع (جمع ص ۸۹) یعنی ''آپ اپنی (اس ظاہری) خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی'' (۱۹:۴۷)

خلاصہ یہ کہ اس استفہام اور استخبار سے مقصود یہ تھا کہ عبداللہ بن سرجسؓ نے بلاشبہ آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور آپ ﷺ کی صحبت ان کو ملی تھی۔ ابو عمر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے ان کو شمار کرنے میں اختلاف نہیں ہے اور محدثین کے نزدیک عبداللہ بن سرجسؓ کی آپ ﷺ کے ساتھ ملاقات، آپ ﷺ کی رؤیت اور سماع ثابت ہے۔ اور صحابی رسول ﷺ نے آیت اس لئے پڑھی کہ اللہ کے رسول پوری امت کے لئے استغفار پر مامور تھے۔

حضور اقدس ﷺ کا استغفار:

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ تو صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم ہیں پھر قرآن کریم کی تصریح بھی ہے کہ لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک تو پھر واستغفر لذنبک (اور آپ ﷺ اپنی خطاء کی بخشش مانگیئے) سے مراد کیا ہوگی؟

ملا علی قاریؒ نے خوب تفصیلی اور تسلی بخش جواب لکھا ہے، فرماتے ہیں۔

(۱) شاید یہ آیت لیغفرلک اللہ الخ سے پہلے نازل ہوئی ہو۔

(۲) اس میں امت کے لئے تسلی اور امت کی تعلیم غرض ہے۔

(۳) او استغفاره من الخطرات القلبية التي هي من لوازم البشرية تنبيهاً على انها بالنسبة اليه صلى الله عليه وسلم كالذنب بالنسبة الى غيره ومنه قول ابن الفارض ؎

وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاکَ اِرَادَۃٌ

عَلٰی خَاطِرِیْ سَھْواً حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ (جمع ص۹۰)

یعنی آپ ﷺ کا استغفار کرنا ان قلبی وذہنی خیالات میں سے ہے جو کہ ایک انسان کے لوازمات ہوتے ہیں، اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ آپ ﷺ کی حق میں خطا کی طرح ہے۔ اسی قبیل سے ''ابن الفارض'' کا یہ شعر بھی ہے۔

ترجمہ! اگر میرے دل میں بھول سے بھی آپ کے ماسوا کا خیال وارادہ آجائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں گا۔

(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ استغفار سے عصمتِ موہوبہ پر ثبات واستحکام کی درخواست ہے وان کان مامون العاقبة رعاية لقاعدة الخشية فانهانهاية سلوک المخلصين وغاية عبودية المقربين (جمع ص ۹۰) یعنی اگر چہ آپ ؐ برے انجام سے مامون اور محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود آپ ؐ استغفار کرتے تو یہ استغفار کرنا خشیت کے قاعدے کے مطابق تھا، کہ خشیت مخلصین کی منزل کی انتہاء ہوتی ہے اور مقربین کی عبادت کی معراج ہوتی ہے۔

(۵) استعمالِ مباحات سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ہے ثم لتسئلن يومئذٍ عن النعيم (۱۰۳ . ۸) (پھر البتہ پوچھے جاؤ گے تم اس دن نعمتوں سے)

(۶) عبادات جیسے کہ ان کا حق ہے، میں تقصیر کے تصور سے استغفار پڑھتے تھے ولذا قيل حسنات الابرار سيئات المقربين (جمع ص ۹۰) (اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ نیکوکار لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہِ خداوندی کی سیئات شمار ہوتی ہیں)

(۷) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ امت کے گناہوں سے استغفار کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کا استغفار امت کے لئے بمنزلہ شفاعت کے ہے۔

(۸) شیخ عبدالرؤف ؒ فرماتے ہیں وقيل المراد ما كان من سهو وغفلة او ماتقدم لا بيک آدم مما يشبه الذنب وما تاخر من ذنب امتک (مناوی ص ۹۰) یعنی ''ذنب'' سے مراد یہ ہے کہ جو بھول چوک اور غفلت سے ہوئی ہو یا اس جیسی خطا کی طرح جو آپ ؐ کے باپ حضرت آدمؑ سے سرزد ہوئی تھی اور جو خطائیں آپ ؐ کی امت سے ہونے والی ہیں۔

مہرِ نبوت کی مزید تفصیل:

شیخ عبدالرؤف ؒ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ولی اللہ حافظ ابوزرعہ عراقی سے پوچھا گیا کیا مہر نبوت حضرت محمد مصطفی ﷺ کے خصائص میں سے تھی اور کیا جب آپ ؐ پیدا ہوئے یہ اس وقت تھی اور جب دفن ہوئے تو ساتھ تھی انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ سوائے آپ ؐ کے کسی بھی دوسرے نبی کی یہ خصوصیت نہ تھی اور نہ ہی یہ محو ہوئی کیونکہ آپ کے ساتھ ہی پیدا ہوئی۔

وورد ان جبرئيل عليه السلام ختمه واما دفنه معه فلا شک فيه فانه قطعة من جسده والاشارة به الیٰ انه خاتم الانبياء والله اعلم ۔ اورروایت ہے کہ جبرئیلؑ نے آپؐ کو یہ مہر لگائی اور آپؐ کے ساتھ دفن ہوئی کیونکہ آپ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا تھا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے واللہ اعلم۔ (مناوی ص۹۰)

==========

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! باب رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے بیان میں

(۱/۲۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلىٰ نِصْفِ اُذُنَيْهِ.

ترجمہ! ہمیں علی بن حجرؒ نے بیان کیا۔ان کو اسماعیل بن ابراہیم نے حُمید کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ،وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

راوی حدیث (۹۲) اسماعیل بن ابراہیم کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

خلاصہ مضامین :

باب ماجاء .. اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر بالوں کی اس کیفیت کا ذکر ہے کہ وہ کتنے لمبے اور کتنے چھوٹے تھے' زیادہ تھے یا تھوڑے نیز آپؐ کے بالوں پر تیل لگانے اور مانگ نکالنے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے اگر چہ آپؐ کے بالوں مبارک کا بیان گذشتہ ابواب کی احادیث میں ضمناً گذر چکا ہے اب اس باب کے تحت مصنفؒ مستقلاً ان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

عقد الامام الترمذی هذا الباب لاخبار الواردة فی شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم طولاً وقصراً وكثرة وقلة وعن كيفية تسريحهٖ او تفريقهٖ (الاتحافات ص ۶۴) (امام ترمذیؒ نے اس باب کا عنوان ان احادیث کے متعلق باندھا جو آپ ﷺ کے سر کے بالوں مبارک کے بارے میں

وارد ہوئے ہیں یعنی ان کی کیفیت بلحاظ قلت وکثرت اور لمبے چھوٹے ہونے، مانگ نکالنے، تیل لگانے وغیرہ کے بیان میں ہے)۔

لفظِ شعر (بال) باب نصر سے آتا ہے جمع شعرات آتی ہے۔

سر کے بال اور حضور اقدس ﷺ کا معمول:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے ابن العربیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سر پر بال رکھنا زینت ہے ان کا چھوڑنا سنت ہے اور ان کا مونڈنا بدعت ہے **قال ابن العربی والشعر فی الرأس زینة وترکه سنة وحلقه بدعة** (مواھب ص ۴۵)۔

نیز انہوں نے شرح المصابیح کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد حضور اقدس ﷺ نے سوائے حدیبیہ کے، عمرۃ القضا اور حجۃ الوداع کے سالوں کے بال نہیں منڈوائے اور سوائے ایک بار کے بال کم نہیں کرائے (**کما فی الصحیحین**) (جیسے کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہے۔

صاحب مواھب کے الفاظ یہ ہیں **قال وفی شرح المصابیح لم یحلق النبی رأسه فی سنی الھجرة الا فی عام الحدیبیة و عمرة القضاء وحجة الوداع ولم یقصر شعره الامرة واحدة کما فی الصحیحین** (مواھب ص ۴۵)

نصفِ کانوں تک بال:

قال کان شعر رسول الله ﷺ الی نصف اذنیه کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔ دراصل جس صحابی نے حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کی جو صورت دیکھی ویسے ہی بیان کردی حضرت انسؓ نے نصف کان تک دیکھے تو ان کا ذکر کردیا اس سے تطبیق بین الاحادیث بھی آجاتی ہے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ **والمراد من ھذاالشعر ھو الذی جمع و عقص وقیل المرادمعظم شعره او فی بعض الاحوال اوحین لا یفرق شعره فلا ینافی الاحادیث الدالة علی کونه بالغاً منکبیه و واقعاً علیھما** (جمع ص ۹۰) (اور بالوں کا نصف کانوں تک ہونے سے مراد وہ بال ہیں جو مجتمع اور اکھٹے کیے گئے ہوں اور یا مراد زیادہ بال ہیں یا پھر بعض اوقات واحوال

میں ایسے ہونے کا ذکر ہے یا اس وقت جس وقت مانگ نکلی ہوئی نہ ہوتی ہو اس لئے ان توجیہات کر لینے کی صورت میں یہ روایت ان روایات واحادیث کے منافی نہ ہوگی جن میں آپ ﷺ کے بالوں مبارک کا کندھوں تک پہنچنا یا کندھوں پر ہونا مذکور ہے)

اس موقع پر شیخ عبدالروفؒ نے لکھا ہے ففی الصحیح عن ابی سعید ان النبی ﷺ ذکر قوماً یکونون فی امته یخرجون فی فرقةٍ سیماهم التحالق (مناوی ص ۹۰) (حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا جو آپؐ کی امت میں ایک فرقہ کی صورت میں پیدا ہوں گے ان کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ سر منڈوائے ہوئے ہوں گے)۔

....

(۲/۲۴) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَ دُوْنَ الْوَفْرَةِ ..

ترجمہ! ہمیں ھناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے اخذ کی اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک ایسے پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں ان سے زیادہ تھے اور اُن سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے تھے۔

راویانِ حدیث (۹۳) عبدالرحمٰن بن ابی الزنادؒ (۹۴) ھشام بن عروہؒ (۹۵) عن ابیہؒ اور (۹۶) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت کنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ من اناءٍ واحد ... کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ افادت الحکایة الماضیة بصیغة المضارع استحضارًا للصورة المتقدمة واشارة الی تکراره واستمراره ای اغتسلت مکرراً (جمع ص ۹۱) (کہ حضرت عائشہؓ کا گذشتہ واقعہ کو بصیغہ فعل مضارع نقل کرنے میں سابقہ (اغتسالٌ) کی صورت کا استحضار اور اس کے استمرار اور تکرار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یعنی (ہم دونوں کا ایک برتن سے غسل کرنا) کئی بار کیا ہے)

زوجین کا ایک برتن سے غسل:

من اناء واحد کو امام بخاریؒ نے قدح سے تعبیر کیا ہے وحدده البخاری بالقدح (اتحافات ۶۵) (امام بخاریؒ نے اناء کی تعبیر قدح (کاسہ) سے کی ہے) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) بعض علماء کرام نے مردوں کے لئے فضل المرأة (عورت کے بقیہ اور زائد) پانی سے غسل کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی مردوں کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔ وعلیه الجمهور (جمع ص ۹۲) (جمہور علماء کا یہی مذہب ہے)

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین کے لئے فضل الرجل (مرد کے بقیہ) پانی کے ساتھ طہارت جائز ہے اور اس کے بالعکس ناجائز ہے۔

(۳) بعض نے عدم جواز کو ان کے علیحدہ علیحدہ خلوت میں پانی کے استعمال کی صورت میں بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کی صورت پر حمل کیا ہے اور جواز کو اس صورت پر حمل کیا ہے جب دونوں اکٹھے غسل کریں۔

تطبیق کی صورتیں:

وعلی تقدیر صحة الجمیع یمکن الجمع بحمل النهی علی ما تساقط من الاعضاء والجواز علی مابقی فی الاناء بذلک جمع الخطابی وجمع بعضهم بان الجواز فیمااذا اغترفامعاً والمنع فیما اذا اغترف احدهما قبل الآخر وبعضهم حمل النهی علی التنزیه والفعل علی الجواز وهو الظاهر والله اعلم بالسرائر (جمع ص ۹۲) یعنی اگر ان تمام نہی اور جواز کی صورتوں کو درست تسلیم کرلیا جائے تو بھی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نہی کو اس پانی کے استعمال پر محمول کیا جائے جو اعضاء (کے

دھونے) سے گر جائے اور جواز کو اس پانی پر محمول کیا جائے جو برتن میں بچ جائے، علامہ خطابیؒ نے اسی طرح مختلف روایات کو جمع کیا ہے اور بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ میاں، بیوی کا ایک ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرنا تب جائز ہے جب دونوں ایک ساتھ چُلو سے پانی اٹھائیں اور ممانعت اس صورت میں ہے جب ایک، دوسرے سے پہلے چُلو بھر لے۔ بعض نے نہی کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے اور آپؐ کے فعل کو جواز پر اور یہی ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ہی بھیدوں اور حقیقتِ حال کو بہتر جانتے ہیں۔

ایک برتن سے غسل اور مسئلہ ستر:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) ایک برتن سے غسل میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ غسل یکے بعد دیگرے کیے ہوں ۔ومن المعلوم تقدمه صلى الله عليه وسلم كما هو شأن الادب ۔ یعنی اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے پہلے غسل کیا ہوگا جیسا کہ ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔

(۲) اور اگر یکجا غسل کرنے کی صورت فرض کر لی جائے تو یقیناً دونوں کے درمیان حجاب ہوگا كما هو الظاهر من جمال حالها و كمال حيائهما (جیسا کہ یہی ان دونوں کے کمال حیا کا تقاضا بھی ہے اور ظاہر بھی)

(۳) اور تقدیرِ تکشف کی صورت میں یقیناً ایک دوسرے کی عورت پر عدم نظر ہوتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے عن عائشة رضى الله عنها ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا تھا) جبکہ حضور اقدسؐ تو سیدہ عائشہؓ سے زیادہ حیا والے تھے وقد ورد ايضاً فى رواية عنها مارأيت منه ولا رأى منى يعنى الفرج (جمع ص ۹۱) یعنی نہ تو میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو دیکھا تھا اور نہ آپؐ نے میری شرمگاہ کو دیکھا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو

حضرات ننگے نہاتے تھے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کا محل ستر اور آپؐ نے میرا محل شرم کبھی نہیں دیکھا نیز برتن کے ایک ہونے سے بھی اس پر حجت نہیں اس کی کئی صورتیں ایسی بنتی ہیں کہ غسل بھی ہو جائے اور دوسرے کے سامنے ننگا بھی نہ ہونا پڑے البتہ اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل)۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد :

بعض معتزلی فکر رکھنے والے اور بعض منکرین حدیث، ایسی احادیث کو بہت ہی غلط معانی پہناتے ہیں جن سے ایک مومن کا دل دکھ جاتا ہے حضور اقدس ﷺ تو مجسمہ شرم وحیا تھے اللہ تعالیٰ ایسی بے ہودہ، غلط عقیدوں اور باتوں سے اپنی امان میں رکھیں، مزید تنویر وتوضیح کے لئے استاذی المکرّم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد گرامی بھی مِن وعَن نقل کر دیا جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ایک برتن پر جمع ہو جاتے تھے اور بعض اوقات مرد پہلے وضو کر لیتے عورتیں بعد میں اور کبھی عورتیں پہلے اور مرد بعد میں جس کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں تین صورتیں اصل الاصول (بنیادی) ہیں۔

(۱) **فضل طهور رجل** (۲) **فضل طهور مرأة** (۳) **فضل طهور هما** (۱) مرد کے طہور (وضو غسل) کا بقیہ پانی (۲) عورت کے طہور کا بقیہ پانی (۳) دونوں کے طہور کا بقیہ پانی)

مذکورہ ہر سہ صورتوں میں طہور عام ہے جو غسل اور وضو دونوں کو شامل ہے اس اعتبار سے چھ صورتیں متحقق ہوتی ہیں پھر ان چھ صورتوں میں **مرأة** (عورت) عام ہے جو اجنبی وغیر اجنبی دونوں کو شامل ہے لہذا ۲×۶ کے نتیجے میں ۱۲ صورتیں متحقق ہوتی ہیں اب اگر ایک برتن سے وضو کرتے وقت یا غسل کے وقت ایسے مرد عورتیں جمع ہو گئے جو آپس میں محارم تھے یا زوجین تھے یا اجنبی تھے، تو اس صورت میں سب کا وضو یا غسل بالاتفاق جائز ہے اور **فضل طهور الرجل للمرأة** (مرد کے طہور کا بقیہ پانی عورت کیلئے) کی صورت بھی بالاتفاق جائز ہے اور **فضل طهور المرأة للرجل** کہ عورت نے اس برتن سے وضو کیا یا غسل، اس کے بعد مرد اسی کاسہ میں بچے ہوئے پانی سے غسل یا وضو کرنا چاہے تو اس صورت میں

اختلاف ہے۔امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اورامام شافعیؒ فضل طھور المرأۃ للرجل (عورت کے طہور(وضوغسل) کے بقیہ پانی کومرد کے لئے) کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فضل طھور المرأۃ للرجل (عورت کےطہور(وضوغسل) کے بقیہ پانی کومرد کیلئے) کی دونوں صورتوں (وضو اورغسل) کومکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں گو بارہ صورتوں میں صرف دوصورتیں ایسی ہیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ کا اختلاف ہے باقی دس صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

جمہوراہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ اگر مرداورعورتیں دونوں بیک وقت ایک برتن سے وضو یاغسل کریں تو جائز ہے۔امام طحاویؒ اپنی کتاب شرح معانی الاثار میں اس کی وجہ جواز تحریر فرماتے ہیں کہ جب رجال ونساء ایک جگہ پڑے برتن سے وضوکریں' چلو سے پانی لیتے ہیں یا کسی چھوٹے برتن سے اوراپنے بدن پرڈالتے ہیں اولاً تو وہ ایک دوسرے کالحاظ کرتے ہیں پانی کے بہانے میں محتاط رہتے ہیں اوراگرکسی فریق (مردیاعورت) سے اس میں بے احتیاطی ہوجاتی ہےتو دوسرا اس کو ٹوک سکتا ہے لہذا اس صورت کے پیش نظر مردوعورت دونوں کواطمینان ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

کنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ... حدیث باب عورتوں اورمردوں کے اکٹھاوضوکرنے کے جواز پردال ہےاوراگردونوں اجنبی تھےتو ان کا پردہ ضروری ہے یانہیں اوراگر ہےتو اس کی کیا صورت ہے یہ ایک مستقل بحث ہے جواپنے مقام پرآئے گی۔

اغتسل سے گو''غسل'' کا جواز ثابت ہورہاہےمگر یہ بھی اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ وضوبھی جائز ہے کیونکہ غسل جائز ہےتولامحالہ وضوتو بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

امام طحاویؒ نے اس حدیث سے طھور فضل الماء (بقیہ پانی کے پاک ہونے) کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اجتماعی طور' معیت کی صورت میں وضواورغسل کوجائز قراردیاہےتو یہ اس امرکوبھی مستلزم ہے کہ علیحدہ علیحدہ صورت میں عورت کا بچاہواپانی مرد کے لئے اور مردکا فضلِ وضوعورت کے لئے جائز ہے کیونکہ معیت کی صورت میں ہردونوں (مردوعورت) جب

دوسرا چلو بھرتے ہیں تو وہ دوسرے کا فضل ہے جب کہ اجتماعی صورت میں تو اس کے جواز پر سب کا اجماع ہے تو انفرادی صورت میں بھی جوازِ فضل پر سب کا اجماع لازم آتا ہے (حقائق السنن جلد اص ۲۷۲) ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں فضلِ ماء کا مسئلہ ہی نہ ہو بلکہ اناء واحد کا بتلانا مقصود ہو کہ غسل کے لئے ہم ایک ہی برتن استعمال کرتے تھے کہ اسی میں پانی ڈال کر پہلے آپؐ اور پھر دوبارہ اسی برتن میں پانی ڈال کر میں غسل کرتی تھی۔ کیونکہ من اناء واحد کے ساتھ بماء واحد ضروری نہیں۔

فوق الجمّة دون الوفرة :

وکان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة ... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک جُمّہ یعنی گردن سے اوپر اور وفرہ یعنی کانوں کی لو سے نیچے ہوتے تھے۔ صفحہ نمبر ۱۰۸، ۱۰۹ پر اس کی تفصیل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر بال کانوں کی لو تک ہوں تو وفرہ ' گردن تک ہوں تو لـمّہ اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو جُـمّـہ کہلاتے ہیں۔ بہر حال بال ایک اضافی امر ہیں جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جب بال بنوانے میں تاخیر ہو جاتی تو بڑھ کر گردن تک آجاتے کبھی مزید تاخیر ہوتی تو کاندھوں تک' یہ مختلف کیفیات مختلف روایات میں منقول ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

روایات میں تطبیق:

(۱) احمد عبد الجواد الدومی لکھتے ہیں وهـذه الرواية تخالف رواية ابی داؤد (فوق الوفرة ودون الجمة) ولعل الجمع بينهما ان تقول ان رواية ابی داؤد بالنسبة لكثرة الشعر ورواية الترمذی بالنسبة لوصول الشعر ' قال ابن حجر وهو جمع جيّد (اتحافات ص ۲۵) یعنی یہ روایت ابوداؤد کی روایت (فـوق الـوفرة ودون الجمّة) کے خلاف ہے (کیونکہ یہاں اس روایت میں فوق الجمّه دون الوفره ہے)

ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یوں ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں بالوں کی کثرت کی نسبت سے فوق الوفرة ودون الجمّة کا کہا گیا ہے اور ترمذی کی اس روایت میں وصولِ شعر کی نسبت سے فوق الجمّہ دون الوفرہ کا ذکر ہے۔ابن حجرؒ نے اس تطبیق کو عمدہ قرار دیا ہے۔

اکثر محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ مقصد وفرة اور جمة کے بین بین بیان کرنا ہے۔

ابوداؤد کی روایت (دون الجمة فوق الوفرة) میں یا تو قلبِ راوی ہے اور روایت مقلوب ہے یا معنی ظاہری بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ کثرت اور قلت یعنی بالوں کی مقدار بتانا ہے کہ جمّہ سے کم اور وفرہ سے زائد تھے۔

(۲) لفظ فوق اور دون اضداد میں سے ہیں یعنی کم اور زیادہ کے معنی میں مستعمل ہو سکتے ہیں۔تو روایت باب میں فوق الجمّة و دون الوفرة کے معنی یہ ہوں گے کہ جمّہ سے کم اور وفرہ سے زیادہ یعنی اس روایت میں فوق کا معنی کم اور دون کا معنی زیادہ ہوا اور ابوداؤد کی روایت فوق الوفرة ودون الجمّة کے معنی وفرہ سے زیادہ اور جمّہ سے کم۔یعنی ابوداؤد کی روایت میں فوق کا معنی زیادہ اور دون کا معنی کم کا ہوا تو پھر بالوں کا محل ایک ہی ہوا کہ گردن سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے (واللہ اعلم) گویا حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک وفرۃ اور جمة کے بین بین ہوا کرتے تھے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کان (شعرہ) متوسطاً بین الجمة والوفرة (مواهب ص ۴۶)

(۳) بعض حضرات نے لفظِ ’’ دون ‘‘ کو اپنے معروف معنیٰ میں لیا ہے تو اس صورت میں معنیٰ ہوں گے جمة سے بھی کم اور وفرة سے بھی کم یعنی وہ انصافِ اذنین (کانوں کے نصف) تک ہوں گے جیسا کہ باب ھذا کی حدیث اول میں اس کی تصریح ہے اور بطور ترقی کے فوق الجمة دون الوفرة (جمہ سے اونچے اور وفرہ سے نیچے) کہا گیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانے میں اس سے زائد اس لئے حضور اقدس ﷺ کا سر

منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کیے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ نقل کیے۔ بعض علماء نے اس طرح پر بھی جمع فرمایا کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسطِ سر مبارک اس سے نیچے تک اور اخیر سر مبارک کے مونڈھوں کے قریب تک (خصائل ۳۴)۔

(۲۵/۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيْعٍ اَخْبَرَنَااَبُوْقَطَنٍ حَدَّثَنَاشُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بُعَيْدَ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمَّتُهٗ تَضْرِبُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیعؒ نے بیان کیا انہیں ابوقطنؒ نے خبر دی اور انہیں شعبہؒ نے بیان کیا جنہوں نے ابواسحٰقؒ سے روایت کی ہے اور انہوں نے براء بن عازبؓ صحابی رسول سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ متوسط القامۃ تھے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کا درمیان وسیع تھا آپؐ کے بال کانوں کی لوتک ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۹۷) احمد بن منیعؒ اور (۹۸) ابوقطنؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الجمّة کی مزید تشریح !

وکانت جمته، تضرب شحمة اذنيه اور آپؐ کے بال مبارک کانوں کی لوتک پہنچتے تھے۔ حدیث کا یہی جملہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے۔

احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں فهذا يرجع لمعظمه ای الشعر، واما المستدق منه فكان يصل الى المنكبين (اتحافات ص ٦٦) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وقيل لم يرد بالضرب البلوغ والانتهاء بل اراد انه كان يرسلها الى اذنيه ومحاذ اتهما ويحتمل ان يقال الجمة فی هذا الحديث بمعنى الوفرة كما ذهب اليه الزمخشری من انهما مترادفان وان الجمة هی الشعر الى الاذن ووقع فی ديوان الادب

ان الجمۃ ھی الشعر مطلقاً (جمع ص ۹۳) یعنی" الضرب" کے لفظ سے بالوں کی غایت لمبائی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ بالوں کو دونوں کانوں اوران کے محاذات (برابری) تک چھوڑتے تھے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس حدیث میں ''جُمّہ'' بمعنیٰ' وفرہ '' کے ہو۔جیسا کہ زمخشریؒ نے بھی اس کواختیار کیاہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں ۔ پھر یہ کہ کانوں تک پہونچے ہوئے بالوں کو' جمّہ'' کہتے ہیں اور'' دیوان الادب'' میں ہے کہ'' جُمّہ'' مطلق بالوں کو کہتے ہیں۔

(۲۶/۴)حَدَّثَنَامُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے ۔اُن کو وہب بن جریر بن حازم نے خبردی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے والد نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ' نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔

راویان حدیث (۹۹) وہب بن جریرؒ (۱۰۰) حدثنی ابی اور (۱۰۱) حضرت قتادہؒ کے حالات'' تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث باب کی تشریح:

قال قلت لانس ... قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدسؐ کے بال مبارک کیسے تھے قال لم یکن بالجعد ولا بالسبط آپؐ کے بال نہ تو شدید گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے یعنی ان میں کسی قدر گھنگھریالہ پن پایا جاتا تھا۔

اور آپؐ کے بال مبارک کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔اس طوالت کو عرف میں وفرہ کہتے ہیں اس کی مفصل تشریح صفحہ نمبر ۱۰۸ پر لکھی جاچکی ہے۔

(۵/۲۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيُّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهٗ اَرْبَعُ غَدَآئِرَ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحیٰ بن ابی عمر مکی نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان بن عیینہ نے انہوں یہ روایت نقل کی ابن ابی نجیح سے اور انہوں نے مجاہد سے روایت اخذ کی۔ مجاہد نے امِ ھانی بنت ابی طالب سے روایت لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔

راویان حدیث (۱۰۲) محمد بن یحیٰ بن ابی عمرؒ (۱۰۳) سفیان بن عیینہؒ (۱۰۴) ابن ابی نجیحؒ (۱۰۵) مجاہدؒ اور (۱۰۶) حضرت ام ھانیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وله اربع غدائر کی تحقیق:

قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا مكة قَدْمَةً وَلَهٗ اربعُ غدائِرَ جب آپ مکۃ المکرّمہ میں ہمارے پاس تشریف لائے قدمةً اى مرةً من القدوم'۔ (قدمۃ کا معنیٰ ایک بار جب آنا ہوا) اور یہ قدوم فتح مکہ کے موقع پر ہے۔

غدائر' غديرة کی جمع ہے بالوں کی لٹیں' زلفیں' چوٹی اور مینڈھی جو گندھی ہوئی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی کھلے طور پر تقسیم شدہ ہوں اس کے لئے ضفائر اور ذوائب کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے وقيل الغديرة هى الذوائبة والضفير فهى العقيصة (اتحافات ص ٦٧) ۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ غدیرہ وہ ذوائبہ ہے اور ضفیرہ وہ عقیصہ (قدرتی طور پر گندھی ہوئی) ہے) حضور اقدس ﷺ نے از خود کبھی بھی بالوں کی مینڈھیاں نہیں بنائیں بلکہ بعض اوقات قدرتی طور پر آپ کے بال مبارک چار حصوں میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کی طرح مینڈھیاں رکھنا مکروہ ہیں حدیث میں مینڈھیوں سے مراد وہی ہیں جن میں تشبّہ۔ (عورتوں سے مشابہت) نہ ہو کیونکہ تشبّہ کی آپ نے خود ممانعت فرمائی ہے۔

مکہ شریف قدوم ِ میمنت :

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قدومات اربعة لمكة عمرة القضاء وفتح مكة وعمرة الجعرانة ولحجة الوداع (جمع ص ۹۵)

گویا آپ ؐ نے مکۃ المکرّمۃ تشریف آوری چار مرتبہ فرمائی اولاً عمرۃ القضاء میں جو ہجرت کا ساتواں سال تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ پھر اسی سفر میں عمرة الجعرانة کے لئے جانا ہوا پھر ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر۔ اِمِ ھانئؓ کے گھر تشریف آوری فتح مکہ کے موقع پر ہوئی علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں وهذه المرة كانت في فتح مكة (مواهب ص ۴۸) وحينئذٍ اغتسل و صلى الضحىٰ في بيتها(جمع ص ۹۵) یعنی اس موقع پر آپؐ نے غسل فرمایا اور حضرت ام ھانیؓ کے گھر چاشت کے نوافل پڑھے۔

(۲۸/۶) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِلىٰ اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا، انہیں عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت معمر سے لی اور معمر نے اخذ کی ثابت بنانی سے وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بال مبارک نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۰۷) سوید بن نصرؒ (۱۰۸) عبداللہ بن مبارک (۱۰۹) معمرؒ اور (۱۱۰) ثابت البنانیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایرادِ حدیث کا مقصد:

ان شعر رسو ل الله ﷺ كان الى انصاف اذنيه یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک آپؐ کے نصف کانوں تک تھے اس مضمون کی حدیث اس باب کے آغاز میں بھی آچکی ہے۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ لکھتے ہیں باضافة الجمع الی المثنی کما فی قوله تعالیٰ فقد صغت قلوبکما والمراد بالجمع مافوق الواحد (مواھب ص ۴۸) (کہ اس حدیث میں اضافت جمع (انصاف) کی تثنیہ (اذنیہ) کی طرف ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے لفظِ قلوب کی اضافت کما ضمیر تثنیہ کو ہے اور جمع سے مراد ایک سے زائد ہونا ہے)

یعنی ''انصاف اُذُنَیه'' میں صیغہ جمع (اَنصاف) کی اضافت صیغہ تثنیہ (اُذنین) کی طرف ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے ارشاد ''فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا'' میں ہے اور قلوبکما میں جمع سے مراد مافوق الواحد ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمقصود من ایراد هذا الحدیث من روایة ثابت عن انس هنا مع ما تقدم من روایة حُمید عنه فی اول الباب تقویة الحدیث المذکور وانه روی باسنادین وانتفاء ما یتوهم من تدلیس حمید (جمع ص ۹۶) یعنی ثابت عن انس کی روایت سے اس حدیث کو یہاں لانا باوجود یہ کہ اسی طرح باب کے شروع میں حمید عن انس کی روایت مذکور ہے۔ دراصل اس کا مقصد حدیث مذکور کی تقویت اور یہ بات کہ یہ دوسندوں سے مروی ہے نیز ''حمید'' پر تدلیس کا جو توھم تھا، اس کا دفعیہ بھی مقصود ہے۔

....

(۲۹/۷) حَدَّثَنَا سُوَیْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ یُوْنُسَ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ الزُّھْرِیِّ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْدِلُ شَعْرَہٗ وَکَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَھُمْ وَکَانَ أَھْلُ الْکِتٰبِ یَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَھُمْ وَکَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَھْلِ الْکِتٰبِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ فِیْہِ بِشَیْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاْسَہٗ۔۔

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی' انہوں نے یونس بن یزید سے اور انہوں نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن

عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ نے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اوّلاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے پیچھے ڈال دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو پیچھے ڈال لیتے تھے۔
حضور اقدس ﷺ ابتداءً ان امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے (لیکن اس کے بعد یہ منسوخ ہوگیا اسلئے کہ حضور اقدس ﷺ مخالفتِ اہل کتاب کرنے لگے) اور پھر آپؐ نے سر کے بالوں میں مانگ نکالنا شروع کر دیا تھا۔
راویان حدیث (۱۱۱) یونس بن یزیدؒ اور (۱۱۲) عبیداللہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سدلِ شَعر کی صورت:

کان یسدل شعره .. مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں کو مانگ نکالے بغیر پیچھے ڈال دیا کرتے تھے۔ **سدل یسدل** کا لفظی معنیٰ ہے پیچھے ڈالنا **وقيل السدل ان يرسل الشخص شعره من ورائه ولا يجعله فرقتين وهو المناسب للمقابلة بقوله وكان المشركون يفرقون (جمع ص ۹۶)** یعنی بعض حضرات نے کہا ہے کہ سدل یہ ہے کہ بالوں کو ویسے ہی پیچھے چھوڑ دے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم نہ کرے اور یہ تشریح مناسب ہے اس قول کے مقابلہ میں کہ ''مشرکین سر کے بالوں میں مانگ نکالتے تھے''۔
شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **اى يرسل شعره حول راسه (مواهب ص ۴۸)** یعنی بالوں کو سر کے اردگرد چھوڑ دیتے تھے اور ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ **وقيل على الجبين فيكون كالقصة (مواهب ص ۴۸)**۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ بالوں کو ماتھے پر گچھا کی مانند چھوڑ دیتے)

مانگ نکالنے میں مشرکین اور اہل کتاب کا عمل:

وكان المشركون يفرقون رؤسهم یعنی مشرکین لوگ اس زمانے میں سر کے بالوں میں فرق نکالتے تھے۔ **یفرقون** چاہے مجرد ہو چاہے باب افعال سے ہو یا باب تفعیل سے سب کا معنیٰ ایک

ہے وقال العسقلانیؒ الفرق قسمة الشعر والمفرق وسط الراس واصله من الفرق بین الشیئین (جمع ص ۹۶) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: فرق، بالوں کے تقسیم ہونے کو کہتے ہیں جبکہ مَفْرَق سر کے بیچ کو کہتے ہیں)۔ اوراس کا مادہ اور بنیاد دو چیزوں کے درمیان فرق (فاصلہ) کرنا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے والفرق قسم الشعر قسمین علی الیمین والیسار وھو ضد السدل الذی ھو الارسال من سائر الجوانب (اتحافات ص ۶۸) یعنی فَرَق بالوں کو دو حصوں، دائیں اور بائیں پر تقسیم کرنے کو کہتے ہیں اور یہ سدل کی ضد ہے، سدل سارے اطراف سے بال چھوڑنے کو کہتے ہیں۔

موافقتِ اہل کتاب کی توجیہات:

وکان اھل الکتاب ... یعنی اہل کتاب عام طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے بلکہ بالوں کو پیچھے ڈال دیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ ایسے امور میں جن میں بذریعہ وحی کوئی حکم نہیں آتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جو مشرکین سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بہتر تھے۔

اہل کتاب کی موافقت پر علماء نے توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) یہ أھون البلیتین (دو مصیبتوں میں سے آسان کو) اختیار کرنے کے قبیل سے ہے کیونکہ مشرکین کے تو سب اعمال شیطانی ہوتے ہیں جب کہ اہل کتاب کے اعمال اور روایات میں آسمانی ہونے کا احتمال بھی ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ بعض احادیث اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اہل کتاب کی بھی مخالفت کی گئی ہے شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں۔ کہ

(۱) یہ تو اثرِ صحابی ہے اور وہ احادیث مرفوعہ صحیحہ ہیں لہذا تعارض نہ ہوگا۔

(۲) یا اسے ابتداء اسلام پر حمل کیا جائے گا کہ آپؐ نے اہل کتاب کے تالیفِ قلوب کے لئے ان کے اعمال کی موافقت اختیار فرمائی، ان اعمال میں ایک عمل مانگ نکالنا بھی تھا لیکن پھر جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اسلام مستغنی ہوگیا تو پھر خالفوھم (کہ ان کی مخالفت کرو) کا حکم دیا گیا تو یہ روایت منسوخ ہوگی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں جن امور میں حضور اقدس ﷺ کو احکام نہیں ملے تھے اور وحی نازل نہ ہوئی تھی ان امور میں موافقتِ اہل کتاب کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں ایک غرض تو تالیفِ قلوبِ اہل کتاب تھی (جیسا کہ پہلے بھی یہی عرض کیا جاچکا ہے) کہ بتوں کے پجاریوں کے خلاف ان کی انگیخت کی جائے۔

ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں فلما اغناه الله تعالیٰ عن ذلک واظهر الاسلام خالفهم فی امور کصبغ الشيب وغيرذلک انتهى حيث ورد ان اهلٰ الكتاب لا يصبغون فخالفوهم ومنها صوم يوم عاشوراء. ثم امر بنوع مخالفة لهم فيه بصوم يوم قبله او بعده ومنها استقبال القبلة ومخالفتهم فی مخالطة الحائض ومنها النهی عن صوم يوم السبت وقد جاء ذلک من طرق متعددقفی النسائی وغيره وصرح ابوداؤد بانه منسوخ وناسخه حديث ام سلمة انه صلى الله عليه وسلم كان يصوم يوم السبت ويوم الاحد يتحرى ذلک ويقول انهما يوما عيد الكفار وانا احب ان اخالفهم وفی لفظ مامات رسول الله ﷺ حتى كان اكثر صيامه يوم السبت .والاحد اخرجه احمد والنسائی واشار بقوله يوما عيد ان السبت عيد اليهود والاحد عيد النصارى وقال آخرون يحتمل انه امر باتباع شرائعهم فيما لم يوح اليه بشئی وعلم انهم لم يبدلوه (جمع ص ۹۷)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اہل کتاب کی موافقت سے مستغنی کیا اور اسلام کو غالب کیا تو آنحضرتؐ نے کئی امور میں اہل کتاب کی مخالفت کی جیسا کہ (داڑھی کے) سفید بالوں میں مہندی لگانا وغیرہ۔روایت میں ہے کہ اہل کتاب سفید بالوں میں مہندی نہیں لگاتے لہذا تم (مسلمان) ان کی مخالفت کرو،اسی طرح عاشوراء کے دن کے روزہ میں بھی آپؐ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے پھر یوم عاشوراء سے ایک روز قبل یا ایک روز بعد کا ملانے کا حکم دیا تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہوجائے اسی طرح استقبالِ قبلہ، حائضہ عورت کے ساتھ نشست وبرخاست اور ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں بھی ان کے ساتھ مخالفت کا حکم فرمایا۔تاہم نسائی وغیرہ میں متعدد طرق سے یہ روایت مروی ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کا حکم منسوخ ہے۔امام ابوداؤد نے اس کے ناسخ کی تصریح کی ہے جیسا کہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ رکھنے کو پسند کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ دو

اگران کے گناہوں کو میری عاجزی و دعا کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے تو یہ تیرا عین فضل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دھراتے رہنا اللہ تعالیٰ کی دو صفات عدل و مغفرت کے متحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔

تمام رات سے مراد پچھلی رات کا قیام ہے، جو تہجد کے وقت آپ ؐ کا معمول تھا۔ ایک آیت کی مسلسل تلاوت یہ آپ ؐ کا امتیازی عمل تھا، خاص حالات و کیفیات اور وجدان کے پیشِ نظر ایسا ہو جاتا تھا۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ایک رات صرف ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کر دی۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔(یٰسین:۵۹)(اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے گناہگارو)۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ، **ويؤخذ منه جواز تكرار الآية فى الصلاة و لعل ذلك كان قبل النهى عن القراءة فى الركوع والسجود فلاينافيه خبرمسلم نهيت ان أقرأ القران راكعا و ساجدا على ان النهى للتنزيه فيكون فعله لبيان الجواز** (مواہب ۲۱۰)(حدیث پاک سے ایک ہی آیت کا پوری نماز میں بار بار پڑھنے کا جواز معلوم کیا جا سکتا ہے اور شاید کہ یہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اس لئے یہ حدیث مسلم کی منافی نہ ہوا جس میں ہے کہ مجھے روکا گیا کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نہی (رکوع سجدہ میں) تنزیہی ہو تو آپ ؐ کا یہ فعل و عمل بیان جواز کے لئے ہوا) **أو ان القراءة قصد بها الدعاء والتضرع و طلب المغفرة من الله العزيز الحكيم** (اتحافات ص ۳۲۰)(یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرأت سے ارادہ دعا، تضرع عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کی درخواست ہو)

صاحب اتحافات کی توجیہ کو علامہ ملا علی قاریؒ نے دوسرے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ **و يمكن ان يقال المعنى كان يركع و يسجد بمقتضى تلك الآية مما يتعلق بمبناها و يترتب**

(۳۰/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخبَرَنَا عَبْدُ الرَّحمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَافِعِ الْمَكِّيِّ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِيٍّ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَآئِرَ اَرْبَعٍ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشارؒ نے بیان کیا انہیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی انہوں نے روایت ابراہیم بن نافع مکی سے نقل کی اور انہوں نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے۔ وہ مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے اُمِّ ھانیؓ کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے۔ اُمِّ ھانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔

راویانِ حدیث (۱۱۳) عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور (۱۱۴) ابراہیم بن نافع المکی کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

روایات باب میں تطبیق :

حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے متعلق چونکہ روایات میں اختلاف ہے اس لئے ملا علی قاریؒ تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں **فهذه ست روايات الاولىٰ نصف اذنيه الثانية الى شحمة اذنيه الثالثة بين اذنيه وعاتقه الرابعة انه يضرب منكبيه الخامسة قريب منه السادسة له اربع غدائر** یعنی (بالوں کی درازی سے متعلق)۔

یہ کل چھ روایات ہیں پہلی روایت میں ہے کہ بال مبارک دونوں کانوں کے نصف تک تھے، دوسری روایت : کانوں کی لو تک تھے، تیسری روایت: کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے، چوتھی روایت: شانوں سے لگے ہوئے تھے، پانچویں روایت: شانوں کے قریب تھے، چھٹی روایت: اس کے چار مینڈھیاں تھیں۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ تطبیق وتوفیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد جمع القاضى عياض بينهما بان من شعره ما كان فى مقدم رأسه وهو الذى بلغ نصف اذنيه وما بعده وهو الذى بلغ شحمة اذنيه والذى يليه هو الكائن بين اذنيه وعاتقه وما كان خلف الراس

هوالذی یضرب منکبیه او یقرب منه وجمع النووی تبعالابن بطال بان الاختلاف کان دائراً علی حسب اختلاف الاوقات فی تنوع الحالات فاذا قصره کان الیٰ انصاف اذنیه ثم یطول شیئاً فشیئاً واذا غفل عن تقصیره بلغ الیٰ المنکبین فعلی هذا ینزل اختلاف الرواة فکل واحد اخبر عما رآه فی حین من الاحیان وکل من هٰذین الجمعین لایخلو عن بعد امااالاول فلان الظاهر ان من وصف شعره صلی الله علیه وسلم اراد مجموعه اومعظمه لاکل قطعةمنه واما الثانی فلانه لم یرد تقصیر الشعر منه صلی الله علیه وسلم الا مرة واحدة کما وقع فی الصحیحین فالاولیٰ الجمع بانه صلی الله علیه وسلم حلق راسه فی عمرته وحجته وقال بعض شراح المصابیح لم یحلق النبی راسه فی سنی الهجرة الا فی عام الحدیبیة ثم عام عمرة القضاء ثم عام حجة الوداع فاذا کان قریباً من الحلق کان الی انصاف اذنیه ثم یطول شیئاً فشیئاً فیصیر الی شحمة اذنیه وبین اذنیه وعاتقه وغایة طوله ان یضرب منکبیه اذا طال زمان ارساله بعد الحلق فاخبر کل واحد من الرواة عمارآه فی حین من الاحیان واقصرها ماکان بعد حجة الوداع فانه توفی بعدها بثلاثة اشهر (مواهب ص ۴۹) یعنی قاضی عیاضؒ نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصہ پر جو بال تھے وہ کانوں کے نصف تک پہنچے ہوئے تھے اس سے متصل بال کانوں کے لوتک پہنچے ہوئے تھے اس کے نیچے حصہ کے بال کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے جبکہ سر کے پیچھے حصہ کے بال شانوں سے لگے ہوئے تھے یا ان کے قریب تھے۔ علامہ نوویؒ نے ابن بطال کی متابعت میں یوں تطبیق دی ہے کہ حالات اور اوقات کے اختلاف کی وجہ سے روایات میں اختلاف ہوا۔ پس جب آپؐ قصر فرماتے تو کانوں کی نصف تک ہوتے پھر تھوڑے تھوڑے بڑھ جاتے اور جب آپؐ بالوں کی قصر پر توجہ نہ دیتے تو وہ بڑھ کر کبھی کندھوں تک پہنچ جاتے اس طرز عمل کی وجہ سے راویوں میں بھی اختلاف ہوا، لہٰذا جس راوی نے آپؐ کے بالوں کو جس حالت (قصر یا درازی) پر دیکھا، اس طرح اس کو بیان کیا تاہم مذکورہ دونوں تطبیقات بُعد سے خالی نہیں ہیں پہلی تطبیق تو اس وجہ سے کہ جس راوی نے آپؐ کے بالوں کی صفت بیان کرنا چاہی تو اس نے آپؐ کے مجموعی یا اکثر بالوں کی صفت بیان کی ہے نہ کہ سر کے ہر حصہ کے بالوں کی اور دوسری تطبیق میں بُعد یوں ہے کہ آپؐ سے قصر ایک مرتبہ ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں

ہے۔اب مختلف روایات میں جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ ؐ نے حج وعمرہ میں بالوں کا حلق فرمایا ۔مصابیح کے بعض شراح فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے سالوں میں سر کا حلق نہیں فرمایا البتہ حدیبیہ کے سال حلق فرمایا تھا پھر عمرۃ القضاء کے سال اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حلق فرمایا پھر اگر حلق کرنے کے بعد کا زمانہ قریب ہوتا یعنی تھوڑا تو پھر وہ کانوں کے نصف تک ہو جاتے ۔ پھر ہونے ہوتے بال بڑھ جاتے تو کانوں کی لو تک پہنچ جاتے ، پھر کانوں اور کندھوں کے درمیان تک پہنچ جاتے اور آپ ؐ کے بالوں کی زیادہ سے زیادہ درازی جب حلق کرنے کے بعد زیادہ وقت گزر جاتا ، اتنی ہوتی کہ وہ شانوں تک پہنچ جاتے ،تو ہر راوی نے جس وقت ، جس حالت میں آپ ؐ کے بال دیکھے اس کے بارے میں اسی طرح خبر دی حجۃ الوداع کے بعد آپ ؐ کے بال سب سے زیادہ چھوٹے تھے کیونکہ حجۃ الوداع کے تین مہینے بعد آپ ؐ کا انتقال ہوگیا۔

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ تَرَجُّلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرنے کا بیان

احادیث باب کا مضمون:

اس باب میں حضور اقدس ﷺ کے مانگ نکالنے، کنگھی کرنے، تیل لگانے، سراقدس کے مبارک بالوں کو پاک صاف اور آراستہ کرنے وغیرہ کی کیفیات کا ذکرِ خیر ہے۔

تَرَجُّلَ اور رَجَّلَ بابِ تفعّل اور تفعیل دونوں سے آتا ہے۔ ترجّل کا لغوی معنیٰ پیدل چلنا اور ترجیل کا معنیٰ کنگھی کرنا ہے اسی کو تسریح الشعر بھی کہتے ہیں یعنی کنگھی پھیر کر بالوں کو سنوارنا رَجَّلَ کا ایک معنیٰ باندھنا بھی ہے کہتے ہیں رجّلتُ شاۃً یعنی میں نے بکری باندھی۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ الترجّل والترجیل تسریح الشَعر وتنظیفه وتحسینه (جمع ص ۹۹) یعنی تَرَجُّل اور تَرْجِيْل دونوں کا معنی ہے بالوں میں کنگھی کرنا ان کو صاف کرنا اور سنوارنا۔ بعض احادیث میں لفظِ ترجیل (بابِ تفعیل) کے آنے کے باوجود مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں ترجّل (بابِ تفعّل) کو اختیار فرمایا ہے یہ دونوں کے ترادف کو اشارہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس باب میں وارد احادیث میں بابِ تفعّل زیادہ استعمال ہوا ہے۔

کنگھی کرنا مندوب ہے:

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ترجّل بابِ نظافت سے ہے یعنی بالوں کا صاف ستھرا رکھنا درست کرنا، کنگھی دینا ستھراپن ہے اور یہ مندوب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے خذو ا زینتکم عند کل مسجد (سورہ اعراف ۳۱) (لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت) اور یہ کہ ظاہر باطن کا عنوان اور ترجمان ہوتا ہے ظاہر صاف ہوگا تو باطن متاثر ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ النظافة من الایمان (پاکیزگی ایمان میں سے ہے) اور ایک ارشاد یہ بھی ہے ان اللّٰہ تعالیٰ نظیف یحب النظافة وفی خبر ابی داؤد من کان له شعر فلیکرمه (مواهب ص ۴۹) اللہ تعالیٰ پاک وصاف ہے اور صفائی، ستھرائی کو پسند کرتے ہیں ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جس کے بال ہوں تو اسے ان بالوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔

مؤطا میں روایت ہے عن عطاء بن یسارٍ ان رسول اللہ ﷺ رای رجلا ثائر الشعر واللحیة فاشار الیه باصلاح راسه ولحیته (جمع ص ۱۰۰)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپ ؐ نے اسے سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرنے کا فرمایا۔ واما ماورد من النهی عن الترجیل فهو نهی عن المبالغة لاعن الا صل (اتحافات ص ۷۱) یعنی کنگھی کرنے سے جو ممانعت آئی ہے تو وہ اس میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اصل کنگھی کرنے سے اس ترجمۃ الباب کے تحت مصنف ؒ نے پانچ احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۱ / ۳۱) حَدَّثَنَا اِسۡحٰقُ بۡنُ مُوۡسَی الۡاَ نۡصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعۡنُ بۡنُ عِیۡسٰی حَدَّثَنَا مَالِکُ بۡنُ اَنَسٍ عَنۡ هِشَامِ بۡنِ عُرۡوَةَ عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهَا قَالَتۡ کُنۡتُ اُرَجِّلُ رَاۡسَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَآئِضٌ .

ترجمہ ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا۔ انہیں معن بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ اُنہیں بیان کیا مالک بن انس نے ہشام بن عروۃ کے حوالے سے اور انہوں نے امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی ۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

راویانِ حدیث (۱۱۵) اسحٰق بن موسیٰ ؒ اور (۱۱۶) معن بن عیسیٰ ؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل

ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حالتِ حیض میں خدمتِ زوج کا شرعی حکم:

قالت کنت ..... اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اس حال میں کہ میں حائضہ ہوا کرتی یعنی ایام ماہواری میں ہوتی۔

وانا حائض ! یہ جملہ حالیہ ہے۔ حائضة (بہ صیغہ مؤنث) شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے کیونکہ علامت تانیث تو تذکیر و تانیث میں فرق کے لئے آتی ہے عند خوف اللبس (التباس کے اندیشہ کے وقت) جبکہ یہاں خود التباس ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حیض تو خاص ہے عورتوں کے ساتھ۔ فلا حاجة الی علامة التانيث الفارقة (مناوی ص ۱۰۰) لہذا فرق کرنے کے لئے علامتِ تانیث کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے ساتھ سوائے ہمبستری (مباشرت) کے مخالطت جائز ہے۔ علامہ شامیؒ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حیض کی حالت میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو مرد کا اپنے کسی عضو سے چھونا جائز نہیں ۔۔۔ نیز ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو برہنہ دیکھنا بھی جائز نہیں'' (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۸۶) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سر میں کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہ خدمت اپنی عورت سے لینا جبکہ وہ حالتِ حیض میں ہو، تب بھی جائز ہے۔

شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں وفيه حل استخدامها في غسل وطبخ وخبز وغيرها برضاها لا بدونه لان الواجب عليها تمكينه وملازمة بيته فحسب (مناوی ص ۱۰۱) یعنی اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنی عورت سے بدن دھلوانے اور کھانے پکانے کی خدمت لینا (اس کی رضامندی سے) جائز ہے۔ اس لئے کہ بیوی پر تو صرف خاوند کے گھر میں رہنا اور اس کو مباشرت پر قدرت دینا لازم اور ضروری ہے۔

ایک تعارض اور اس کا جواب:

یہ بات تو آغازِ باب میں عرض کر دی گئی کہ ترجّل باب نظافت سے ہے یعنی صفائی طہارت اور

پاکیزگی شریعت میں مطلوب ہے بظاہر اس کا البذاذة من الایمان (سادگی ایمان (کی علامات) سے ہے) اور رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابرہ (کبھی ایک پراگندہ بال اور غبار آلود شخص اگر اللہ کے نام پر قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے) سے تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق بھی کسی حد تک اس سے قبل عرض کر دی گئی مگر یہاں ذرا تفصیل سے وضاحت مقصود ہے۔

حضراتِ محدثین کرامؒ نے ان روایات میں تطبیق کی صورت یوں بنائی ہے کہ بذاذة کا معنیٰ ہر وقت اور ہر حال میں گندہ رہنے کے نہیں ہیں بلکہ مراد سادگی ہے اور سادہ رہنا اور سادگی نظافت کے منافی نہیں ہے اسی طرح دوسری حدیث ربّ اشعث اغبر الخ سے بھی یہ مراد نہیں کہ اشعث اور اغبر رہنا باعثِ فضیلت ہے یا محمود ہے بلکہ حدیث میں ایسے شخص کے اخلاص اور للّٰہیت کا بیان ہے کہ اس کا ظاہر تو فقر و غربت و ناداری کا ہے مگر باطن صفائی میں عظیم تر ہے اگر ایک شخص کو باطنی صفائی حاصل ہے مگر وہ اپنے ظاہری حالات اور مجبوریوں کے پیش نظر سادگی سے رہتا ہے اور رب اشعث اغبر الخ کا مصداق ہے پھر تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ سادگی نظافت کے ساتھ ہو تو وہ مطلوب ہے

(۳۲/۲) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسىٰ اَخْبَرَنَا وَكِيعُ اَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰى كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَيَّاتٍ .

ترجمہ! ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی وکیع نے۔ اُن کو خبر دی ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان رقاشی کے حوالے سے۔ وہ روایت بیان کرتے ہیں انس بن مالکؓ سے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔

راویان حدیث (۱۱۷) یوسف بن عیسیٰ (۱۱۸) ربیع بن صبیحؒ اور (۱۱۹) یزید بن ابانؒ کے حالات

''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا تیل، کنگھی کرنا:

قال کان رسول اللہ ﷺ یکثر دھن راسه وتسریح لحیته... حضور اقدس ﷺ سر کے بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی فرمایا کرتے تھے۔

یکثر اکثار سے ہے **والدھن مایدھن به من زیت وغیرہ (مناوی ص ۱۰۲)** (علامہ مناویؒ دھن کا معنیٰ یہ لکھتے ہیں کہ جو چیز بطور تیل لگانے کے استعمال کی جائے چاہے تیل ہو یا کوئی دوسری چیز) **دَھن** اگر دال کے فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہے بمعنیٰ تیل لگانے کے اور اگر دال کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اسم جامد ہے بمعنیٰ ''تیل'' کے تو اس وقت مضاف محذوف ہوگا **ای استعمال دھن رأسه** (یعنی وہ لفظ استعمال ہے مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنے سر مبارک میں تیل زیادہ استعمال کیا کرتے تھے) مقصود عام حالات کا بیان ہے یہ نہیں کہ ہر روز اور بالالتزام ایسا کرتے تھے لہذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بالالتزام کی نفی پر محمول ہے کہ استعمال دھن کو لوگ اپنے یومیہ معمول میں لازمی طور پر شریک نہ کرلیں۔ **تسریح** کا معنیٰ چرانا' چھوڑ دینا' رخصت کرنا' طلاق دینا' آسان کرنا' کھول دینا جب بالوں کے ساتھ تسریح آئے تو مراد کنگھی کرنا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **والمراد تمشیطها وارسال شعرها وحلها بمشطها (جمع ص ۱۰۲)** یعنی تسریح سے مراد بالوں میں کنگھی کرنا اور کنگھی سے اسے کھولنا، پھیلانا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں۔

(۱) **عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا اخذ مضجعه من اللیل وضع له سواکه وطهوره ومشطه فاذا هبه اللہ عزوجل من اللیل استاک وتوضا وامتشط** (جب آپؐ رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے تو آپؐ کے لئے مسواک، پانی اور کنگھی تیار رکھی جاتی تھی، جب آپؐ رات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اٹھ کھڑے ہوتے تو مسواک فرماتے، وضو کرتے اور کنگھی کرتے)۔

(۲) **عن عائشةؓ قالت خمس لم یکن النبی ﷺ یدعهن فی سفر ولا حضر المِرأة**

والمكحلة والمشط والمدراء (وفی رواية وقارورة دهن بدل المدراء) والسواک
(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں آپؐ کے ساتھ سفر وحضر میں ہمیشہ رہتی تھیں آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، ڈھیلا۔ اور ایک روایت مدراء کے بجائے تیل کی شیشی کا ذکر ہے۔ پانچویں چیز مسواک۔

(۳) عن عائشةؓ قالت كان لايفارق رسول الله ﷺ سواكه ومشطه وكان ينظر فی المِرأة اذا سرح لحيته (جمع ص ۱۰۲) یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسواک اور کنگھی ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہوتے، جب آپؐ داڑھی میں کنگھی فرماتے تو آئینہ میں دیکھتے۔

القِناع کا استعمال:

ویکثر القناع ' قناع 'نقاب گھونگھٹ' اوڑھنی' دوپٹہ اور سربند کو کہتے ہیں خرقة تلقى على الراس تحت عمامة بعد استعمال الدهن وِقاية للعمامة من اثر الدهن واتساخها به شبيه بقناع المَرأة.
(جمع ص ۱۰۲) (وہ کپڑا جو تیل استعمال کرنے کے بعد عمامہ کے نیچے سر پر رکھا جاتا ہے، تاکہ عمامہ تیل کے اثرات اور میل کچیل سے محفوظ رہے، یہ عورت کے نقاب کی طرح تھا)
حضور اقدس ﷺ تیل لگانے کے بعد اسے کثرت سے استعمال فرماتے تھے عرب بھی عموماً گرم آب وہوا کی وجہ سے باہر نکلتے وقت سر پر رومال وغیرہ ڈال لیا کرتے تھے جو نیچے گردن تک ڈھانپ لیا کرتا تھا جس سے وہ لوگ لُو لگنے سے محفوظ رہتے تھے حضور اقدس ﷺ سر پر کثرت سے تیل استعمال کرتے تو تیل لگانے کے بعد عمامہ کے نیچے کپڑے کا استعمال کا معمول تھا۔

ثوبِ زیّات سے تشبیہ پر اعتراض کے جوابات:

كأنّ ثوبه ثوب زيّات . زیّات 'زیتون کے تیل بنانے والے اور بیچنے والے کو یا مطلق تیل بنانے کو کہتے ہیں یعنی آپؐ کا سر مبارک پر ڈالا ہوا کپڑا تیلی کے کپڑے کی طرح تیل آلود نظر آتا تھا۔
بظاہر اس روایت پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تو طیّب اور نظیف تھے اور حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ يحب النظافة یعنی نظافت کو تو پسند ہی کرتے تھے جبکہ روایتِ زیر بحث میں ہے

کہ آپ کے سر کا کپڑا ثوب زیات کی طرح تیل آلود اور میلا کچیلا ہوتا تھا۔

شارحین حدیث اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

(۱) اولاً یہ روایت ہی کمزور ہے اور اس کے بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے۔

راویوں کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے اگر اس روایت کو ضعیف تسلیم کر لیا جائے پھر تو مزید جواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک اصول ہے کہ اگر راوی متکلم فیہ ہے یا ضعیف ہے مگر وضّاع اور کذاب نہیں ہے تو اس کی روایت کو تسلیم کر لیا جانا چاہیئے اس صورت میں محدثین حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپؐ کا صرف وہ رومال، جو آپؐ عمامے کے نیچے باندھا کرتے تھے مراد ہے تو صرف سر کے رومال کی آلودگی سے (اور وہ بھی جو صرف پاک تیل سے آلودہ ہو) آپؐ کی مجموعی نظافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) رومال کے استعمال کا مقصد بھی تو نظافت تھا کہ عمامہ آلودگی سے محفوظ رہے۔

(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حدیث میں کأنّ ثوبه ثوب زیّات (کہ آپ کے کپڑے تیلی کے کپڑوں جیسے ہوتے) آیا ہے مقصد یہ ہے کہ آپؐ کا کپڑا تیلی کے کپڑے کے ساتھ مشابہ تھا کہ تیل لگنے سے کپڑے کا رنگ بدل جاتا تھا اور اس پر تیل کا اثر نمایاں ہوتا تھا اور کسی کپڑے پر تیل کے اثر کے نمایاں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ میلا کچیلا بھی ہو یا اس سے کسی کی طہارت و نظافت بھی متاثر ہو۔

(۳/۳۳) حَدَّثَنَا هَنَّادُبْنُ السَّرِيّ اَخْبَرَنَا اَبُوْ الْاَحْوَصِ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ اَبِی الشَّعْثَآءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِیْ طُهُوْرِهٖ اِذَا تَطَهَّرَ وَفِیْ تَرَجُّلِهٖ اِذَا تَرَجَّلَ وَفِیْ اِنْتِعَالِهٖ اِذَا انْتَعَلَ.

ترجمہ! ہمیں ھناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالاحوص نے خبر دی۔ انہوں نے یہ

روایت اشعث بن ابی الشعثاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے بیان کی ہے وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت اخذ کی ہے آپؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں دائیں کو مقدم رکھتے تھے یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔

راویانِ حدیث (۱۲۰) ابوالاحوصؒ (۱۲۱) اشعثؒ (۱۲۲) عن ابیہ اور (۱۲۳) مسروق بن اجدع کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تیامن کی فضیلت:

قالت ان کان رسول الله ﷺ **لیحبُّ التیمُّنَ** کہ حضور اقدس ﷺ دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں **اِنْ مخففة من المثقّلة** ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے یعنی **انه لیحب**، اس میں لام دلیل ہے کہ **اِنْ نافیه** نہیں بلکہ **مخفّفه** ہے **واللّام فی قوله لیحب هی الفارقة بین المخففة والنافیة** (مواهب ص ۵۱)۔ (اور لیحب خبر پر لام کا داخل ہونا یہی ان مخففہ من المثقلہ اوران نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے) **تیامن** کا معنیٰ یہ ہے کہ افعال میں دائیں طرف سے شروع کیا جائے خواہ دایاں ہاتھ ہو، دایاں پاؤں ہو یا دایاں جانب۔ حضور اقدس ﷺ **تیامن** کو پسند فرماتے تھے البتہ **التیامن فیما له شرف و کرامة** (مناوی ص ۱۰۴) یعنی قابل تعظیم چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ **کانت ید رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم الیمنیٰ لطهوره وطعامه و کانت الیسریٰ لخلائه وما کان من اذیٰ** (رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ کھانے، پینے جیسے امور میں استعمال فرماتے تھے جبکہ بایاں ہاتھ استنجاء اور گھٹیا امور میں استعمال فرماتے)۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ولذالک قال النوویؒ **قاعدة الشرع المستمرة استحباب البداءة بالیمین فی کل ماکان من باب التکریم وماکان بضده فاستحب فیه التیاسر** (مواهب ص ۵۱) یعنی علامہ نوویؒ اس روایت کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ شریعت کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو کام قابل

قدر ہو، اس کو دائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے اور جو اس کے برعکس امور ہیں تو ان کو بائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی توضیح :

محدث کبیر امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ الحدیث استاذی الکریم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے۔ کہ چونکہ قدرتی طور پر بعض امور' افعال اور اشیاء حقیر خسیس اور گھٹیا پیدا کیے گئے ہیں اور بعض شریف اور اچھے اور اعلیٰ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں سے افضل بنایا ہے مقصود دائیں ہاتھ کی تکریم اور بائیں ہاتھ پر فضیلت دینا ہے جیسے قرآن میں اہلِ جنت کو اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والے) اور اہل جہنم کو اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی دائیں ہاتھ کو طعام اور کھانے پینے کے لئے استعمال فرمایا اور استنجاء ونجاست اور اعضاء فاحشہ کے مس کرنے سے محفوظ رکھا۔ بائیں ہاتھ کو نجاست اور بدن کی صفائی کے لئے مقرر فرمایا بلکہ شریعت نے تو مطلق نیکی اور خیر کے جملہ امور مثلاً کپڑے پہننا' مسجد میں داخل ہونا' کنگھی کرنا' روٹی کھانا وغیرہ میں تیامن کو تفضیل وتقدیم دی ہے اس طبعی اور خلقی اور شرعی فطرت کے پیش نظر ضروری ہے کہ امور شریفہ کو اعضائے شریفہ سے اور امور خسیسہ کو اعضائے خسیسہ سے انجام دیا جائے۔ اس کا ترک گویا ایک امر مستحبہ اور وضع الٰہیہ کا ترک ہے جو اساءت اور قباحت ہے۔

(حقائق السنن ص ۱۷۳)

اختیارِ تیامن کی بعض دیگر توجیہات:

شارحین نے لیحب التیمّن کی بھی متعدد وجوہات لکھی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ اسے فال نیک سمجھتے تھے کہ واصحاب الیمین اهل الجنة یؤتون کتبهم بایمانهم . یعنی اصحاب الیمین (اہل جنت) کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے

(۲) عدل کا تقاضا ہے جو چیز جس کام کے لئے بنی ہے اسے اسی کام میں استعمال کیا جائے۔ دایاں ہاتھ اس کا مقتضی ہے کہ اسے کارِ خیر اور شرافت کے کاموں میں اور تزئین و جمال کے کاموں میں استعمال کیا جائے اور بائیں ہاتھ کو نظافت' صفائی اور استنجی میں استعمال کیا جائے ورنہ ظلم ہوگا اور ظلم وضع الشئی فی غیر موضعه (کسی چیز کو اس کی اصل جگہ اور مقام میں استعمال نہ کرنے) کو کہتے ہیں

(۳) امام بخاریؒ نے اپنی روایت میں مـا استطاع (جتنی قدرت ہو) کا اضافہ کیا ہے یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ تیامن پر محافظت اور مداومت تب تک مطلوب ہے جب تک کوئی مانع نہ ہو فنبّه علی الـمحافظة علی ذلک مالم یمنع مانع (جمع ص ۱۰۴) یعنی تیامن پر مواظبت اس وقت تک ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ ہو۔

عمل تیامن میں وسعت:

فـی طهـوره اذا تـطهـر وفـی ترجّله اذا ترجّل وفی انتعاله اذا تنعّل یعنی تیامن کو پسند فرماتے، طہارت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت فرماتے اور کنگھی کرنے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرتے اور جوتا پہننے میں جب آپؐ جوتا پہنتے۔

اذا تـطهّـر ای وقت اشتغاله بالطهارة وهی اعم مِن الوضوء والغسل .وانما اتٰی بذلک لیدل علی تکرار المحبة بتکرار الطهارة (مواهب ص ۵۱) یعنی طہارت میں مشغول ہونے کے وقت، طہارت کا لفظ وضو اور غسل کو عام ہے اور طہارت کا صیغہ مکرر لائے، اس کی پسندیدہ عمل ہونے پر دلالت کرنے کے لئے واذا فی الـحدیث لمجرد الظرفیة والمعنیٰ فی وقت اشتغاله بالطهارة وهو شامل للوضوء والغسل والتیمم (جمع ص ۱۰۴) (حدیث میں ''اذا'' کا لفظ صرف ظرفیت کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ طہارت میں مشغول ہونے کے وقت آپؐ دایاں ہاتھ استعمال فرماتے اور طہارت کا لفظ وضو، غسل تیمم کو بھی شامل ہے)

حضور اقدس ﷺ کے تیـامن کا معمول ان تین امور میں محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو شرف وتکریم کی ہوتی اس میں تیامن کو پسند فرماتے اور جو موجب اہانت ہوتی وہاں یسار اختیار فرماتے جیسا کہ صحیحین

میں امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ عن عائشة قالت كان النبی ﷺ يعجبه التيمّن فی تنعّله وترجله وفی طهوره وفی شانه كله (جمع ص ۱۰۴) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دائیں سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جوتے پہننے میں، کنگھی دینے میں، طہارت کرنے میں اور سب (قابلِ تعظیم) چیزوں میں)

ملا علی قاریؒ کی توضیح :

ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر تسہیل اور تفصیل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں بل المراد انه كان يحب التيمن فی هذه الاشياء وامثالها مما هو من باب التكريم كالا خذوا لعطاء ودخول المسجد والبيت وحلق الراس وقص الشارب وتقليم الظفر ونتف الابط والاكتحال والاضطجاع والاكل والشرب والاستياک بالنسبة الى الفم واليد جميعاً بخلاف مالا شرف فيه كخروج المسجد ودخول الخلاء واخذ النعل ونحو ذلک فانه باليسار كرامةللیمين ایضاً (جمع ص ۱۰۴) (مراد یہ ہے کہ ان اشیاء اور ان جیسی چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے جو قابل تکریم ہوتی تھیں جیسے لینا دینا، مسجد اور گھر میں داخل ہونے کے وقت، سر کے حلق کے وقت، مونچھیں کتروانے کے وقت، ناخن کاٹتے وقت، بغل کے بال اکھیڑتے وقت، سرمہ لگاتے وقت، بستر پر لیٹنے کے وقت، کھانے پینے کے وقت اور مسواک کرنے میں منہ اور ہاتھ دونوں میں تیامن اختیار فرماتے البتہ جن چیزوں میں کوئی شرف نہیں ہے مثلاً مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا، جوتے اٹھانا اور ان جیسے امور میں بائیں طرف کو اختیار کرتے ان میں دائیں ہاتھ کی کرامت مقصود تھی)۔

(۳۴/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا يَحْىَ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی یحییٰ بن سعید نے ہشام بن حسان کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت حسن بصری سے اور انہوں نے صحابی رسولؐ عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔

راویانِ حدیث (۱۲۴) یحیٰ بن سعیدؒ (۱۲۵) ہشام بن حسانؒ (۱۲۶) حسن بصریؒ اور (۱۲۷) حضرت عبداللہ بن مغفل کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تدھین و تسریح میں وقفہ:

قال نهی ... کہ حضور اقدس ﷺ نے متواتر کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے یا ایک روز کے وقفہ سے۔۔۔ بہر حال بار بار کنگھی کرنا تکلف ہے اور کنگھی لے کر بیٹھ جانا کارِ عبث ہے **غبا** کا معنیٰ **وقتاً بعد وقتٍ (جمع ص ۱۰۷)** (وقفہ وقفہ سے) ہے اصل میں غبا اونٹوں کو ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز پانی پلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر کسی کام کے ایک وقت کرنے دوسرے وقت ترک کردینے، ایک روز انجام دینے اور دوسرے روز چھوڑ دینے کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ **اصله ورود الابل الماء يوماً وتركه يوماً ثم استعمل فى فعله حيناً وتركه حيناً فيفعله يوماً ويتركه يوماً** (مناوی ص ۱۰۷)

جیسا کہ حدیث میں **زرغباتزددحبا** (وقفہ وقفہ سے ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے) سے بھی اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ اور متواتر **تدهين** (تیل لگانے) اور **تسريحِ شعر** (کنگھی کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

لان مواظبته تشعر بشدة الامعان فى الزينة والترفه وذلك شان النساء . (مواهب ص ۵۲) (اس لئے کہ اس پر مواظبت آرائش و زیبائش میں انہماک کی علامت ہے جو عورتوں کی عادت ہوتی ہے)

ابن عربیؒ کا ارشاد :

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ تیل کنگھی میں موالات اور تواتر تصنع ہے اس کا قطعاً چھوڑ دینا تدنّس (میل کچیل کا جمع ہونا) اور کبھی ترک کبھی اختیار یعنی اغباب سنت ہے۔ **موالاته تصنّع وتركه تدنّس واغبابه سنة** (مناوی ص ۱۰۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت تب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ ممانعت بطور کراہت تنزیہی کے ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب بالوں میں پراگندگی نہ ہو، پراگندگی کی صورت میں روزانہ کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے (خصائل)

(۳۵/۵) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرِفَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ اَبِی الْعَلَاءِ الْاَوْدِیِّ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا..

ترجمہ! ہمیں حسن بن عرفہ نے بیان کیا انہیں عبدالسلام بن حرب نے بیان کیا۔ انہوں نے یزید بن ابی خالد سے اور انہوں نے ابوالعلاء اودی سے یہ روایت نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت حمید بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی اور وہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۲۸) حسن بن عرفہؒ (۱۲۹) عبدالسلام بن حربؒ (۱۳۰) یزید بن ابیؒ خالد (۱۳۱) ابوالعلاء الاودیؒ (۱۳۲) اور حُمید بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب سند میں صحابی مجہول ہو:

عن رجل ! رجل سے مراد صحابی رسولؐ ہیں بعض حضرات نے کہا کہ وہ حکم بن عمرو ہیں بعض نے کہا عبداللہ بن سرجسؓ ہیں بعض نے کہا ابن مغفل ہیں۔

روایت کی سند میں صحابی کا نام نہیں ہے لہذا یہ روایت بھی مجہول شمار ہوگی تاہم حضراتِ محدثین کا اصول ہے کہ اگر صحابی سے نیچے والا کوئی راوی مجہول ہے تو روایت کا حکم بھی مجہول کا ہوگا اور

اگر کسی صحابی کا نام نہیں ہوگا اور اس سے روایت ہوگی تو یہ روایت معتبر ہوگی اور صحابی کا نام مجہول ہونے کے باوجود مجہول راوی کا حکم نہیں لگایا جائے گا روایت ثقہ تسلیم ہوگی کہ سب صحابہ عدول ہیں اور ان سے کسی غلط بیانی کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ علماء محدثین فرماتے ہیں **وابهام الصحابی لا یضر لانّ کلهم عدول** (مناوی ص ۱۰۷) یعنی روایت میں صحابی کا مبہم ہونا مضر نہیں، اس لئے کہ سارے صحابہ عادل تھے۔

کنگھی کرنے میں سنت طریقہ:

ان النبی ﷺ کان یترجّل غباً ای کانت عادته انه لا یبالغ فی الترجّل بل یفعله یوماً ویترکه یوماً (مناوی ص ۱۰۸) یعنی نبی کریم ﷺ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہیں کرتے بلکہ ایک دن کنگھی فرماتے اور ایک دن چھوڑ دیتے۔ **وفی روایة النسائی عن حمید بن عبدالرحمن قال لقیت رجلاً صحب النبی ﷺ کما صحبه ابوهریرة اربع سنین قال نهانا رسول الله ﷺ ان یمتشط احدنا کل یوم** (جمع ص ۱۰۷) (نسائی میں حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو آپ ﷺ کی صحبت میں اس طرح رہا تھا جیسا کہ ابوھریرہؓ، وہ شخص کہنے لگا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم ہر روز کنگھی کریں)

خلاصہ یہ کہ ہر روز کنگھی کرنے کے بجائے درمیان میں وقفہ بھی کیا جائے۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ شَیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب حضوراقدس ﷺ کے سفید بالوں کے آجانے کے بیان میں

اس باب میں مصنف نے آٹھ (۸) حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ای بـاب مـاجـاء فـی الاخبار الواردة فی تـحقیق شیبه (مناوی ص ۱۰۸) (یعنی باب ان احادیث کے متعلق جو آپ ﷺ کے شیب (بالوں کی سفیدی) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) موضوع ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے بیان یہ کیا گیا ہے کہ حضوراقدس ﷺ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوئے تھے یا نہیں؟ سراور داڑھی کے بالوں میں سفیدی آئی تھی یا نہیں؟ اوراگر آئی تھی تو کس قدر؟ کیا آپؐ نے ان میں خضاب لگایا تھا؟ اوران مبارک بالوں کی سفیدی خوفِ خدا کی وجہ سے تھی، اس باب میں ان باتوں کی تفصیل ہے۔

شیب کا معنیٰ اورآثار:

الشیب اور الشیبة دونوں مصدر ہیں وھو ابیضاض الشعر الاسود ویطلق علی الشعر الابیض یقال رجـل اشیب والمشیب الدخول فی حدّ الشیب (اتحافات ص ۷۶) یعنی الشیب کا مطلب کالے بالوں کا سفید ہونا، یہ لفظ سفید بالوں پر بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے سفید بالوں والا مرد اور مشیب بڑھاپے کی عمر میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔ ویـوخـذ مـن الـقـاموس انه یطلق علی بیاض الشعر وعلی شعر الابیـض (مواھب ص ۵۳) (اورقاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیب کا اطلاق بالوں کے سفید ہونے پر اورسفید بالوں پر ہوتا ہے)

بابِ شیب کوُ باب الشعر کے بعدلائے لانه من عوارضه (جمع ص ۱۰۸) (اسلئے کہ سفیدی بالوں کے عوارض میں سے ہے)

اور ترجّل کے بعدلائے لان الترجّل عمل یقتدیٰ به فیه (مواهب ص ۵۳) (اس لئے کہ ترجّل (کنگھی کرنا) ایساعمل ہے جو بالوں ہی میں ہوگا) واخّر المصنف الشیب عن الترجّل لان الترجّل سنة (اتحافات ص ۷۶) یعنی مصنفؒ نے شیب (سفید بالوں) کا بیان ''باب الترجّل'' سے مؤخر کیا اس لئے کہ ترجّل (کنگھی کرنا) سنت ہے۔

شیب کالغوی معنیٰ بالوں کی سفیدی ہے جو بڑھاپے کے آثار میں سے ہے ویسے جب بڑھاپے کے آثار شروع ہوجائیں تو ہرایک چیز کا اپنانام ہے بدن میں ضعف آجائے تو ھرم کہلاتا ہے بالوں میں سفیدی آجائے تو شیب ہے دماغ میں خلل پڑجائے تو خرف ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں والمتحصل من الروایات أن شیبه ﷺ کان فی ثلاثة مواضع فی مفرق رأسه وفی الصدغین وفی العنفقة وهی مابین الذقن والشفة السفلیٰ (اتحافات ص ۷۶)

یعنی شیب سے متعلق روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ کے سفید بال تین مقامات پر تھے۔

۱۔ سر کے جس حصّہ میں مانگ نکالی جاتی ہے

۲۔ کنپٹیوں پر

۳۔ ریش بچہ میں، جوٹھوڑی اور نیچے ہونٹ کے درمیان میں ہوتا ہے

اسی پر علماء امت کا اتفاق ہے علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے سرِ اقدس اور داڑھی مبارک میں کل سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔

موئے مبارک اور حضرت ام سلمہؓ کا معمول :

حضور اقدس ﷺ کے بال، متبرک اور مبارک تھے تبرّک اور حصولِ برکات کے لئے صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنینؓ اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔

بخاری شریف اور مشکوٰۃ میں ہے حضرت عثمان بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے مجھ کو پانی کا پیالہ دے کر امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہؓ کے پاس بھیجا اور اس کا یہ عام معمول بھی تھا کہ جب کبھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی مریض ہوتا تو میری اہلیہ برتن میں پانی ڈال کر حضرت امّ سلمہؓ کے پاس بھیج دیا کرتی

کیونکہ ان کے پاس آپ ؐ کا موئے مبارک تھا فأخرجت مِن شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تمسكه في جلجل مِن فضة فخضخضته له فشرب منه تو حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک کو نکال لیتیں جو چاندی کی نلی میں رکھا ہوا ہوتا تھا اور پانی ڈال کر وہ پانی پلا دیتیں تھیں مریض وہ پانی پی لیتا جس سے اس کو شفا حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۹۱)

صحابہ کرامؓ کی موئے مبارک سے محبت :

صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے کتنی محبت تھی، کس حد تک عشق تھا مسلم شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے رأيت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم والحلاق يحلقه وطاف به أصحابه فمايريدون أن تقع شعرة إلا في يد رجل کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ؐ کے سر مبارک کے بال بنا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے قلت لعبيدة عندنا مِن شعر النبي صلى الله عليه وسلم أصبناه مِن قِبل أنس ومِن قبل أهل أنس فقال لأن تكون عندى شعرة منه أحب إلىّ مِن الدنيا وما فيها یعنی میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ یا اہل انسؓ سے پہنچے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا دنیا و مافیھا سے محبوب تر ہے۔

(صحیح البخاری جلد اول ص ۲۹۔ نور محمد اصح المطابع دھلی)

(۳۶/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ اِنَّمَا كَانَ شَيْئًافِيْ صُدْغَيْهِ وَلٰكِنْ اَبُوْبَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّآءِ وَالْكَتَمِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو ابوداؤد نے خبر دی۔ انہوں نے ہمام سے اور ہمام نے قتادہ

سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۳۳) ابوداؤد الطیالسیؒ اور (۱۳۴) ھمام بن یحیٰی کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا:

قال قلت لأنس بن مالک هل خضب رسول الله صلى اللّٰهُ عليه وسلم ۔قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ هل غيّر بياض رأسه ولحيته ولونه بالحناء و نحوه لأن الخضب كالخضاب بمعنى تلوين الشعر بحمرة (مواهب ص ۵۳) (کیا آپؐ نے سر اور داڑھی کے سفید بال اور اس کا رنگ مہندی وغیرہ سے تبدیل کیا تھا، کہ ''خضب'' کا لفظ خضاب کی طرح ہے بمعنی بالوں کو سرخی سے رنگنا)

یہ لفظ خَضَبَ (ضرب) کے باب سے ہے مصدر خضاباً ہے یعنی سفید بالوں کو رنگ دینا۔ پہلے زمانے میں مہندی یا وسمہ سے رنگ دیا کرتے تھے اور کتم نامی ایک بوٹی سے بھی رنگ دیا جاتا تھا۔

یبلغ میں ضمیر کا مرجع:

قال لم يبلغ ذلک 'فرمایا اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی (۱) یبلغ میں فاعل کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہے فالضمير في يبلغ راجع للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم كما قاله بعض الشراح وهو الظاهر (مواهب ص ۵۳) (یبلغ کی مستتر ضمیر کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ بعض شارحین نے یہی کہا ہے اور بظاہر یہی مراد ہے)

(۲) ضمیرِ فاعل شَعر کی طرف راجع ہے کیونکہ خَضَبَ کا مفعول شَعر محذوف ہے والمحذوف

کالملفوظِ (اور محذوف کا حکم ملفوظ جیسا ہوتا ہے)

(۳) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ویجوز أن یکون الضمیر المستکن راجعاً الی الشیب المذکور حکماً بقرینة خضب ای مابلغ شیبه ذلک مبلغاً یحتاج إلی الخضاب (جمع ص ۱۰۸) یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ (یبلغ میں) ضمیر مستتر شیب کی طرف راجع ہو، جو کہ خَضَب کے قرینہ سے حکماً مذکور ہے (اب معنیٰ یہ ہوگا کہ) آنحضرت ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔

صُدغین میں سفیدی:

إنما کان شیبًا فی صُدغیه چونکہ صرف آپؐ کنپٹیوں پر کچھ سفیدی آئی تھی اور ان کی بھی صورت یہ تھی کہ ان چند گنے چنے بالوں پر خضاب کی ضرورت ہی نہ تھی تو ظاہر ہے کہ آپؐ جب بھی ان بالوں پر تیل لگاتے تو وہ اوجھل ہو جاتے تھے اور اگر تیل نہ لگاتے تو پھر ظاہر ہوتے. وکان إذا دهن لم یتبیّن فان لم یدهن تبیّن (جمع ص ۱۰۹)

کان میں ضمیر شیب کی طرف راجع ہے قرینہ یہی ہے کہ خضاب شیب پر کیا جاتا ہے أی إنما کان شیبه صلی اللّٰه علیه وسلم شیئاً قلیلاً یعنی آپؐ کے بالوں میں سفیدی تھوڑی سی تھی اور بعض نسخوں میں شیئاً کی جگہ شیباً نقل ہوا ہے۔

صدغیه یعنی کنپٹیاں، آنکھ اور کان کے درمیان کی جگہ کو صُدغ کہتے ہیں صدغیه تثنیة صدغ (بالضم) وهو مابین لحاظ العین إلی أصل الأذن (مواهب ص ۵۳) صدغیه کالفظ صدغ کا تثنیہ ہے اس کا معنیٰ وہ جگہ جو آنکھ کے گوشہ اور کان کی جڑ کے درمیان ہو) جو بال یہاں لٹکے ہوں اُن کو بھی صُدغ کہتے ہیں وهو من باب إطلاق المحل وإرادة الحال (جمع ص ۱۰۸) (یہ محل بول کر حال مراد لینے کے قبیل سے ہے) تو گویا یہاں صدغ محل کا ذکر ہے اور مراد حال (اسی جگہ کے بال) ہیں۔

صُدغین میں حصر کیوں؟

اس روایت میں تصریح بلکہ کلمہ **إنما** کے ساتھ حصر ہے کہ بیاض صرف **صُدغین** میں تھا جبکہ بخاری کی روایت میں ہے **أن البياض كان فى عنفقته** کہ ریش بچہ میں سفید بال تھے۔ اسی طرح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **كان فى لحيته شعرات بيض** یعنی داڑھی میں کچھ سفید بال تھے۔ صاحبِ مواهب نے تصریح کی ہے **إنما كان البياض فى عنفقته وفى الصدغين وفى الرأس نبذ متفرقة** (مواهب ص ۵۳) یعنی متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے بال ریش بچہ، کنپٹیوں اور سر مبارک میں تھے۔ سوال یہ ہے کہ روایتِ باب میں کلمہ **إنّما** کا حصر کیوں کر درست قرار پائے گا۔

شارحینِ حدیث جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) چونکہ زیادہ سفید بال **صُدغین** پر تھے تو انحصار ان کے اعتبار سے ہوا۔ **لحيه** (داڑھی) اور رأس (سر) کے اعتبار سے نہ ہوا۔

(۲) **ولعل الحصر فى هذه الرواية اضافى فلا ينافى ما فى البخارى** (مواهب ص ۵۳) (یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت میں حصر اضافی ہو، پس یہ بخاری کی روایت کے منافی نہیں ہے)۔

خضاب کی نفی واثبات' تعارض کا جواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ حناء کے ساتھ خضاب کیا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ بابُ الخضاب میں اس کی تفصیل آرہی ہے، محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں اس قدر سفیدی نہیں تھی کہ خضاب کا احتیاج ہوتا **وهو لاينافى الخضاب** (جمع ص ۱۰۹) (اور یہ خضاب کرنے کے منافی نہیں) اسی توجیہ سے ابن حجرؒ کی اس توجیہ کا بھی دفعیہ ہو جاتا ہے کہ **لم يخضب إنما قاله بحسب علمه** (آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا بلکہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ) نے اپنے علم کے مطابق یہ بات کہی تھی)

کیونکہ حضرت انسؓ سے خضاب کے علم کی نفی ہرگز مناسب نہیں جبکہ وہ تو حضور اقدس ﷺ کے خادمِ خاص، آپ کے ساتھ لازم اور مخلص خدمت گزار تھے ان سے یہ بات بعید ہے کہ حضور اقدس ﷺ خضاب جیسا واضح عمل کرتے ہوں اور انہیں علم نہ ہو۔

(۲) صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے **قال رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصبغ بالصفرۃ** یعنی میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ زرد رنگ کی مہندی لگا رہے تھے۔

محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ **یحتمل أنہ صبغ تلک الشعرات القلیلۃ فی حین من الاوقات وترکہ فی معظم الاوقات فاخبر کل بما رأی وکلاھما صادق** یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ بعض اوقات آپؐ نے ان تھوڑے سے سفید بالوں میں مہندی لگائی ہو اور اکثر اوقات اس کو ترک کیا ہو تو ہر راوی نے جس طرح دیکھا، اسی طرح خبر دی اور ہر ایک راوی اپنی جگہ پر درست ہے لہذا نفی ایک وقت کے اعتبار سے ہے اور اثبات دوسرے وقت کے اعتبار سے ہے کیونکہ خضاب ہمیشہ نہیں رہتا۔

(۳) بعض حضرات اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ تو صلاحیت کی نفی کر رہے ہیں وہ تو **لم یبلغ** کی تصریح کرتے ہیں تو محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ نفی ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں صلاحیت نہیں تھی اور اثبات ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں خضاب کی صلاحیت تھی

(۴) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ابھی چونکہ چند بالوں میں شیب کا اثر ہوا تھا لہذا **القلیل کالمعدوم** (قلیل (تھوڑا) معدوم (نہ ہونے) کے حکم میں ہوتا ہے) کی وجہ سے نفی کی گئی۔

(۵) ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس نے خضاب کی نفی کی ہے مراد **بصفۃ اللدوام والأغلبیّۃ** (اکثر اور غالب اوقات مہندی لگانے کی) ہے جس نے اثبات کیا ہے وہ **بطریق الندرۃ** (کبھی کبھار) کے ہے لہذا دونوں میں تعارض اور منافاۃ نہیں رہا۔

(۶) حضرت انسؓ کی نفی اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب بوجہ کثرتِ شیب کے استعمال نہیں کیا جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ نے کثرتِ شیب کی وجہ سے استعمال کیا کیونکہ وہ اس عمر تک

پہنچ چکے تھے گویا مطلق خضاب کی نفی نہیں ہے۔

خضاب کی جائز اور ناجائز صورتیں:

ولكن ابوبكر خضب بالحناء والكتم لیکن حضرت ابو بکر نے مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کا خضاب کیا ہے۔ مہندی تو مروّج ہے سب جانتے ہیں کہ اس کے استعمال سے ہاتھ اور بال سرخ ہو جاتے ہیں اور کتم ایک بوٹی ہے جس کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اسی کو وسمہ کہتے ہیں اگر اس کے پتوں کو رگڑ کر مہندی کے ساتھ ملایا جائے تو بال نہایت سیاہ ہو جاتے ہیں چونکہ شرعاً سیاہ خضاب کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اسلئے بالحناء والكتم میں واوَ بمعنیٰ او کے ہے یا واوٌ مطلق جمع کے لئے ہے کہ حناء اور کتم دونوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کرنے کی اجازت ہے، استعمال میں جمع مرادنہیں۔ معنى الحديث انه خضب بكل منهما منفرداً عن الآخر لأن الخضاب بهما معاً يجعل الشعر أسوَد وقد صح النهى عن السواد فالمراد أنه خضب بالحناء تارة وبالكتم تارة (مواهب ص ۵۴) (حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایک (مہندی اور کتم) کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کیا اس لئے کہ ہر دونوں کے ساتھ یکجا خضاب کرنا بالوں کو بالکل سیاہ کر دیتا ہے اور حضور ﷺ سے سیاہ خضاب کے متعلق نہی منقول ہے تو گویا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی تو صرف مہندی کا خضاب استعمال کیا اور کبھی صرف کتم (بوٹی) کا) یہ تفصیل اور حکم تب ہے جب دونوں کے یکجا کرنے اور ملانے سے بال خالص سیاہ ہو جائیں جو حضرات دونوں کے یکجا استعمال سے اس کی قطعی سوادیت (یعنی سیاہ ہونے) کا تجربہ رکھتے ہیں ان کے تجربہ کی روشنی میں دونوں کا یکجا استعمال ممنوع ہے۔

(۲) بعض حضرات کا تجربہ اور رائے یہ ہے کہ ان ہر دو کے ملانے سے خالص سیاہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ حمرۃ و سواد کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی سیاہی ہوتی ہے مگر مائل بہ سرخی۔

فاستعما لهما معاً يوجب بين السواد والحمرة وعليه فلا مانع مِن الخضاب بهما معاً (مواهب ص ۵۴) (ان دونوں کا یکجا استعمال کرنا سرخی اور سفیدی کی درمیانی کیفیت پیدا کرتی ہے اگر ایسا ہو تو پھر ہر دونوں کا یکجا استعمال کرنا ممنوع نہ ہوگا)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر سرخ ہوتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ خالص سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔ (خصائل)

(۲/۳۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَيَحْيَى بْنُ مُوْسىٰ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا عَدَدْتُ فِيْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهِ اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ..

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور اور یحیٰی بن موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں (۱۴) چودہ سے زائد بال نہیں گنے۔

راویان حدیث (۱۳۵) اسحٰق بن منصورؒ (۱۳۶) یحیٰی بن موسیٰؒ اور (۱۳۷) عبدالرزاقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

سفید بالوں کی تعداد میں اختلاف اور تطبیق:

قال ماعددت ... گویا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری گنتی وشمار کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں سفید بالوں کی تعداد چودہ (۱۴) سے زیادہ نہ تھی۔

اس حدیث میں چودہ (۱۴) سفید بالوں کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں نحواً مِن عشرین شعرةً بیضاء یعنی بیس کے قریب آیا ہے بعض روایات میں سترہ (۱۷) اور بعض میں اٹھارہ (۱۸) کی تصریح ہے۔ محدثین اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ

(۱) یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کا اعتبار کیا جا سکے۔ مختلف احادیث میں محدثین نے یوں تطبیق کی ہے کہ مختلف اوقات میں دیکھنے والوں نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق مختلف خبر دی ہے حضرت انسؓ نے پہلے پہل جو بال دیکھے ان کا ذکر کر دیا اور جب آخر میں کچھ زیادہ یعنی سترہ (۱۷) دیکھے پھر انہی کا ذکر کر دیا۔

(۲) اربع عشرة پر نحواً مِن عشرین (چودہ پر بیس کے قریب ہونا) بھی صادق آتا ہے لکونها اکثر مِن نصفها (مواھب ص ۵۴) (اس لئے کہ چودہ بیس کے نصف سے زائد ہیں)

(۳) پہلے بھی یہی عرض کیا کہ اربع عشرة (چودہ) ایک وقت کی حالت ہے اور نحواً مِن عشرین۔ (بیس کے قریب) دوسرے وقت کی حالت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گننے والے سے کوئی بال شمار میں رہ گیا ہو۔

(۳۸/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ سَمُرَةَ یَسْئَلُ عَنْ شَیْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ اِذَا ادَّهَنَ رَاْسَهٗ لَمْ یُرَ مِنْهُ شَیْبٌ وَاِذَا لَمْ یَدَّهِنْ رُءِیَ مِنْهُ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، اُن کو ابوداؤد نے اور اُن کو خبر دی شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے، وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرةؓ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔

نحوی بحث:

فقال کان اذا ادّھن ... (۱)اگر دھن بغیرِ ہمزہ کے ہوتو باب ضرب سے متعدی ہےاوراگر ہمزہ کے ساتھ ہوتو باب افعال سے ماضی ہےاور رأسہ مفعول بہ ہے۔

(۲)یاادّھن افعال اورافتعال سے ماضی مجہول ہےاس صورت میں دال مشدّد ہےاور رأسہ نائب فاعل بن کرمرفوع پڑھاجائے گا۔

(۳) اگر رأسہ اس صورت میں بھی(جب ادّھن افعال یاافتعال سے ماضی مجہول ہو)منصوب پڑھاجائےتو یہ منصوب بنزع الخافض ہوگا ای فی رأسہ۔(یعنی اصل میں ادّھن فی رأسہ تھا لفظ فی کودورکرکے رأسہ کونصب دیا گیا)یاتمیز بنے گا جیسے کہ الاّ من سفہ نفسہ ای نفساً (میں نفسہ منصوب بنابرتمیز کے ہےیعنی الّا من سفہ نفساً ہے) یعنی اذا ادّھن شیاً الخ (یعنی یہ بھی دراصل ادھن شیاً ہوگا)

(۴)لم یرمنہ شیب میں ضمیرِ مجرورمنہ کامرجع یا شعر رأسہ (آپؐ کےسر کے بال) ہے جوماقبل سے مفہوم ہے یا منہ کامرجع دھن ہے جو ادھن سے مفہوم ہےتواس صورت میں مِن اَجلِہٖ ہوگا کہ عدم رؤیتِ شیب (سفید بالوں کانہ دکھائی دینا)بوجہ استعمال دھن (تیل) کےتھی کہ اس سے چمک آجاتی تھی۔

سفید بال بہت کم تھے:

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے مقصد یہ ہے کہ جب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں میں تیل لگاتے تھےتووہ چمک اٹھتے پھروہ چند سفید بال دکھائی نہ دیتے لالتباس البیاض ببریق الشعر مِن الدھن (مواھب ص ۵۴) (سفید بالوں کا تیل لگےہوئے بالوں کےساتھ التباس کی وجہ سے)یا تیل لگانے کے بعد کنگھی کرنے سے دیگر بالوں کی تہوں میں سفید بال چھپ جاتے اسلئے کہ وہ بہت کم تھے۔مقصد یہ بتاناہے کہ آپؐ کےسفید بالوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ووقع فی روایۃ مسلم والنسائی عن جابر ایضاً کان رسول اللہ ﷺ قد شمط مقدم رأسہ ولحیتہ

وكان اذا ادّهن لم يتبيّن واذاشعث رأسه تبين قال الطيبى شعث اى تفرق شعر رأسه فدل هذا على انهٗ عند الادهان كان يجمع شعر رأسه ويضم بعضه الى بعض وكانت الشعرات البيض من قلتها لاتبين فاذا شعث رأسه ظهرت (جمع ۱۱۲) (مسلمؒ اور نسائیؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے سر اور داڑھی کے سامنے والے حصے میں کنگھی کی تھی، جب آپؐ سر میں تیل لگاتے تو سفید بال واضح نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو الگ الگ کرتے تو وہ ظاہر ہو جاتے۔ بقول طیبیؒ کے، شعث کے معنی سر کے بالوں کو الگ الگ کرنا تو اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تیل لگاتے وقت آپؐ سر کے بالوں کو اکٹھا کرتے تو سر کے سفید بال قلت کی وجہ سے ظاہر نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو کنگھی سے الگ کرتے تو وہ سفید بال بھی ظاہر ہو جاتے)۔

(۴/۳۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْوَلِيْدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوْفِيُّ اَخْبَرَنَا يَحْيَىٰ بْنُ اٰدَمَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً بَيْضَآءَ ..

ترجمہ! محمد بن عمرو بن ولید کندی کوفی نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی یحیٰ بن آدم نے شریک کے حوالے سے۔ اُن کو یہ روایت عبید اللہ بن عمر سے پہنچی جنہوں نے یہ روایت نافع سے نقل کی اور نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

راویان حدیث (۱۳۸) محمد بن عمرؒ (۱۳۹) یحیٰ بن آدمؒ (۱۴۰) شریکؒ (۱۴۱) عبید اللہ بن عمرؒ (۱۴۲) نافعؒ اور (۱۴۳) عبداللہ بن عمرؓ (۱۴۴) عاصم بن عمر کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قلتِ شیب کی ایک توجیہ:

قال انما كان شيب رسول الله صلى الله عليه وسلم نحواً ... اى قريباً منها (مواهب ص ۵۵) اور یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ کی روایت کے مخالف نہیں ہے

قاضی محمد عاقل شارح الشمائل لکھتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ کے سفید بال کم ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات عورتیں سفید بالوں کو ناپسند کرتی ہیں اور اگر حضورا قدس ﷺ کی کسی چیز کو ناپسندیدگی سے دیکھا جائے تو کفر ہے نعوذ باللّٰہ مِن ذلک ' لہٰذا حضوراقدس ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی محافظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بالوں کوزیادہ سفید نہیں ہونے دیا

(حلاوة المتعلمین)

....

(۵/۴۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَآءِ اَخبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنِ هِشَامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِىْ هُوْدُ وَّ الْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَ عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ .

ترجمہ! ابوکریب محمد بن علاء نے ہمیں بیان کیا ۔اُن کو معاویہ بن ہشام نے خبر دی۔انہوں نے یہ روایت شیبان سے اور انہوں نے ابواسحٰق سے نقل کی' ان کے استاد عکرمہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے۔حضوراقدس ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مجھے سورۃِ ہود' سورۃِ واقعہ' سورۃِ مرسلات 'سورۃِ عم یتساء لون' سورۃِ اذا الشمس کورت 'ان سورتوں نے مجھے بوڑھا بنادیا ۔

راویانِ حدیث (۱۴۵) ابوکریبؒ (۱۴۶) معاویہ بن ہشام (۱۴۷) شیبانؒ (۱۴۸) عکرمہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کے ہولناک مناظر نے بوڑھا کردیا :

قال ابوبکر یا رسول اللہ قد شبت ... حدیث کا واضح مفہوم ترجمہ میں آچکا ہے حضرت ابوبکر کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ھود' المرسلات' عم یتساء لون اور واذا الشمس کوّرت نے بوڑھا کردیا۔طبرانی نے الحاقة' ابن مردویة میں ھل أتاک حدیث الغاشیة' ابن سعد میں ألقارعة وسأل سائل اور واقتربت الساعة کا اضافہ ہے۔

ملاعلی قاریؒ مذکورہ سورتوں کے نام لے کر فرماتے ہیں وامثالها مما یدل علی احوال

القيامة واهوالها (جمع ص ۱۱۳) یعنی ان جیسی سورتیں جو قیامت کے ہولناک حالات کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ اختلاف یا تو تعددِ واقعات کی وجہ سے ہے یا روایت بالمعنیٰ ہے یا اختصار پر محمول ہے اور جہاں صرف سورۂ ہود کا ذکر آیا ہے۔

اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں امر مشکل فاستقم كما أمرت ہے (ثابت قدم رہئیے جیسا کہ آپ ؐ کو حکم دیا گیا ہے) جیسا کہ الاستقامة فوق ألف كرامةٍ (استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے) سے واضح ہے۔

بعض حضرات نے شبہ کیا ہے کہ یہ امر تو سورۂ شوریٰ میں بھی ہے محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں سورہ شوریٰ میں خصوصاً آپ ؐ کو حکم ہے واستقم كما امرت ولا تتبع اهوأء هم (۴۲:۱۵) (اور قائم رہ جیسا کہ حکم کیا گیا تو۔ اور مت پیروی کر خواہشوں ان کی) اور سورہ ھود میں آپ ؐ کے ساتھ آپ کی امت کو بھی حکم ہے واستقم كما امرت ومن تاب معك (۱۱:۱۱۲) (پس سیدھا رہ جس طرح سے حکم کیا گیا تو اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ) تو امت پر شفقت و رأفت کی بنا پر آپ کو سورۂ ھود کی ہولناکیوں سے زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ سوال بوجہ ان کے رقیق القلب ہونے اور آپ ؐ سے بے تکلف تعلقِ خاطر ہونے کے پیش نظر تھا اور آپ ؐ کا جواب بھی آپ ؐ کے امورِ آخرت میں فکر و اہتمام و كثرة حمله لاعباء امته (اور اپنی امت کے زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے) پر مشتمل تھا (اتحافات ص ۷۹)

یا ربّ امتی :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکرِ آخرت اور فکرِ امت کا کس قدر اہتمام تھا، شیخ عبد الجواد الدومیؒ نے اپنی کتاب میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔

(۱) امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات اٹھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر موجود نہ تھے پریشان ہوئی اور آپ ؐ کو تلاش کرتے کرتے جنت البقیع پہنچ گئی دیکھا تو آپ ؐ قیام کی حالت میں ہیں اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا گڑگڑا کر تضرع و ابتھال کے ساتھ

دعا کر رہے ہیں۔ زبان مبارک سے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ ذات کے لئے نہیں بلکہ امت کے لئے تھے **یا ربّ امتی** (اے ربّ میری امت) اور جب سجدے میں گئے تب بھی ''**یا ربّ امتی**'' کا ورد زبان پر تھا۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں یہ اضطراب انگیز منظر دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! **أين القرآن لقد نسيته لأجل هذه الأمة** یعنی قرآن کہاں ہے اس سے تعلقِ خاطر نمایاں ہونا چاہئے آپؐ نے سجود وقیام میں گویا قرآن بھلا کر امت کی فکر اور امت کے ذکر کو اپنا لیا۔

آپؐ نے سنا تو فرمایا **یا عائشة! أتعجبين مِن هذا** تمہیں امت سے میرے اس تعلق خاطر پر تعجب ہے **اقول ما دمت فی الحیاة یا ربّ امتی** میں جب تک زندہ رہوں گا **یا ربّ امتی** کہتا رہوں گا **فاذا دخلت القبر أقول یا ربّ امتی** پھر جب قبر میں داخل ہوں تب بھی **یا ربّ امتی** کہوں گا **فاذا نفخ فی الصور أقول یا ربّ امتی** جب صور پھونکا جائے گا میں تب بھی **یا ربّ امتی** کہوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ کسوف کے لئے سجدے میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں رہے اور بڑے تضرع، عجز وانکسار اور عاجزی سے دعا کرتے رہے **ألم تعدني أن لا تعذبهم و أنا فيهم** اے میرے ربّ کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک میں ان کے درمیان رہوں آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرماویں گے۔

ألم تعدني ان لا تعذبهم وهم يستغفرون ونحن نستغفرک کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرماویں گے اور ہم تو آپ سے استغفار کرتے ہیں۔

(۳) امام قرطبیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے میں لکھا ہے۔ **فاذا عصف الصراط بأمتي** جب میری امت کا پل صراط پر گزرنا سخت اور دشوار ہو جائے گا **نادوا وا محمداه! وامحمداه!** تو میری امت بےقراری سے چیخ اٹھے گی اور پکارے گی۔ **وا محمداه، وا محمداه! فأبادر مِن شدة اشفاقي عليهم** میں اپنی امت پر شدتِ اشتیاق اور تعلق خاطر کی وجہ سے ان سے آگے آگے ہونگا۔

فکرِ آخرت میں نڈھال ہوجانے کی وجہ سے و جبریل آخذ بحجزتی ۔ جبریل میری کمر پکڑے ہوئے ہوں گے فنادی رافعاً صوتی میں بارگاہ صمدیت میں بلند آواز سے دعا والتجا کروں گا یاربّ امتی اے میرے ربّ! میری امت کی مغفرت فرما۔ لا اسئلک الیوم لنفسی ولا فاطمة بنتی ، آج نہ تو میں اپنی ذات کے لئے کوئی سوال کرتا ہوں اور نہ اپنی لختِ جگر فاطمہؓ کے لئے میری تو ایک ہی دعا ہے یا ربّ امتی (اتحافات ص ۷۹. ۷۰)

حدیثِ باب میں مذکورہ سورتوں میں مابه الاشتراک فاستقم کما امرت ہے اور استقامت ہی اصل چیز ہے اور بہت مشکل ہے اس حدیث کی تشریح وتوضیح میں ابن جوزیؒ نے مستقل رسالہ '' فیض الجود فی حدیث شیّبتنی هود '' کے نام سے لکھا ہے۔

قد شبت کا ایک معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ ظھر فیک آثار الشیب مِن الثقل وضعفِ البدن ونحوهما فهو لاینافی ماسبق مِن قلة الشیب ..... والصواب ماذکره میرک مِن أن معناه ظهر فیک أثر الضعف والکبر انتهیٰ (جمع ص ۱۱۳) یعنی آپ ؐ میں بڑھاپے کے آثار مثلاً بدن کا بوجھل اور کمزور ہونا اور ان جیسی علامات ظاہر ہوگئیں لہذا یہ قلتِ شیب (بمعنیٰ سابق) کے منافی نہیں ہے، جس کا ذکر پہلے ہوگیا۔۔۔ اور درست توجیہہ وہ ہے جس کو علامہ میرک نے ذکر کیا ہے کہ '' آپ ؐ میں بڑھاپے اور کمزوری کا اثر ظاہر ہوگیا ہے ''۔ قال صلی الله علیه وسلم شیّبتنی ای ضعفتنی ووهنت عظامی وارکانی لما اوقعتنی فی الهموم واکثرت احزانی (جمع ص ۱۱۳) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود الخ نے بوڑھا کردیا یعنی ان سورتوں میں مذکورہ قیامت کے ہولناک مناظر کے تصور نے مجھے کمزور کردیا اور میرے اعضاء وجوارح کو شکستہ کردیا، ان کی وجہ سے میرے غم وحزن میں اضافہ ہوا)۔

ملا علی قاریؒ نے شرح السنۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ ! آپ سے شیبتنی هود (کہ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کردیا) کی روایت کی گئی ہے قال نعم فقلت بأیّة آیةٍ قال قوله فاستقم کما امرت انتهیٰ (جمع ص ۱۱۳) (آپ ؐ نے فرمایا کہ ہاں تو دوبارہ میں نے عرض کیا کہ کونسی آیت نے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کے اس قول (کہ تو جیسے حکم کیا گیا ویسے استقامت دکھلائے)

(۴۱/۶) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَّ اَخَوَاتُهَا.

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن بشر نے خبر دی' انہوں نے یہ روایت علی بن صالح سے اورانہوں نے ابواسحٰق سے نقل کی۔ وہ ابو جحیفہؓ سے روایت کرتے ہیں۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر کچھ بڑھاپے کا (ضعف) محسوس ہونے لگا حضور اقدس ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مجھے سورۃ ہود جیسی سورتوں نے ضعیف کردیا۔

راویانِ حدیث (۱۴۹) محمد بن بشرؒ (۱۵۰) علی بن صالحؒ (۱۵۱) حضرت ابو جحیفہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائلِ ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث:

قال قالوا ای الصحابة اورئیسهم ابوبكر والجمع للتعظیم والاوّل اظهروانما نسب الیهم مع ان القائل واحدلاتفاقهم فی معنیٰ هذا القول فكانّ جمیعهم قالوا (جمع ص ۱۱۵) یعنی صحابہ کرامؓ نے پوچھایاان کے رئیس حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔اورجمع کا صیغہ (قالوا) تعظیم کے لئے ہے تاہم پہلی توجیہہ زیادہ ظاہر ہے۔سوال کرنے والاصحابی اگر چہ ایک تھالیکن سوال سب کی طرف سے منسوب کیا گیااس لئے کہ سارے صحابہؓ اس سوال کے مقصد پر متفق تھےتو گویا یہ سوال سارے صحابہؓ نے کیا۔

بہرحال صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

آپ ﷺ کو بوڑھا کردینے والی سورتیں:

ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اورحضرت عمر فاروقؓ مسجد نبوی میں منبر کے قریب تشریف فرما تھے اچانک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اس حال میں اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے ۔ قال انس وكان ابوبكر رجلاً رقيقاً وكان عمر رجلاً شديداً حضرت ابوبکر صدیقؓ انتہائی نرم تھے اورحضرت عمرؓ سخت مزاج تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا بابی وامی لقد اسرع فيك الشيب ۔میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان!

آپؐ پر تو بڑھاپے نے جلدی کردی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی طرح امڈ پڑے۔

ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اجل: شیبتنی هود واخواتها۔ حضور اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! مجھے سورۃ ہود نے اور اسی طرح دوسری سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے قال ابوبکر بابی وامی مااخواتها ؟ ابوبکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اسی طرح کی اور سورتیں کونسی ہیں۔ قال الواقعة والقارعة وسأل سائل واذا الشمس کوّرت (جمع ص ۱۱۵)

(آپ ﷺ نے فرمایا سورہ واقعہ، القارعہ، سأل سائل، اور اذا الشّمس کوّرت ہیں)

(۴۲/۷) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَاَنَا شُعَیْبُ بْنُ صَفْوَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اِیَادِ بْنِ لَقِیْطٍ الْعِجْلِیِّ عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ التَّیْمِیِّ تَیْمِ الرِّبَابِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِیَ ابْنٌ لِیْ قَالَ فَاُرِیْتُهُ فَقُلْتُ لَمَّا رَاَیْتُهُ هٰذَا نَبِیُّ اللّٰهِ وَعَلَیْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَهُ شَعْرٌ وَقَدْ عَلَاهُ الشَّیْبُ وَشَیْبُهُ اَحْمَرُ .

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعیب بن صفوان نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالملک بن عمیر سے اور انہوں نے ایاد بن لقیط عجلی سے نقل کی۔ وہ ابورمثہ تیمی تیم الرباب سے روایت نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لیئے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہتے ہیں۔ کہ مجھے حضور اقدس ﷺ دکھلائے گئے میں نے جب حضور اقدسؐ کو دیکھا تو مجھے معاً یہ کہنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

اس وقت حضور اقدس ﷺ دو سبز کپڑے پہن رہے تھے اور آپؐ کے چند بالوں پر کچھ بڑھاپے کے آثار غالب ہو گئے تھے لیکن وہ بال سرخ تھے۔

راویانِ حدیث (۱۵۲) شعیب بن صفوانؒ (۱۵۳) عبدالملک بن عمیرؒ (۱۵۴) ایاد بن لقیطؒ اور (۱۵۵) حضرت ابورمثہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

هذا نبی اللّٰه :

قال اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ومعی ابن لی ... ابورمثہؓ کہتے ہیں کہ میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میرے ساتھ اس وقت میرا بیٹا بھی تھا۔ لم یذکر اسمه وروایة الترمذی عن الاب وفی روایة ,,ومعی ابی ،، فتکون مِن الابن ، فلا تنافی (اتحافات ص ۸۱) (ابورمثہ نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور ترمذی کی روایت باپ سے ہے اور ایک روایت میں ہے (کہ ابورمثہ کہتے ہیں) کہ میرے ساتھ میرا باپ تھا تو پھر روایت بیٹے سے ہوگی۔ اس لئے دونوں روایات میں منافات نہیں ہے) قال فاریته. کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو دکھایا اس میں هو ضمیر ابن کو راجع ہے فاریتهٔ فعل مجہول ہے ای جعلنی ابی اوغیره رائیاً رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (جمع ص ۱۱٦) پھر جب میرے بیٹے نے آپؐ کو دیکھا فقلت لما رآیته ای مِن غیر تامل وتراخ (جمع ص ۱۱٦) پھر جب میں نے آپؐ کو دیکھا تو مجھے یہ کہنا پڑا۔ هذا نبی اللّه معناه علمت یقیناً انه نبی اللّٰه مِن نور جماله العَلّی وظهور کماله الجلّی حیث لا یحتاج الیٰ اظهار معجزة واتیان برهانٍ ومحجة (جمع ص ۱۱٦) (میں یقینی طور پر جان گیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں آپؐ کے نورِ جمال اور کمالِ جلی کے ظہور سے، جس کے لئے کسی معجزہ یا دلیل و برہان کے لانے کی ضرورت نہیں تھی)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ بھی یہی مشہور ہے جو یہودیوں کے بڑے عالم تھے وہ خود کہتے ہیں کہ جونہی میں نے پہلی نظر میں آپؐ کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا عرفت أنّ وجهه لیس بوجهِ کذاب (شمائل ترمذی) (کہ میں نے جان لیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں)

جمالِ رخِ انور صلی اللہ علیہ وسلم :

وقیل أرئیته مبنی للمعلوم ولعله أنس فقلت حین رأئیته علی البداهة ! هذا نبی اللّٰه ' لنور بهائه وشدة جماله وظهور کماله (اتحافات ص ۸۱) یعنی ایک قول یہ ہے کہ أرئیته صیغہ معروف کے ساتھ ہے۔۔۔ آپؐ کو جونہی میں نے دیکھا تو کمالِ ظہور، بے پناہ حسن و جمال اور حیران کن انوار کی وجہ سے میں بلا تامل کہنے لگا کہ یہ تو اللہ کے نبی ہیں۔

ایک امتی کا جمال اور جلال:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ہیبت واجلال کے آثار اور نبوت کے انوار تھے جن کو دیکھ کر بے اختیار انسان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے۔ہم گناہ گاروں نے تو چودھویں صدی کے آپ ؐ کے ایک امتی' ایک سچے عاشق' ایک محبِ صادق' استاذی واستاذ العلماء محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کے مبارک چہرہ کو دیکھا اور بار بار دیکھا کبھی سیری نہیں ہوتی تھی ہر بار نیا رنگ' نیا حسن' جمال ایسا کہ دیکھتے رہیئے اور جلال ایسا کہ نگاہ اٹھتے ہی نظریں نیچے چلی جاتی تھیں نو وارد کہتا۔ واللہ! میں نے آج تک ایسا نورانی چہرہ نہیں دیکھا۔امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کا چہرہ ہی ان کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جب چودھویں صدی میں آپ ؐ کے ایک ادنیٰ امتی کے چہرہ کے جلال وجمال کا یہ عالم ہو تو خود سرورِ عالم ﷺ کے چہرہ انور کے حسن وجمال کا منظر کیا ہوگا۔

ثوبانِ اخضران کی تشریح:

وعلیه ثوبانِ اخضران اس وقت دو سبز کپڑے آپ ؐ کے زیبِ تن تھے ایک تو لنگی تھی اور دوسری چادر وهما ازار ورداء مصبوغان بالخضرة (مواهب ص۵۷)ای مصبوغان بلون الخضرة بتمامها (جمع ص ۱۱۶) یعنی مکمل طور پر سبز رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

ملا علی قاری ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ویحتمل انهما کانا مخطوطین بخطوط خضر کما ورد فی بعض الروایات بردان' بدل ثوبان والغالب ان البرود ذوات الخطوط (جمع ص ۱۱۶) (اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں پر سبز دھاریاں تھیں جیسا کہ بعض روایات میں دو کپڑوں کے بجائے دو چادروں کا ذکر ہے اور غالب یہ ہے کہ چادریں دھاری دار ہوتی ہیں)۔

شیخ ابراھیم البیجوری ؒ فرماتے ہیں واللباس الاخضر هو لباس اهل الجنة کما فی خبر ویدل علیه قوله تعالیٰ ویلبسون ثیاباً خضراً (مواهب ص ۵۷) یعنی سبز لباس اہل جنت کا لباس ہے

جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے باری تعالیٰ کا قول ''اہل جنت سبز لباس میں ملبوس ہوں گے'' بھی اس دعویٰ پر دلالت کرتا ہے۔

سبز لباس پہننے کا حکم:

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں **وماقيل فيه أن لبس الثوب الاخضر سنة ضعفه ظاهر اذغاية مايفهم منه انه مباح انتهیٰ وضعفه ظاهرإذ الأشياء مباحة علیٰ اصلها فاذا اختار المختار شيئاً منها بلبسه لا شک فی افادة الاستحباب والله اعلم بالصواب (جمع ص ۱۱۷)** یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ سبز لباس پہننا سنت ہے اس قول کا ضعف ظاہر ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سبز لباس کا استعمال مباح ہے اور اس کا ضعف بھی ظاہر ہے اس لئے کہ اشیاء اصل کے اعتبار سے خود مباح ہیں، پس جب آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کو لباس کے لئے اختیار کیا تو کم از کم اس کے مستحب ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

سفید بالوں کا سنہری منظر:

وله شعر الخ آپؐ کے بال مبارک نمایاں تھے **وقد علاه (ای غلبه وشمله) الشيب (وهذا فی حدود العدد الوارد)** ۔(یہ بڑھاپا سفید بالوں کے عدد وارد شدہ تک محدود تھا) جن سے بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ **شعر** پر تنوین تقلیل کے لئے ہے اس لئے اس کا ترجمہ ,,چند موئے مبارک،، سے کرنا زیادہ موزون ہے **وشيبه احمر** یعنی یہ سفیدی سرخی مائل تھی اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ ایک فطری اور قدرتی بات ہے کہ جب بال سفید ہوتے ہیں تو پہلے سنہرا پن اختیار کر کے سرخی مائل ہو جاتے ہیں پھر سفید ہوتے ہیں صحابی نے آپؐ کے سفید بالوں کو اس وقت دیکھا ہوگا جب ان میں سنہرا پن آ چکا تھا اور اس کے بعد ان پر سفیدی آنے والی تھی۔

(۲) اور دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے وہ محدود بال سفید ہو چکے ہوں اور آپؐ نے

مہندی کا خضاب استعمال کیا ہو اور بال سرخ ہو گئے ہوں۔ شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

والشعر الابيض منه مصبوغ بالحمرة بناء علىٰ ثبوت الخضب منه صلى الله عليه وسلم ويحتمل ان المراد شعره الأبيض يخالطه حمرة فى أطرافه لأن العادة أن الشعر إذا قرب شيبه أحمر ثم أبيض (مواهب ص۵۷) (اور آپ ﷺ کے سفید بال سرخی سے رنگے ہوئے تھے کیونکہ حضور ﷺ سے خضاب کرنا ثابت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کے سفید بالوں کے اطراف میں سرخی کی ملاوٹ معلوم ہوتی ہو کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ جب بالوں میں بڑھاپا آتا ہے تو پہلے کچھ سرخ پھر سفید ہو جاتے ہیں)

(۴۳/۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ قِيلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَكَانَ فِىْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ قَالَ لَمْ يَكُنْ فِىْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِىْ مَفْرِقِ رَاْسِهٖ اِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنُ..

ترجمہ: ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سریج بن نعمان نے خبر دی۔ ان کو حماد بن سلمۃ نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے انہوں نے کہا کہ صرف چند بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۵۶) سریج بن نعمانؒ (۱۵۷) حماد بن سلمہؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں أکان ' جبکہ بعض روایات میں ھل کان ہے شعرات میں تنوین تقلیل کے لئے ہے مفرق رأسه سے مراد محل الفرق من رأسه (سر کا

وہ حصہ جس میں مانگ نکالی جاتی ہے) ہے اور مختار میں ہے **المفرق وسط الرأس وهو الموضع الذی یتفرق فیه الشعر و کذا فی مفرق الطریق** (مواهب ص۵۷) یعنی مفرق سر کے وسط کو کہتے ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں سر کے بالوں میں مانگ نکالی جاتی ہے۔ اور ایسا ہی مفرق الطریق (اس چوگلہ) کو کہتے ہیں جہاں سے راستہ جدا ہوتا ہے)

اذا ادّهن ای استعمل اللدهن ووضعه علی رأسه واراهنّ مِن المواراة ای غیّبهن اللدهن واخفاهن وسترهن بحیث لایراها احد الا بتدقیق نظر وتعمیق بصرو هو کنایة عن قلتهن (جمع ص۱۱۷) یعنی "ادھن" کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ﷺ تیل استعمال کرتے اور اسے سر کے بالوں میں لگاتے تو یہ تیل سر کے سفید بالوں کو چھپا دیتا اور بال ایسے چھپ جاتے کہ تعمق اور غور سے دیکھے بغیر نظر نہ آتے اور یہ ان بالوں کے تھوڑا ہونے سے کنایہ ہے۔

سفید بال اکھیڑنے کا حکم:

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ سفید بالوں کا اکھیڑنا اکثر علماء نے مکروہ قرار دیا ہے۔
شیخ ابراھیم البیجوری بھی تنبیہ کے تحت فرماتے ہیں۔ **ویکره نتف الشیب عند أکثر العلماء لحدیث مرفوع لا تنتفوا الشیب فإنه نور المسلم رواه الاربعة وقالوا حسن** (مواهب ص۵۷) (اور اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے کیونکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ تم بڑھاپے (سفید بالوں کو) مت اکھاڑو یہ تو مسلمان کے لئے نور (روشنی) ہے۔ یہ حدیث اربعہ (چاروں صحاح) نے نقل کی ہے اور یہ کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)
حدیث میں سوال بھی چونکہ سراقدس کے بالوں کے بارے میں تھا اس لئے حضرت جابر بن سمرۃؓ نے جواب میں بھی صرف سر مبارک کا ذکر کیا اور داڑھی اور کنپٹیوں کا ذکر نہیں کیا۔

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کرنے کے بیان میں

خضاب کا معنیٰ:

خضاب بروزنِ کتاب ما یخضب به (جس چیز کے ساتھ خضاب لگایا جائے) کو کہتے ہیں کما فی القاموس تلوین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے وهذا انسب للباب (اتحافات ص ۸۳) (اور یہی باب کے زیادہ مناسب ہے) مہندی، وسمہ، کتم اور کسی مرکب سے بالوں کو رنگا جائے خضاب کہلاتا ہے بمعنیٰ تلوین الشعر بالحناء ونحوه (مواهب ص ۵۸) بعض حضرات نے اس میں عموم کیا ہے کہ بالوں کے علاوہ انسانی اعضاء واندام کو رنگنا بھی خضاب کہلاتا ہے۔

گذشتہ باب سے ربط:

گذشتہ باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سفیدی آئی تھی اور تقریباً اٹھارہ (۱۸) بال سفید ہو چکے تھے اس کے بعد باب ہذا کے انعقاد کی مناسبت یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ آپؐ نے سفید بالوں کا خضاب کیا تھا یا نہیں ناسب اردافه بباب خضابه لیعلم حاله اثباتاً ونفیاً (مواهب ص ۵۸) (باب الشیب کے بعد باب الخضاب کا لانا اس لئے مناسب ہے کہ خضاب کے استعمال کا ثبوت یا نفی معلوم ہو سکے)

مسئلہ خضاب کی تفصیل اور شرعی حکم:

خضاب کے بارے میں تفصیلی بحث اس سے قبل بھی صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱ پر گزر چکی ہے علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب فرمایا تھا یا نہیں اس اختلاف کی وجہ

مختلف روایات ہیں۔

علماءاحناف کارجحان:

علماء کی اکثریت کا رجحان یہ ہے کہ آپ ؐ نے خضاب نہیں فرمایا تھا آپ ؐ کے بال مبارک جو سرخی مائل اور سنہری تھے وہ قدرتی تھے امام ترمذیؒ کا بھی یہی رجحان ہے احناف کا رجحان بھی اس طرف ہے چنانچہ احناف کی معتبر کتابوں مثلاً درمختار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ ؐ کا عدم خضاب زیادہ صحیح ہے علامہ شامیؒ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی ہے کہ آپ ؐ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں سترہ (۱۷) بال سفید تھے جو خضاب کو نہیں چاہتے تھے۔

صاحبِ مواہب جن کے حوالے بار بار اسی شرح میں نقل کیئے جارہے ہیں ان کے قائل ہیں کہ آپ ؐ نے کبھی کبھی خضاب کیا اور اکثر نہیں کیا بأنه صلى الله عليه وسلم صبغ في وقت وتركه في معظم الاوقات .فاخبر كل بما رأى وهذا التاويل كالمتعين كما قاله ابن حجر (مواهب ص۵۸) (دلیل میں ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات مین اس کے ترک کرنے پر کاربند رہے اس لئے ہر شخص نے جس طرح دیکھا اس کی روایت کردی اور گویا تطبیق کی یہی صورت متعین ہے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ ،حضرت عثمان ذوالنورین، حضرات حسنینؓ نے خضاب کیا اور سرخ خضاب کے جواز بلکہ استحباب پر علماء احناف کا اتفاق ہے سیاہ خضاب سوائے موقع جہاد کے مکروہ ہے الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مكروه (محيط) (عامۃ المشائخ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے)

شوافعؒ کا مسلک:

شوافع کے نزدیک خضاب سنت ہے اور سیاہ خضاب حرام ہے شیخ ابراھیم الیجوریؒ فرماتے ہیں کہ ہم علماء شافعیہ کے نزدیک سیاہ خضاب حرام ہے اور بغیر سیاہ کے دوسرے خضاب سنت ہیں وهو عندنا معاشر الشافعية بغير السواد سنة وبالسواد حرام پھر واضح طور پر فرماتے ہیں کہ اس پر دلیل

وہ حدیث صحیحین ہے جس میں ارشاد ہے کہ فتح مکہ کے روز ابوقحافہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا جبکہ اُن کی داڑھی اور سر مبارک کے بال سفید تھے تو آپ ؐ نے فرمایا غیّروا هذا بشئی واجتنبوا السواد اس سفیدی کو کسی شئی سے بدل دو اور سیاہ کرنے سے بچو (مواہب ص ۵۸) شیخ ابراھیم بیجوریؒ نے اپنے موقف کو مزید احادیث سے مبرھن کیا ہے ذیل میں ان کا موقف اور مزید دلائل درج کیے جا رہے ہیں۔

وفی الصحيحين أيضاً عن ابن عمرؓ أنه رأى النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یصبغ بالصفرة زاد ابن سعد وغيره عن ابن عمر أنه قال فأنا أحب أن أصبغ بها وماروا ه أحمد وابن ماجة عن ابن وهب قال دخلنا على أم سلمة فأخرجت إلينا من شعر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فإذا هو مخضوب بالحناء والكتم وعن أبی جعفر قال شمط عارضا رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم فخضب بحناء وكتم وعن عبدالرحمٰن الشمالی قال كان رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم يغير لحيته بماء السدرويأمر بتغيير الشعر مخالفة للأعاجم وفی حديث أبی ذر إن أحسن ماغير تم به الشيب الحناء والكتم أخرجه الأربعة وعن أنس دخل رجل على النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وهوأبيض اللحية والرأس فقال ألست مؤمناقال بلى قال فاختضب لكن قيل إنه حديث منكرولا يعارض ذلك ماورد أنه صلی اللّٰہ علیه وسلم لم يغير شيبه لتأويله جمعابين الأخباربأنه صلی اللّٰہ علیه وسلم صبغ فی وقت وتركه فی معظم الأوقات فأخبر كل بما رأى وهذا التأويل كالمتعين كماقاله ابن حجر .

(مواهب ص ۵۸) (صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو زرد رنگ کی مہندی لگاتے ہوئے دیکھا۔ ابن سعد وغیرہ نے ابن عمرؓ کے حوالے سے اس روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: میں اس سے خضاب لگانے کو پسند کرتا ہوں۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے ابن وہب سے روایت بیان کی ہے کہ ہم ام سلمہ کے ہاں گئے تو انہوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے بال دکھائے تو ان میں حناء اور کتم کا خضاب لگا ہوا تھا۔ ابوجعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں میں کنگھی کی اور اس میں مہندی اور کتم کا خضاب لگایا۔

عبدالرحمٰن الشمالی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کے بالوں کو بیر کے پانی سے متغیر

کرتے اور عجمیوں کی مخالفت میں بالوں کی سفیدی کو متغیر کرنے کا حکم دیتے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں کی سفیدی کو متغیر کرتے ہو وہ مہندی اور کتم ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم مومن نہیں ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں مومن ہوں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ان بالوں میں خضاب لگاؤ۔ تاہم بعض حضرات نے اس حدیث کو ''منکر'' قرار دے دیا۔ یہ مذکورہ روایات اس روایت کے معارض نہیں ہیں جس میں ہے کہ آپؐ نے اپنے سفید بالوں کو خضاب سے متغیر نہیں کیا۔ اس لئے کہ روایات میں تطبیق دیتے ہوئے اس روایت کی تاویل کی گئی ہے۔ تطبیق یوں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی خضاب لگایا اور اکثر اس کو ترک بھی کیا تو ہر راوی نے جس حالت میں آپؐ کو دیکھا اس کو بیان کیا۔ بقول ابن حجر کے یہ تاویل متعین کی طرح ہے)۔

(۱/۴۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْمَلِکِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ قَالَ اَخْبَرَنِی اَبُوْرِمْثَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنٍ لِیْ .فَقَالَ اِبْنُکَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ لَايَجْنِیْ عَلَيْکَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَيْهِ .قَالَ وَرَاَيْتُ الشَّيْبَ اَحْمَرَ قَالَ اَبُوْعِيْسٰی هٰذَا اَحْسَنُ شَيْئٍ رُوِیَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَاَفْسَرُ لِاَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيْحَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ وَاَبُوْرِمْثَةَاسْمُهٗ رِفَاعَةُ بْنُ يَثْرِبِیّ التَّيْمِیُّ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ اُن کو ہشیم نے خبر دی۔ اُن کو بیان کیا عبدالملک بن عمیر نے، ایاد بن لقیط سے روایت کرتے ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابورمثہ نے خبر دی۔ کہنے لگے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ میرا بیٹا ہے کہ آپ اس کے گواہ رہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں۔ ابورمثہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور اقدس ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام

ترمذیؒ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔

راوی حدیث (۱۵۸) ھشیمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

فقال ابنک ھذا ... یہاں پر ہمزہ استفہام محذوف ہے فالاصل أھذا ابنک (مواھب ص۵۸) یعنی کیا یہ تمہارا بیٹا ہے۔ دوسری وجہ استفہام یہ ہے کہ آپؐ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا بھی ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یہی اُن کا بیٹا ہے اس لئے دریافت فرمایا کہ کیا واقعۃً یہی تمہارا بیٹا ہے۔ فاستفھم عن کون ابنه ھذا و قال ابنک ھذا (مواھب ص۵۸).

أشھدبه ... اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ امر ہو ای کن شاھداً علی اقراری بانه ابنی یعنی میرے اس اعتراف پر آپؐ گواہ رہیے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ صیغہ مضارع ہو أی أعترف و أقربه (مواھب ص ۵۸) (میں اس کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں)۔

رسمِ جاہلیت کا بطلان:

لا یَجنی علیک ... دراصل زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر باپ کسی قصور یا کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو بدلے میں بیٹا پکڑا جاتا اور اگر بیٹے سے کوئی جرم صادر ہوتا تو باپ پکڑا جاتا تھا لہذا ابورمثہؓ نے یہ بات اسی نقطہ نظر سے کہی کہ یہ میرا اپنا صلبی بیٹا ہے اگر مجھ سے کوئی جرم یا قصور صادر ہو جائے تو عربوں کے مذکورہ طریقہ کے مطابق میرے اس لڑکے ہی سے بدلہ لیا جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے اس طریقہء جاہلیت کا کلیۃً رد فرمایا اور ارشاد فرمایا لا یجنی علیک ولا تجنی علیه یعنی تیرے بیٹے کے جرم کا تجھ سے اور تیرے جرم کا اُن سے مواخذہ نہ ہوگا۔ بل جنایته علیه و جنایتک علیک ولا تؤاخذ بذنبه ولا یؤاخذھو بذنبک لان الشرع أبطل قاعدة الجاھلیة قال تعالیٰ ولا تزر وازرة وزر اُخریٰ (مواھب ص۵۸) (بلکہ اس کے جرم کا وبال اور سزا اس پر ہے اور تمہارے جرم کا تجھ پر۔ اس کے گناہ کا مواخذہ تم سے نہیں ہوگا اور نہ وہ تمہارے گناہ پر ماخوذ ہوگا اس لئے کہ شریعت نے جاہلیت کے طریقہ کو مسترد کیا باری تعالیٰ کا ارشاد

ہے ''اور ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'')

دین اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اب اس میں دورِ جاہلیت کا کوئی ظلم یا کسی بھی قسم کی زیادتی کا طریقہ جاری نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی رہ سکتا ہے اسلام کا یہ طریقہ نہیں کہ جرم ایک کا ہو سزا دوسرے کو ملے۔

ملاعلی قاریؒ کی نقلِ روایات:

قال ورائیت الشیب احمر ... ابو رمثہؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے آپؐ کے چند سفید بالوں کو سنہری یعنی مائل بہ سرخی دیکھا۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ أحمرای لقربه مِن البیاض.اوبسبب الخضاب وهو المناسب للباب وزاد الحاکم مِن هذاالوجه وشیبه احمر مخضوب بالحناء ولا بی داؤد وکان قد لطخ لحیته بالحناء وعند احمد فاذا رجل له وفرة بها ردع مِن حناء وفی روایة فرأیت برأسه ردع حناء واخرج ابن الجوزی فی کتاب الوفاء من طریق غیلان بن جامع عن ایاد بن لقیط عن ابی رمثة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخضب بالحناء والکتم وهذهِ الروایة صریحة فی خضابه صلی الله علیه وسلم (جمع ص ۱۱۹) یعنی سفیدی کے قریب ہونے کی وجہ سے یا خضاب کی وجہ سے وہ بال سنہری معلوم ہو رہے تھے اور یہی (آخری توجیہ) اس باب کے مناسب ہے۔ حاکم نے اسی طریق سے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ مہندی لگانے کی وجہ سے آپ کے سفید بال مائل بہ سرخی تھے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے داڑھی کو مہندی سے لتھیڑا تھا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اچانک ایک شخص جلوہ افروز ہوئے جس کے بال کانوں کی لو تک تھے اور وہ مہندی سے لت پت تھے۔ ایک روایت میں ہے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے آپؐ کے سر کے بالوں کو مہندی سے لت پت دیکھا۔ ابن الجوزی نے ''کتاب الوفاء'' میں حضرت ابو رمثہؓ کے حوالہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ؐ مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے۔ یہ روایت آنحضرت ﷺ کے خضاب بارے بالکل واضح ہے۔

نفی اور اثبات کی روایت میں تطبیق:

لم یبلغ الشیب والی روایت اور زیر بحث خضاب والی روایت بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے

مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں بلکہ تطبیق کی صورت واضح ہے کیونکہ نفی کی روایات میں کثرت کی نفی ہے کہ کثرت سے شیب نمایاں نہیں تھا اور اثبات کی روایات قلت پر محمول ہیں۔

قال ابوعیسیٰ :

قال ابوعیسیٰ ! اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ تلامذہ کا اضافہ ہو مگر یہ احتمال بعید ہے۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصنفؒ کا کلام ہے بناء علی غلبة كنيّته علی اسمه وهو في ذلک تبع لشيخه ومقتداه وهو الامام ابوعبدالله محمد بن اسمٰعيل البخاری حيث عبر فی صحيحه وسائر تصانيفه ايضاً عن نفسه بابی عبدالله (جمع ص ۱۱۹) (اس بناء پر کہ آپؒ کے نام کے مقابلے میں کنیت کا استعمال غالب تھا اور اس سلسلے میں آپؒ اپنے شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری کے متبع تھے ۔جنہوں نے صحیح بخاری اور اپنے دیگر تمام تصانیف میں اپنے آپ کو ''ابوعبداللہ'' سے تعبیر کیا ہے) ولم يقل قال بالاضمار لخفاء المرجع والاشتباه بقال سابقاً (جمع ومناوی ص ۱۱۹) (اور امام ترمذیؒ نے اپنے لئے اضمار کے ساتھ'' قال '' بھی استعمال نہیں کیا ایک تو مرجع مخفی رہتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ راوی کے سابقہ ''قال '' کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا)۔
امام ترمذیؒ نے اس روایت کو احسن اور زیادہ بہتر اسلئے کہا ہے کہ اس میں بالوں کے سرخ ہونے کا ذکر ہے کیونکہ بال سفید ہونے سے قبل قبل مائل بہ سرخی ہوتے ہیں مقصد واضح ہے کہ ابھی آپؐ کے بال سنہری تھے اور آپؐ سفید بالوں کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے۔ هذا احسن ای كثيرا مايقول المصنف فی جامعه هذا اصح شئی فی الباب ولا يلزم مِن هذه العبارة كما قاله النووی فی الاذكار صحة الحديث فانهم يقولون هذا اصح مافی الباب وان كان ضعيفاً ومرادهم انه ارجح ما ورد فی الباب (حاشيه عربی خصائل) (یہ روایت احسن ہے۔مصنفؒ اکثر اوقات اپنی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں ''اصح شئی فی الباب '' تاہم اس عبارت سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا،جیسا کہ نوویؒ نے ''الأذکار'' میں کہا ہے۔اس لئے کہ محدثین حضرات ''هذا اصح ما فی الباب ''اس وقت بھی استعمال کرتے ہیں اگر چہ وہ روایت ضعیف ہو۔اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ باب میں وارد شدہ

احادیث میں یہ روایت سب سے زیادہ راجح ہے)

(۴۵/۲) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِیْ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْهُرَيْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَبُوْ عِيْسىٰ وَرَوىٰ اَبُوْعَوَانَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ ..

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے شریک کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے عثمان بن موھب سے یہ روایت نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوھریرۃؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا انہوں نے کہا کہ ہاں کیا۔

راویانِ حدیث (۱۵۹) عثمان بن وھبؒ (۱۶۰) ابوعوانہؒ اور (۱۶۱) ام سلمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

متنِ حدیث کی اجمالی تشریح :

عثمان بن وھب نے یہ روایت اسی اسناد کے ساتھ حضرت ابوھریرۃؓ سے نقل کی ہے سائل کا ذکر نہیں کیا **لعلم تعلق الغرض بتعیینه** (مواھب ص ۵۹) یعنی اس کے تعین کے ساتھ غرض متعلق نہیں تھی۔

نَعَمْ سے مراد یہ ہے کہ ابوھریرۃؓ نے فرمادیا **نعم یعنی خضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأن نعم لتقریر ماقبلها مِن نفی او اثبات** (مواھب ص ۵۹) (جی ہاں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا۔ اس لئے کہ ''نعم'' ماقبل کے مثبت یا منفی کلام کی تقریر کے لئے آتا ہے) اس حدیث سے خضاب کرنا مدلول ہے کہ آپؐ کا گاہے گاہے کا معمول ہے جبکہ دیگر بہت سی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنے بالوں کو رنگ نہیں دیا تھا تطبیق اس سے قبل عرض کردی گئی کہ **بانه صلی اللہ علیه وسلم خضب فی وقت وترک الخضاب فی معظم الاوقات فاخبر بکل ما رأی** (مواھب ص ۵۹) (کہ بے شک آپ ﷺ نے کسی وقت تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات میں اس کا ترک کیا ہے پر ہر راوی نے اپنی رؤیت (دیکھنے) کی خبر دی ہے)

غرضِ قال ابو عیسیٰ :

قال ابو عیسیٰ... یہاں سے امام ترمذیؒ روایتِ زیر بحث کے اضطراب کا تذکرہ کرتے ہیں و روی ابو عوانة هذا الحديث عن عثمان بن عبدالله بن موهب فقال عن امّ سلمة (کہ ابوعوانہ نے یہ حدیث بواسطہ عثمان بن عبداللہ بن موھب حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے)

اس سے مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہوگیا کہ بجائے حضرت امّ سلمۃ کے ابوھریرۃؓ کہا تو گویا وھمِ راوی اور اختلافِ رُواۃ کو بیان کرنا ہے۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ دوسری روایت کو بطور تائید کے پیش کرتے ہیں کہ جس طرح یہ روایت حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح یہ روایت حضرت امّ سلمۃؓ سے بھی مروی ہے وغرضه ذكر طريق آخر لهذا الحديث (مواهب ص ۵۹) (اور اس سے غرض اس حدیث کو دوسرے طریق سے ذکر کرنا مقصود تھا) اور ایک فائدہ عثمان کے نسب کی تحقیق بھی ہے کیونکہ طریق اول میں وہ جد کو منسوب تھے۔

اور اس روایت میں اس کے والد کے نام کی تصریح ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ عثمان نے تو دونوں طریق میں ابوھریرہ اور امّ سلمۃؓ سے روایت نقل کی ہے مگر طریقِ اول میں شریک نے عثمان سے اور انہوں نے ابوھریرۃؓ سے روایت کی ہے جبکہ دوسرے طریق میں ابوعوانہ نے عثمان سے اور انہوں نے امّ سلمۃؓ سے روایت کی ہے۔

(۴۶/۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنْبَأَنَا النَّضْرُبْنُ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ جَنَابٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ عَنِ الْجِهْذَمَةِ امْرَأَةِ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَتْ اَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يَنْفُضُ رَأْسَهٗ وَقَدِ اغْتَسَلَ وَبِرَأْسِهٖ رَدْعٌ اَوْ قَالَ رَدْغٌ مِنْ حِنَاءٍ شَكَّ فِيْ هٰذَا الشَّيْخُ..

ترجمہ! ہمیں ابراہیم بن ھارون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کی خبر نضر بن زرارہ نے ابو جناب کے حوالے سے دی اور انہوں نے یہ روایت ایاد بن لقیط سے حاصل کی جنہوں نے اسے

زوجہ بشیر بن الخصاصیۃؓ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمارکھا تھا اس لئے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے اور آپؐ کے سر پر حنا کا اثر تھا۔

راویان حدیث (۱۶۲) ابراھیم بن ہارونؒ (۱۶۳)النضر بن زرارۃؒ (۱۶۴)ابو جنابؒ (۱۶۵) حضرت جھذمہؓ اور (۱۶۶) بشیر بن الخصاصیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

ینفض وہ جھاڑتے تھے مضارع ہے اور نفض ماضی ہے نفضٌ مصدر ہے جھاڑنا' ہلانا' لرزنا۔ ردع زعفران کو کہتے ہیں جس کپڑے میں لتھڑی ہوتی ہو اس کو ردع کہتے ہیں وھو لطخ مِن الزعفران واثر الطیب ردغ کیچڑ کے معنیٰ میں آتا ہے وھو الوحل الشدید. (جمع ۱۲۲)

قال العسقلانی اتفق المحققون علی ان الردغ بالمعجمة غلط فی ھذا الموضع لإطباق اھل اللغة علیٰ انه بالمھملة لطخ مِن الزعفران (مواھب ۶۰) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سب محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں لفظ ردغ (معجمہ) بالکل غلط ہے کیونکہ لغت والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ ردع (مھملہ) ہے یعنی زعفران کے ساتھ آلودہ ہونا)

ابن حجرؒ کہتے ہیں ردع کا معنیٰ الصبغ ہے اور ردغ کا معنیٰ طین رقیق ہے تاہم یہ فرق اصل لغت کے اعتبار سے ہے والمراد ھنا واحد وھو اثر صبغ وطیب. (مواھب ۶۰)

حلاوة المتعلمین میں ہے کہ علماء محققین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردغ (غین معجمہ کے ساتھ) غلط ہے اور صحیح ردع (عین مہملہ کے ساتھ) ہے فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردع (مہملہ) کا معنیٰ لمعہ ہے یا قطعہ ہے جو کہ زعفران یا حنا کا ہوتا ہے اور ردغ (معجمہ) کے معنی طین و کیچڑ کے ہوتے ہیں یہ دوسرا معنیٰ قطعاً مناسب نہیں ہے۔

شک فی ھذا الشیخ ... امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے شیخ' ابراھیم بن ہارون کو شک تھا

کہ اس موقع پر راوی نے ردع کا لفظ استعمال کیا تھا یا ردغ کا ای شک فی انه ردع او ردغ

(مناوی ص ۱۲۲)

(۴/۴۷) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُوبْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا قَالَ حَمَّادُ وَاَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِبْنِ عَقِيْلٍ قَالَ رَاَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا .

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ اُن کو عمرو بن عاصم نے خبر دی۔ اُن کو حماد بن سلمة نے اور انہیں حمید نے حضرت انسؓ کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا۔ حماد کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خضاب کیے ہوئے بال دیکھے۔

راویان حدیث (۱۶۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ (۱۶۸) عمرو بن عاصمؒ اور (۱۶۹) عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اشکال سے جواب:

مضمون اور مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے

اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ گذشتہ باب کی پہلی حدیث میں حضرت انسؓ کی یہ تصریح ہے کہ آپؐ کے بال خضاب کرنے کے معیار تک نہیں پہنچے تھے جبکہ اس روایت میں حضرت انسؓ ہی کے پاس آپؐ کے خضاب شدہ بالوں کا ذکر ہے۔ محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں

(۱) دونوں روایتیں مختلف اوقات کی ہیں اور دونوں اپنی جگہ درست ہیں۔

(۲) یہ روایت بھی خضاب کے بارے میں صریح نہیں ہے ہوسکتا ہے تعظیماً بال منڈوانے کے بعد کسی نے خضاب دیدیا ہو جیسے بعد الانقطاع کی تائید حماد کے قول سے ہوتی ہے والروایة الثانیة التی

تفید ان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رُئی عند انس مخضوباًیحتمل انہ مِن فعل انس لحفظ شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (اتحافات ص ۸۶) یعنی حضرت انسؓ کے پاس جو خضاب کیا ہوا بال دیکھا گیا تھا ہوسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی حفاظت کے خاطر خود اس کو خضاب لگایا ہو۔

عبدالجوادالدومی کی تلخیص بحث:

شیخ عبدالجوادالدومی فرماتے ہیں اس باب میں چاراحادیث مذکور ہیں اہلِ علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا خضاب کرنا بہتر ہے بوجہ حدیثِ شیخینؒ کے' ان الیھود والنصاریٰ لا یصبغون فخالفوھم (یہود ونصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تو تم ان کی مخالفت کرو) اسی لئے تو حضرت ابوبکرؓ 'حضرت عمرؓ ' حضرت عثمانؓ اور حضراتِ حسنینؓ نے خضاب کیا تھا۔

یا ترکِ خضاب اولیٰ ہے بوجہ حدیث ترمذی کے عن کعب بن مرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ شاب شیبۃً فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ (حضرت کعب بن مرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمان ہونے کی حالت میں بڑھاپے کو پہنچے تو یہ اس کے لئے قیامت کے دن روشنی کا ذریعہ ہوگا) طبری نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یکرہ تغیر الشیب '(نبی کریم ﷺ سفید بالوں کے متغیر کرنے کو ناپسند کرتے تھے) اس لئے تو حضرت علیؓ، حضرت سلمۃ بن اکوعؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے خضاب نہیں کیا۔ شیخ جوادؒ نے جمع بین الامرین کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قولہ : ولعل الجمع بین الأمرین بأن مَن شانہ الشیب ینبغی لہ الخضاب ' ومن لم یشنہ فلا یستحب لہ (اتحافات ص ۸۶) یعنی امرین میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ سفید بال عیب دار معلوم ہوتے ہوں اس کو خضاب لگانا چاہئے اور جس کے ساتھ معیوب نہ لگے اس کے لئے خضاب لگانا مستحب نہیں۔ بہرحال ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خضاب کا مسئلہ اور معاملہ وسیع ہے ولکنہ اولیٰ مِن علمہ لعموم الأحادیث الواردۃفی ذلک . (تاہم نہ لگانے کی بہ نسبت خضاب لگانا بہتر

ہے بوجہ واردشدہ عمومی احادیث کے)امام احمدؒ خودبھی خضاب لگاتے تھےاور خضاب لگانے والے سے محبت کرتے تھےبعض علماء نے اس مسئلہ میں بھی عرف کا اعتبار کیا ہے۔تاہم حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب اسود سے منع فرمایاہے . لامره أبا جحيفة بان يغيّر شيبه و يجتنب السواد (اتحافات ص۸۷) (کیونکہ آپ ﷺ نے ابوجحیفہؓ کی بالوں کی سفیدی کوتبدیلی کاحکم تو دیالیکن ساتھ ہی سیاہ خضاب سے بچنے کا فرمایا)اوراسی طرح بہت سے روایات میں اس کی شناعت اور برائی کواشارہ ہے۔جیسے کہ علامہ ملاعلی قاریؒ نے فرمایا لحديث ابن عباس ايضامرفوعاً يكون قوم فی آخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يجدون رائحة الجنة رواه ابو داؤد والنسائی وفی اسناده مقال (جمع ص ۱۲۴) (حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسےلوگ پیداہوں گے جوکبوتر کے پوٹے کی مانند اس سیاہی کے ذریعہ خضاب کریں گے،ایسے لوگ جنت کی بُو بھی نہیں پائیں گے)۔اسی ضمن میں ملاعلی قاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ومنهم من فرق فی ذلک بين الرجل والمرأة فاجاز لها دون الرجل واختاره الحليمی واما خضب اليدين والرجلين فيستحب فی حق النساء ويحرم فی حق الرجال الا للتداوی (حواله بالا) یعنی بعض فقہاء نے سیاہ خضاب کے بارے میں مرد اور عورت میں فرق کیا ہے عورت کے لئے سیاہ خضاب کو جائز قرار دیا ہے جبکہ مرد کے لئے ناجائز،اسی کوحلیمی نے اختیار کیا ہے اور ہاتھوں،پیروں پرمہندی لگانا عورتوں کے لئے تو مستحب ہےاور مردوں کے لئے حرام ہے البتہ تداوی کے لئے جائز ہے۔

لونِ اصفر کی ترغیب وبرکات:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے المطامح وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خضاب بالاصفر محبوب اور پسندیدہ عمل ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی پسندیدگی اور مدح کی طرف انها بقرة صفرآء فاقع لونها تسر الناظرين (۲:۶۹)(وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے،خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو) سے اشارہ فرمایاہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے ان من طلب حاجة بنعل أصفر قضيت لأن حاجة بنی اسرائيل قضيت بجلد أصفر فيتاكد جعل النعل مِن الأصفر (مواهب ص ۶۱)

(کہ جو شخص کسی حاجت کو زرد جوتے کے ذریعہ تلاش کرتا ہے تو وہ پوری ہو جائیگی اسلئے کہ بنی اسرائیل کی حاجت پیلے چمڑے کے ساتھ پوری کردی گئی تھی اس لئے جوتا زرد چمڑے سے بنانا مؤکد ہے)

علامہ بیجوریؒ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمیشہ نعالِ اصفر کے پہننے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ صفرۃ ان الوان سے ہے جو اِنسان میں مسرتیں پیدا کرتے ہیں۔ کما اشار الیہ جمہور المفسرین حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ صفرۃ (زرد رنگ) نفس میں انبساط پیدا کرتی ہے اور ھَم وغم کو دور کردیتی ہے حضرت ابن زبیر اور یحیٰ بن کثیر نے کالے جوتوں کے پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کے پہننے سے غم بڑھتا ہے۔ وقال ابن حجر فی الفتاویٰ و جاء یا معشر الأنصار حمروا أو صفروا وخالفوا أهل الكتاب وكان عثمان يصفر (مواهب ص ٦١) (ابن حجرؒ نے فتاویٰ میں کہا کہ یہ بھی وارد ہے کہ اے گروہ انصار کا! تم (سفید بالوں کو) سرخ یا زرد (پیلا) کرو اور یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو اور حضرت عثمانؓ بھی بالوں کو زرد کیا کرتے تھے)

سفید بالوں کے اکھاڑنے کا حکم:

اس سے قبل بھی صفحہ ۳۰۵ پر اجمالاً عرض کیا گیا تھا مزید توضیحاً عرض ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے لحديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده مرفوعاً لاتنتفوا الشيب فانه نور المسلم رواه الاربعة وقال الترمذی حسن (سفید بال نہ اکھیڑو کہ یہ مسلمان کا نور ہے) اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے بروایت قتادہؒ نقل فرمایا قال كان يكره نتف الرجل الشعرة البيضاء من رأسه ولحيته وقال بعض العلماء لا يكره نتف الشيب الا على وجه التزين وقال ابن العربی وانّما نهى عن النتف دون الخضب لان فيه تغيير الخلقة من اصلها بخلاف الخضب فانه لا يغيّر الخلقة على الناظر اليه والله الموفق للصواب. (سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو اکھیڑنا مکروہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف تزیّن کی غرض سے اکھیڑنا مکروہ ہے۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ سفید بالوں کو اکھیڑنا ممنوع ہے نہ کہ مہندی لگانا اس لئے کہ اکھیڑنے میں اصل خلقت کی تبدیلی ہے اس کے برعکس خضاب میں خلقت کی تبدیلی نہیں ہے) (جمع ص ۱۲۴)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کُحْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ .

باب حضور اقدس ﷺ کے سُرمہ کے بیان میں

امام ترمذیؒ نے اس باب میں مختلف طُرق کے اعتبار سے چھ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جو حقیقت میں چار حدیثیں بنتی ہیں۔ وفی الباب ستة احادیث باعتبار الطرق وھی فی الحقیقة اربعة (مواھب ص ٦٢) ان احادیث میں خود حضور اقدس ﷺ کا بنفسِ نفیس اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالنا' سرمہ کے استعمال کے بارے میں ہدایات اور سرمہ استعمال کرنے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔
بابِ خضاب کے بعد بابُ الکحل کے لانے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ کحل کو بھی خضاب کے ساتھ ایک گونہ مشابہت ہے لشبہ الکحل بالخضاب فی أنه نوع مِن الزینة (مواھب ص ٦١) (اس لئے کہ سرمہ کو بھی خضاب کے ساتھ زینت کے اقسام میں سے ہونے میں مشابہت ہے)

سرمہ کا استعمال' شرعی حکم اور منافع:

والکُحل (بالضم) کل مایوضع فی العین للاستشفاء (ہر وہ چیز جو حصولِ شفا کی غرض سے آنکھ میں رکھی جاتی ہے) والکَحلُ (بالفتح) جعلُ الکُحل فی عینه (آنکھ میں سرمہ ڈالنے کو) کو کہتے ہیں (مواھب ص٦١) اور کَحَل بفتحتین بمعنی خلقی طور پر آنکھ کا سرمگین ہونا (تقریر ترمذی) فالفاعل کاحل والمفعول مکحول (مناوی ص ١٢٥) (تو اس کا اسمِ فاعل کاحل" اور اسمِ مفعول مَکحول" کے وزن پر آتا ہے) سرمہ مختلف قسم کے حجریات (پتھروں) سیاہ' سفید' نیلے' پیلے اور سرخی مائل سے تیار کیا جاتا ہے جو کہ انسانی آنکھوں کے لئے مفید' ذریعہ حفاظت اور زینت و جمال کا باعث ہے۔

سرمہ مستحبات میں سے ایک جائز ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود سرمہ استعمال فرماتے تھے جس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی زینت' شفاء' اور سنت وھو یکون للزینة أو التطیّب أو الاستشفاء (اتحافات ص ۸۸) بہرحال سرمہ کا استعمال درجہ استحباب میں ہے اتباعِ سنت کی نیّت سے ہو پھر تو عبادت ہی عبادت ہے۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ والاکتحال عندنا معاشر الشافعية سنة للاحاديث الواردة فيه (مواهب ص ۶۲) ہم شافعیہ کے نزدیک بوجہ ان احادیث کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا سنت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ کے پاس اسکندرانیہ کی ایک ڈبیہ تھی جس میں شیشہ' کنگھی' سرمہ دانی' قینچی اور مسواک وغیرہ ہوا کرتے تھے اور آپؐ کے شیشے کا نام المدلة تھا کان له صلى الله عليه وسلم ربعة اسكندرانية فيها مرآة ومشط ومكحلة ومقراض ومسواک وكانت له مرآة اسمها المدلة (مواهب ص ۶۵)

ابن عربیؒ کا ارشاد :

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ سرمے کے استعمال میں دو فائدے ہیں۔

(۱) زینت 'جب حصول زینت کی نیت سے استعمال کیا جائے تو یہ شرعاً مطلوب ہے باعثِ اجر وثواب بھی ہے اور یہ تصنّعاتِ مذمومہ میں داخل نہیں جو شرعاً ممنوع ہیں کحلِ زینت کے لئے شرعاً کوئی تحدید نہیں وہ بقدرِ حاجت ہے۔

(۲) تطیّب' جب تطیّب کی نیت سے استعمال ہوگا فهو يقوى البصر وينبت الشعر البتة' (تو وہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کی بڑھوتری کرتا ہے) کحلِ منفعت اور کحلِ تطیّب کے لئے وقت متعین ہے۔وقته صاحب الشرع كل ليلة (مواهب ص ۶۲) (صاحبِ شریعت نے اس کو ہر رات کے ساتھ مؤقت کیا ہے)

(۱/۴۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِیُّ اَنْبَأَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الطَّيَالِسِیُّ عَنْ عَبَّادِبْنِ مَنْصُوْرٍعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوْا لْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن حمید رازی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوداؤد طیالسی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عبّاد بن منصور سے نقل کی اور انہوں نے عکرمۃ سے۔ وہ اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے حضرت ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۱۷۰) محمد بن حُمید الرازیؒ اور (۱۷۱) عبّاد بن منصورؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اثمد کی فضیلت وبرکات:

اکتحلوا بالاثمدِ ارشاد ہے آنکھوں میں اثمد سرمہ لگایا کرو ای دوموا علی استعمالہٖ (جمع ومناوی ص ۱۲۶) یعنی اس کو پابندی سے استعمال کرو۔ اثمد ایک خاص قسم کا پتھر ہے جسے (پیس کر) سرمہ بنایا جاتا ہے۔ حجر یکتحل بہ (جمع ص ۱۲۶) تورپشتیؒ نے فرمایا یہ حجر معدنی ہے بعض نے کہا۔ ھو الکحل الاصفھانی (جمع ص ۱۲۶) (یہ اصفہانی سرمہ ہے)

اثمد کالا سرمہ ہے مگر سرخی مائل وھو اسود یضرب الی حمرۃ (مواھب ص ۶۲) اس میں بہت سے فائدے ہیں ینشف الدمعۃ والقروح ویحفظ صحۃ العین ویقوی عصابتھا لا سیما للشیوخ والصبیان (جمع ص ۱۲۶) (کہ آنسوؤں، پھوڑوں کو خشک کرتا ہے اور آنکھوں کی صحت مضبوطی تقویت کا ذریعہ بنتا ہے خصوصاً بوڑھوں اور بچوں کے لئے)

اثـمـد سرمہ کے استعمال کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے خود حضور اقدس علیہ السلام نے استعمال فرمایا اور اس کے استعمال کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ علیہ السلام صرف بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیتے ہیں ویکفی فی فضله ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکتحل به وامر باستعماله وهو لا یأمر الا بخیر (اتحافات ص ۸۸) ابن ماجۃ میں روایت ہے کہ تمام سرموں میں بہترین سرمہ اثمد ہے کہ روشن کرتا ہے نگاہ کو اور اگاتا ہے پلکوں کو (ابن ماجہ ص ۲۵۰) نیز اسی باب کی حدیث ۴/ ۵۱ صفحہ ۳۳۲ میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بالاثمد المروح عندالنوم وقال لیتقه الصائم (رسول اللہ نے سوتے وقت اثمد سرمہ لگانے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار اس سے بچے) بیهقی میں ہے کان یکتحل بالاثمد وفی سنده مقال یعنی آپ اثمد کا سرمہ لگاتے تھے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے قالت کان لرسول الله اثمد یکتحل به عندمنامه فی کل عین ثلاثا (جمع ص ۱۲۶) (نبی کریم علیہ السلام کے پاس اثمد سرمہ تھا اور سوتے وقت ہر آنکھ میں اس سے تین سلائی لگاتے) تاہم اتنا یاد رہے کہ اس کے مخاطب صحت مند ہیں مگر جو آنکھ مریضہ ہو اسے اثمد کا استعمال نقصان دیتا ہے اما العین المریضة فقد یضرها الاثمد (مواهب ص ۶۲)

فانه یجلو البصر بصارت کو روشن کرتا ہے آنکھوں کی میل کچیل دور کرتا ہے انه کی ضمیر کا مرجع اثمد ہے یا اکتحال ہے یجلوا جلاء سے ہے یعنی اثمد یا عملِ اکتحال' آنکھوں کو پاک وصاف کر دیتا ہے۔ موادردیّہ جو سر سے آنکھوں میں نازل ہوتا ہے اسے دور کر دیتا ہے ویدفع المواد الردیئة المنحدرة الیه مِن الرأس (مواهب ص ۶۲)

وینبت الشعر... انبات سے ہے یعنی آنکھوں کی پلکوں کے بالوں کی افزائش کرتا ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال سے دورانِ خون درست ہوتا ہے جس کی وجہ سے پلکوں کے بال لمبے اور گھنے ہو جاتے ہیں جب پلکیں کمزور ہوں تو آنکھوں کی صحیح حفاظت نہیں ہو پاتی تو بصارت پر اثر پڑتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد شعر اهداب العین الذی ینبت علی اشفارها وعند ابی عاصم والطبری مِن حدیث علی بسندحسن علیکم بالاثمد فانه منبتة للشعر مذهبة للقذی

مصفاة للبصر (جمع ص ۱۲۶) یعنی اس سے آنکھوں کے پلکوں کے بال مراد ہیں جو آنکھوں کے کنارے پر آ گئے ہیں۔ابو عاصمؒ اور طبریؒ نے سند حسن کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں فرمایا کہ: اثمد سرمہ استعمال کیا کرو اس لئے کہ یہ پلکوں کے بال اُگاتا ہے، میل کچیل کو دور کرتا ہے اور بصارت کو صاف کر دیتا ہے۔

بعض ائمہ متبوعین کے آراء و دلائل:

ابن حجرؒ فرماتے ہیں امر یہاں پر ندب کے لئے ہے کیونکہ سرمہ لگانا دنیوی منافع کے قبیل سے ہے بعض ائمہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اکتحال بالاثمد سنت ہے کیونکہ آپؐ نے اس پر ہمیشگی اور مواظبت کی ہے اور اس کی دعوت بھی دی ہے۔

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ فقط زینت کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے البتہ ان کے نزدیک امراضِ خفیفہ سے تداوی کے لئے سرمہ لگانا جائز ہے۔ وفی ھذا اشارة الی أننا نقصد عند الاکتحال التسنّن ودوام الصحة والاستشفاء (اتحافات) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال کرنے کے وقت طلبِ شفا اور صحت اور سنت پر عمل کرنے کا ارادہ ہو)

لفظِ زعم کی بحث:

لفظِ زعم سے قبل قولی حدیث تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سرمہ اثمد کے استعمال کی ترغیب دی اب آگے لفظِ زعم کے بعد فعلی حدیث کا بیان ہے کہ سرمہ کے استعمال سے متعلق آپؐ کا اپنا معمول مبارک کیا تھا اس میں پہلی بات تو یہ ہے لفظ زعم کا معنیٰ کیا ہے دوسرا یہ کہ اس میں ضمیر فاعل کا مرجع کون ہے؟

(۱) یہاں پر لفظِ زعم بمعنیٰ قال کے ہے دونوں ہم معنیٰ ہیں اور ضمیر حضرت ابن عباسؓ کو راجع ہے ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ ضمیر کا مرجع اگر ابن عباسؓ کو قرار دیا جائے۔ وھو أقرب وبالاستدلال أنسبُ (جمع ص ۱۲۶) (یہی زیادہ راجح اور استدلال کے مناسب ہے) اور زعم بمعنیٰ

قولِ محقق کے ہوگا و المراد به هناک القول المحقق (اتحافات ص ۸۹)

(۲) بعض حضرات نے کہا اگر چہ یہ قول ضعیف بھی ہے کہ زعــم کی ضمیر کا مرجع محمد بن حمید ہیں تو پھر زعم اپنے لغوی معنیٰ شک پر باقی رہے گا جو ضعفِ حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ درمیانی راویوں کو ساقط کر دیا گیا۔ علامہ ملا قاریؒ لکھتے ہیں فالزعم باق على معناه المتبادر اشارة الى ضعف حديثه باسقاط الوسائط بينه وبين النبى صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۱۲۶)

(۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں لفظِ زعم سے شک والی بات مراد ہی نہیں بلکہ قال اور زعم کو الگ الگ لانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ قولی حدیث اور فعلی حدیث میں امتیاز کرنا چاہتے ہیں لفظ قال سے حدیث قولی اور لفظِ زعم سے حدیثِ فعلی کو اشارہ ہے۔ اور ایک اشارہ اس امتیاز کو بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے۔ وايماء الى ان الاول حديث مرفوع والثانى موقوف اوالاول قولى والثانى فعلى (جمع ص ۱۲۶)

لفظِ مُكحلة کی بحث:

كانت له مُكحلة ... آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں آپؐ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے مكحلة اسم آلہ ہے قاعدہ کے لحاظ سے میم پر کسرہ آنا چاہیئے تھا مگر یہاں ضمہ ہے تاہم محدثین اور ائمہ لغت اسے اسم ظرف نہیں مانتے بلکہ اسم آلہ قرار دیتے ہیں جس کا ضمہ خلاف القیاس ہے اور نوادر وعجائب سے ہے۔ اسم آلة الكحل على خلاف القياس والمراد منها مافيه الكحل (جمع ص ۱۲۷)

رات کو سرمہ کے استعمال اور عملِ تثلیث کی حکمت و برکت:

يكتحل منها كل ليلة ثلاثة ... آپؐ ہر رات اس سے سرمہ کیا کرتے تھے تین سلائی اِس آنکھ میں اور تین سلائی اُس آنکھ میں۔ رات کو سرمے کے استعمال میں فائدہ یہ ہے والحكمة فيه انه حينئذٍ ابقىٰ للعين وامكن فى السراية الىٰ طبقاتها (جمع ص ۱۲۷) یعنی اس میں حکمت یہ ہے کہ سرمہ دیر تک

آنکھ میں رہتا ہے اوراچھی طرح آنکھ کے مختلف حصوں میں سرایت کر جاتا ہے۔
ثلاثة ای متوالية (جمع ص۱۲۷) **وحكمة التثليث توسطه بين الاقلال والاكثار** (مناوی ص ۱۲۷) تثلیث کی حکمت قلت اور کثرت کے درمیان متوسط عدد کو اختیار کرنا ہے)

ایتار کی صورتیں اور حکمت و برکات:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **من اكتحل فليوتر** (ابوداؤد) ایتار (طاق عدد) میں دوقول ہیں (۱) ہر آنکھ میں تین تین سلائی سرمہ کیا جائے۔جیسا احادیث میں مذکور ہے **ليكون فی كل عين يتحقق الايتار** (جمع ص۱۲۷) (تاکہ ہر آنکھ میں ایتار پر عمل ہو جائے)
(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں پانچ سلائیاں کی جائیں تاکہ مجموعی طور پر ایتار مکمل ہو۔تین دائیں میں اور دو بائیں میں جیسے کہ شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اس صورت میں مناسب صورتِ استعمال سرمہ کی یہ ہو کہ ابتداء بھی اور انتہاء بھی دائیں سے ۔ **تفضيلاً لها على اليسار** (جمع ص ۱۲۷) (دائیں کو بائیں پر فضیلت کی وجہ سے)۔
(۳) اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر آنکھ میں دو دو سلائی سرمہ کیا جائے **وواحدة بينهما** تو بھی ایتار کی تکمیل ہو جائے گی۔
(۴) اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ دائیں آنکھ میں تین سلائی **متعاقبةً** یکجا کی جائیں اور بائیں آنکھ میں دوسلائی **فيكون الوتر بالنسبة اليهما جميعاً** (جمع ص۱۲۷) (تو مجموعہ کی نسبت ایتار ہو جائے گا) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں **وأرجحها الاول لحصول الوتر شفعامع انه يتوصل ان يكتحل فی كل عين واحدة ثم وثم ويؤل امره الى الوترين بالنسبة الى العضوين** (جمع ص۱۲۷) (ان میں پہلی صورت زیادہ راجح ہے اس لئے کہ اس سے ہر آنکھ میں تین، تین سلائی دومرتبہ ڈالنا حاصل ہو جاتا ہے چونکہ اعضاء یعنی آنکھیں دو ہیں لہذا اس سے ایتار یعنی دومرتبہ ثابت ہو جاتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ۔**ويمكن الجمع بين هذه الروايات باختلاف الاوقات ففعل كلافی وقت** (مواھب ص۶۳) (ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ یہ

مختلف اوقات پر محمول ہیں تو ہر ایک صورت کو آپؐ نے کسی نہ کسی وقت اختیار کیا ہے)

شیخ عبدالرؤفؒ کی توضیح وتنبیہ:

شیخ عبدالرؤف اپنی شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانے کے دو فائدے ہیں (۱) زینت (۲) تطیّب۔ اور جب اس کا استعمال زینت کے لئے ہو تو یہ ظاہری بناوٹ اور تصنّع سے مستثنیٰ ہے اور وہ مذموم تصنّع نہیں جو شرعاً ممنوع ہے مثلاً ''وصل'' اصلی بالوں کے ساتھ جعلی بالوں کا امتزاج' الوشم جسم کے حصوں پر سوئی گودنے اور ابھرنے کے ذریعہ نقش ونگار بنانا' تفلج دانتوں میں چیر نکالنا وغیرہ۔ سرمہ زینت کرنے والوں کے لئے رخصت اور اللہ کی رحمت ہے اور جب سرمہ تطیّب کی نیت سے استعمال کیا جائے تو آنکھوں کو قوت وطاقت ملتی ہے ضعف وکمزوری کا ازالہ ہوتا ہے اوپر والے بال اگتے ہیں جو قوتِ باصرہ کو روشن کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور تیز شعاعوں سے نظر کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ہاں کحل برائے زینت کی کوئی شرعی حد مقرر نہیں ہے اس کے اظہار واخفاء میں قدرِ حاجت کا اعتبار ہے البتہ کحل منفعت کے لئے شارع نے رات کا وقت مقرر کیا ہے فائدہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ آنکھوں کے پلکوں میں رہتا ہے آنکھ کی گرمی کو سکون بخشتا ہے آنکھوں کی گہرائیوں میں خود سرایت کرتا ہے اور مقصودِ انتفاع میں اس کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔

(مناوی ص ۱۲۷)

(۲/۴۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى اَخْبَرَنَا اِسْرَآئِيلُ بن يونس عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَانَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ.

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے اس

روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسرائیل بن یونس نے عبّاد بن منصور کے حوالے سے یہ خبر دی (ح) اور ہمیں بیان کیا علی بن حجر نے۔ اُن کو بیان کیا یزید بن ھارون نے۔ اُنہیں خبر دی عبّاد بن منصور نے۔ انہوں نے یہ روایت عکرمۃ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی یہ صحابی رسول فرماتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سرمہ کے ڈالا کرتے تھے اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سُرمہ ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویانِ حدیث (۱۷۲) عبداللہ بن صباحؒ (۱۷۳) عبیداللہ بن موسیٰؒ اور (۱۷۴) اسرائیل بن یونسؒ ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ح کی توضیح :

امام ترمذیؒ اس حدیث کو تقویۃً دو اسناد کے ساتھ لائے ہیں ایک سند سے دوسری سند کے انتقال کے لئے درمیان میں ح لایا گیا ہے کہ پہلی سند یہاں ختم ہوئی اب دوسری سند لائی جارہی ہے **مابہ الاتصال فی السند** پر ح لکھ دیا جاتا ہے استدلال کے لئے ایک ہی سند کافی ہوتی ہے جبکہ تمام سندات کے لانے میں تطویل ہے۔ چونکہ اسناد کا تعدّد حدیث کی تقویت کا باعث ہے اس لئے محدثین حضرات نے تطویل سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جہاں اسناد مختلفہ ہیں ایک راوی مابہ الاشتراک ہو تو وہاں ح مفردہ درج کر کے ایک سند سے دوسری سند کو انتقال کر لیتے ہیں۔

''ح'' کا تلفظ اور معنیٰ :

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں ح کے تلفظ اور معنیٰ میں اختلاف ہے علماءِ مغرب اس کی تعبیر تحویل سے‘ علماءِ مشرق اس کو ح بالمد اور بالقصر پڑھتے ہیں مگر بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے امام شعبہؒ فرماتے ہیں حروف تہجی اور ایسا ثنائی کلمہ جس کے آخر پر الف ہوتا ہے اگر ترکیبِ کلام میں آجائے تو وہ بالمد پڑھا جاتا ہے اگر بغیر ترکیب کے مفرد استعمال ہو تو بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے جیسے با تا ثا

وغیرہ۔ بعض حضرات نے اسے معجمہ "خ" بمعنیٰ اشارۃ الی اسناد آخر قرار دیا ہے مگر زیادہ معروف اور صحیح ,,ح،، مہملہ ہے بعض حضرات کے نزدیک اشارہ ہے الی آخر ماسیجیئی کو بعض علماء مغرب اسے الحدیث سے ماخوذ اور اس کا بدل قرار دیتے ہیں مگر قول فیصل اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ح محدثین کی اصطلاح میں تحویل سے کنایہ ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونا یہاں ایک فائدہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ محدثین حضرات کے عادات میں ایک یہ بھی ہے کہ جب متعدد طرق سے ایک حدیث لاتے ہیں تو متن حدیث اس سند کا درج کرتے ہیں جو عالی ہو۔

(حقائق السنن جلداول ص ۱۰۳)

آنکھوں میں سرمہ لگانے کا طریقہ:

قال کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم .... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ سونے سے پہلے اثمد سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے۔

وقال یزید بن هارون الخ یزید بن ہارون اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپؐ سوتے وقت سرمہ استعمال کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سرمہ ڈالتے۔ گذشتہ روایت میں بھی آپؐ کا یہی معمول بیان ہو چکا ہے۔

بیان اختلافِ الفاظ:

والمقصود بیان اختلاف الألفاظ بین روایة اسرائیل وروایة یزید وقوله انّ النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم کانت له مکحلة یکتحل منها عندالنوم ثلاثاً فی کل عین هذه روایة یزید بن هارون المتاخر بعد التحویل فالحاصل ان کلاًمِن اسرائیل ویزید روی عن عباد بلفظ غیر الآخر فاللفظ الأول روایة إسرائیل عن عباد واللفظ الثانی روایة یزید (مواهب ص ۶۴) یعنی یہ روایتِ اسرائیل اور روایتِ یزید میں الفاظ کے اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے اور راوی کا یہ قول ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ الخ یہ یزید بن ھارون کی روایت ہے جو تحویل کے بعد ذکر ہے۔ حاصل یہ کہ اسرائیل اور یزید میں سے ہر ایک راوی نے عباد سے اپنے الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے تو ''ح'' سے پہلے کے

الفاظ روایتِ اسرائیل عن عباد کے ہیں اور ''ح'' کے بعد والے الفاظ روایت یزید کے ہیں۔

(۵۰/۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَنْبَأَنَامُحَمَّدُبْنُ يَزِيْدَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰق عَنْ مُحَمَّدِبْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ان کومحمد بن یزید نے خبر دی۔انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے لی اور انہوں نے محمد بن منکدر سے سنی۔وہ صحابی رسولؐ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ سوتے وقت ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۷۵) محمد بن یزیدؒ (۱۷۶) محمد بن اسحٰقؒ (۱۷۷) محمد بن المنکدرؒ اور (۱۷۸) حضرت جابرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

علیکم بالإثمدعند النوم .. اپنے اوپر اثمد سُرمہ کو لازم پکڑو سوتے وقت۔ علیکم اسمِ فعل ہے بمعنیٰ خذوہ تو مرادی معنیٰ یہ ہے کہ اکتحلوابه (جمع ص ۱۲۹) (اثمد کا سرمہ ڈالا کرو) ابن حجرؒ فرماتے ہیں والأمر للندب اجماعاً (جمع ص ۱۲۹) یعنی یہاں امر بالاتفاق استحباب کے لئے ہے) عندالنوم ای لأنه حینئذٍ أدخل و أنفع (مواهب ص ۶۴) (سوتے وقت اس کا سرمہ ڈالا کرو اس لئے کہ اس طرح آنکھ کے حصوں میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے اور زیادہ مفید ہے)

منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل:

فانه یجلو البصر وینبت الشعر یہی مضمون گذشتہ حدیث میں بھی گذر چکا ہے اخبار عن اصل فائدة الاکتحال و کونه عندالنوم ادخل فی تلک الإ فادة(مناوی ص ۱۲۹)

ملاعلی قاریؒ نے اس مقام پر طویل بحث کی ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ حدیث میں سرمہ کے فوائد کی منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل اس کی سنّیت کے منافی نہیں بالخصوص جبکہ اس پر حضور اقدس ﷺ کی مداومت اور ترغیبات قولیہ بھی موجود ہیں اور یہ منافع امورِ اخرویہ کے لئے وسیلہ بھی ہیں۔

کمعرفة الطهارة وتوجه القبلة وغیر ذلک مما یترتب علی منافع البصر حتیٰ فضله بعضهم علی السمع متعنا الله تعالیٰ بهما (جمع ص ۱۲۹) یعنی جیسا کہ طہارت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ معلوم کرنا جو نظر کے فوائد میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے بصارت کو سماعت پر ترجیح دی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کے فوائد سے بہرہ مند فرمائے۔ اور تعلیل سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سرمہ لگانے والے جب تحصیل سنت کا ارادہ کریں تو اس کے لئے یہ بھی چاہئیے کہ وہ معالجہ اور دواء کی بھی نیت کرے، عورتوں کی طرح مجرد زینت پر اکتفاء نہ کرے۔ ولذا ذهب الامام مالکؒ الی کراهة الاکتحال للرجال مطلقاً الّا للتداوی (جمع ص ۱۲۹) (اس لئے تو امام مالکؒ کے نزدیک مردوں کے لئے بغیر تداوی کے سرمہ لگانا مطلق (باقی صورتوں میں) مکروہ ہے)

(۵۱/۴) حَدَّثَنا قُتَیبَةُ بْنُ سَعِیدٍ قَالَ اَخبَرَنَا بِشْرُبْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بِنِ عُثْمَانَ بْنِ خَیْثَمٍ عَنْ سَعِیْدِبْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ یَجْلُوا لْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن مفضل نے خبر دی۔ انہوں نے عبداللہ بن عثمان بن خیثم سے یہ روایت نقل کی انہوں نے سعید بن جبیر سے نقل کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیئے سب سرموں میں اثمد بہترین سرمہ ہے آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویانِ حدیث (۱۷۹) بشر بن المفصلؒ (۱۸۰) عبداللہ بن عثمانؒ اور (۱۸۱) سعید بن جبیرؒ کے حالات

''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

ان خیر أکحالکم الإثمدُ الخ قال القسطلانی خیریّته باعتبار حفظه صحة العین لافی مرضها اذا الإکتحال به لا یوافق الرمد فقد یکون غیر الاثمدخیر الها بل ربما ضرها الإثمد وقوله یجلوا لبصر الخ الجملة واقعة فی جواب سؤال مقدر فکأن سائلاً قال ماالسبب فی کونه خیر الأکحال فقیل له یجلوا لبصر وینبت الشعر (مواهب ص ۶۴)

یعنی قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اثمد سرمہ کا بہترین ہونا آنکھ کی حفاظت کی وجہ سے ہے، آنکھ کی بیماری میں کارآمد نہیں اس لئے کہ آشوبِ چشم کی صورت میں سرمہ موافق نہیں ہوتا، بسا اوقات اس میں اثمد کے علاوہ چیز بہتر ہوتی ہے بلکہ کبھی تو اثمد آشوبِ چشم کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ یجلوا لبصر کا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ گویا کسی سائل نے پوچھا کہ اس میں بہتری کس وجہ سے ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ بصارت کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کو اگاتا ہے۔

(۵/۵۲) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِکِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں ابراھیم بن مستمر بصری نے بیان کیا۔اُن کو ابوعاصم نے عثمان بن عبدالمالک کے حوالے سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت سالم سے اور انہوں نے اپنے استاذ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا کہ اثمد ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویانِ حدیث (۱۸۲) ابراھیم بن المستمرؒ (۱۸۳) عثمان بن عبدالمالکؒ (۱۸۴) سالمؒ اور (۱۸۵) حضرت ابن عمرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایرادِ حدیث کا مقصد:

علیکم بالاثمد ... اس حدیث کا مضمون سابقاً گذر چکا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **اعلم ان فائدة ایراد هذا الحدیث مکررا باسانید مختلفة تقویة اصل الخبر وتاکید مضمونه فان عبادبن منصور ضعیف اتفاقاً وکان یدلّس ورمی بالقدر (جمع ص ۱۳۰)** یعنی اس حدیث کو مختلف اسانید کے ساتھ مکرر لانے کا فائدہ اصل روایت کی تقویت اور مضمون کی تاکید ہے اس لئے کہ راوی عباد بن منصور بالاتفاق ضعیف ہے وہ تدلیس کرتا اور اس پر قدریّت کا الزام بھی تھا۔

=====================================

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں

اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، سفید لباس، کُرتہ کی پسندیدگی، کُرتے کی ہیئت، چادر مبارک اوڑھنے، نیا کپڑا پہننے کے وقت دعا اور مختلف الوان کے لباس پہننے کے سلسلہ میں سولہ (۱۶) احادیث لائی گئی ہیں ۔باب ماجاء ای بیان ما ورد فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِن الأخبار (مواھب ص ۶۵) (باب ان احادیث کے بیان میں جو آپ ﷺ کے لباس کے متعلق وارد ہوئی ہیں)

گذشتہ باب سے ربط :

گذشتہ ابواب میں ترجّل، خضاب اور کحل کا بیان تھا ان کے بعد اب اس باب میں لباس کے سلسلہ میں وارد احادیث لائی جارہی ہیں لمناسبة لها فی أنه نوع مِن الزینة (مواھب ص ۶۵) (ان ابواب کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ، یہ بھی زینت کی ایک قسم ہے) وجاء ھذا الباب عقب الخضاب والترجل لأنه مما یتزیّن به الانسان (اتحافات ص ۹۳) خلاصہ یہ کہ خضاب، کنگھی کرنا اور لباس ان میں جامع مناسبت تزیّن ہے۔

لباس کی فضیلت:

اللباس بروزن کتاب ما یلبس فوق الجسم (جو جسم پر پہنا جاتا ہے) کو کہتے ہیں اسی طرح ملبس بروزنِ مذھب، لبس بروزنِ حمل، اور لبوس بروزن صبور کا بھی یہی معنیٰ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لباس کی تخلیق میں دو مصلحتوں اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے۔ یٰبنی ادم قد انزلنا علیکم لباساً یّواری سَوْاٰتِکم و رِیشاً (۷:۲۶) اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو کہ تمہاری

ستر پوشی اور زینت کا ذریعہ ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے السلباس زینة والعری شین (لباس زینت کا باعث ہے اور ننگا ہونا عیب ہے) (حجة اللّٰه البالغة) لباس انسان کی فطرت ہے جب حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا توان کا جنتی لباس اتر گیا اور دونوں کو شرمندگی کا احساس ہوا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَامِن وَرَقِ الجَنَّةِ (۷:۲۲) توانہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ساتھ اپنی ستر پوشی کی ۔خلاصہ یہ کہ ستر پوشی عین فطرت ہے اور عریانی خلاف فطرت ہے۔

لباس کے پانچ اقسام واحکام:

شیخ عبدالجوادالدومیؒ نے لباس کے پانچ قسمیں بیان کی ہیں ۔واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح

واللباس تعتریه الاحکام . الخمسة :فیکون واجباً کاللباس الذی یستر العورة ومندوباً کالثوب الحسن للعیدین، والثوب الأبیض للجمعة ومحرماً کالحریر للرجال ومکروهاکلبس القدیم البالی للرجل الغنی ومباحاً وهو ماعدا ذٰلک (اتحافات ص ۹۳) یعنی واجب لباس وہ ہے جو سترِ عورت کو چھپائے اور مندوب جیسا کہ عیدین کے موقع پر اچھا لباس پہننا یا نمازِ جمعہ کے لئے سفید لباس پہننا ۔اور حرام لباس جیسا کہ مردوں کے لئے ریشم کا لباس ۔اور مکروہ جیسا کہ مالدار آدمی پرانا اور بوسیدہ لباس پہنے ۔اور مباح وہ لباس جو ان کے علاوہ استعمال کیا جاتا ہے

لباس میں اعتدال:

عبدالجوادالدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اختیارِ ثیاب اور تأنّق میں اعتدال پسند تھے اور قرآن کے ارشاد کے مطابق لباس تقویٰ کی ترغیب دیتے تھے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ".(۷:۲۶) اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے)۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے ایاکم ولبستین : لبسة مشهورة، ولبسة محقورة ۔دو قسم کے لباس سے بچتے رہو ایک شہرت کے لباس سے دوسرے حقارت کے لباس سے ۔

وقال بعضهم أما الطعام فکل لنفسک ما اشتهیت واجعل لباسک ما اشتهاه الناس یعنی کھانے

میں اپنی پسند اور چاہت کا خیال رکھو اور لباس میں لوگوں کی پسند منتخب کرو۔ (جبکہ حرام لباس اور غیر اقوام کی مشابہت اس میں نہ ہو) اس لئے حضور اقدس ﷺ بھی اپنی قوم جیسا لباس پہنتے تھے اور لباس میں کسی پر بھی تفاخر اور امتیاز انہیں محبوب نہ تھا فکان یلبس الکساء الخشن ویقسم اقبیة الخز فی صحبه آپؐ خود کھدر کا کھردرا چغہ پہنتے تھے جبکہ صحابہ کرامؓ کو ریشمی کپڑے (جواز کی حدود کو ملحوظ رکھ کر) کی شیروانیاں تقسیم فرماتے تھے (اتحافات ص۹۳)

(۱/۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ اَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى وَاَبُوْ تُمَيْلَةَ وَزَيْدُبْنُ حُبابِ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ.

ترجمہ! محمد بن حمید رازی نے ہمیں بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی فضل بن موسیٰ اور ابوتمیلہ اور زید بن حباب نے۔ انہوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدہؓ سے نقل کی اور وہ روایت امّ المؤمنین اُمِ سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں۔ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۱۸۶) الفضل بن موسیٰؒ (۱۸۷) ابوتمیلہؒ (۱۸۸) زید بن حبابؒ اور (۱۸۹) عبدالمؤمن بن خالد کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قالت کان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القميص... حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو لباس کے کپڑوں میں قمیص بہت پسند تھی۔

باب کی پہلی تین روایات کا متن ایک ہی ہے سوائے تیسری حدیث کے کہ اس میں یلبسه کا لفظ آیا ہے مگر چونکہ اسناد قدرے مختلف تھے اس لئے ایک ہی متن کو علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے

لفظِ قمیص کی لغوی، عرفی، نحوی تحقیق :

القمیص اس کی جمع قُمْصٌ ، قُمُصٌ ، اَقمُص اور قُمصان آتی ہے۔ والقمیص اسم لما یلبس مِن المخیط الذی له کمان وجیب یلبس تحت الثیاب ولایکون مِن صوف کذا فی القاموس (مواھب ص ۶۶) (قمیص ایسے سلے ہوئے لباس کو جس کی آستین اور جیب ہوں اور اون سے بنا ہوا نہ ہو) قمیص کو قمیص کیوں کہتے ہیں۔ شارحینِ حدیث نے اس کی بھی توجیہات بیان کی ہیں۔(۱) یہ تقمّص سے ماخوذ ہے بمعنی تقلّب کے لتقلب الانسان فیه (اس میں انسان گھومتا پھرتا ہے)

(۲) بعض حضرات نے کہا یہ غلاف القلب کی جلد کے نام سے ماخوذ ہے فان اسمها القمیص (مواھب ص ۶۶) یعنی غلاف القلب کی جلد کو بھی قمیص کہتے ہیں۔

القمیص بالنصب والرفع دونوں طرح منقول ہوا ہے ترکیب کے لحاظ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے الغرض القمیص یا تو کان کی خبر ہے یا کان کا اسم ہے۔

اس موقع پر یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ لفظِ قمیص ہمارے معاشرے میں ایک خاص مروّج وضع کے لباس پر بولا جاتا ہے تاہم یہ اصطلاح مستحدث ہے۔ مگر یاد رہے ہمارے ماحول میں جس چیز پر ''کرتے'' کا اطلاق کرتے ہیں اہل عرب اسے قمیص کہتے ہیں جو شرفاء اور معززین کا لباس ہے۔ علماء اور شرفاء کو صلحاء کا لباس پہننا چاہئے اور مروجہ قمیص سے احتراز کرنا چاہئے۔

قمیص مبارک :

قمیص کی مقدار کتنی ہو؟ روایات میں تصریح ہے کہ اس کی لمبائی نصفِ ساق تک ہوا کرتی تھی نصفِ ساق سے نیچے بھی جائز ہے تاہم اگر کعبین کے نیچے ہو تو بالکل ناجائز ہے سنت بہر حال یہ ہے کہ زانو کے نیچے اور نصف ساق کے قریب ہو۔

حضور اقدس ﷺ کو قمیص اس لئے بھی زیادہ پسند تھی کہ ووجه احبیّة القمیص الیه صلی اللّٰه علیه وسلم انه أستر للاعضاء مِن الإزار والرداء ولانه اقل مؤنة واخف علی البدن ولابسه اکثر

تواضعاً (جمع ص ۱۳۲) (آپؐ کو قمیص پسند تھی اس لئے کہ تہبند اور چادر کی بہ نسبت یہ اعضاء کو اچھی طرح چھپاتی ہے، نیز اس کا خرچ بھی کم ہوتا ہے، بدن پر ہلکی رہتی ہے اور اس کا پہننے والا زیادہ متواضع ہوتا ہے)۔

ایک تعارض سے جواب:

بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ کو حلّہ یعنی یمنی چادریں پسند تھیں جو بظاہر اس روایت کے منافی ہیں اور بظاہر تعارض ہے حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

(۱) کہ مخیط یعنی سلے ہوئے کپڑوں میں آپؐ کو قمیص پسند تھی اور غیر مخیط یعنی اَن سلے کپڑوں میں حلّہ یعنی چادریں پسند تھیں۔

(۲) اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ أحب الثیابِ میں اسم تفضیل کی اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے کہ تمام کپڑوں سے زیادہ پسند تھی بلکہ مطلق کپڑے مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ مطلقِ کپڑوں میں سے قمیص پسند تھی۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں فھو (القمیص) أحبها الیه لبساً والحبرة أحبها الیه رداء فلا تعارض بین حدیثیھما او ذاک أحب المخیط وذا أحب غیره (مناوی ص ۱۳۱) یعنی لباس کے طور پر پہننے کے لئے تو قمیص زیادہ پسند تھی جبکہ چادر کے لئے یمنی چادر زیادہ پسند تھی لہذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں یا یہ کہ سلے ہوئے لباس میں قمیص زیادہ پسند تھی اور اَن سلے میں یمنی چادر زیادہ پسند تھی۔

مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں ایک توجیہ یہ بھی لکھی ہے کہ فالقمیص أحب باعتبار الصنع والحبرة باعتبار اللون والجنس (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳) (کہ قمیص آپ ﷺ کو باعتبار صنعت (بناوٹ) کے اور یمنی دھاری دار چادر باعتبار رنگ اور جنس کے)

قمیص کیوں پسند تھی:

یہاں یہ بات بھی واضح کردی جائے کہ آپؐ کو قمیص کس مادے سے بنی ہوئی پسند تھی۔ شیخ ابراھیم

البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ والظاھران المراد فی الحدیث القطن والکتان دون الصوف لأنه یؤذی البدن ویدر العرق ویتأذیٰ بریح عرقه المصاحب. (مواھب ص ٦٦) یعنی حدیث میں جس قمیص کا ذکر ہے اس سے بظاہر کاٹن اور کتان کی قمیص مراد ہے نہ کہ اون کی۔ اس لئے کہ اون سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کو لاتا اور جذب کر لیتا ہے جس کی بُو دوسرے ساتھیوں کے لئے باعثِ تکلیف ہوتی ہے۔ ویسے آپؐ نے صوف سے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے ہیں والصواب ان افضل الطریق طریق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم التی سنھا وامر بھا ورغب فیھا وداوم علیھا وھی ان ھدیه فی اللباس ان یلبس ما تیسر من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والکتان تارة الخ (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲) (صحیح بات یہ ہے کہ بہتر طریقہ، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے جس کو آپؐ نے اختیار فرمایا، اس کا حکم دیا، اس میں رغبت دکھائی اس پر ہمیشگی فرمائی وہ یہ ہے کہ لباس میں آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو لباس میسر آتا اس کو پہن لیتے، کبھی اون کا، کبھی کاٹن کا اور کبھی کتان کا) قمیص یعنی کرتہ کے ساتھ تقریباً تمام بدن ڈھانپ لیا جاتا ہے بدن پر کرتہ ہلکا بھی محسوس ہوتا ہے اس کے استعمال میں تکبر اور فخر بھی نہیں پایا جاتا ہے اس سے بدن اچھا خوبصورت اور ستھرا نظر آتا ہے۔

لباس میں کفایت شعاری:

حضور اقدس ﷺ نے لباس کے استعمال کے متعلق بھی انتہائی زہد و درویشانہ زندگی کو محبوب رکھا۔ چنانچہ شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں لم یکن له سویٰ قمیص واحد (مواھب ص ٦٦) یعنی آپؐ کے پاس ایک کے سوا دوسری قمیص نہیں تھی۔ ففی الوفاء عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قالت مارفع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قط غداء لعشاء ولا عشاء لغداء ولا اتخذ مِن شئی زوجین لا قمیصین ولا ردائین ولا إزارین ولا زوجین مِن النعال (مواھب ص ٦٦)

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے اور شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے کچھ بھی بچا نہیں رکھتے تھے (یعنی ایک سے دوسرے وقت کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑتے تھے سب تقسیم فرما دیتے تھے) اور بیک وقت آپؐ کے پاس کسی چیز

کے دو جوڑے نہیں ہوتے تھے نہ دو قمیصیں، نہ دو چادریں، نہ دو لنگیاں اور نہ ہی جوتوں کے دو جوڑے۔

(۲/۵۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسىٰ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ اِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ.

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں فضل بن موسیٰ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہؓ سے اخذ کی، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

دونوں روایات میں سند کا فرق:

اسی روایت کا متن پہلی روایت کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے لیکن سند حدیث میں قدرے فرق ہے اور وہ اس طرح کہ (۱) پہلی روایت میں امام ترمذی کے شیخ محمد بن حمید الرازی ہیں اور اس دوسری روایت میں علی بن حجر ہیں (۲) پہلی روایت میں محمد بن حمید نے اپنے تینوں شیوخ (فضل بن موسیٰ، ابوتمیلہ، زید بن حباب) کے واسطہ سے عبدالمومن بن خالد سے روایت کی ہے اور دوسری روایت میں علی بن حجر نے صرف فضل بن موسیٰ کے واسطہ سے عبدالمومن سے نقل کی ہے واللہ اعلم۔

مضمون حدیث بعینہٖ پہلی روایت والا ہے۔ المتن واحد والاسناد متعدد فذکرہ للحکم مؤکد (جمع ص ۱۳۲) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ متن حدیث ایک ہے اور اسناد متعدد ہیں اور ان کا تذکرہ حکم کو مؤکد کر دیتا ہے)

(۳/۵۵) حَدَّثَنَا زِيَادُبْنُ اَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْصَ قَالَ اَبُوْ عِيْسىٰ هٰكَذَا قَالَ زِيَادُبْنُ اَيُّوْبَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ

اُمِّہٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ وَھٰکَذَا رَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِیْ تُمَیْلَۃَ مِثْلَ رِوَایَۃِ زِیَادِبْنِ اَیُّوْبَ وَاَبُوْ تُمَیْلَۃَ یَزِیْدُ فِیْ ھٰذَاالْحَدِیْثِ عَنْ اُمِّہٖ وَھُوَ اَصَحُّ ..

ترجمہ! ہمیں زیاد بن ایوب بغدادی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوتمیلۃ نے بیان کیا۔ انہوں نے عبدالمؤمن بن خالد سے انہوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے ان کی والدہ کے حوالے سے اور انہوں نے امّ المؤمنین امّ سلمۃؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پہننے کے لئے سب کپڑوں میں سے کُرتہ زیادہ پسند تھا۔

راویانِ حدیث (۱۹۰) زیاد بن ایوب البغدادیؒ (۱۹۱) امّہٗ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذیؒ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کی بحث اور سابقہ روایات سے فرق:

یلبسه القمیص ... یہ جملہ حالیہ ہے اور **القمیص** کان کی خبر ہے۔ اس روایت کی سند میں پانچ فرق ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ کے استاذ بدل گئے۔ علی بن حجرؒ اور محمد بن حُمید رازی کے بدلے زیادؒ کو لایا گیا۔

(۲) صرف ابوتمیلہ دوسرے مرتبہ پر ہیں جبکہ پہلی روایت میں بھی آپؒ دوسرے مرتبہ میں تھے لیکن اس کے ساتھ اس مرتبہ میں فضل بن موسیٰ اور زید بن حباب بھی شریک تھے اور یہ کہ آپؒ کا دوسری روایت میں تو تذکرہ بھی نہیں۔

(۳) عبداللہ بن بریدۃ اور حضرت ام سلمہ کے درمیان امہ کا واسطہ ذکر ہوا جبکہ اس سے پہلے کی دونوں روایتوں میں نہیں ہے۔

(۴) اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ زیاد بن ایوب کی یہ روایت جو بواسطہ ابوتمیلہ حضرت ام سلمہؓ سے ہے اس میں ,,عن امہ،، کی زیادتی ابوتمیلہ نے کی ہے اور یہی اصح بھی ہے بنسبت ابوتمیلہ کی اس روایت کے جو کہ اس کے شاگرد محمد بن حمید الرازی نے نقل کی ہے۔

(۵) اور یہ بھی کہ ابوتمیلہ سے اس زیادتی کے ساتھ روایت بہت سے رواۃ نے نقل کی ہے جیسے کہ

حدیث۳/ ۵۵ کے آخر میں قال ابوعیسیٰ الخ سے یہ بات واضح ہے۔ امه کا نام معلوم نہیں لہذا جہالت لازم آتی ہے مگر روایت اس سے متاثر نہ ہوگی اسلئے کہ ان کی والدہ بھی صحابیہ ہیں والصحابة کلهم عدول (اور صحابہؓ (وصحابیات) سب عادل ہیں) باب ھذا کی دوسری اور تیسری حدیث پہلی کے لئے تاکید ہے تیسری حدیث میں لفظ" یلبسه " کا اضافہ ہے وقال البخاری: الحدیث الثالث أصح الثلاثة، وذلک لزیادة عن أمه فی السند (اتحافات ص ۹۵) (امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تیسری حدیث باب کی تینوں روایات سابقہ میں سے زیادہ فصیح ہے اور یہ اس لئے کہ اس روایت کی سند میں عن امہ کا اضافہ اور زیادتی ہے)

(۵۶/۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ بُدَیْلٍ یعنی ابْنَ مَیْسَرَةَ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ شَهْرِبْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ.

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن محمد بن حجاج نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاذ بن ہشام نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بدیل عقیلی کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اور انہوں نے اسماء بنتِ یزیدؓ سے نقل کی۔ یہ صحابیہ رسولؐ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کُرتہ کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔

راویان حدیث (۱۹۲) عبداللہ بن محمد بن الحجاج (۱۹۳) معاذ بن ہشامؒ (۲۹۴) ابی (۱۹۵) بدیلؒ (۱۹۶) شہر بن حوشبؒ اور (۱۹۷) حضرت اسماء بنت یزیدؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آستین مبارک :

قالت کان کُمُّ قمیصِ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی الرسغ... حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کی آستین کلائی کے پہنچے تک تھی اس حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کا بیان ہے کُم آستین کو کہتے ہیں۔

الرسغ بعض روایات میں ص کے ساتھ بھی آیا ہے الرصغ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ان کمہ الی رصغہ (مشکوۃ شریف ص ۳۷۴) (کہ آپ ﷺ کے قمیص کی آستین پہنچے تک تھی) وہ جوڑ جو کلائی اور بازو یا ہتھیلی اور کلائی کے درمیان واقع ہو جسے عام اصطلاح میں پہنچا کہتے ہیں۔ ھو مفصل الساعد والکفّ (اتحافات ص ۹۵) (رسغ بازو اور کلائی کے جوڑ کو کہتے ہیں اور اسی کا نام الکوع بھی ہے) ویسمّی الکوع (جمع ص ۱۳۴)

بیانِ حکمت:

علامہ بیجوریؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر آستین رسغِ یَد سے بڑھ جائے تو پکڑنے اور ہاتھ کی سرعتِ حرکت سے مانع ہوتی ہے اور اگر رسغ سے چھوٹی ہو تو پھر ہاتھ کا ظہور ہوگا اور اسے سردی گرمی وغیرہ سے تکلیف ہوگی۔ فکان جعلہ الی الرسغ وسطاً وخیر الامور اوساطھا (مواھب ص ۶۷) (تو آپ ﷺ کی قمیص کے آستین پہنچوں تک رکھنا درمیانی طریقہ تھا اور یہ سب امور میں بہتر ہوتا ہے)

ایک تعارض کا حل:

بعض روایات میں آستین الی أسفل الرسغ (پہنچوں سے نیچے تک) آیا ہے اور بعض میں یساوی أصابعہ (کہ انگلیوں کے برابری تک) کی تصریح ہے شارحینِ حدیث نے جمع وتطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ان روایات کو مختلف اوقات اور مختلف حالات پر حمل کیا جائے کہ کبھی یوں پہنی تھیں اور کبھی یوں وماورد مِن أن الکم کان یصل الی الأصابع فلعلہ فی بعض الاحیان او فی الحضر (اتحافات ص ۹۵) (یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی آستین انگلیوں تک لمبے ہوتے تو شاید یہ بعض اوقات کے اعتبار سے تھا یا حالتِ اقامت میں اس طرح ہوتے)

(۲) جب آستین سیدھی ہوتی تھی تو پہنچے سے نیچے تک پہنچتی تھی اور جب بار بار کے دھونے اور

استعمال سے سکڑ جاتی تھی تو پہنچے تک پہنچتی تھی۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آستین کی تمام روایات اندازہ وتخمینہ پر محمل ہیں اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے "بذل المجهود" میں تحریر فرمایا ہے کہ پہنچے کی روایات افضلیّت پر محمول ہیں اوراس سے زیادہ کی روایات سے بیانِ جواز ثابت ہے۔

(۵) علامہ جزریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کُرتہ کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ پہنچے تک ہواور کُرتہ کے علاوہ چوغہ وغیرہ میں نیچے تک لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔ قال الجزری فيه دليل على ان السنة ان لا يتجاوز كمّ القميص الرسغ وأما غير القميص فقالوا السنة فيه أن لا يتجاوز رؤس الاصابع من جبة وغيرها (جمع ص۱۳۵) أخرج سعيد بن منصور و البيهقی عن علی رضی اللّٰه عنه أنه كان يلبس القميص حتىٰ اذا بلغ الاصابع قطع مافضل ويقول لا فضل للكمين على الاصابع (مواهب ص۶۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کُرتہ پہنتے تھے جب آستین انگلیوں سے بڑھے ہوئے ہوتے تو اس کو کاٹ دیتے اورفرماتے کہ آستینوں کوانگلیوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں)

(۶) شیخ ابراھیم البیجوریؒ تعارض اوراس کا حل تحریر فرماتے ہیں۔ وورد ايضاً أنه صلى الله عليه وسلم كان يلبس قميصاً و كان فوق الكعبين و كان كماه مع الأصابع وجمع بعضهم بين هذا وبين حديث الباب بأن هذا كان يلبسه في الحضر وذاك في السفر (مواهب ص۶۸) یعنی حضوراقدسؐ کُرتہ پہنتے جوٹخنوں سے اوپر ہوتا اور آستین انگلیوں کے برابر رہتے۔ بعض نے اس حدیث اور حدیث باب کو یوں جمع کیا ہے کہ آپؐ لمبی آستینوں والا کُرتہ حالتِ اقامت میں پہنتے اورپہنچوں تک لمبا کرتہ حالت سفر میں پہنتے تھے۔

خلاصہ شیخ عبدالجواد الدومیؒ کے الفاظ میں یوں ہے کہ القصر هو الغالب ولعل الطول كان لعارض أو لبرد أو لسبب غير ذلك (اتحافات ص ۹۵) آستینوں میں قصر غالب تھااورپہنچوں سے لمبا ہونا کسی عارض یا سردی یا کسی اوروجہ سے ہوتا تھا)

علماء نے تصریح کی ہے کہ آستین کا انگلیوں سے آگے لٹکانا حرام ہے انگلیوں کی حدتک رہنا اس سے نیچے اور رسغ (پہنچے) تک یہ تینوں جائز ہیں اسلئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کی آستین رسغ سے آگے تک ہوں تو نماز میں رسغ تک ان کو کھول دے۔

(۵۷/۵) حَدَّثَنَا اَبُوعَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ أَخْبَرَنَا أَبُونُعَيمٍ اَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُشَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ وَاِنَّ قَمِيصَهُ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِيصِهٖ مُطْلَقٌ قَالَ فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ.

ترجمہ! ہمیں ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کیا ان کو ابونعیم نے خبر دی، انہیں خبر دی زہیر نے عروہ بن عبداللہ بن قشیر کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت معاویہ بن قرۃ سے ان کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضور اقدس ﷺ کے کُرتہ کا گریبان یا اس کا بٹن کھلا ہوا تھا میں نے آپؐ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تبرکاً مہر نبوت کو چھویا۔

راویان حدیث (۱۹۸) عروہ بن عبداللہ بن قشیرؒ (۱۹۹) معاویہ بن قرؒ اور (۲۰۰) ابیہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''رھط'' کا معنیٰ وتشریح:

قال اتیت ... صحابی رسولؐ بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینۃ کے ایک گروہ (رھط) کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رھط' قوم' قبیلہ اور تین اشخاص سے لے کر سات یا دس یا تیس یا چالیس اشخاص تک کی جماعت کو کہتے ہیں جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں۔ الرھط قوم الرجل وقبیلتہ (اتحافات ص ۹۶) یعنی ''رھط'' کسی آدمی کی قوم اور قبیلہ کو کہتے ہیں۔ الرھط اسم جمع ہے لا واحد لہ (مواھب ص ۶۸) اور ھو جماعۃ مِن العشرۃ الی الاربعین او مِن ثلاثۃ الی العشرۃ

(جمع ص ۱۳۵) یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے انه جاء جماعة مِن مزينة وهم اربع مائة راكب واسلموا لانه يحتمل ان يكون مجيئهم رهطاً رهطاً اولانه مبنى على انه يطلق على مطلق القوم (جمع ص ۱۳۵) (آنحضرت ؐ کے پاس قبیلہ مُزینہ کی ایک جماعت، جو چار سو سواروں پر مشتمل تھی آئی اور اسلام لے آئی اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ گروہ گروہ ہو کر آئے ہوں یا یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ لفظ مطلق قوم پر بولا جاتا ہے) لفظِ "فی" بمعنیٰ مع کے ہے ای مع رهط جیسے کہ قرآن میں ہے ادخلوا فی امم ای مع امم (مواهب ص ۶۸) (کہ داخل ہو جاؤ جماعتوں کے ساتھ کہ یہاں آیت میں فی امم بمعنیٰ مع امم کے ہے)

بیعت کی تین قسمیں:

لِنُبايعه: جار مجرور متعلق اَتیت کے ہے۔ یہ اسلام لانے کی بیعت تھی جیسا کہ علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے على الاسلام (مواهب ص ۶۸) (کہ ہم اسلام لانے کی بیعت کریں) مزينة ' مصغّر ہے مضر قبیلہ سے ہے واصله اسم امرأة (مناوى ص ۱۳۵) (اصل میں ایک عورت کا نام تھا)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تین قسمیں ثابت ہیں (۱) بيعت على اركان الاسلام (اسلام کے بنیادی ارکان پر بیعت) (۲) بيعت على الجهاد (جہاد پر بیعت) (۳) بيعت على الاعمال المخصوصة خاص خاص اعمال پر بیعت' موجودہ دور میں حضراتِ صوفیاء کرام جو بیعت لیتے ہیں وہ اسی تیسری قسم کے تحت میں آتی ہے جو اصلاحِ باطن کے لئے لی جاتی ہے مقصود اصلاح اعمال ہے جو فقہ ہی سے ہے۔

اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں اعمالِ ظاہرہ' اعمالِ باطنہ' جس طرح اعمالِ ظاہرہ کی اصلاح منصوص ہے ایسے ہی اعمالِ باطنہ کی اصلاح بھی مامور بها (ضروری) ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں تکبر' حسد وغیرہ مذموم و ممنوع اور تواضع و عبدیت کی تلقین کی گئی ہے تو یہ بھی گویا فقہ کا ایک شعبہ ہوا۔

ابن جوزیؒ وغیرہ نے جو تصوّف اور بیعت کا انکار کیا ہے تو وہ اس کے علاوہ مروّجہ مبتدعہ طریقِ بیعت و تصوف ہے جو جاہل صوفیاء نے گھڑ رکھا ہے ورنہ اصلِ تصوف اور حقیقتِ بیعت سے

کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

گریبانِ مبارک:

وانّ قمیصه لمطلق ... اس وقت آپؐ کے کُرتہ مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا **ای غیر مقید بزر قال میرک ای غیر مشدود الازرار وقال العسقلانی غیر مزرور** (جمع ص ۱۳۵) مطلب ایک ہے کہ گریبان کھلا ہوا تھا۔ یا یوں کہا **اوقال زرُّ قمیصه مطلق** الخ کہ آپؐ کی قمیص کا بٹن کھلا ہوا تھا **ای غیر مربوط** (جمع ص ۱۳۵) (بندھا ہوا نہیں تھا)

أو قال زرُّ قمیصه لمطلق (آنحضرتؐ کا گریبان کھلا تھا یا کُرتے کا بٹن کھلا تھا)۔ **قال العسقلانی الشک من شیخ الترمذی ای وهو ابوعمّار لامِن معاویة وقال بعض الشراح الشک مِن معاویة لامن دونه کما وهم** (مواهب ص ۶۸) عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شک امام ترمذی کے شیخ ابوعمارؒ کو ہوا ہے نہ کہ معاویہؒ کو۔ بعض شارحین کے مطابق معاویہؒ کو شک ہوا ہے نہ کہ ان کے علاوہ نیچے کے راوی کو)

کمالِ محبت کے تقاضے:

عشق و محبت اور کمالِ اطاعت کے تقاضے کچھ اور ہی ہوتے ہیں پھر حضراتِ صحابہ کرامؓ تو اس کا کامل نمونہ تھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حالت میں دیکھتے اسی کو سنت سمجھ کر اپنا لیتے' بلکہ اس میں ڈوب جاتے تھے چاہے وہ لباس ہی کی کسی ہیئت کا منظر کیوں نہ ہو۔

ملّا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ۔ **قال عروة فمارأیت معاویة ولا اباه الا مطلقی الازرار فی شتاء ولا خریف ولا یزران ازرارهما** (جمع ص ۱۳۶)

عروۃ فرماتے ہیں کہ: ں نے معاویہ اور ان کے باپ کو کبھی نہیں دیکھا مگر دیکھا تو ایسی حالت میں کہ ان کے گریبان کی گھنڈی (بٹن) لگی ہوئی نہیں ہوتی تھی اگرچہ گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں (بٹن) کھلی رہتی تھیں۔ اطاعت و وفاداری' محبت و خلوص اور فنائیت وہ مقدس اور پاک جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپؐ کی ایک ایک سنت اور ایک ایک عمل اور ادا محفوظ و محظوظ ہے۔

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

لفظِ ''جیب'' کی تشریح:

فأدخلت يدی فی جيب قميصه... پس میں نے اپنا ہاتھ آپؐ کے گریبان میں ڈالا۔ جیب کا معنیٰ ما يقطع مِن الثوب يخرج منه الرأس او اليد اوغير ذلک ہے جیب کا اصل معنیٰ قطع اور خرق ہے. ويطلق الجيب على مايجعل فی صدر الثوب ليوضع فيه الشئی (جمع ص ۱۳٦) (جیب کا اطلاق اس حصہ پر بھی ہوتا ہے جو کُرتہ میں سینہ کے اوپر بنایا جاتا ہے تاکہ اس میں کوئی چیز رکھی جائے)۔ قال القسطلانی لکن المراد مِن الجيب فی هذا الحديث طرف الثوب المخيط بالعنق . اس حدیث میں جیب سے مراد وہ گریبان ہے جو گردن کو گھیرے ہوئے ہو۔(مناوی ص ۱۳٦)

شقِ جیب 'صدر' پر تھا:

شارحین فرماتے ہیں کہ ظاہرِ روایت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپؐ کا شقِ جیب صدر پر تھا کیونکہ اگر شق جیبِ صدر پر نہ ہوتا تو ہاتھ داخل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ قال العسقلانی قوله أدخلت يدی الخ يقتضی ان جيب قميصه كان فی صدره (جمع ص ۳٦)

علامہ سیوطیؒ نے شق الجیب پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس حدیث کو بھی لیا ہے تاہم اس حدیث میں تصریح نہیں ہے البتہ اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے۔البحر الرائق میں کتاب الجنائز کے تحت قمیص اور درع میں فرق بیان کیا گیا ہے عورت کے کُرتے کو درع جبکہ مرد کے کُرتے کو قمیص کہتے ہیں کیونکہ اس کا گریبان سینے پر ہوتا ہے جبکہ عورتوں کا تستّر کی وجہ سے مونڈھوں پر' لہذا لغۃً بھی قمیص اور درع میں فرق ہے۔

البحر الرائق (ج۲ص ۱۷٦) میں ہے قوله الدرع لانه يقال على قميص المرأة كما فسره به فی القاموس وعلى ماتلبسه فوق القميص كما ذكره عن المغرب الخ (لفظ درع

کے لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درع عورت کی قمیص کو کہا جاتا ہے جیسے کہ صاحب قاموس کہتے ہیں اور لغت کی کتاب ''مغرب'' میں ہے کہ درع ہر وہ لباس جو قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے)

مسنون گریبان:

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بٹن اور گھنڈی لگانا بھی مسنون ہے اور کھلا رکھنا بھی سنت ہے معاویہ اور قرۃ نے تو کھلا رکھا کہ انہوں نے یہی دیکھا تھا مگر سنت دونوں ہیں کہ دونوں آپ ؐ سے ثابت ہیں۔

گریبان میں ہاتھ کیوں؟

باقی رہی یہ بات کہ بے تکلفی کے بغیر انہوں نے آتے ہی گریبان میں ہاتھ کیوں ڈالا جبکہ آپ ؐ کی ہیبت وجلال کی وجہ سے حضرات شیخین ؓ بھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ یہ نو وارد اور نو مسلم تھے' آداب سے واقف نہ تھے اور نہ کسی نے ان کو آداب سے آگاہ کیا تھا۔

دوسرا یہ کہ ان کی غرض بھی تو مسِ خاتم تھی جیسا کہ تصریح ہے **فمسست الخاتم** (کہ میں نے مہر نبوت کو ہاتھ لگایا) ہوسکتا ہے ان کی بھی یہ شرط ہو کہ ہم ایمان تب لائیں گے جب الخاتم کو مس کریں گے اور تحقیق مذھب کے لئے انہوں نے یہ جرأت کی ہو آپ ؐ نے بھی بغرض دعوت و تحقیق ان کو نہیں روکا۔

صحابیؓ کی وارفتگی:

اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ عشق تھا اور کس قدر غایت درجہ محبت تھی کہ انہوں نے جب آپ ؐ کا گریبان کھلا دیکھا تو بے صبری اور وارفتگی کے عالم میں ہر قسم کے آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گریبان مبارک کے اندر ہاتھ داخل کر کے مہرِ نبوت چھونے کی سعادت حاصل کر لی اور اس کی برکت و نورانیت سے اپنے وجود کو بابرکت اور منوّر بنا لیا اور آپ ؐ نے بھی ان کو مہر مبارک چھونے سے منع نہ فرمایا۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

وانماقصد التبرک (مواھب ص ۶۸) یعنی ان کا ارادہ تبرک حاصل کرنا تھا۔

(۵۸/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْفَضْلِ اَخْبَرَنَاحَمَّادُبْنُ سَلَمَةَعَنْ حَبِيْبِ بْنِ الشَّهِيْدِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلٰى اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ وَ قَالَ عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُبْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَاالْحَدِيْثِ اَوَّلَ مَاجَلَسَ اِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِاُخْرِجَ كِتَابِيْ فَقَبَضَ عَلٰى ثَوْبِيْ ثُمَّ قَالَ اَمْلِهٖ عَلَيَّ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَلْقَاكَ فَاَمْلَيْتُهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ اَخْرَجْتُ كِتَابِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ .

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے خبر دی۔ ان کے پاس محمد بن فضل نے اور ان کے پاس حماد بن سلمۃ نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حبیب بن شھید سے اور انہوں نے حسن سے اخذ کی۔ وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسامۃ پر سہارا لگائے ہوئے مکان سے تشریف لائے اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لپٹے ہوئے تھے پس حضور اقدس ﷺ نے باہر تشریف لاکر صحابہؓ کو نماز پڑھائی۔ عبد بن حُمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ یحیی بن معین جب میرے پاس آ کر بیٹھے تو انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے اسی حدیث کے متعلق سوال کیا۔ پس میں نے کہنا شروع کر دیا کہ مجھ سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا تو یحیی بن معین کہنے لگے کہ کاش یہ حدیث آپ اپنی کتاب سے پڑھ کر سناتے۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لئے جانے لگا تو یحیی بن معین نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور پھر فرمایا مجھے زبانی ہی لکھوادو شاید میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں چنانچہ میں نے یہ حدیث ان کو زبانی ہی سنا دی پھر میں اپنی کتاب لے آیا اور کتاب سے پڑھ کر سنا دی۔

راویان حدیث (۲۰۱) عبد بن حمیدؒ (۲۰۲) محمد بن الفضلؒ اور (۲۰۳) حبیب بن شھیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ... حضور اقدس ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے وھو

متکئی علی اسامۃ بن زید اس حالت میں کہ آپ اسامۃ بن زید پر سہارا لیے ہوئے تھے متکئی کالفظ الاتکاء سے ہے ومنہ قولہ تعالیٰ متکئین فیھا علی الار آئک (۱۳:۷۶)(تکیہ کیے ہوئے بیچ اس کے اوپر تختوں کے)اور ایک نسخہ میں متو کئی آیا ہے مِن التو کأ ومنہ قولہ تعالی اتو کأ علیھا ‘(۱۸:۲۰)(تکیہ کرتا ہوں میں اوپر اس کے)دونوں کا معنیٰ ایک ہے یعنی اعتماد اور سہارا ۔بعض عرب یہ تکیہ تکبر اور نخوت کی وجہ سے لگاتے تھے مگر بارگاہ نبوت میں یہ چیز نہ تھی آپ کا تکیہ کسی غرض اور عذر پر تھا۔

کیونکہ یہ مرض الوفات کا واقعہ ہے جس کی تائید دوسرے طرق سے ہوتی ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے۔انہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بین أسامۃ والفضل بن عباس الی الصلواۃ فی مرضہ الذی مات فیہ ۔ (حضور ﷺ مرض الوفات میں اُسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے نماز پڑھنے کے لئے باہر تشریف لائے)

حضرت اسامۃ بن زیدؓ :

حضرت اسامہؓ ،حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت زیدؓ حضور اقدس ﷺ کے متبنّٰی تھے حضرت اسامہؓ اور ان کے والد حضرت زیدؓ کو حِب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے صحابہ کرامؓ میں سے قرآن میں اگر کسی کا نام آیا ہے تو وہ صرف حضرت زیدؓ ہیں فَلَمَّا قضٰی زَیْدُ منھا وطرا (۳۷:۳۳)(پس جب پوری کرلی زید نے اس سے حاجت)دراصل سورۃِ احزاب کا یہ سارا رکوع حضرت زیدؓ کے متبنّٰی ہونے کی خصوصیّت کے ازالہ کے لئے نازل ہوا۔جس سے بظاہر ان کی دل شکنی ہوئی جس کے تدارک کے لئے قرآن میں ان کا ذکر ہوا۔صرف لفظ ,,زید،، پڑھنے سے تیس نیکیاں موعود ہیں حضرت اسامہؓ کا تعارف شیخ عبدالجواد الدومیؒ کے الفاظ میں یوں ہے۔

واسامۃ : ھو ابن زید بن حارثۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اسامۃ ابن حب رسول اللہ وابن مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی ام ایمن .أمّرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جیش فیہ عمرو کبار الصحابۃ وھو دون لعشرین ‘ وسیر ابوبکر ھذا

الجیش بعد وفاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لحرب الروم بالشام، وکان مسیرا مظفرا. مات سنة اربع وخمسین عن خمس وسبعین سنة بالمدینة. (اتحافات ص۹۷) (حضرت اسامہؓ آپ ﷺ کے متبنی ومحبوب حضرت زید بن حارثہؓ اور ام ایمنؓ کے بیٹے اور حضور ﷺ کے محبوب تھے آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو ایک ایسے لشکر کا امیر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابرین صحابہؓ موجود تھے۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر بیس (۲۰) سال سے بھی کم تھی اور اس لشکر کو ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد رومیوں سے جہاد کے لئے بھیجا تھا اور یہ سفر ان کا بڑا کامیاب رہا مدینہ شریف میں پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی)۔

ثوبِ قطری کا معنیٰ:

وعلیہ ثوب قطری یہ جملہ حالیہ ہے یا خبر ہے یہ قِطر کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک قریہ تھا ملا علی قاریؒ نے مختلف آراء نقل کی ہیں۔ "نوع مِن البرودِ، ضرب مِن البرود وفیه حمرة ولها اعلام وفیها بعض الخشونة، حلل جیاد تحمل مِن قبل البحرین، وقال العسقلانی ثیاب مِن غلیظ القطن ونحوه (جمع ص۱۳۷)

(۱) قطری یہ چادروں کی ایک قسم ہے۔

(۲) جس میں کچھ سرخی ہو اور ان پر کچھ نقش ونگار اور تھوڑا سا کھر دراپن بھی ہو

(۳) بحرین سے لائے گئے اچھے قسم کے جوڑے۔

(۴) اور امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ موٹی کپاس یا اس جیسی چیز سے بنائے گئے کپڑے)۔

التوشح کا مفہوم:

توشح به، والتوشح بالثوب إلقاء ه علی عاتقه کالو شاح ولعل المراد هنا ادخال الثوب تحت یده الیمنیٰ والقاء ه فوق منکبه الأیسر کما یفعل المحرم (اتحافات ص۹۸) (توشح بالثوب کا معنیٰ کپڑے کو کندھے پر (لپٹتے ہوئے ڈالنا) جیسے کہ گلے بند اور شاید کہ یہاں یہ معنیٰ مراد ہوں کہ کپڑے کو دائیں ہاتھ کی (بغل) کے نیچے سے داخل کر کے اس کو بائیں کندھے پر ڈالنا جیسے کہ محرم

شخص کرتا ہے)

یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے:

فصلّی بهم 'ان الفاظ کا مدلول بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے۔ أخرج ابن سعد مِن طریق ابی ضمرة اللیثی عن حمید انه قال آخر صلوة صلّاها رسول الله صلی الله علیه وسلم مع القوم فی مرضه الذی قبض فیه فی ثوب واحد متوشحاً به قاعداً (اتحافات ص ۹۸) (ابن سعد نے ابی ضمرہ لیثیؒ عن حمید کی سند سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کہا کہ آخری نماز جو حضور ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ اس بیماری جس میں آپؐ فوت ہوئے بیٹھ کر توشح کرتے ہوئے پڑھی) امام بخاریؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه الذی مات فیه وعلیه ملحفة متغطیا بها (نبی کریم ﷺ اپنی اس بیماری جس میں فوت بھی ہوئے نکلے اور آپؐ ایک بڑی چادر اوڑھے ہوئے تھے) اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے مرض الوفات کے یہی ایام تھے۔

غلبۂ ذوقِ حدیث:

سألنی یحییٰ بن معین ... امام ترمذیؒ کے استاذ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل نے کہا کہ یحییٰ بن معین نے بیٹھتے ہی مجھ سے اس حدیث کے متعلق دریافت فرمایا میں نے فوراً حدیث زبانی سنانا شروع کی فقال لو کان مِن کتابک ، تو یحییٰ بن معین نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ یہ حدیث مجھے آپ کتاب سے سنا دیتے کہ زبانی غلطی کا امکان ہے مگر تحریر زیادہ مستحکم ہوتی ہے فقمت لاخرج کتابی' میں اٹھ کھڑا ہوا تا کہ ان کے مطالبہ پر اپنی کتاب لے آؤں مگر انہوں نے فوراً مجھے دامن سے پکڑا فقبض علی ثوبی اور بٹھایا پھر ارشاد فرمایا مجھے املا کرا دیجیے اور ممکن ہے یہی میری زندگی کی آخری گھڑی ہو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں آپ واپس آئیں اور ملاقات بھی نہ ہو سکے فانی اخاف ان لا القاک۔ محمد بن فضل کہتے ہیں ان کے اصرار پر پہلے حدیث زبانی سنادی پھر کتاب لایا فقرأت علیه پس یہ حدیث کتاب سے پڑھ کر بھی سنادی۔

اس سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ سلفِ صالحین کو حدیث سے کس قدر شغف تھا، کس قدر محبت تھی اور دنیا کی بے ثباتی پر کس قدر یقین تھا۔ فانی اخاف ان لا القاک ای لانه لا اعتماد علی الحیاة فان الوقت سیف قاطع وبرق لامع وفیه کمال التحریض علی تحصیل العلم لتنفیرِ مِن الأمل سیمافی الاستباق الی الخیرات (مواهب ص ۲۹) (مجھے تو ڈر ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اس لئے کہ زندگی پر کوئی اعتماد نہیں کیونکہ وقت تو تلوار کاٹنے والی یا بجلی چمکنے کی مانند ہے اور اس میں علم حاصل کرنے پر مکمل ابھارنا اور شوق دلانا ہے اور آرزوؤں سے نفرت دلانے خاص کر نیکیوں کی طرف سبقت کرنے میں)

یحییٰ بن معینؒ!

یہ وہی یحییٰ بن معین ہیں جنہیں محدثین امام الجرح والتعدیل کے نام سے یاد کرتے ہیں امام اعظمؒ کی توثیق کرنے والے ہیں امام بخاریؒ ان کے شاگرد ہیں المدنی العظفانی البغدادی ہیں مناقب شہیرہ سے موصوف ہیں ہزاروں حدیثیں اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں واتفقوا علی امامته وجلالته فی القدیم والحدیث (مناوی ص ۱۳۸) (علماء کرامؒ متقدمین ومتاخرین آپؒ کی امامت اور علوشان پر متفق ہیں) امام احمدؒ کا مشہور مقولہ ہے کل حدیث لا یعرفه یحیی بن معین فلیس بحدیث وقال السماع مِن یحییٰ شفاء لما فی الصدور (مناوی ص ۱۳۸) (کہ ہر ایسی حدیث جس کی معرفت وتحقیق یحییٰ بن معین کو نہ ہو سکی تو گویا (وہ کوئی قوی) حدیث نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ بن معینؒ سے سماع کر لینا دلوں کی تسکین کا ذریعہ ہے) ان کی عظمت اور فضیلت کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ بعد الوفات انہیں اس تخت پر غسل دیا گیا جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا اور اسی چارپائی پر اٹھایا گیا جس پر آپؐ کو اٹھایا گیا تھا۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وتشرف بان غسل علی السریر الذی غسل علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم وحمل علی ماحمل علیه صلی الله علیه وسلم (مناوی ص ۱۳۸) ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۷/۵۹) حَدَّثَنَاسُوَیْدُبْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اِیَاسِ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِالْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْقَمِیْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ حَدَّثَنَا ھِشَامُ بْنُ یُوْنُسَ الْکُوْفِیُّ اَنْبَأَنَاالْقَاسِمُ بْنُ مَالِکِ الْمُزَنِیُّ عَنِ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَہٗ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی انہوں نے سعید بن ایاس جریری سے اور انہوں نے ابی نضرۃ سے اور انہوں نے ابوسعید الخدریؓ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسّرت کے طور پر اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کُرتہ مرحمت فرمایا ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسألک خیرہ وخیر ماصنع لہ واعوذبک من شرہ وشر ماصنع لہ۔

(ترجمہ) اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا ابنایا گیا۔ کپڑے کی بھلائی برائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لئے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی زینت وغیرہ جس غرض کے لئے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو عبادت پر معین ہو اور اس کی برائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو عُجب وتکبر وغیرہ پیدا کرے۔

راوی حدیث (۲۰۴) سعید بن ایاس الجریری کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب حضوراقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا استجد ثوباً حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں

آپ جب نیا کپڑا پہنتے ای لبس ثوباً جدیدا واغرب من قال ای طلب ثوباً جدیداً ولعل المراد طلب لبسه اوطلبه مِن اهله اوخدمه (جمع ص ۱۳۹) (جب آپ نیا کپڑا پہنتے اور زیادہ عجیب وغریب ہے جس نے یہ معنی کیا کہ آپ نے نیا کپڑا طلب کیا اور شاید کہ اس قائل کی مراد یہ ہو کہ آپ نے اس کا پہننا طلب کیا یا یہ مطلب کہ اپنے اہل (گھر والوں) یا خادموں سے طلب کیا ہو) سمّاه باسمه تو اس کپڑے کو اس کے نام سے موسوم فرماتے مثلاً جب کپڑا پگڑی کے لئے متعین ہوتا تو اس کا نام عمامہ رکھ دیتے یا چادر کے لئے تعیین ہوتی تو رداء نام رکھتے اسی طرح جو کپڑا جس غرض کے لئے استعمال ہوتا وہی نام متعین فرماتے۔

فالمقصود التعميم مثل ان يقول رزقني الله هذا القميص او كساني هذه العمامة و اشباه ذلك (جمع ص ۱۳۹) (پس مقصود تعمیم ہے مثلاً یہ فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قمیص عنایت فرمائی یا یہ عمامہ مجھے پہنایا۔ یا اس جیسے الفاظ سے (اس چیز کا نام لے کر دعا فرماتے)

یا مراد یہ ہے کہ ہر ایک کپڑے کا بنفسہٖ مستقل نام تجویز ہوتا مثلاً آپ کے ایک عمامے کا نام اسحاب تھا ہر دونوں صورتوں میں آپ کا مقصود اظہار نعمت وتشکر تھا اسلئے تو بے اختیار زبان پر اللھم لک الحمد الخ جاری ہوجاتا۔ وعلى كل حال فالقصد اظهار النعمة بدل التشكر والحمد (اتحافات ص ۹۹) اے اللہ ساری تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں۔۔۔ پس ہر صورت میں مقصود نعمت کا اظہار بطور تشکر اور حمد کے ہوتا) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے لبسه يوم الجمعة (جمع ص ۱۳۹) (تو اس کو جمعہ کے دن پہنتے) ثم يقول اى بعد اللبس والتسمية وهى سنة اللّٰهُمَّ لک الحمد كما كَسَوْتَنِيهِ . (پھر اس کے تسمیہ اور پہننے کے بعد (اور یہ سنت ہے) فرماتے اے اللہ تیرے ہی لئے ساری تعریفیں ہیں جیسے کہ آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا)

لفظِ کاف کی توجیہ:

کما میں کاف تعلیل کے لئے ہے ای اللهم لک الحمد على كسوتک لى (اے اللہ! تیرے لئے سب تعریفیں ہیں بوجہ پہنانے آپ ہی کے ذات کا مجھ کو) ایـاه یا تشبیہ فی الاختصاص کے لئے

ہے ای اللھم الحمد مختص بک کاختصاص الکسوۃ بک (مواھب ص ۷۰) اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ساتھ خاص ہیں جیسے (کسی کو) پہنانا بھی تیرے ساتھ خاص ہے) محشی مشکوۃ شریف نے مرقاۃ سے کما کسوتنیہ کی توجیہات اس طرح نقل کی ہیں الکاف تعلیلیۃ او بمعنی علی والضمیر راجع الی المسمیٰ فقولہ اسئالک استیناف دعائہ بعد تقدیم الثناء او الکاف للتشبیہ وقولہ کما کسوتنیہ مرفوع المحل بانہ مبتداء والخبر اسئلک الخ ای مثل کسوتنیہ من غیر حول منّی ولا قوۃ کذالک اسئلک خیرہ ان یتوصل الی خیرہ (مشکوۃ ص ۳۷۵)

(لفظِ کما میں) کاف تعلیلیہ ہے یا بمعنی علیٰ کے ہے اور ضمیر (کسوتنیہ) کی راجع مسمّی (جس کپڑے کا نام لیا تھا) کو ہے پس اللہ کی حمد وثناء کے بعد اسئالک کے لفظ سے دعا شروع کر رہے ہیں یا کاف تشبیہ کے لئے ہے اور کسوتنیہ بنابر مبتدا ہونے کے محلاً مرفوع ہے اور اسئلک الخ اس کی خبر ہے۔ یعنی معنیٰ یہ ہوگا جیسے کہ آپ نے بغیر کسی زور وطاقت اور استحقاق کے مجھے پہنایا اسی طرح اس کے خیر کا بھی طالب ہوں کہ میری طرف اس کے خیر وبھلائی کو پہنچادے)

دعاءِ مسنون کا مفہوم:

اسئلک خیرہ وخیر ماصنع لہ کپڑے کی خیر تو یہ ہے کہ جسم کے موافق ہو گرمی وسردی سے بچائے ستر پوشی اور زینت کا باعث بنے اور انسان یہ کپڑا پہن کر عبادت اور عبدیت کے فرائض پورے کر سکے غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر خود کو ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں۔ والخیر الذی صنع لاجلہ مِن التقوّی بہ علی الطاعۃ وصرفہ فیما فیہ رضاک نظراً لصلاح نیۃ صانعہ (مواھب ص ۷۰) (وہ خیر وبھلائی جس کے لئے یہ بنایا گیا یعنی اس کے ذریعہ طاعتِ خداوندی پر تقویت اور اس کو تیرے رضا کے کاموں میں استعمال کرنے کی دعا کرتا ہوں بوجہ نظر رکھنے اس کے بنانے والے کی اچھی نیت پر) واعوذ بک مِن شرّہ وشرّ ما صنع لہ کپڑے کا شر یہ ہے کہ وہ جسم کے ساتھ ناموافق ہو مضرت رساں ہو استکبار کا باعث ہو واعوذ بک مِن شرہ ومِن شر مایترتب علیہ مما لا ترضیٰ بہ مِن التکبر والخیلاء (مواھب ص ۷۰) (اور تجھ سے

پناہ مانگتا ہوں اس کے شر اور ہر اس چیز کے شر سے جو اس پر مرتب ہو یعنی ایسے کام جو آپ کے ناپسندیدہ ہیں یعنی ریا اور تکبر سے)

کپڑا پہننے کی دیگر دعائیں:

اس دعا کے علاوہ بھی ایسے موقع پر حضور اقدس ﷺ سے دیگر دعائیں بھی منقول ہیں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جس نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَااُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ حَیَاتِیْ ثم عمد الی الثوب الذی اخلق فتصدق بہ کان فی حفظ اللہ وفی کنف اللہ، وفی ستر اللہ حیاً ومیتاً (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ مجھے ایسی چیز پہنائی جس کے ذریعہ میں نے اپنی ستر پوشی کی اور اپنی زندگی کو خوبصورت بنایا (یہ دعا پڑھ کر) پھر اس سابقہ پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا تو یہ شخص زندہ اور مردہ حالت (یعنی زندگی اور موت کے وقت) میں اللہ کی حفاظت سایہ اور ستر میں ہوگا) اسی طرح حضرت معاذ بن انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے جسے امام احمدؒ نے تخریج کیا ہے فرمایا جس شخص نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَلَا قُوَّۃٍ غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ اور ابوداؤد نے اپنی ایک روایت میں ''وما تاخر'' کو زیادہ بیان کیا ہے (مواہب ص۷۰) (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر کسی زور وطاقت واستحقاق کے رزق عنایت فرمایا اس کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیگا)

جب دوسرے شخص کو نیا کپڑے پہنے دیکھے:

اور جس کسی نے دوسرے شخص کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو مسنون یہ ہے کہ اسے کہا جائے البس جدیداً وعش حمیدا ومت شھیدا (تو نئے کپڑے پہن اور اچھی زندگی گزار اور شہادت کی موت نصیب ہو) کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفید جدید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو یہی دعا دی۔ ولما رواہ ابوداؤد ان الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم کانوا اذا لبس احدھم ثوبا جدیدا قیل لہ تبلی ویخلف اللّٰہ تعالیٰ (مواہب ص۷۱) (اور بوجہ روایت ابوداؤد کے کہ بے شک صحابہؓ میں سے اگر کوئی ایک نیا کپڑا پہنتا تو اس کو کہا جاتا۔ اس کو تو پرانا کرے اور اللہ تعالیٰ

اس کی جگہ دوسرا دے)

(۸/۶۰) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْنُسَ الْكُوْفِيُّ اَنْبَأَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْحِبَرَةَ .

ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معاذ بن ہشام نے۔وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اورانہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔وہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔

راویان حدیث (۲۰۵)ہشام بن یونس اور (۲۰۶)القاسم بن مالک المزنی کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی''میں ملاحظہ فرمائیں۔

الحبرة کا معنیٰ اورتشریح:

کان أحب الثیاب ... حضوراقدسؐ کو پہنے جانے والے کپڑوں میں دھاریدار چادرزیادہ پسندتھی الحبرة بمعنیٰ منقش دھاریدار چادر' تحبیر کا معنیٰ ہے مختلف الوان سے لکھنا جس سے کپڑا منقش ہوجاتا ہے الحبرة کعنبة وھی نوع برود الیمن تتخذ من قطن أو کتان' مخططة بخطوط حمر أو زرق أو خضر (اتحافات ص ۱۰۰)(حبرة بروزن عنبة ہے یہ یمنی چادروں کی ایک قسم ہے جو کپاس یا کتّان (ٹھسر)وغیرہ جوسرخ اور نیلے اورسبز دھاریوں سے دھاریدار ہو بنایا جاتا ہے) والتحبیر ھو التحسین (ای تزین لا بسھا) ومنه قوله تعالیٰ فھم فی روضة یحبرون (اتحافات ص ۱۰۰) تحبیر بمعنیٰ تحسین کے ہے یعنی دھاریدار کپڑے کا پہننے والا خوبصورت ہوجاتا ہے اوراسی مادہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے (ترجمہ) کہ وہ لوگ (بہشت) کے باغ میں خوش وخرم (خوبصورت) ہوں گے) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً سرخ کپڑا پہننا

مردوں کے لئے بہتر نہیں (بعض علماء نے ناجائز لکھا ہے) البتہ مخطط دھاری دار کی اجازت ہے۔

قمیص اور الحبرة کی أحبیّت میں تعارض اور جواب:

یہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ اس حدیث اور اس سے سابق حدیث احب الثیاب القمیص میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضراتِ محدثین فرماتے ہیں۔

(۱) حدیثِ قمیص میں وضع کے اعتبار سے احبیّت ہے اور الحبرة میں جنس کی احبیّت ہے۔

(۲) حدیثِ قمیص میں احبیّت اضافیہ ہے جبکہ فی نفسه ، الحبرة احب ہے۔

(۳) القمیص سلے کپڑوں میں احب ہے جبکہ الحبرة فی الردآء میں پسند ہے۔ (جمع ص ۱۴۰)

(۴) قمیص تب پسند تھی جب آپؐ گھر تشریف فرما ہوتے اور الحبرة تب پسند تھی۔

اذا کان مع اصحابه (اتحافات ص ۱۰۱) (جب آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہوتے) وحدیث الحبرة أصح لاتفاق الشیخین علیه فلایعارضه الحدیث السابق (مواھب ص ۷۱)

(اور حدیث حبرة زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ متفق علیہ شیخین کی ہے تو اس کے ساتھ سابقہ حدیث معارض ومقابل نہ ہوئی)

الحبرة کیوں پسند تھی:

(۱) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو الحبرة اسلئے بھی پسند تھا کہ اس میں نرمی تھی جسم مقدس کو اس سے مناسبت تھی۔ فانه کان علیٰ غایة مِن النعومة واللین (مواھب ص ۷۱) (کیونکہ وہ انتہائی نرم و نازک تھی)

(۲) الحبرة یمنی چادروں میں ہے جس میں سرخ دھاریاں ہوا کرتی تھیں۔ وربما کانت بزرق ھی اشرف الثیاب عندھم تصنع مِن القطن ولذا کان احب (جمع ص ۱۴۰) (اور کبھی نیلی دھاریوں والی ہوتی تھیں یہ یمن والے لوگوں کے نزدیک انتہائی قیمتی ہوتے تھے اور یہ (چونکہ) کپاس سے بنائی جاتی تھیں اس لئے آپؐ کو زیادہ پسند تھیں)

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں یہ چادر سبز رنگ کی ہوتی تھی۔ وقیل نکونها خضراء وهی مِن ثیاب اهلِ الجنة ۔(اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حبرہ سبز رنگ کی ہوتی تھی اور یہ جنت والوں کا لباس ہے)

(۴) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو سُجِّیَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بِبُرْدِ حِبَرَۃٍ یعنی آپؐ پر ایک یمنی چادر ڈال دی گئی تھی ایک اور مقام پر ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا الْخَمِیْرَ وَ اَلْبَسَنَا الْحَبِیْرَ شکر ہے اللہ تعالیٰ جس نے ہم کو خمیر کھلایا اور الحبیر پہنایا۔

(۵) اس لئے کہ اس میں زینت زیادہ نہیں اور میل کچیل بھی اس میں ظاہر نہیں ہوتا۔

قیل انما کانت هی احب الثیاب الیه صلی اللّٰه علیه وسلم لانه لیس فیه کثیر زینة ولانها اکثر احتمالا للوسخ(جمع ص ۱۴۰) بعض نسخوں میں یلبسه کی جگہ یلبسها بھی آیا ہے جیسے کان احب الثیاب الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان یلبسها الحبرة . (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳) (حضور ﷺ کو اپنے پہنے جانے والے کپڑوں میں سے حبرہ (سرخ دھاریدار) آپؐ کو زیادہ پسندیدہ تھا)

. . . .

(۹/ ۶۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُبْنُ غَیْلَانَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَأَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْهِ قَالَ سُفْیَانُ اُرَاهَا حِبَرَةً .

ترجمہ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر عبدالرزاق نے اور ان کو سفیان نے خبر دی۔انہوں نے یہ روایت عون بن ابی جحیفہ ؒ سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔تو صحابی رسول ابو جحیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا حضور اقدس ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میرے سامنے ہے سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔

راوی حدیث (۲۰۷) عون بن ابی جحیفة کے حالات ''تذکرہ راویان شمائلِ ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں

حلة حمر آء کا معنیٰ وحکم:

قال رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیہ حلّة حمر آء .... میں نے حضوراقدس ﷺ کواس حال میں دیکھا کہ آپؐ سرخ جوڑا زیب تن کیئے ہوئے تھے۔یہ روایت حجۃ الوداع کے موقع پر بطحاء مکہ میں ہوئی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے وعلیہ حلة حمر آء جملہ حالیہ ہے حضرت سفیان حلة کی مراد متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں قال سفیان اراھا حبرةً میرا خیال ہے کہ وہ منقش جوڑا تھا سفیان یہ تعبیر اسلئے کرتے ہیں کہ خالص سرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے۔

حلة : (۱) ازار اورچادر کو کہتے ہیں ای ازار وردآء کذا فی المھذب

(۲) یہ حلة دو کپڑوں ہی کا نام ہے کذا فی الصحاح

(۳) والمراد بالحلة الحمر آء بردان یمانیان منسوجان بخطوط حمر مع سود کسائر البرود الیمنیة وھی معروفة بھذا الاسم باعتبار مافیھا مِن الخطوط الحمر والا فالاحمر البحت منھی عنه ومکروہ لبسه (جمع ص ۱۴۱) (اورسرخ جوڑے سے مراد دو یمنی چادریں جوسرخ وسیاہ دھاریوں سے بُنی ہوئی تھیں جیسے کہ باقی یمنی چادریں اوروہ حلہ حمراء کے ساتھ اسلئے مشہور ہے کہ اس میں سرخ لکیریں اوردھاریاں ہوتی تھیں۔ورنہ خالص سرخ جوڑے کے پہننے سے منع وارد ہوئی ہے اوراس کا پہننا مکروہ ہے)ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص کا حضوراقدس ﷺ پر گذر ہوا وعلیہ حلتان حمراوان (اوراس پر دو کپڑے سرخ رنگ کے تھے)اس نے آپؐ پرسلام ڈالا مگر آپؐ نے جواب نہ دیا۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے اسلئے ناپسندیدہ ہیں۔ لانه زینة الشیطان وموجب للخیلاء والطغیان (جمع ص ۱۴۱)(کہ وہ شیطانی زینت ہے اورانسان میں غرور وتکبر پیدا ہوجانے کا ذریعہ ہیں) اوراگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وعلیہ حلة حمر آء اپنے حقیقی معنیٰ پرمحمول ہے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔

توپھر اسی صورت میں ملاعلی قاریؒ نے اس کی دو توجیہات کی ہیں۔

(۱) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپؐ نے الاحمر البحت (خالص سرخ)پہنا ہے تو یہ قبل النھی

(یعنی حضور علیہ السلام کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ) تھا۔

(۲) یا بیانِ جواز کے لئے تھا۔

سرخ لباس کے مردوں کے لئے جواز وعدم جواز پر کتابوں میں کافی بحث کی گئی ہے فقہاء کرامؒ نے مکروہ لکھا ہے اگر دھاریدار ہو یا اس کا سوت رنگا ہوا ہو تو جائز ہے ابن جریر طبری نے مطلقاً جائز لکھا ہے مگر ثقاہت اور مروّت کے خلاف ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں خود حنفیہ کے اس میں مختلف اقوال ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ رنگ مرد کے لئے فتویٰ کے لحاظ سے جائز ہے اور تقویٰ کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ یہ علماء میں مختلف فیہ ہے (خصائل)

تہبند، پاجامہ کا مسنون معیار:

کانی انظر الی بریق ساقیه گویا میں اس وقت حضور اقدس علیہ السلام کی دونوں مبارک پنڈلیوں کی نورانیت دیکھ رہا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس علیہ السلام کا تہبند مبارک نصف پنڈلی تک تھا۔ تہبند ہو یا پاجامہ نصف ساق تک سنت اور ٹخنوں تک ہونا مستحب ہے اگر ٹخنوں سے نیچے ہو جائے اگر از روئے تکبر ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ **فیسن للرجل الی نصف ساقیه ویجوز الی کعبیه ومازاد حرم ان قصد الخیلاء والا کرہ** (مناوی ص ۱۴۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کی پنڈلی پر نظر پڑ جائے تو جائز ہے اور اسی پر اجماع ہے مگر یہ تب ہے جب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں **وندب تقصیر الثیاب الی انصاف ساقین** (اور مستحب ہے کپڑوں کا نصف پنڈلیوں تک کوتاہ رکھنا) جیسا کہ مختلف روایت میں وارد ہے (۱) **ارفع ازارک فانه اتقیٰ و انقیٰ** (اپنے تہبند کو اوپر باندھو کہ یہ زیادہ تقویٰ اور صفائی کا ذریعہ ہے)

(۲) طبرانی میں ہے **کل شئی مس الارض مِن الثیاب فی النار** (ہر وہ کپڑا جو زمین پر (بوجہ لمبا ہونے) لگے وہ آگ میں ہے یعنی پہنے ہوئے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اچھا نہیں)

(۴) بخاری میں ہے ماأسبل مِن الكعبين مِن الازار في النار (اى محله فيها فتجوز به عنه للمجاورة (مناوی ص ۱۴۲) (تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو وہ آگ میں ہے (یعنی اس کی سزا آگ ہے)

صحابہ کرامؓ کے ذوقِ محبت کا اظہار:

حضراتِ صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کی ذات والاصفات سے کتنا عشق و محبت والہیت اور پیار تھا کہ جب بھی آپؐ کی ذاتِ اقدس کا تذکرہ کرتے تو اپنی محبت وجنون اور وارفتگی چھپائے بھی نہ چھپتی اور چھلک پڑتی۔

حضرت ابوجحیفہؓ کا یہ جملہ ''گویا میں اب بھی آپؐ کی پنڈلی مبارک دیکھ رہا ہوں'' اسی ذوق محبت کمال عشق اور مخلصانہ جذب وکیف کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے گویا آپؐ کے مبارک تصور سے اب بھی ان کا دل و دماغ اور ظاہر و باطن منور اور معطر ہو رہے ہیں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یارؐ

جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

شیخ عبدالجواد الدومیؒ نے یہاں کچھ مزید روایات بھی نقل کی ہیں نذرِ قارئین ہے۔

وفيه أيضاً : ورأيت النبي صلى الله عليه وسلم يتوضأ،ورأيت الناس يتدرون بلل وضوئه ، أى مافضل من ماء وضوئه ، فمن أصاب منه شيئاً مسح به وجهه ، ومن لم يصب منه شيئاً أخذ من بلل صاحبه .وزاد من طريق شعبة عن عون عن أبيه : وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه يمسحون بهما وجوههم . قال : فأخذت يده فوضعتها على وجهي ، فاذا هي أبرد من الثلج ، وأطيب رائحة من المسك"وعليه حلة حمرآء".(اتحافات ص ۱۰۱، ۱۰۲) (اور اسی طرح اس میں ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو وضو کرتے دیکھا اور میں نے (اس دوران) اور لوگوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے وضوء کے بقیہ پانی کی طرف جلد بازی کرتے تھے جس شخص کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو اس کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کر لیتا (یعنی اس تری کو چہرہ پر ملتا) اور اگر اس سے نہ ملتا تو اپنے ساتھی سے کچھ پانی کی

تری لے کر اپنے چہرہ پر لگاتا۔ اور شعبہ عن ابیہ کی سند میں ہے کہ لوگ شروع ہوئے کہ آپؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر ملتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرہ پر رکھا تو اچانک وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا اور آپؐ پر ایک سرخ جوڑا تھا)

(۱۰/۶۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ اِسْرَآئِيلَ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ اَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَآءَ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَتْ جُمَّتُهُ لَتَضْرِبُ قَرِيبًا مِّنْ مَنْكِبَيْهِ ..

ترجمہ! ہمارے سامنے علی بن خشرم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی انہوں نے یہ روایت اسرائیل سے ابی اسحٰق کے حوالے سے اخذ کی اور وہ صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اس وقت حضور اقدس ﷺ کے پٹھے حضور کے مونڈھوں کے قریب تک آ رہے تھے۔

راوی حدیث (۲۰۸) علی بن خشرمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

یہ حدیث باب اول میں تیسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔ متعلقہ بحث وہاں ملاحظہ فرماویں یہاں تو حلۃ حمرآء کی مناسبت سے دوبارہ لائی گئی ہے۔

(۱۱/۶۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَنْبَاَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اِيَادٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي رِمْثَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا عبدالرحمٰن بن مہدی نے۔ ان کو یہ روایت عبیداللہ بن ایاد سے ملی۔ انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے صحابی ابو رمثہؓ

سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔
راوی حدیث (۲۰۹) عبید اللہ بن ایادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔
حدیث کی تشریح ۸/۶۰ میں تفصیل سے کی جا چکی ہے۔

(۱۲/۶۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ عَنْ جَدَّتَيْهِ دُحَيْبَةَ وَعُلَيْبَةَ عَن قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ ..

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کے متعلق عبد اللہ بن حسان عنبری نے اپنی دادی دُحیبۃ وعُلیبۃ کے حوالے سے بتلایا۔ انہوں نے یہ روایت قیلہ بنت مخرمہ سے حاصل کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پر دو پرانی لنگیاں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے۔
راویان حدیث (۲۱۰) عفان بن مسلمؒ (۲۱۱) عبد اللہ بن حسان العنبریؒ (۲۱۲) دحیبۃؒ (۲۱۳) علیبۃؒ اور (۲۱۴) قیلۃ بنت مخرمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قالت رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ الخ حضرت قیلۃؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں اسمال سمل کی جمع ہے کہا جاتا ہے سمل الثوب یا ثوب ثمیل 'پرانا کپڑا' بوسیدہ کپڑا یہاں اسمال صیغہ جمع کا ہے مراد مافوق الواحد ہے۔ بمعنیٰ بوسیدہ کپڑے کے ' وھو الثوب الخلق (جمع ص ۱۴۵) المُلَيَّة ' الملاءۃ کی تصغیر ہے بمعنیٰ چادر کے جو یک بری ہو اور سلی ہوئی نہ ہو (غیر مخیط) بلکہ اس کی نسج (بنائی) ایسی ہو کہ سلائے بغیر استعمال ہو سکے۔ وفي النهاية هي الازار وفي الصحاح

الملحفة (مناوی ص ۱۴۵) (اور نہایہ میں ہے کہ **ملیّة** کا معنی تہبند ہے اور صحاح میں ہے کہ یہ بمعنی **ملحفه** بڑی چادر کے ہے)

الملیّة بھی واحد کا صیغہ ہے **مُلَیَّتین** اس کا تثنیہ ہے بمعنیٰ دو چادریں۔ یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی آپؐ پر دو پرانی چادریں تھیں۔

کانتا بزعفرانٍ وقد نفضته یعنی دونوں چادریں زعفران سے رنگی ہوئی تھیں، مگر بوسیدگی کی وجہ سے زعفرانی رنگ زائل ہو چکا تھا۔

کانتا بزعفران ای مصبوغتین به واما قول الحنفی ای مخلوطتین ففیه تسامح (جمع ص ۱۴۵) (یہ دونوں زعفران میں رنگی ہوئی تھیں اور حنفیؒ کا یہ قول کہ ان میں زعفران کی ملاوٹ تھی تو اس میں اس سے تسامح ہوئی) **وقد نفضته ای الأسمال او کل واحدة مِن الملیّتین لون الزعفران ولم یبق اثر منه** (جمع ص ۱۴۵) (اور بوسیدگی نے زعفرانی رنگ جھاڑ دیا تھا یا ہر ایک دونوں چادروں میں سے زعفرانی رنگ زائل ہو گیا اور کوئی اثر باقی نہ رہا) **نفض** کا اصل معنیٰ غبار جھاڑنے کے لئے کسی چیز کو حرکت دینا ہے یہاں لونِ زعفران کے زوال سے کنایہ ہے **لکونه مِن لوازمه** (مناوی ص ۱۴۵) (کہ زائل ہونا جھڑنے کے لوازمات میں سے ہے)

ایک تعارض سے جواب:

ایک حدیث میں ہے کہ **نهی عن التزعفُر للرجال** (یعنی حضور اقدس ﷺ نے مردوں کے لئے زعفرانی رنگ منع فرمایا یعنی مرد اپنے اعضاء واندام اور کپڑوں کو زعفرانی رنگ سے رنگنے سے پرہیز کریں) امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مردوں کے لئے زعفرانی رنگ کثرت سے استعمال کرنے سے نہی آئی ہے کیونکہ تھوڑے زعفران کے استعمال کی رخصت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حدیث سے نکلتی ہے (لغات الحدیث ز۔ص ۱۹)

بظاہر اشکال یہ ہے کہ جب آپؐ نے زعفرانی رنگ استعمال کرنے سے منع فرمایا تو خود اس رنگ کی چادریں کیوں اوڑھی ہیں بظاہر تعارض ہے۔

محدثین کرامؒ حضرات فرماتے ہیں (۱) کہ وقد نفضته سے اس کا جواب ہو جاتا ہے کہ ان چادروں کو کسی وقت زعفرانی رنگ ضرور دیا گیا تھا مگر وہ اس کے استعمال سے آہستہ آہستہ زائل ہو گیا تھا اور جب استعمال میں لائیں گئیں تو زعفرانی رنگ کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے یہ زعفرانی چادریں نہی سے قبل پہنی ہوں جس پر حدیث میں مذکور طویل قصہ بھی دلالت کرتا ہے انها كانت في اوّل الاسلام (جمع ص ۱۴۶) (کہ آپؐ کا اس قسم کی چادروں کا پہننا اسلام کے ابتدائی دور میں تھا)

لباسِ فقر اور لباس فاخرہ میں مدار نیّت پر ہے:

زیر بحث حدیث میں تو بذاذة الهيئت اور رثاثة اللباس کی طرف اشارہ ہے اور بعض روایات میں لباس فاخرہ بھی منقول ہے جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ستائیس (۲۷) اونٹیوں کے بدلے میں ایک جوڑا کپڑوں کا خریدا تھا اور پہنا بھی تھا جو اگر چہ ایک ضرورت کے پیش نظر وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام معمول کا لباس آپؐ کا معمولی درویشانہ اور بقدر کفاف ہوا کرتا تھا) جس سے زینت و جمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہ تو عملِ مبارک ہے اس طرح قولِ مبارک میں بھی دونوں قسم منقول ہیں

البذاذة من الايمان' الرثاثة مِن الايمان . ان الله يحب الجمال . ان الله نظيف يحب النظافة (آپؐ نے سادگی اور زینت کے عدم اہتمام کو ایمان کی علامت کہا ہے اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورتی اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک وصاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں)۔ اصحاب السنن نے روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا۔ وعليه اطمار وفي رواية النسائي ثوب دون (جمع ص ۱۴۶) (اور اس کے بدن پر بوسیدہ کپڑے تھے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ معمولی کپڑے تھے) آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ کہا جی ہاں' فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ عرض کیا اللہ کی ہر نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اونٹ ہیں بکریاں ہیں وغیرہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فكثر نعمته وكرامته عليك اي فاظهر اثر نعمته بالحمد والشكر بلسان القال والحال ليكون سبباً للمزيد في الاستقبال والمآل قال تعالىٰ (واَمّا بنعمة ربك فحدث (جمع

ص ۱۴۶) تو پھر تو آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسان ونعمت کا اظہار حمد وشکر کے ساتھ اپنے قول وعمل میں کرتا رہ تاکہ مستقبل میں یہ (اللہ تعالیٰ) کے مزید انعامات اور احسانات کا سبب بنے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیئے) اور سنن میں یہ روایت بھی منقول ہے۔ ان اللہ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده ای لا نبائه عن الجمال الباطن وهو الشكر علی النعمة (جمع ص ۱۴۶) (اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھیں اس لئے کہ بندہ کا نعمتوں کے اظہار سے اس کے اندرونی جمال یعنی نعمتوں پر شکریہ کرنے کی کیفیت کا پتہ چل جاتا ہے)

علماء محققین اور حضراتِ محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اس میں قولِ فیصل نیت ہے اچھا اور عمدہ کپڑا اگر تحدیث نعمت کے طور پر ہے تو افضل اور موجبِ ثواب ہے جبکہ کتمانِ فقر کے لئے لباس فاخرہ پہننا افضل ہے اور اگر یہی لباس استکبار وریا اور سمعة و شہرت کا باعث ہو تو پھر ناجائز ہے اسی طرح بذاذة الھیئة اور رثاثة اللباس میں بھی نیت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں نیت کے مدار ہونے پر لکھا ہے کہ وكذالک لبس الدنیٔ من الثیاب یذم فی موضع ویحمد فی موضع فیذم اذا كان شهرة وخیلاء ويمدح اذا كان تواضعاً واستكانة كما ان لبس الرفیع من الثیاب یذم اذا كان تكبرًا وفخرا وخیلاء ويمدح اذا كان تجملاً واظهار النعمة اللہ ففی صحیح مسلم عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال حبة خردل من كبر ولا یدخل النار من كان فی قلبه مثقال حبة خردل من ایمان قال رجل یا رسول اللہ انی احب ان یكون ثوبی حسنا ونعلی حسنا افمن الكبر ذاک فقال لا ان اللہ جمیل یحب الجمال الكبر بطر الحق وغمط الناس (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲) (اسی طرح بوسیدہ اور غیر قیمتی کپڑے پہننا کبھی قابل مذمت وبرائی اور کسی وقت قابل مدح وتعریف ہوتے ہیں۔ یعنی جب تکبر اور شہرت کے لئے پہنے جائیں تو پھر قابل مذمت اور برائی ہیں اور جب وہ تواضع اور ستر پوشی کی غرض سے ہوں تو قابل مدح وتعریف ہیں اور یہی حال اچھے اور قیمتی کپڑوں کا ہے کہ اگر بڑائی فخر اور تکبر کی نیت سے ہوں تو برائی اور قابل مذمت ہیں اور اگر تجمل خوبصورتی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لئے ہوں تو پھر قابلِ مدح وتعریف ہوں گے۔ صحیح مسلم

میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا تکبر اور بڑائی ہو اور دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میرے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں کیا یہ بھی تکبر میں سے ہے آپؐ نے فرمایا نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں تکبر تو حق بات کو نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے)

حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد:

حضرت ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں نفس کے دھوکہ سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت اور تواضع کے اظہار میں ریا وسمعہ اور عمدہ لباس میں تکبر ونخوت خطرناک امور ہیں ان ہی کے متعلق ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نہایت ہی عمدہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا کسی گدڑی پوش اور شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

یا ھذا ھیئتی ھذہ تقول الحمدللہ وھیئتک ھذہ تقول اعطونی مِن دنیا کم شیئاً للہ (جمع ص ۱۴۶) (اے شخص میری یہ شکل وہیئت (یعنی اچھا لباس پہننا) (زبان حال) سے الحمدللہ کہتی ہے یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو رہا ہے اور آپ کی یہ شکل وہیئت (گدڑی پوشی) زبان حال سے کہتی ہے کہ کچھ مال اللہ کے لئے مجھے دید یجئے (جس سے حرص ولالچ مترشح ہو رہا ہے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لا بد للسالک فیھما مِن تصحیح النیة واخلاص الطویة فلا یلبس افتخاراً ولا یترک بخلاً واحتقاراً (جمع ص ۱۴۶) (اس لئے سالک کے لئے تصحیح نیت اور اپنے اندرونی معاملہ میں اخلاص انتہائی ضروری ہے پس (اس کو چاہئے) کہ اچھا اور عمدہ لباس بطور فخر وریا کے نہ پہنے اور نہ ہی بخل اور حقارت سے اس کا تارک بنے)

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ۔ والفصل العدل ان جمال الھیئة اما محمود وھو ما اعان علی طاعة ومنہ تجمل المصطفیٰ للوفود واما مذموم وھو ما للدنیا او للخیلاء (مناوی ص ۱۴۷) (حد فاصل اور اعتدالی کیفیت یہ ہے کہ خوبصورتی یا محمود (قابل مدح) ہوگی ۔ یعنی جو طاعتِ خداوندی پر معین

مددگار اور آمادہ کرنے والی ہو حضور ﷺ کے باہر کے وفود کے لئے تجمل اسی غرض سے ہوتا تھا۔ اور یا خوبصورتی قابل مذمت ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی اغراض تکبر اور بڑائی کے لئے ہو)

وفی الحدیث قصة طویلة اور اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے ملاعلی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ تقریباً دو ورق کا ہے مگر اس کو آپؐ کے لباس سے کوئی مناسبت نہ تھی اسلئے ترک کردیا گیا۔ **وقال ابن حجر وترکها لعدم مناسبتها لما هو فيه** (جمع ص ۱۴۷) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو مصنفؒ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس باب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں تھی) وہ قصہ مختصر یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اپنے پاؤں پر گوٹھ مار کر یعنی دونوں رانوں کو پنڈلیوں کے ساتھ ملا کر) تشریف فرما تھے دست مبارک میں کھجور کی چھڑی تھی آپؐ بڑے متفکر نظر آرہے تھے ایک خاتون یا مرد حاضر خدمت ہوا آپؐ پر سلام کیا آپؐ نے جواب دیا آپ دو زعفران زائل شدہ پرانی چادریں اوڑھے ہوئے تھے

راوی کہتے ہیں جب آپؐ پر میری نظر پڑی تو آپؐ کے رعب وجلال سے مجھ پر ہیبت اور خوف طاری ہوگیا **ارعدت مِن الفرق** (میں خوف کے مارے لرز گیا) آپؐ نے میری طرف دیکھا **فقال وعلیک السکینة فذهب عنی ماأجد مِن الروع** (جمع ص ۱۴۷) پس آپؐ نے ارشاد فرمایا تجھ پر سکینہ وآرام ہو آپ ﷺ کی اس قدر توجہ وعنایت اور ارشاد مبارک سے میرا خوف وہیبت سکینہ اور اطمینان سے بدل گیا۔

(۶۵/۱۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسْهَا اَحْيَآءُ كُمْ وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت بشر بن مفضل نے بیان کی انہوں نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے اخذ کی انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے صحابی رسول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑوں میں مُردوں کو دفن کرنا چاہئے۔

سفید کپڑے کے استعمال کی ترغیب:

قـال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیکم بالبیاضِ من الثیاب لوگو!تم پر لازم ہے کہ سفید کپڑے پہنا کرو عـلیکم 'اسم فعل ہے بمعنیٰ الزموا کے ہے ای الـزمـوا لبس الابیض (مواهب ص ۴۷) (یعنی تم اپنے اوپر سفید لباس پہننے کو لازم کرلو) وحمل البیاض علی المبالغة اوعلی حذف المضاف ومِن الثیاب بیان له . البیاض ای الثیاب البیض بولغ فیها فکانها نفس البیاض او البسوا ذا البیاض علی حذف المضاف (خصائل عربی حاشیه) اورحدیث میں عـلیکم بالبیاض میں یا تو بیاض مبالغہ پر محمول ہے اور یا یہاں مضاف محذوف ہے اور لفظ میں مـن الثیـاب یہ اس کا عطف بیان ہے یعنی الثیاب البیض (سفید کپڑے) اس میں مبالغہ کیا گیا گویا کہ کپڑے بعینہ سفیدی ہوئے اور یا البسوا ذا البیاض یعنی تم سفیدی والے پہنو تو یہاں حذف مضاف ہوا)۔

لیـلْبَسهـا احیاء کم الخ یعنی تمہارے زندہ لوگ سفید کپڑے پہنیں اور مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو اس حدیث میں آپ ؐ کے سفید کپڑوں کے پہننے کا ذکر نہیں مگر امت کو حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ترغیب دی جارہی ہے تو خود بھی پہننا پسند تھا اور پہنا بھی ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ قال اتیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وعلیه ثوب ابیض ۔(میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس پر سفید کپڑے تھے) چنانچہ علماء کرام اور صلحاء امت کا معمول بھی ہے اور ترغیب بھی کہ سفید کپڑے پہن کر جمعہ کے روز مسجد میں آنا یا قرأت قرآن اور علمی ودینی اور روحانی مجالس میں شریک ہونا ایک عمدہ اور بہتر عمل ہے عید کے روز بھی عمدہ اور اعلی بلکہ نیا کپڑا پہننا (اگرچہ وہ سفید نہ ہو) انسب ہے۔

شیخ عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں ۔فی هذا الحدیث یرغب نبینا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم فی

البیاض .. ویحببه لنا فی الحیاة وبعد الممات والتعلیل کما جاء فی الحدیث الآتی لانها اطهر واطیب وقد ورد أن أحب الالوان إلی اللّٰہ البیاض (اتحافات ص ۱۱۱) (اس حدیث میں ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سفید کپڑے پہننے کی ترغیب دے رہے ہیں اور انہی سفید کپڑوں کو ہمارے لئے زندگی اور موت کے بعد بھی پسند فرماتے ہیں اور اس کی علت اور وجہ آئندہ حدیث میں ہے۔ کہ یہ پاک وصاف اور اچھے رہتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ رنگوں میں زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کو سفید رنگ ہے)

(۶۶/۱۴) حَدَّثَنَامُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنْ مَیْمُوْنِ بْنِ اَبِیْ شَبِیْبٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَاَطْیَبُ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی ان کو سفیان نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالے سے نقل کیا۔ انہوں نے میمون بن ابی شبیب سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرو اسلئے کہ وہ زیادہ پاک وصاف رہتے ہیں اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفنایا کرو۔

راویان حدیث (۲۱۵) حبیب بن ابی ثابت اور (۲۱۶) سمرۃ بن جندبؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سفید کپڑا اطہر واطیب ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم البسوا البیاض الخ آپؐ نے ارشاد فرمایا لوگو! سفید کپڑا پہنو فانھا اطھر جب وہ اطھر و نظیف ہو کیونکہ اس پر جب میل کچیل لگ جائے فوراً نظر آتی ہے اور فوراً دھو کر صاف کردی جاتی ہے گویا اطہر ہے ظاہر کے لحاظ سے و اطیب یعنی احسن وانقی باعتبار باطن

ہے لغلبة دلالتها على التواضع والتخشّع ولانها تبقى على الحالة التى خلقت عليها فليس فيها تغيير خلق الله تعالىٰ (مواهب ص ۷۴) (اکثر سفید لباس کی دلالت خشوع وخضوع پر ہوتی ہے اور یہ رنگ اپنی خلقی حالت پر قائم دائم رہتا ہے۔اس میں اللہ کی خلقت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی)

كفنوا فيها موتاكم إلخ علامہ عبدالجوادالدومیؒ لکھتے ہیں

جب زندہ لوگ مساجد جاتے وقت اور بڑوں کی ملاقات کے وقت سفید کپڑے پہنتے ہیں تو مُردوں کو ان کا پہننا زیادہ انسب ہے اسلئے کہ یہ تو ربّ کریم اور ملائکہ مقربین کی ملاقات کے لئے جارہے ہیں دوسرا یہ کہ ان کی تیاری میں محنت کم اور تکلّفات کالعدم ہوتے ہیں بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ سفید لباس میں کفنانے کے حکمت یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو گناہوں سے پاک ہو سفید رنگ کی طرح صاف ستھرا ہو اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جیسا کہ سفید لباس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے (ملخصاً از اتحافات ص ۱۱۲)

(۱۵ /۶۷)حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِىْ زَآئِدَةَ اَخْبَرَنَا اَبِىْ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ..

ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ نے خبر دی انہوں نے مصعب بن شیبۃ سے صفیہ بنت شیبہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت سماعت کی آپ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپؐ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔

راویان حدیث (۲۱۷) یحییٰ بن زکریاؒ (۲۱۸) ابی (۲۱۹) مصعب بن شیبۃؒ اور (۲۲۰) صفیۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیاہ بالوں کی چادر :

قالت خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم .... سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لے گئے وعلیہ مرط مِن شعر اسود آپؐ سیاہ بالوں والی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔

مرط (نصر) کے باب سے ہے بمعنیٰ اکھیڑنے اور کھینچنے کے، یہاں مراد کملی ہے مرط عموماً خز سے یا صوف سے یا کتان سے یا سیاہ بالوں سے بنائی جاتی ہے جو کشادہ اور طویل ہوتی ہے وھو کسآء طویل واسع مِن خز او صوف اوشعر او کتان یوتزر (جمع ص ۱۴۹) (یہ ایک لمبی کشادہ چادر ریشم یا اون یا بالوں اور کتان کی ہوتی ہے جو بطور تہبند استعمال ہوتی ہے) اسود، مرط ساری سیاہ نہ تھی یہ وصف بطور اغلب کے ہے۔ سیاہ رنگ کی اس نوعیت کی کملی سے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کالی کملی والے مشہور ہوئے ابوداؤد میں اس کی مزید تصریح ہے کہ بالوں (اون) کی بنی ہوئی چادر میں آپؐ کو زیادہ پسینہ آیا آپؐ نے تکلیف محسوس کی تو اسے اتار دیا۔

(۶۸/۱۶) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسَی اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ بْنُ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِیْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِیَّةً ضَیِّقَةَ الْکُمَّیْنِ ..

ترجمہ! ہمارے پاس یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا ان کے پاس وکیع نے اور ان کے پاس بیان کیا یونس بن ابی اسحٰق نے اپنے باپ کے حوالے سے انہوں نے شعبی سے اور انہوں نے عروة بن مغیرة بن شعبہؓ سے اپنے باپ کے حوالے سے۔ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ نے ایک رومی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

راویان حدیث (۲۲۱) الشعبیؒ (۲۲۲) عروةؒ اور (۲۲۳) ابیہ ؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

رومی جبہ :

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیّۃ کہ حضوراقدس ﷺ نے روم کا بنایا ہوا جبۃ پہنا تھا ضیقۃ الکمین جس کی آستین تنگ تھیں شارحین نے لکھا ہے یہ رومی جبہ پہننا سفر میں تھا اور یہ سفرغزوہ تبوک کا تھا۔ای فی السفر قالوا وکان ذلک فی غزوہ تبوک (مناوی ص ۱۵۰)

ایک تعارض سے جواب:

اس حدیث میں جبہ کے رومی ہونے کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں شامی ہونے کا ذکر ہے . وفی اکثر الروایات کما قالہ الحافظ ابن حجر شامیۃ (مناوی ص ۱۵۰) (اوراکثرروایات میں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ جبہ شامی تھا)

بظاہر دونوں روایات میں تعارض۔ملاعلی قاریؒ جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) قال العسقلانی ولا منافاۃ بینھما لان الشام حینئذٍ داخل تحت حکم قیصر ملک الروم فکانھما واحد مِن حیث الملک (امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں ان دوباتوں میں کوئی تعارض ومنافات نہیں اس لئے کہ شام بھی اس وقت قیصرِ روم کے ماتحت تھا گویا وہ دونوں (روم وشام) ایک ہی مملکت تھی)

(۲) یا کپڑا روم کا ہوگا اور وضع شام کی ہوگی یا اس کے بالعکس ہوگا۔ ویمکن ان یکون نسبۃ ھیئتھا المعتاد لبسھا الی احد اھما ونسبۃ خیاطتھا الی الاخریٰ (جمع ص ۱۵۱) (اور یہ بھی امکان ہے کہ اسکے پہننے معتاد کی نسبت ایک ملک کو اور اس کے سینے اور بنانے کی نسبت دوسرے کو ہو)

غیرمسلم کے بنائے ہوئے کپڑے کا حکم:

علماء کرام اور فقہاء عظام یہاں یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کپڑا فی الحقیقت پاک ہے اگر چہ اسے کافروں نے کیوں نہ بنایا ہو۔ لانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یمتنع مِن لبسھا (مواھب ص ۷۵)(بے شک نبی کریم ﷺ نے اس کے پہننے سے امتناع نہیں فرمایا)

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ جب تک نجاست ثابت نہ ہوجائے کفار کے بنے ہوئے کپڑوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے **لانه صلى الله عليه وسلم لبس الجبة الرومية** (جمع ص ۱۵۱) (بے شک آپؐ نے رومی جبّہ پہنا ہے) **ضيّقة الكمين** چونکہ آستین تنگ تھیں اسلئے بازوؤں کو وضو کے وقت آستین سے نکالنے میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ کیفیت سفر میں تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں تصریح ہے۔ **فلم يستطع ان يخرج ذراعيه منها حتى اخرجهما مِن اسفل الجبة** (جمع ص ۱۵۱) (حضور ﷺ اپنے کہنیوں کو (بوجہ تنگی آستینیں) جبّہ سے بآسانی نہ نکال سکے بلکہ اس جبہ کے نچلی طرف سے نکال لئے) اس کے پیش نظر شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ سفر میں تو تنگ آستین کا استعمال مستحب ہے مگر حضر میں نہیں ورنہ حضرات صحابہ کرام کی آستین تو کشادہ ہوا کرتی تھیں (ملخصاً از مواھب ص ۷۵)

==================================

باب ماجاء فی عیش رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرانِ اوقات کے بیان میں

عیش گذران، گذرِ اوقات اور معاش کو کہتے ہیں قاموس میں ہے عیش عبارت ہے حیات اور طعام سے وفی التاج العیش الحیاۃ ومایکون به الحیاۃ (مناوی ص ۱۵۲) (یعنی تاج العروس میں ہے کہ عیش کا معنی زندگی اور ہر وہ چیز جس کے ذریعہ زندگی حاصل ہو)
عمدہ طریق سے رہنا، ایک خاص طرز پر زندگی گزارنا، مصدر عَیْشٌ ، مَعَاشًا اور مَعِیشًا آتا ہے اس باب کو امام ترمذیؒ نے شمائل میں دو جگہ ذکر کیا ہے ایک یہاں اور دوسرا اواخر کتاب میں ۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ دو جگہ ذکر کرنے میں کوئی خاص مقصد نہیں ہے اسلئے بعض ناسخین نے دونوں ابواب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے ۔ تاہم چونکہ باب دو جگہ نقل ہوا ہے اسلئے اکثر شارحین نے اس کی توجیہات بیان کی ہیں ۔

(۱) دو جگہ ایک ہی باب کا ذکر، سہوِ ناسخ کی وجہ ہے جس نے کچھ یہاں اور کچھ وہاں لکھ دیا ہے ۔

(۲) اس باب میں محض نفسِ عسرت کا بیان ہے اسلئے یہاں صرف دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں جبکہ دوسری جگہ آپ ؐ کی اس حالت کا بیان ہے کہ آپ ؐ نے ایامِ عسرت اور تنگی کی حالت میں کیا کیا چیزیں نوش فرمائیں اور کیا کیا چیزیں استعمال فرمائیں اور اسلئے اس دوسرے باب میں نو احادیث مذکور ہیں ۔

(۳) اس باب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کے ساتھ عیش کا بیان ہے جبکہ دوسرے باب میں آپ ؐ کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ عیش کا بیان ہے ۔

(۴) دونوں ابواب کی احادیث کا موضوع "عیش رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم " (نبی کریم ؐ کے گذران کا تذکرہ) ہے اسلئے دونوں کو یکجا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے مگر امام ترمذیؒ دونوں ابواب کو علیحدہ

علیحدہ لاکراس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولِ زمانہ اور اخیرِ زمانہ دونوں وقتوں میں ذاتی اور معاشی حالت یکساں تھی آپؐ کی اول زندگی اور آخر زندگی سے متعلق احادیث کو دوابواب میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کردیاو القصد بیان انه کان فی حیاته علی فقر مستمر (مناوی ص ۱۵۲) (اور اصل مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آپؐ پوری زندگی میں فقر دائمی سے موصوف رہے)

(۵) بعض ملاحدہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی محنت' مشقت' مجاہدہ' ریاضت اور عسرت میں گزری' البتہ جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے اور اسلامی ریاست قائم ہوئی تو پھر آپؐ کی زندگی میں بھی تبدیلی آئی اور آپؐ نے حکمرانوں اور بادشاہوں جیسے زندگی گزاری مگر یہ توجیہ عقل ونقل سے مردود ہے۔

البتہ یہاں اس بات پر شارحین متفق ہیں کہ اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا ہرگز مناسب نہیں ہے فایراد هذا الباب بین باب اللباس وباب الخف لغیر مناسب قال العسقلانی ولعله مِن صنیعِ النسّاخ (مناوی ص ۱۵۲) (پس اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا نامناسب ہے۔ علامہ عسقلانیؒ (اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ شاید یہ کاتب کا کارنامہ ہو) اس کے باوجود علامہ ملاعلی قاری حنفیؒ نے ایک توجیہ کا ذکر کر کے اس باب کا یہاں تذکرہ کرنا بھی مناسب بنادیا فرماتے ہیں ثم لما کان الحدیث الاول من هذا الباب مشتملا علی توسع بعض الاصحاب فی آخر الامر حتی لبس مثل ابی هریرة ثوبین ممشقین من الکتان ناسب ان یکون ذکره بعد باب اللباس مقدما علی باب الخف (جمع ص ۱۵۲) (پھر جبکہ اس باب کی پہلی حدیث بعض صحابہؓ کے آخری دور میں ان کا اتنا صاحب وسعت اور مالدار ہونے پر مشتمل ہے کہ ابوھریرہؓ جیسے (مسکین) صحابی بھی کتان کے دو کپڑے (لنگی چادر) گیروی رنگ میں رنگے ہوئے پہنے تھے تو اس لئے مناسب ہے کہ اس باب کا تذکرہ باب اللباس کے بعد اور باب الخف سے پہلے ہو) نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی کتاب اللباس سے اس باب کی مناسبت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کردیا کہ گذشتہ باب جولباس میں بعض ایسی چیزیں گذری ہیں جیسا کہ پرانی لنگی یا

تنگ آستین کا جبّہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھا یہ اس وقت کی عام تنگ حالی (معیشت) کی وجہ سے تھا کہ ابتداً عسرت زیادہ تھی (خصائل ص ۵۷)

(۱/۶۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَيَتَمَخَّطَ فِيْ اَحَدِهِمَافَقَالَ بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَاَ خِرُّ فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِعَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيْءُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهٗ عَلٰى عُنُقِيْ يَرٰى اَنَّ بِيْ جُنُوْنًا وَمَابِيْ جُنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّاالْجُوْعُ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت ایوب نے اور انہوں نے محمد بن سیرین کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابوھریرہؓ کے پاس تھے ان پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی وہ دونوں کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ابوھریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ آج ابوھریرہ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان شدتِ بھوک کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھ کو مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقۃً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا۔ بلکہ صرف شدّتِ بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔

راویان حدیث (۲۲۴) ایوب السختیانیؒ اور (۲۲۵) محمد بن سیرینؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وعليه ثوبان ممشقان :

قال كنا عند ابی هريرةؓ وعليه ثوبان مُمشَّقان مِن كتان محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت انہوں نے دو کپڑے پہن رکھے تھے وعليه ثوبان

ای ازار ورداء او ثوبان آخران (جمع ص ۱۵۳) (اورابوھریرہؓ کے بدن پر دو کپڑے یعنی لنگی اور چادر یا کوئی اور دو کپڑے تھے)

جو ممشق (گیروی) یعنی سرخی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے مادہ مشق ہے معنی گلِ سرخ ہے باب تفعیل سے اسم مفعول ہے منقش بھی اس کے معنی آتے ہیں۔ ممشقان ای مصبوغان بالمِشق وھو الطین الاحمر (جمع ص ۱۵۳) (ممشقان کا معنی ایسے دو کپڑے جو سرخ مٹی میں رنگے ہوئے ہوں) بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تو اس حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔

جس میں ثوب احمر کے پہننے سے نہی آئی ہے۔ ابن حجرؒ جواب میں فرماتے ہیں یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ والاظھر ان یقال ان النھی عن الحمرۃ معلل بانہ مِن زینۃ الشیطان والمصبوغ بالطین الاحمر لیس لہ ذلک الشأن (جمع ص ۱۵۳) (اور زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ سرخ رنگ کے استعمال کی ممانعت کی علت یہی ہے کہ وہ شیطانی زینت کے اسباب سے ہے اور جو کپڑا سرخ مٹی میں رنگا ہوا ہو اس کی یہ شان نہیں)

بخ بخ کا معنیٰ اور تلفظ:

فیتمخط فی احدھما فقال بخ بخ .... حضرت ابوھریرہؓ ان کپڑوں میں سے ایک سے ناک صاف کر رہے تھے فیتمخط ای استنثر وطھر انفہ (جمع ص ۱۵۳) پھر خود ہی کہتے واہ واہ، کیا خوب۔ ابوھریرہ آج کتان سے بنے ہوئے کپڑے سے ناک صاف کر رہا تھا بخ بخ نہایہ میں ہے

ھی کلمۃ تقال عند الفرح والرضاء بالشئی وتکرر للمبالغۃ وھی مبنیۃ علی السکون (جمع ص ۱۵۳) قال ابن درید معناہ تفخیم الامر وتعظیمہ، المراد بھا ھنا التعجب والاستغراب (جمع ص ۱۵۳) (بخ بخ کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نہایہ میں ہے کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ خوشی اور کسی چیز پر رضامندی اور مسرت کے وقت بولا جاتا ہے اور اس میں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس کا آخر سکون پر مبنی ہے۔ ابن دریدؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے کسی چیز کی بلندی شان و مرتبہ ہوتی ہے اور یہاں اس سے مراد تعجب و حیرانگی ہے) قولہ بخ بخ بسکون آخرہ فیھما و کسرہ غیر

منون فیهما ایضا وبکسر الاول منونا وسکون الثانی وبضمهما مع تشدید آخرهما (مواھب ص۷۶) (صاحب مواہب علامہ بیجوریؒ بخ بخ کے تلفظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یا تو دونوں کے آخر کو ساکن پڑھو۔ یا صرف کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے دونوں میں یا پہلے کو کسرہ تنوینی کے ساتھ اور دوسرے کو ساکن یا پھر ان دونوں کے آخر میں تشدید اور دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھو) قال القاضی عیاض وروی بالرفع واذا کررت فالاختیار تحریک الاول واسکان الثانی یعنی اما راجعاً الی الاصل او مراعاة للوقف (جمع ص ۱۵۳)

(علامہ ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے آخر میں رفع پڑھنا بھی مروی ہے البتہ جب تکرار کے ساتھ پڑھیں تو پھر پسندیدہ پہلے کی حرکت اور دوسرے کا اسکان ہے یا تو بوجہ اصل ہونے کے اور یا پھر وقف کا لحاظ کرتے ہوئے)

ابوھریرہؓ حالتِ فقر وجوع میں:

لقد میں لام جواب قسم ہے۔ واللام فی جواب قسم مقدر ای واللّٰہ لقد ... (لفظ لقد میں لام قسم مقدر کا جواب ہے اصل عبارت واللّٰہ لقد ہوگی) . لَاخِرُّ ' خرور سے مشتق ہے یعنی ھیئةِ ساجد کی طرح' میں زمین پر گرا پڑا تھا اس کا مصدر خرواً بھی آتا ہے حضرت ابوھریرہؓ اپنی عسرت کے حالات کو یاد کرکے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں بھی دیکھا ہے کہ میں مسجد نبوی میں منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان غش کھا کر گر پڑتا تھا جب کہ ابن سعدؒ کی ایک روایت میں بین بیت عائشة وام سلمة (کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے کمرے کے درمیان) کے الفاظ منقول ہیں مناویؒ جواب میں فرماتے ہیں ولا منافاة لامکان التعدد (مناوی ص ۱۵۴) (کہ ان دونوں کے درمیان کوئی منافات اور تعارض نہیں کیونکہ واقعہ کے متعدد ہونے کا امکان ہے) منبر اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان گرنے سے ادھر بھی اشارہ ہے۔ جیسا کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اشارة الی موضع الاحباب والاصحاب مِن غیر خفاء واحتجاب (جمع ص ۱۵۴) (یہ اشارہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی جگہ یعنی بالکل سامنے بغیر کسی آڑ اور پردے کے) کہ اس راستہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور

اصحاب رسول کے آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔

فیجیئی الجائی ... میرے قریب سے گذرنے والا کوئی شخص گذرتا اور مجھے بے ہوش پڑے دیکھتا تو اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا کہ وہ سمجھتا کہ مجھے جنون ای نوعاً مِن الجنون وھو الصرع (جمع ص ۱۵۴) یعنی مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے حالانکہ مجھے کوئی جنون کا دورہ نہیں ہوتا تھا وما ھو الا الجوع بلکہ یہ تو بھوک کی وجہ سے مدہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ ای اثرہ واستیلاءہ علیّ (جمع ص ۱۵۴) (یعنی بھوک کا اثر اور میرے اوپر اس کا غلبہ) بہرحال بتانا یہ مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ پر کمال درجے کی رحمت وشفقت فرماتے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپؐ کے وسائل ہوتے تو حضرت ابوھریرہؓ اس حال سے دوچار ہو جاتے۔

مگر حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی زندگی مبارک بنفسِ نفیس اسی طرح عسرت کی تھی علامہ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ انما ذکر ھذا الحدیث فی باب عیشه لانه دل علی ضیق عیشه صلی اللّٰه علیه وسلم بواسطة ان کمال کرمه ورافته یوجب انه لو کان عنده شئی لما ترک اباھریرة جائعا حتی وصل به الحال الی سقوطه مِن شدة الجوع (مواھب ص ۷۷) (اس حدیث کو باب العیش میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ حضور ﷺ کی معاشی تنگی پر بایں معنی دلالت کر رہی ہے کہ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کا یہ تقاضا تھا کہ اگر آپؐ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو پھر ہرگز ابوھریرہؓ کو ایسے بھوک کی حالت میں نہ چھوڑتے کہ اس پر سخت بھوک کی وجہ سے گرنے کی نوبت آ جاتی)۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں وانما اتصل الضمیران وھما لواحد حملاً لرأی البصریة علی القلبیة فان کون الفاعل والمفعول ضمیرین متصلین من خصائص افعال القلوب ای علمتی لا رائیت نفسی (جمع ص ۱۵۴) (لقد رأیتنی کے لفظ میں دو متصل ضمیریں لائی گئی حالانکہ ان کا مرجع ایک ہی ہے یعنی اس غرض سے کہ رویت بصری کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے (یعنی یہاں رویت قلبی مراد ہے) کیونکہ فاعل اور مفعول کی دونوں ضمیریں متصل ہونا افعال قلوب کی خاصیت ہے۔

یعنی یہاں بمعنی علمتی کے ہے نہ کہ بمعنی رائیت نفسی کے ہے) (جو رویت بصری ہے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہء فقر و غنیٰ تھے:

شیخ ابراھیم البیجوری تحریر فرماتے ہیں۔

وقد جمع اللّٰه لحبيبه صلى اللّٰه عليه وسلّم بين مقامى الفقير الصابر والغنى الشاكر فجعله غنياً شاكراً بعد أن كان فقيراً صابراً فكان سيد الفقراء الصابرين والأغنياء الشاكرين لأنه أصبر الخلق في مواطن الصبر واشكر الخلق في مواطن الشكر وبذلك علم انه لا حجة في هذ االحديث لمن فضل الفقر على الغنى (مواهب ص۷۷)

(اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے مراتب جمع کردیے یعنی آپ ﷺ کو فقیر صابر ہونے کے بعد غنی شاکر بنایا تو آپ سیّد فقراء الصابرین اور سید الاغنیاء الشاکرین ٹھہرے کیونکہ آپ صبر کے مقامات میں سب مخلوق سے زیادہ صابر اور مقامات شکر میں سب مخلوق سے زیادہ شاکر تھے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں جو کہ مالداری پر فقیری کو ترجیح دیتے ہیں)

(۲/۷۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا لَحمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ رَجُلاً مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفَفُ قَالَ اَنْ يَّتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن سلیمان ضبعی نے مالک بن دینار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ حضور اقدس نے کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیری فرمائی مگر حالتِ ضفف پر۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ضفف کے معنیٰ پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنیٰ بتائے۔

راویان حدیث (۲۲۶) جعفر بن سلیمان الضبعیؒ اور (۲۲۷) مالک بن دینارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قال ماشبع رسول الله صلی الله علیه وسلم مِن خبز قط ولا لحم الاعلیٰ ضففٍ خبز کی تنوین تنکیر کے لئے ہے فهو شامل لعيش الحنطة والشعير (جمع ص ۱۵۵) (پس یہ شامل ہوئی گندم اور جَو (دونوں کی روٹی) کو) قطّ کا معنیٰ ہرگز ، بالکل ای ابداً (جمع ۱۵۵) ولالحمؔ میں واو بمعنیٰ مع کے ہے بعض نسخوں میں لاؔ آیا ہے بعض میں نہیں' جہاں لاؔ مذکور ہے مراد نفی کی تاکید ہے ضفف کا معنیٰ کثرتِ عیال مع قلتِ مال کے ہے .وقال صاحب الصحاح' الضفف كثرة العيال (جمع ص ۱۵۵) (صاحب صحاح فرماتے ہیں کہ ضفف کا معنی کنبے کا بڑا ہونا) مہمانوں کی کثرت کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے کہ مہمان کو پیٹ بھر کر کھلایا جائے اور خود بھی اس کے ساتھ آخر تک شریک رہے جیسا کہ دیہاتی نے بھی یہی معنیٰ مراد لیا ہے قال ان يتناول مع الناس 'لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کو کثرتِ ایدی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کی کثرت تب ہوگی جب دعوت ہو وقيل معناه اجتماع الايدی و كثرة الآكلين ای لم يا كل وحده ولكن مع الناس (جمع ص ۱۵۵) (اور بعض نے ضفف کا معنی ہاتھوں کا جمع ہونا اور کھانے والوں کی کثرت بھی بتایا ہے۔ یعنی آپؐ نے اکیلے نہیں کھایا لیکن لوگوں کے ساتھ)

فائق میں ہے کہ اس روایت میں ضفف آیا ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں حفف منقول ہے بعض میں شظف ہے الثلاثة فی معنیٰ ضيق المعيشة وقلتها وغلظتها (جمع ص ۱۵۵) (ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تینوں (ضفف ،حفف ،شظف) ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں یعنی تنگی اور کمی معیشت وغیرہ کے لئے) شارحینِ حدیث نے اس کے مفہوم میں متعدد توجیہات کی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہ:

ایک توجیہ تو یہ ہے کہ جب کسی جگہ دعوت کی نوبت آتی تو شکم سیر ہو کر تناول فرماتے مگر بعض شارحینِ حدیث نے اس کی شدت سے تردید فرمائی ہے کہتے ہیں کہ اس قسم کی بات کی نسبت آج بھی معاشرہ

میں کسی کی طرف جائے تو عیب بلکہ معیوب تر سخت ناگوار اور بے ادبی سمجھا جاتا ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت کیونکر گوارا ہو سکتی ہے مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں۔ بندہ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں اسلئے کہ اس زمانے میں کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اُس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنے میں اس کا ایہام نہیں ہے اسلئے کہ اس وقت کی تنگئی حال سب کو معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کا جود وسخا جو کہ ہدیہ میں کہیں سے کچھ آجاتا تھا اصحاب صفہ پر تقسیم کر دیا جاتا تھا ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آسکتی تھی۔

لیکن بعض شارحین حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں ان کا ارشاد حجت ہے اسلئے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جل شانہ اپنے لطف سے معاف فرماویں **اعوذ باللہ ان اقول فی حقه صلی اللہ علیه وسلم ما لا یلیق بشانه** (خصائل)

(۲) بعض شارحینِ حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود دعوت کرتے تھے تو مہمانوں کے ساتھ آخر وقت تک تھوڑا تھوڑا تناول فرماتے تھے جس کو بھرے پیٹ کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے مقصد یہ ہوتا کہ مہمانوں کو کھانے میں تکلف نہ ہو۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ **ان یتناول مع الناس** سے مراد عام ہے یعنی اپنے گھر میں ہو یا کسی دوسری جگہ، ظاہر بات ہے جس اجتماعِ دعوت میں آپؐ شریک ہوں اور آپؐ ہاتھ کھینچ لیتے تو سب کے ہاتھ کھینچ جاتے لہذا آپ شرکاء دعوت کا لحاظ فرماتے اور آخر تک شریک رہتے اسی کو پیٹ بھر کر تناول کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ:

شارحین حدیث نے اس کی تصریح کی ہے کہ حدیث میں جہاں جہاں بھی آپؐ کے پیٹ بھر کر کھانے کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ آپؐ دو تہائی پیٹ بھر کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد بالشبع له صلی الله علیه وسلم اکله ملءُ ثلثی بطنه فانه صلی الله علیه وسلم لم یاکل ملء البطن قط (جمع ص ۱۵۵) (کہ حضورؐ کے بھرے پیٹ سے مراد آپؐ کا دوتہائی پیٹ بھر کر کھانا مقصود ہے کیونکہ آپؐ نے بالکل بھرے پیٹ کبھی نہیں کھایا)۔

جیسا کہ آپؐ کا ارشاد بھی ہے ثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس (آپ ﷺ نے پیٹ کے حصوں کے متعلق فرمایا) کہ کھانے کے لئے ایک تہائی، پینے کے لئے ایک تہائی، اور سانس کیلئے ایک تہائی)۔

= ==

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ کے بیان میں

اس باب میں دو احادیث نقل کی گئیں ہیں جن میں حضورِاقدس صلی اللہ علیہ سلم کے موزے پہننا، موزے پہننے کے بعد ان پر مسح کرنا اور پہننے سے پہلے ان کو جھاڑنے کا بیان ہے ای بساب بیان ما ورد فی خفّ رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مِن الاخبار (مواهب ص۷۸) یعنی حضورﷺ کے موزوں کے بارے میں واردشدہ حدیثوں کا بیان۔

خف کا معروف معنیٰ (۱) وھو مـا یستـر الرجل الی الکعبین یعنی جو ٹخنوں سمیت پاؤں کو ڈھانپتے ہیں (۲) اونٹ کے پاؤں کے نیچے والے حصے کو بھی خف کہتے ہیں (۳) اور موزے کو بھی خف کہتے ہیں۔جمع اس کی خفاف کتاب کے وزن پر ہے اور خف البعیر کی جمع اخفاف آتی ہے جیسے قفل کی جمع اقفال آتی ہے وذکر بعض اهل السیر انه کان له صلی اللّٰه علیه وسلم عدة خفاف منها اربعة ازواج اصابها مِن خیبر (اتحافات ص۱۱۸) (بعض سیرت والوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرمﷺ کے مختلف موزے تھے ان ہی میں سے وہ چار جوڑے جو غزوہ خیبر میں آپؐ کو ملے تھے)

موزوں کا جھاڑنا سنت ہے:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے یہاں دو روایات نقل کی ہیں۔(۱) طبرانیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں، اوسط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جنگل میں دور تک تشریف لے گئے اور

وضو کرنے کے بعد ایک موزہ پہنا اسی اثنا میں ایک سبز پرندہ آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا کر بلند کیا اور الٹ دیا فخرج منه اسود سالح تو اس سے ایک سیاہ سانپ نکلا فقال رسول اللّٰہ علیه وسلم هذه کرامة اکرمنی اللّٰہ بها اللهم انی اعوذ بک مِن شرمن یمشی علی بطنه ومِن شرِ من یمشی علی رجلیه ومن شر من یمشی علی اربع ۔ آپؐ نے فرمایا یہ کرامت (معجزہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نوازا ہے۔ اے اللہ! میں اس کاٹنے والے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور اس کے شر سے جو دو پاؤں پر چلتا ہے اور اس کے شر سے بھی جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔

(۲) ایک دوسری روایت ہے جس میں ابوامامہؓ فرماتے ہیں قال دعا رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بخفیه فلبس احدهما ثم جاء غراب فاحتمل الآخر فرمی به فخرجت منه حیة فقال من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یلبس خفیه حتی ینفضهما آپ نے موزے منگوائے ان میں سے ایک پہنا اسی اثنا میں ایک کوّا آیا دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اور پھر اسے الٹ دیا تو اس میں سے سانپ نکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ جب تک دونوں موزوں کو جھاڑ نہ لے نہ پہنے۔ (مواھب ص ۷۸)

(۱/ ۷۱) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّجَاشِيَّ اَهْدٰى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ اَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ..

ترجمہ! ہمارے پاس ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وکیع نے دلہم بن صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حجیر بن عبداللہ سے اخذ کی۔ انہوں نے ابن بریدۃ سے اور انہوں نے اپنے باپ (بریدہؓ) سے روایت حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیۃً بھیجے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔

راویان حدیث (۲۲۸) دلھم بن صالحؒ اور (۲۲۹) حجیر بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل

ترمذی“میں ملاحظہ فرمائیں۔

نجاشی کا قبول اسلام:

اَنّ النجاشی اهدی للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم خفین اسودین ساذجین. (بے شک نجاشی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دوسادہ سیاہ موزے ہدیہ فرمائے تھے)۔

اس زمانے میں حبشہ کے بادشاہ کونجاشی (بفتح النون و کسرها) کہاجاتا تھا انما قیل له النجاشی لا نقیادامره والنجاشة بالکسر الانقیاد (مواهب ص۸۷) (نجاشی کی وجہ سے تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ نجاشہ کے معنیٰ تسلیم وتابعداری کے ہیں اور بادشاہ وقت کی بھی تابعداری کی جاتی تھی اس لئے ہر شاہِ حبشہ کونجاشی کہاجاتا تھا)۔

یہ ملوک حبشہ کا لقب ہے جیسے فارس کے بادشاہ کوکسریٰ‘ روم کے بادشاہ کو قیصر‘ مصر کے بادشاہ کوعزیز‘ فرعون‘ ترک کے بادشاہ کوخاقان‘ یمن کے بادشاہ کوتبع‘ شام کے بادشاہ کو ہرقل اور ہندوستان کے بادشاہ کوراجہ کہاجاتا تھا نجاشی کا نام اصحمہ تھا بعض نے ان کا نام مکحول بن صعصعۃ بتایا ہے جن بادشاہوں کوحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی یہ بھی ان میں سے ایک تھے ان کی طرف عمرو بن امیۃ الضمریؓ آپؐ کا مکتوب مبارک لیکر گئے تھے جس میں ان کواسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں فاسلم سنة ست علی قول الاکثر ومات سنة تسع مِن الهجرة علی ماصرح به العسقلانی (اتحافات ص ۱۱۹) (نجاشی ۶ھ میں (اکثر حضرات کے قول کے مطابق) مسلمان ہوئے اور پھر ۹ھ میں وفات پائی جیسے علامہ عسقلانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے)۔ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق نجاشی ہجرت کے چھٹے سال مسلمان ہوا اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر ایمان لایا یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مسلمانوں کی دو جماعتیں مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں اس وقت اسی بادشاہ نے اسلام کی حقانیت کی تصدیق کی اور ایمان لایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا اسلئے صحابی کا مقام نہ پاسکا تاہم ایماندار اور صالح

مسلمان تھا۔ اور ۹ھ کو انتقال ہوا جیسا کہ علامہ عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ولما مات اخبر هم النبی صلی الله علیه وسلم بموته یوم موته وخرج بهم وصلّی علیه وصلوا معه (مواهب ص ۷۸) (اور جب نجاشی فوت ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو ان کی موت کی خبر اسی دن ہی دیدی اور آپؐ صحابہؓ کے ساتھ باہر نکلے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے علماء احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے دوسرے کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں مصرّح ہے۔ احنافؒ کی طرف سے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ نجاشی کی میت (لاش) آپؐ کے سامنے تھی کماقال علی القاری فی المرقاة عن ابن عباس قال کشف للنبی صلی الله علیه وسلم من سریر النجاشی حتی رأه وصلی علیه انتهی کما ورد فی صلاته صلی الله علیه وسلم علی زید بن حارثه وجعفر بن ابی طالب انه کشف له عنهما اخرجه الواقدی فی کتاب المغازی ومما یدل علیه مارواه الطبرانی ان جبرئیل علیه السلام نزل بتبوک فقال یا رسول الله ان معاویة بن معاویة مات بالمدینة اتحب ان اطوی لک الارض فتصلی علیه قال نعم فضرب بجناحه علی الارض فرفع له سریره فصلی علیه (الحدیث) (حاشیه بخاری ج ۱ ص ۱۶۷)

(ملا علی قاریؒ نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے مرقات میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے نجاشی کی چارپائی (میت) ظاہر کی گئی آپؐ نے اس کو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ جیسے کہ روایت میں بھی آیا ہے کہ آپؐ کے سامنے حضرت زید بن حارثہؓ اور جعفرؓ بن ابی طالب کی میتیں ظاہر کی گئیں اور آپؐ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی (بطور دلیل کے فرماتے ہیں) کہ امام واقدیؒ نے کتاب المغازی میں ایسے قسم کے واقعات کی دلیل میں لکھا ہے جسے امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تبوک میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ معاویہ بن معاویہ مدینہ شریف میں فوت ہو گئے کیا

آپؐ پسند فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے زمین سمیٹ دی جائے تاکہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں آپؐ نے فرمایا ہاں! (کیوں نہیں) جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پَر زمین پر مارا تو معاویہ بن معاویہ کی لاش حضور اقدس ﷺ کے سامنے کی گئی آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی)

بارگاہِ رسالت میں نجاشی کے تحفے:

نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے تحفے کے طور پر بھیجے دونوں سیاہ رنگ کے مگر سادے تھے یعنی ان پر کوئی نقش و نگار نہ بنا تھا وفی الروایات الاخریٰ مع الخفین قمیص وسراویل وعطاف ای طیلسان (اتحافات ص ۱۱۹) (دوسری روایات میں موزوں کے ساتھ قمیص شلوار اور عطاف (چادر) کا ذکر بھی ہے)۔

ملا علی قاریؒ نے هیثم بن عدی عن دلھم کے طریق سے نقل فرمایا کہ ان النجاشی کتب الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انّی قد زوجتک امرأۃ من قومک وھی علی دینک ام حبیبة بنت ابی سفیان واھدیتک ھدیة جامعة قمیصا وسراویل وعطافا وخفین ساذجین الخ (جمع ص ۱۵۶) (کہ بے شک نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ میں نے تیری ہی قوم کی ایک عورت سے آپ کا نکاح کر دیا اور وہ آپؐ ہی کے دین اور مذہب پر ہے یعنی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان اور میں نے مکمل اور جامع ہدیہ قمیص شلوار عطاف (چادر) اور دو سادہ موزے الخ آپؐ کو بطور تحفہ دیئے ہیں)

اسودین کا معنیٰ:

اسودین ساذجین (بفتح الذال و کسرھا) ای خالصین فی السواد کما حقق ھذا المعنیٰ ابوزرعة قال الشیخ البیجوری: وکلمة ساذج لم اجدھا فی کتب اللغة ولا رأیت المصنفین فی غریب الحدیث ذکروھا (المواھب ص ۸۰) (اسودین ساذجین (یہ لفظ بفتح ذال اور بکسر ذال دونوں مستعمل ہے) یعنی بالکل سیاہ خالص امام ابوزرعہ نے یہی معنیٰ بطور تحقیق فرمایا ہے۔ شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ ساذج کا کلمہ نہ مجھے لغت کی کتابوں میں ملا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ مصنفین نے اس کا تذکرہ غریب الحدیث میں کیا ہے) ساذج معرب سادہ ای غیر منقوشین (جمع ص ۱۵۶) (ساذج یہ معرب

سادہ کا ہے یعنی غیر نقش شدہ) وقد حقق ابن العربی نقلها عن الزین العراقی ان هذه الهدیة کانت قبل اسلام النجاشی (اتحافات ص ۱۱۹) (اور علامہ ابن العربی نے تحقیق کرتے ہوئے زین العراقی سے نقل کیا ہے کہ (نجاشی کا) یہ ھدیہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے)۔

غیر مسلم کے ہدیہ کا حکم:

فلبسهما ثم توضأ ومسح علیهما الخ نجاشی کے قبل قبول اسلام یعنی حالت کفر میں اس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو آپ ؐ نے قبول فرمایا معلوم ہوا کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے البتہ اس کے احکام مختلف ہیں اگر اسلام کی تقویت کا باعث ہوتا تو آپ ؐ کافر کا ہدیہ قبول فرمالیتے اور اگر دین کو مضرت پہنچنے کا احتمال ہوتا تو ایسا ہدیہ آپ قبول نہ فرماتے۔ امت کے لئے یہی اسوہ حسنہ ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومع ذلک قبلهما النبی صلی الله علیه وسلم ولبسهما، تالیفا وتلطّفا فی المعاملة قال ابن حجر : وهذا القبول یدل علی انما الاصل فی الأشیاء الطهارة، وان هدیة اهل الکتاب تقبل (اتحافات ص ۱۲۰) (اور اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان (موزوں) کو قبول فرمایا اور نرمی اور تالیفِ قلب کا معاملہ کرتے ہوئے ان کو پہنا بھی۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ کا ان کو قبول کرنا اس بات کی دلیل ہوئی کہ اصل اور بنیاد ہر چیز میں پاکی ہے۔ اور یہ بھی کہ اہل کتاب کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے)

مسح علی الخفین :

احناف کے نزدیک مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی اس تفصیل کے ساتھ جو کثیر احادیث میں آئی ہے یہ مسلک جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے حتی کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جاء نی مثل ضوء النهار (کہ میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت سے ہوا جب اس سلسلہ میں مجھے روز روشن کی طرح احادیث (دلائل) پہنچیں) بلکہ مسح علی الخفین تو اہل سنت والجماعت کا شِعار ہے یہ بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقولہ ہے۔ نفضل الشیخین ونحب الختنین ونری المسح علی الخفین (کہ ہم سب (سب صحابہؓ)

میں شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کی افضلیت اور دامادوں (عثمانؓ وعلیؓ) کی محبت اور موزوں پر مسح کرنے کا یقین اور عقیدہ رکھتے ہیں)

اور یہ بھی امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین (توضیح السنن جلد اول ص ۳۳۱) (کہ مجھے تو اس شخص پر جو موزوں پر مسح کرنے کا عقیدہ نہ رکھے کفر کا خطرہ ہے) علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وقدروی فی المسح ثمانون صحابیا و احادیثه متواتره ومن ثم قال بعض الحنفیة اخشی ان یکون انکاره ای من اصله کفراً (مناوی ص ۱۵۶) (موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں اَسّی (۸۰) صحابہؓ نے روایت کی ہے اور احادیث کی تعداد اس سلسلہ میں درجہ تواتر کو پہنچی ہیں۔ اس لئے تو بعض احناف فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس کے منکر پر کافر ہونے کا خطرہ ہے) بہر حال جو شخص مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے تو وہ اہل بدعت میں سے ہے یہاں تک کہ انس بن مالکؓ سے اہل سنت والجماعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ان تحب الشیخین ولا تطعن فی الختنین وتمسح علی الخفین (شرح عقائد ص ۱۱۸) (کہ اس کی محبت شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) سے ہو اور دونوں دامادوں (عثمانؓ وعلیؓ) پر طعنہ زن نہ ہو اور موزوں پر مسح کرے (یعنی مسح کرنے کا عقیدہ رکھے) حضرات ائمہ ثلاثہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابن المبارکؒ، امام اسحٰق بن راہویہ کا مسلک ہے کہ مسح کے لئے وقت مقرر ہے مقیم کے لئے ایک رات اور ایک دن اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں، امام ثوریؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے صاحب تحفۃ الاحوذیؒ نے اس کو حق اور صواب قرار دیا ہے وھو الحق والصواب (تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۹۸)

البتہ ایک سوال یہ باقی رہا کہ پاؤں کا دھونا افضل ہے یا مسح علی الخفین ؟ حافظ ابن مندہؒ اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ مسح افضل ہے کہ کہ اس میں اہل بدعت سے اختلاف اور امتیاز کے ساتھ ساتھ احقاق حق اور اظہار سنت نمایاں ہوتا ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰) جب کہ نوویؒ نے غَسل کو ترجیح دی ہے کہ دھونے میں عزیمت ہے اور مسح میں رخصت ہے (شرح مسلم النووی ج ۱ ص ۱۳۲)

امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱) اپنی فقہی نظر میں فرماتے ہیں کہ یہ دو حکم جدا جدا ہیں ننگے پاؤں

ہوں تو دھونا ہے اور موزے پہنے ہوں تو مسح درست ہیں یعنی دونوں حکم اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور بافضیلت ہیں (توضیح السنن ج ۱ ص ۳۳۲) ابن قیمؒ نے اسی مسئلہ کو انہی الفاظ میں ذکر کیا ہے ولم یكن (علیه السلام) یتكلف ضد حا لة التی علیها قدماه بل ان كانت فی الخف مسح علیهما ولم ینزعهما وان كانتا مكشوفتین غسل القدمین ولم یلبس الخف لیمسح علیه . وهذا اعدل الاقوال فی مسئلة الافضل من المسح والغسل قاله شیخنا (زاد المعاد ص ج ۱ ص ۶۹) (اور حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک جس حالت میں ہوتے ان کی مخالف حالت پر عمل کرنے کا تکلف ہرگز نہ فرماتے تھے بلکہ اگر قدم مبارک موزوں میں ہوتے تو ان پر مسح فرمالیتے اور ان کو پاؤں سے نہیں نکالتے تھے اور اگر پاؤں مبارک کھلے ہوئے ہوتے (موزے پہنے نہ ہوتے) تو پھر اپنے قدم مبارک دھولیتے اور موزوں کو اس لئے نہیں پہنتے تا کہ ان پر مسح کریں۔ اور یہ سب اقوال (یعنی افضلیت مسح کرنے میں ہے یا دھونے میں) میں سے معتدل قول ہے اور یہی ہمارے شیخ اور استاد نے فرمایا)۔

....

(۲/۷۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا بْنِ اَبِیْ زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَیَّاشٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ قَالَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَهْدٰی دِحْیَةُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُفَّیْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ اِسْرَائِیْلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰی تَخَرَّقَا لَا یَدْرِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَذَکِیٌّ هُمَا اَمْ لَا قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰذَا هُوَ اَبُوْ اِسْحٰقَ الشَّیْبَانِیُّ وَاسْمُهٗ سُلَیْمَانُ ..

ترجمہ! ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ نے۔ انہوں نے حسن بن عیاش سے نقل کیا۔ وہ ابواسحٰق سے اور وہ شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کیئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ جبہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا' یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمائی وہ مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کی۔

راوی حدیث (۲۳۰) الحسن بن عیاشؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمادیں۔

حضرت دحیہ کلبیؓ :

اھدی دحیة لـلنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم خفین ... کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے بطور تحفہ کے بھیجے اھدیٰ' اھداء سے ہے بمعنی ارسال الھدیة کے۔

دحیہ کلبیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں بڑے وجیہ' خوبرو اور قبیلہ بنو کلب کے رئیس تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر ان کی صورت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کان ینزل جبریل علیه السلام بصورته فی بعض الاحیان (اتحافات ص ۱۲۰) (جبرئیل امین بعض اوقات حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے)۔

قال ابن سعد اسلم قدیماً ولم یشهد بدراً وشهد المشاهد وبقی الی خلافة معاویة وکان رسول نبی اللّٰـه الی قیصر (تهذیب ج۳ ص ۱۷۹) (ابن سعد فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی ابتدائی دور میں اسلام لائے تھے البتہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور باقی غزوات اور جنگوں میں حاضر رہے اور آپؓ امیر معاویہؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے اور آپ حضور ﷺ کے قیصر روم کی طرف قاصد بھی تھے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خفین قبول فرما لیتے :

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کے عطا کردہ خفین پہن لیئے فلبسهما اس روایت کے ایک راوی اسرائیل بھی ہیں جو جابر اور عامر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں وجبّة یعنی موزوں کے علاوہ ایک جبّة بھی آپؐ کو دیا گیا تھا فلبسهما حتی تخرقا آپؐ نے دونوں چیزیں یعنی موزے بھی اور جبہ بھی پہنے یہاں تک کہ وہ اپنی عمر پوری کر کے پھٹ گئے بظاہر ضمیر تثنیہ کی خفین اور جبة کی طرف راجع ہوتی ہے اور راجح بھی یہی ہے۔

شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لبسهما کی ضمیر خفین کی طرف راجع ہے اور تخرقا قرینہ ہے لیکن حافظ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ تخرقا قرینہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جبة اور خف دونوں میں خرق ہوتا ہے ویراد حینئذ بالجبة نوع نفیس مِن الفرو کما یستعمله بعض العجم (جمع ص ۱۵۷) (اور اس وقت جبّہ سے پوستین کی ایک خاص نفیس قسم مراد ہوگی جیسے کہ بعض عجمی اس کو استعمال کرتے ہیں)

اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے:

لایدری اذکیّ هما ام لا یعنی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ موزے کس کھال سے بنے ہیں۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنیٰ انه صلی الله علیه وسلم لم یعلم ان هذین الخفین کانتا متخذتین مِن جلدالمذکاة ام مِن جلدالمیتة المدبوغ اوغیر المدبوغ (جمع ص۱۵۸) (اور مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ موزے کس چمڑے سے بنائے گئے کیا وہ مذبوحہ جانور کا تھا یا مردار کا دباغت شدہ (رنگا ہوا) یا غیر دباغت شدہ تھا) اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ اشیاءِ مجہولہ میں اصل طہارۃ ہے ذکی ذکواۃ سے ہے کبھی بمعنیٰ ذبح کے اور کبھی بمعنیٰ طہارت کے آتا ہے معنیٰ عام طہارت ہے اور معنیٰ خاص ذبح ہے و کان الخفان مجهول الحال هل هما مِن جلد مذکی اومن جلد میتة وعلی کل ففیه طهارة مجهول الاصل (اتحافات ص ۱۲۰) (اوران دونوں موزوں کی حالت معلوم نہ تھی کہ کیا وہ مذبوحہ (پاک) چمڑے سے تھے یا مردار چمڑے سے، ہر صورت میں ان کی اصل مجہول تھی)۔

دباغت کے بعد کھال کا استعمال جائز ہے:

علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ دباغت کے بعد مذبوح یا غیر مذبوح جانور کی کھال کا استعمال جائز ہو جاتا ہے یہ مسئلہ متعدد احادیث سے ثابت ہے ابوداؤدؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک آزاد کردہ لونڈی کو کسی نے بکری صدقہ میں دی وہ بکری مرگئی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں دباغت نہیں کیا انہوں نے عرض کیا وہ تو مردہ جانور کی ہے آپؐ نے فرمایا اس کا تو کھانا حرام کیا گیا ہے کھال کا دباغت کرنا تو حرام نہیں (نورالہدایہ)

==========

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بیان میں

نعلین مبارک:

نعل جوتے، کفش اور پاپوش کو کہتے ہیں کل ماوقیت بہ القدم عن الارض (مواھب ص ص ۸۰) (یعنی ہر وہ چیز جس کے ذریعے قدموں کو زمین (مٹی) سے محفوظ کیا جائے) لفظِ نعل کبھی مصدر اور کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے وھی ھنا محتملة الاثنین (اتحافات ص ۱۲۱) (یہاں اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہوسکتا ہے) ابن عربیؒ فرماتے ہیں نعل تو لباس الانبیاء ہے ولعله اخذه مِن قوله تعالیٰ فاخلع نعلیک (اتحافات ص ۱۲۱) (اور لفظ نعل غالباً اللہ تعالیٰ کے قول فاخلع نعلیک سے ماخوذ ہے)

اس باب میں گیارہ احادیث ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا بیان ہے کہ وہ بیچ سے باریک، پتلی، ایڑی دار اور زبان کی شکل کی طرح کی تھیں۔ آپؐ بالعموم بالوں سے صاف چمڑے کے جوتے استعمال کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جوتا چپل نما ہوتا تھا جس کے اوپر آر پار تسمے لگا دیئے جاتے اور ہر تسمہ دوہرا ہوتا تھا روایات میں مذکورہ تفصیل کے مطابق آپؐ کا جوتا مبارک ایک بالشت اور دو انگلی کے برابر لمبا ہوتا تھا جوتے کی ایڑی والا حصہ سات انگلی چوڑا اور درمیانی حصہ پانچ انگلی اور اگلا حصہ چھ انگلی چوڑا ہوتا تھا اس پیائش کے بنے ہوئے چمڑے کے تلے کے اوپر آر پار دو تسمے یا قبالے ہوا کرتے تھے۔

نعل خف سے علیحدہ چیز ہے اسلئے اس کے لئے مستقل باب کا انعقاد کیا ہے کبھی کبھی حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم جوتے پہنے بغیر بھی چل پڑتے تھے وربما مشی حافیاً فی بعض الاحیان (اتحافات ص ۱۲۱) (آپ بعض اوقات ننگے پاؤں بھی چلے ہیں) تواضعاً وطلباً لمزید الاجر کما اشار الی ذلک الحافظ العراقی بقوله

یمشی بلا نعل ولا خف الی عیادة المریض حوله الملاء

(مواهب ص ۸۰)

(اور یہ ننگے پاؤں چلنا تواضع عاجزی اور زیادتی اجر وثواب کی طلب کے لئے ہوا کرتا۔ جیسے کہ حافظ العراقی نے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے کہ آپ بغیر جوتے اور موزے پہنے کسی مریض کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے بڑی جماعت کی معیت میں)

نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف:

ابن سعدؒ نے طبقات میں روایت کی ہے کہ وقد کانت نعله صلی الله علیه وسلم مخصرة معقبة ملسنة (مواهب ص ۸۰) یعنی حضور اقدس کے نعلین مبارک کی تین امتیازی صفات تھیں۔

(۱) مخصرة تھے یعنی باریک کمر یا باریک پشت والے تھے هی التی لها خصر دقیق (۲) معقبة یعنی آپ کے جوتوں کا عقب تھا یعنی اخیر میں پیچھے والا حصہ یعنی وہ تسمہ جس کے ساتھ ایڑی باندھی جاتی ہے۔

(۳) ملسنة جوتوں کی وہ قسم جن کا اگلا حصہ زبان کی طرح نکلا ہوا ہو هی التی فی مقدمها طول علی هيئة اللسان آپ کے پاؤں کی سبابہ انگلی تمام انگلیوں میں لمبی تھی اسی وجہ سے نعل مبارک کا اگلا حصہ بھی لمبا بنایا گیا تھا تاکہ جوتے کی لمبائی سبابہ مبارکہ کے ساتھ لمبائی میں متناسب اور متوازن ہو (مواهب ص ۸۰)

تکثیر نعال کا حکم:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا استکثروا من النعال فان الرجل لایزال راکباً ماانتعل یعنی جوتے پہنا کرو آدمی جب تک جوتے پہنے ہوئے ہوتا ہے سوار سمجھا جاتا ہے۔ وکان ابن مسعود

صاحب النعلين والوسادة والسواک والطهور وكان يلبسه نعليه اذا قام واذا جلس جعلهما فی ذراعيه حتی يقوم (جمع ص ۱۵۸) (اور آپؐ کے جوتوں، تکیہ مسواک، لوٹے وغیرہ کے منتظم عبداللہ بن مسعودؓ تھے آپؐ جب قیام فرماتے تو وہ آپؐ کو جوتے پہناتے اور جب بیٹھ جاتے تو جوتوں کو اپنے پاس بازو میں آپؐ کے کھڑے ہونے تک محفوظ رکھتے)

حضور اقدسؐ جوتے کس طرح پہنتے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے جوتا مبارک پہنتے' دونوں جوتے پہنتے۔ حضرت انسؓ کے پاس آپ کے جوتے مبارک محفوظ تھے جن کی زیارت صحابہ کرامؓ اور دیگر اصحاب کرتے رہتے علامہ یوسف نبہانیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ایک خاص قسم کا جوتا بھی پہنا جسے تاسومہ کہا جاتا تھا۔

نقشِ نعل کے فضائل و برکات:

آپؐ کے نعل مبارک کا نقشہ اور اس کے برکات وفضائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ,,زاد السعید،، میں بہ عنوان" نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ "تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں جو من وعن درج ذیل ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰة یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کی کثرتِ معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ ومعنویہ ہے ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاحِ اعمال وتوبہ واستغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب وزبان کی جو کیفیت ہے معلوم ہے البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضورِ قلب بھی میسّر ہو سکتا ہے اور امیدِ قبول بھی قریب ہے منجملہ ان وسائل کے تجربہ بزرگانِ دین نقشہ نعل مقدس حضور سرورِ عالم فخرِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے اسلئے اسلامی خیرخواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خير النعال صلی الله علی صاحبه فوق عدد الرمال حسبِ روایت امام زین الدین عراقیؒ محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنے حاجات ومعروضات جنابِ باری تعالیٰ میں قبول کرائیں اس نقشہ شریف کے آثار وخواص وفضائل کو کون شمار میں لا سکتا ہے مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے

ساتھ کتب معتبرہ علماء محدثین ومحققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل بر ذوق شوق نقل کیے جاتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہو اور بوجہ غلبہ محبت بلا تکلف آپ کا اتباع نصیب ہو جو اصل مقصود اور سرمایہ نجاتِ دنیوی واخروی ہے۔

طریق توسل:

بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے اس کے بعد گیارہ بار درود شریف گیارہ بار کلمہ طیبہ' گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لئے ہوئے ہوں ان کا ادنیٰ درجے کا غلام ہوں الٰہی اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر ببرکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمایئے مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بمحبت بوسہ دے اشعارِ ذوق وشوق بغرض از دیاد عشقِ محمدیؐ پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

بعض آثار وخواص نقشہ نعل شریف:

علامہ محدث حافظ تلمسانیؒ کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں فرماتے ہیں کہ نقشہ شریف کے منافع ایسے کھلّم کھلاّ ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں منجملہ ان کے ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طالب علم کے لئے یہ نقشہ بنوا دیا تھا وہ میرے پاس ایک روز آ کر کہنے لگا کہ میں نے شبِ گذشتہ میں اس کی عجیب برکت دیکھی کہ میری بی بی کو اتفاقاً ایسا سخت درد ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہوگئی میں نے یہ نقشہ شریف درد کی جگہ رکھ کر عرض کیا یا الٰہی مجھ کو صاحبِ نعل شریف کی برکت دکھلایئے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفا عنایت فرمائی۔

قاسم بن محمدؒ کا قول ہے کہ اس کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے' دشمنوں کے غلبے سے' شیطانِ سرکش سے' حاسد کی نظرِ بد سے امن وامان میں رہے

اور اگر حاملہ عورت درد زِہ کی شدت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہٖ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

شیخ ابن حبیب النبیؒ روایت فرماتے ہیں کہ ان کو ایک دُمّل نکلا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا نہایت سخت درد ہوا کسی طبیب کی سمجھ میں اس کی دوا نہ آئی انہوں نے یہ نقش شریف درد کی جگہ رکھ لیا معاً ایسا سکون ہو گیا کہ گویا کبھی درد ہی نہ تھا ایک اثر خود میرا (یعنی صاحبِ فتح المتعال) مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار سفرِ دریائے شور کا اتفاق ہوا ایک دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ سب ہلاکت کے قریب ہو گئے کسی کو بچنے کی امید نہ تھی میں نے یہ نقشہ ناخدا کے پاس بھیج دیا کہ اس سے توسل کرے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی اور محمد الجزریؒ سے منقول ہے کہ جو شخص اس نقش شریف کو اپنے پاس رکھے خلائق میں مقبول رہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہو اور یہ نقش شریف جس لشکر میں ہو۔ اُس کو شکست نہ ہو اور جس قافلے میں ہو لوٹ مار سے محفوظ رہے جس اسباب میں ہو چوروں کا اس پر قابو نہ چلے جس کشتی میں ہو غرق سے بچے اور جس حاجت میں اس سے توسل کریں وہ پوری ہو۔

یہ تمام مضامین کتاب القول السّدید فی ثبوت استبراک بنعل سیّد الاحرار والعبید سے نقل کیے گئے ہیں اور کتاب المرتجی بالقبول فی خدمة قدم الرسول میں علماء محققین وصلحائے معتبرین سے بہت آثار وخواص وحکایات نقل کئے ہیں جس کو شوق ہو دیکھ لے اب چند اشعار شوقیہ مع ترجمے کے لکھے جاتے ہیں کہ ان کو پڑھ کر سمجھ کر اپنے شوق ومحبت کو بڑھا دیں۔

قال الامام ابو الخیر محمد بن محمد الجزری علیه الرحمة

يَا طَالِبًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ ۔۔۔ هَا قَدْ وَجَدْتَّ اِلَى اللِّقَاءِ سَبِيْلًا

اے طلب کرنیوالے نقش نعل شریف اپنے نبیؐ کے ۔۔۔ آگاہ ہو جا تحقیق پالیا تونے اس کے ملنے کا راستہ

فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّأْسِ وَاخْضَعَنْ لَهٗ ۔۔۔ وَ تَغَالَ فِيْهِ وَ اَوْلِدِ التَّقْبِيْلَا

پس رکھ اس کو سر پر اور خضوع کر اس کے لئے ۔۔۔ اور مبالغہ کر خضوع میں اور پیاپے اس کو بوسے دے

مَنْ يَّدَّعِي الْحُبَّ الصَّحِيْحَ فَإِنَّهُ يُثْبِتُ عَلَىٰ مَا يَدَّ عِيْهِ دَلِيْلًا

جو شخص دعوے کرے سچی محبت کا پس بے شک وہ قائم کرتا ہے اپنے دعوے پر دلیل کو

عن السيد محمد الجمازی الحسینی المالکیؒ

(۱) لَمَّا رَأَيْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى اَلْمُسْنَدَ الْوَضْعِ الصَّحِيْحِ مُعَرَّفَا

جب دیکھا میں نے نقشہ نعل شریف حضرت مصطفیؐ کا جس کی وضع سند صحیح سے بتلائی ہوئی ہے

(۲) فَمَسَحْتُ وَجْهِيْ بِالْمِثَالِ تَبَرُّكًا فَشَفَيْتُ مِنْ وَّقْتِيْ وَكُنْتُ عَلَى الشَّفَا

تو میں نے مل لیا اپنے چہرہ پر اس نقش کو واسطے برکت کیلئے سو مجھکو اسی وقت شفا ہوگئی حالانکہ میں قریب بہ ہلاکت ہوگیا تھا

(۳) وَظَفِرْتُ بِالْمَطْلُوْبِ مِنْ بَرَكَاتِهٖ وَ وَجَدْتُّ فِيْهِ مَا اُرِيْدُ مِنَ الصَّفَا

اور پہنچ گیا میں مطلب کو اس کی برکتوں سے اور پایا میں نے اس میں جو کچھ میں چاہتا تھا صفائی سے

(۱/۷۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں ابوداؤد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو ہمام نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ کے نعل شریف کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتہ میں دو دو تسمہ تھے۔

نعل مبارک سے محبت:

كيف كان نعل رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال لهما قبالان ۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ وكان القياس ان يكون كيف كانت النعل لان النعل مؤنثة ولما كان التانيث غير حقيقي جازا لتذكير باعتبار الملبوس (اتحافات ص ۱۲۲)

کیف کان نعل ... کے متعلق شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں قانون نحوی کی رو سے عبارت کانت النعل ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے کہ لفظ نعل مؤنث ہے (اور فعل کا فاعل جب مؤنث

ہوتو فعل میں علامت تانیث ہوگی۔ جواباً لکھتے ہیں) لیکن چونکہ نعل مؤنث غیر حقیقی ہے تو اس میں تذکیر فعل بھی جائز ہے باعتبار ملبوس کے یعنی کیف کان ملبوس رسول اللہ ﷺ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بارے میں سوال سے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت' اطاعت اور عشق ووالہیت کا کتنا پیارا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ اپنی زندگی کے کسی بھی کام میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے وہ اتباع سنت کو حقیقی معراج سمجھتے تھے وہ آپؐ کے اقدام میمنت لزوم کے نیچے اور انہی مقدس جوتوں کی صدقہ ہی میں نجات اور بخشش سمجھتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں مبارک سے محبت آپؐ ہی کی محبت کا ایک حصہ ہے اس مقام پر پہنچ کر بڑے بڑے محدث بھی آپ کی تعظیم ومحبت کے انتہائی مقام کو پالیتے ہیں۔

حافظ عراقی نے الفیۃ الحدیث میں لکھا ہے۔ کہ

وَنَعْلُهُ الكَرِيمَةُ الْمَصُوْنَهْ طُوبیٰ لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِيْنَهْ

آپؐ کے نعلین مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں کس قدر مبارکباد کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہوگیا۔

نعلِ بلالؓ کا ٹوٹا تسمہ' عثمان علی خان کے تاج کا افتخار:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حیدرآباد دکن گئے نواب عثمان علی خان نے آپ کا وعظ سننے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ ریاست کے بڑے بڑے علماء' فضلاء' امراء اور عوام کے عظیم اجتماع کا انعقاد ہوا۔ نواب دکن شیعیت کی طرف مائل تھا مگر علماء اور بزرگوں کا قدردان تھا علامہ عثمانیؒ نے جامع' مدلل' مفصل اور عالمانہ خطاب فرمایا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی خاص طور پر مدح فرمائی۔ دورانِ بیان جب یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور خلفاء راشدینؓ کی بات چھوڑیں ان کے رتبہ ومقام کو کون پہنچ سکتا ہے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر آج آپؐ کے ایک ادنیٰ صحابی بلال حبشیؓ کے جوتے کا ایک

ٹوٹا تسمہ بھی مل جائے تو نواب عثمان علی خان جیسے صاحب اقتدار نواب بھی اسے تبرک جان کر اپنے تاج میں ٹانک لیں یہ جملہ سن کر نواب حیدر آباد وجد میں آگئے اور بے اختیار ہو کر فرمانے لگے کیوں نہیں؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے حضرت بلالؓ کے جوتے کا تسمہ بھی نصیب کر دے تو میں ضرور اسے اپنے تاج میں جگہ دیدوں اس تسمے کے مقابلے تاج میں جڑے ہوئے ہیروں اور جواہرات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے

ایک نعل میں دو تسمے:

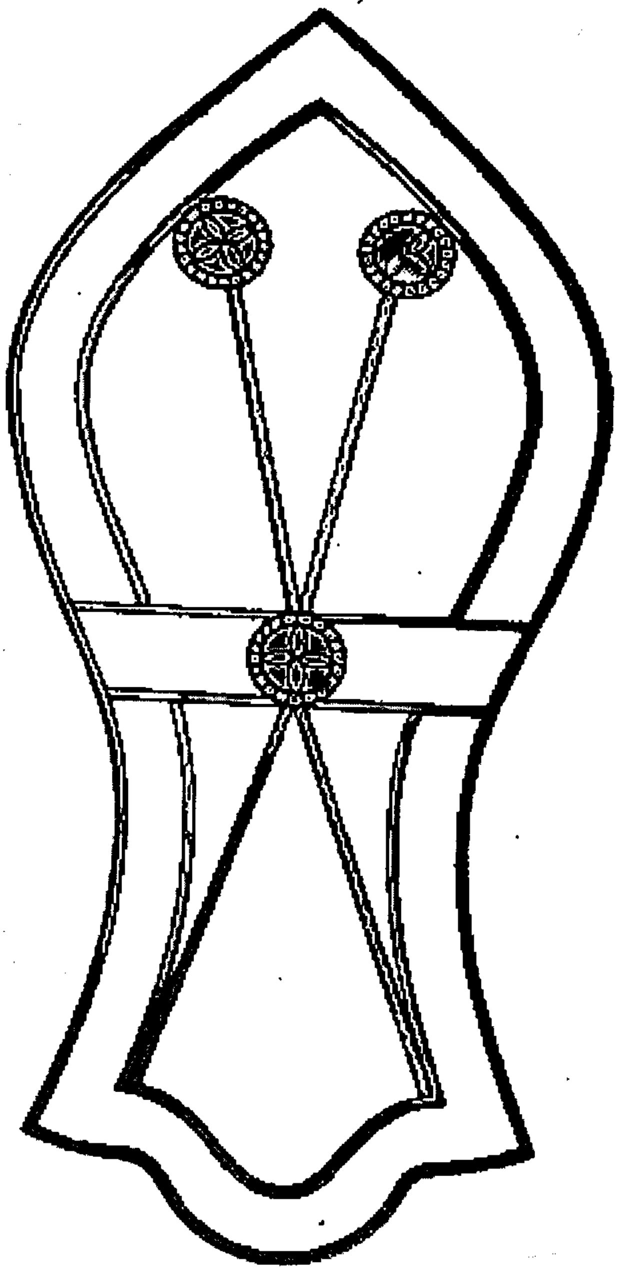
کان نعل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ "ہر ایک جوتہ مبارک" کے الفاظ سے امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں ان نعل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لھا قبالان بالافراد (جمع ص ۱۵۹) ہر جوتہ میں دو تسمہ کی مراد یہ ہے کہ ایک تسمہ انگوٹھہ اور اس کی ساتھ والی انگلی میں تھا دوسرا تسمہ درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں ہوتا تھا۔ شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں و کان صلی اللّٰہ علیہ وسلم یضع احد القبالین بین الابھام والتی تلیھا والآخر بین الوسطیٰ والتی تلیھا (مواھب ص ۸۰)

(اور نبی کریم ﷺ جوتے کے دو تسموں میں سے ایک کو انگوٹھے اور اس کی ساتھ والی انگلی میں رکھتے تھے اور دوسرے تسمہ کو درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں رکھتے)

قبالان ' قبال کا تثنیہ ہے مراد وہ تسمہ ہے جو آگے رکھا جاتا ہے اور عرض رِجل میں جو تسمہ ہو اسے شراک کہتے ہیں اور جو انگلیوں کے بیچ میں ہوتا ہے اسے قبالہ کہتے ہیں۔

لھما قبالان ای لکل واحد منھما قبالان یا تقسیم الاحاد علی الآحاد ہے کہ ہر ایک نعل کے لئے ایک قبالہ تھا لغوی لحاظ سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں مگر بخاری کی مندرجہ بالا روایت اور نقشہ نعل مبارک کے مطابق ہر نعل میں دو قبالے تھے۔

نقشہ نعل شریف



(۲/۷۴) حَدَّثَنا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَآءِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدِالْحَذَّآءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مَثْنًى شِرَاكُهُمَا..

ترجمہ! ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے سفیان کے حوالہ سے نقل کیا۔ انہوں نے خالد حذاء سے نقل کیا اور انہوں نے عبداللہ بن حارث سے۔ وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے تسمے دوہرے تھے۔

راوی حدیث (۲۳۱) خالد الحذاءؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوھرے تسمے:

کان لنعل رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبالان مثنی شراکھما یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کے وہ تسمے جو پشتِ قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے گویا ہر جوتے میں دودو تسمے اور ہر تسمہ دوہرا تھا یعنی دو دو دھاگوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔

(۳/۷۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عِيْسَى ابْنُ طَهْمَانَ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَا وَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابواحمد الزبیری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسٰی بن طھمان نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت انسؓ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھلائے ان پر بال نہیں تھے مجھ سے اس کے بعد حضرت ثابتؒ نے یہ بتایا کہ وہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف تھے۔

راویان حدیث (۲۳۲) یعقوب بن ابراہیمؒ (۲۳۳) ابواحمد الزبیریؒ اور (۲۳۴) عیسٰی بن طھمانؒ

کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

نعلین جرداوین لهما قبالین الجرد بغیر نباتات والی جگہ کو کہتے ہیں جرداوین وہ جوتے جن پر بال نہ ہو ں الجرداء اجرد کی مؤنث ہے اجرد اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی گردن پر بال نہ ہوں یا کم بال ہوں اور جرداء . وهی التی لا شعر علیها .جرداء اس چمڑے کو بھی کہتے ہیں جس پر بال نہ ہوں (جمع ص۱۶۰) استعیر مِن ارض جرد لا نبات فیها .

تبرّک بآثار الصالحین :

انهما کانتا نعلی النبی صلی الله علیه وسلم ثابت بنانیؒ نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں نعلین مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اس مقام پر شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے تبرک بآثار الصالحین کی تفصیلی بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں ویوخذ مِن الحدیث ندب حفظ آثار الصالحین (اتحافات ص ۱۲۳) (اس حدیث سے نیکوکار لوگوں کے آثار کو محفوظ رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے) ذیل میں اسی تفصیل کی تلخیص اور دیگر کتب حدیث سے بھی ماحصل نذر قارئین ہیں۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور دیگر پہناوے کو محفوظ رکھتے' ان کی زیارت کرتے کرواتے اور ان سے تیمن وتبرک اور شفاء حاصل کرتے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آپؐ کے چند ملبوسات تھے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوبردہؓ فرماتے ہیں اخرجت الینا عائشة کسآءً ملبداً وازاراً غلیظاً فقالت قبض روح النبی صلی الله علیه وسلم فی هذین ۔ جناب عائشہ صدیقہؓ نے ایک کمبلی جس پر بہت زیادہ پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں بتایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چادر لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ خود بنفس نفیس اسے پہنیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور پھر اس کا تہبند باندھ کر صحابہ کرامؓ کے پاس

تشریف لے آئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پہنا دیجیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا۔ آپؐ کچھ دیر مجلس میں تشریف فرما ہونے کے بعد چلے گئے اور پھر اس چادر کو لپیٹ کر واپس آئے اور اس صحابی کو بھیج دی جس نے وہ مانگی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس صحابیؓ سے کہا کہ تو نے یہ چادر مانگ کر کچھ اچھا کام نہیں کیا حالانکہ تجھے علم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کا بھی سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابیؓ نے جواب دیا واللّٰہ ما سئلتها الا لتكون كفنى يوم اموت مجھے اللہ جل شانہ کی قسم! کہ یہ سوال تو میں نے صرف اسلئے کیا ہے کہ میرے مرنے پر یہ چادر جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ انور، اطہر اور مقدس کے ساتھ لگ چکی ہے میرا کفن بنے۔

جناب سہلؓ فرماتے ہیں کہ وہی بردہ پاک اس کا کفن بنا۔ حضرت امام مالکؒ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بال مبارک ملے تھے جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وصیت فرمائی کہ ایک موئے مبارک میری داہنی آنکھ پر، دوسرا موئے مبارک میری بائیں آنکھ پر اور تیسرا موئے مبارک میرے منہ پر میرے مرنے کے بعد رکھ دینا۔ جناب ابوھریرۃؓ نے حضرت امام حسنؓ کو کہا کہ آپ اپنے بدن مبارک کی وہ جگہ مجھے بتائیں جس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما تھا۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنی ناف مبارک ان کو بتائی تو ابوھریرۃؓ نے تبرکاً وہاں بوسہ دیا۔ جناب ثابت البنانیؒ حضرت انسؓ کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ اس کو بوسہ نہ دے لیتے اور فرماتے يد مست رسول الله صلى الله عليه وسلم ,, یہ وہ ہاتھ ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا تھا۔

حضرت ابوعبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے میرے والد کو کہلا بھیجا کہ مجھے اس لحاف کی زیارت کروائیں چنانچہ میرے دادا اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لحاف کو اپنے چہرے پر خوب ملا (تاریخ صغیر امام بخاری)

جنابہ اسماء بنت ابی بکر صدیق ؓ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ مبارک تھا۔ مسلم شریف میں ہے۔ **قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلبسھا فنحن نغسلھا للمرضی یستشفیٰ بھا** فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ مبارک کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں اور شفا ہو جاتی ہے۔

شفا شریف میں ہے کہ امام ابن مامونؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ ہمارے پاس تھا ۔ **فکنا نجعل فیھا المآء للمرضیٰ فیستشفون بھا** ۔ہم اس پیالے میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو اس پانی سے بیمار صحت یاب ہو جاتے۔

اکابرین دیوبند کا معمول:

استاذ محترم مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے خزانہ میں ایک رومال جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک مکمل ایک سال تک خلافت ترکیہ کے زمانہ میں لپٹی رہی اور خلافت کے خلاف جنگ کے زمانہ میں اکابرین دیوبند کی اپیل پر مسلمانان متحدہ ہندوستان نے ۱۹۱۴ء میں ایک خطیر رقم چندہ کر کے بھیجی جس کے شکریہ میں اراکین خلافت نے یہ رومال اور قسطلانی شرح بخاری بطور ہدیہ کے دارالعلوم بھیجی جس کی زیارت ہر سال کے اختتام پر بطور تبرک کے کروائی جاتی تھی۔

جس سال میں دارالعلوم میں دورہ حدیث شریف میں شریک تھا اور یہ غالباً ۱۹۳۹ء یا ۴۰ء ہوگا یہ مشہور کر دیا گیا کہ اس سال رومال کی زیارت نہیں کرائی جائیگی کیونکہ ازدھام کی وجہ سے پورا ادب ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ طلباء اور تمام شائقین انتہائی افسردہ ہوئے بات حضرت شیخ مدنیؒ تک جا پہنچی چنانچہ آپؒ نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ اہتمام میں درخواست دے دیں کہ میرے زیر نگرانی پورے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے زیارت کا موقعہ فراہم کیا جائے چنانچہ خود حضرتؒ کی موجودگی میں طلبہ اور بہت سے دور دراز کے شائقین رومال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

شیخ احمد عبدالجوادؒ کی تنبیہ:

اس بحث کے اختتام پر شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ولکن التبرک بالآثار لا یصح ان یصل الی درجة المبالغة اوِ العبادة فان العبادة للّٰہ وحده و النافع و الضار هوا للّٰہ وحده ما یفتح اللّٰہ للناس مِن رحمة فلا ممسک لها وما یمسک فلا مرسل له مِن بعده وهو العزیز الحکیم .

(لیکن تبرک بہ آثار صالحین میں اتنا مبالغہ بھی نہ کیا جائے کہ وہ درجہ غلو یا عبادت کو پہنچے کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور وہی نفع ونقصان دینے کے مالک ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جو کچھ روکنا چاہیں تو پھر اس کے سوا کوئی دینے والانہیں وہی غالب اور حکمت والے ہیں)۔

(۷۶/۴) حَدَّثَنَا اِسۡحٰقُ بۡنُ مُوۡسیٰ الۡاَنۡصَارِیُّ قَالَ اَخۡبَرَنَا مَعۡنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا سَعِیۡدُبۡنُ اَبِیۡ سَعِیۡدِ الۡمَقۡبُرِیِّ عَنۡ عُبَیۡدِ بۡنِ جُرَیۡجٍ اَنَّهٗ قَالَ لِاۡبۡنِ عُمَرَ رَاَیۡتُکَ تَلۡبَسُ النِّعَالَ السِّبۡتِیَّةَ قَالَ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یَلۡبَسُ النِّعَالَ الَّتِیۡ لَیۡسَ فِیۡهَاشَعۡرٌ وَیَتَوَضَّأُ فِیۡهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنۡ اَلۡبَسَهَا .

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو معن نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مالک نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سعید بن ابوسعید مقبری نے بیان کیا۔ انہوں نے عبید بن جریج سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپؐ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتہ پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جوتہ پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔

راویان حدیث (۲۳۵) سعید بن ابی سعید المقبریؒ اور (۲۳۶) عبید بن جریجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سبتیة کا معنیٰ:

قال لابن عمر 'عبید بن جریج نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا میں دیکھتا ہوں کہ آپ بالعموم سبتیّة جوتا پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے سبتیة 'سبت سے ہے یعنی بال مونڈ نا سبتیة وہ جوتا جس پر بال نہ ہوں یوم سبت کو بھی اسی وجہ سے سبت کہا جاتا تھا کہ یہود کے نزدیک اس میں سب دنیاوی' تعلقات سے انقطاع کرلیا جاتا تھا اور سبت (بکسر السین) اس چمڑے کو کہا جاتا ہے جو بالوں سے صاف ہو۔

التی لا شعر علیها نسبة لسبت (بکسر السین) وهو جلو د البقر المدبوغة لان شعر ها سبت وسقط عنها بالدباغ (مواهب ص ۸۲) (السبتیة کا معنیٰ یہ کہ اس پر بال نہ ہوں یہ لفظ بکسر سین ہے اوران کا اطلاق بیل گائے کے (مدبوغہ) رنگے ہوئے چمڑوں پر کیا جاتا ہے کیونکہ دباغت کے عمل کی وجہ سے ان سے بال گرجاتے ہیں)

منشأ سوال:

سوال کرنے کا منشأ یہ تھا کہ عربوں میں تمدن اور تنعّم کی یہ ترقی نہ تھی غربت' ناداری اور فقر وافلاس تھا غرباء' فقراء ومساکین بلکہ عام لوگ اور متوسط طبقہ میں بالوں سمیت چمڑے کا جوتا پہننا مروج تھا جبکہ بالوں سے صاف چمڑے کا جوتا امراء لوگ پہنتے تھے یا یہود میں مروج تھا بخاری شریف کی مفصل حدیث ہے وفیه انه قال لابن عمر رائیتک تصنع اربعالم ار احداً من اصحابک یصنعها ' فذکر منها لبسه للنعال السبتیّة (اس میں ہے کہ عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ تو چار ایسے کام کرتا ہے کہ تیرے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی میں نے کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور ان چار میں سے بغیر بالوں کے جوتے پہننے کا ذکر بھی کیا) غرض سوال یہی تھی کہ اس قدر قیمتی جوتے کے استعمال کی حکمت کیا ہے۔ اور عام مروج جوتا چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے پھر اسی جوتے پر مواظبت کی کیا وجہ ہوسکتی ہے جبکہ صحابہؓ نے کبھی بھی کسی ایک قسم کے جوتہ پر مداومت نہیں کی۔

حضرت ابن عمرؓ کا جواب تھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ابن عمرؓ متبع سنت تھے حتی کہ امور طبعیہ میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے آپ

نے صاف کہہ دیا کہ یہود و مشرکین کی مشابہت غرض نہیں اور نہ ہی امراء کی متابعت مقصود ہے مقصود حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے آپؐ کو میں نے یہی جوتے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ فانا احبّ ان البسها ای لمتابعة الهدی لا لموافقة الهوی (جمع ص ۱۶۲) (میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے جوتے پہنوں یعنی سنت کی تابعداری میں نہ کہ اپنی نفسانی خواہش کی موافقت میں)

جوتے پہنے ہوئے پاؤں دھونا یا گیلے پاؤں جوتوں میں رکھنا:

یتوضأ فیهما مقصد یہ ہے (۱) کہ جب جوتوں میں بے تکلف پاؤں دھل سکتے تھے اور نقصان بھی نہیں ہوتا تھا تو آپؐ جوتوں میں پاؤں دھولیا کرتے تھے بیان جواز کے لئے بھی اور امت کی سہولت کے لئے بھی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ وضو کے بعد پاؤں خشک کیے بغیر فوراً جوتے پہن لیتے تھے تا کہ یہ بھی امت کو معلوم ہو جائے کہ وضو کے بعد فوراً تر پاؤں جوتے میں ڈالنے سے نقضِ وضو لازم نہیں آتا علامہ نوویؒ فرماتے ہیں معناه انه یتوضأ ویلبسها بعد ورجلان رطبان .فانا احب ان البسها حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پہننا پسند کرتا ہوں تا کہ آپؐ کی اقتداء واتباع حاصل رہے وکان ابن عمر حریصاً علی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الجلیل مِن الامور والصغیر قال ابن عبدالبرمن صریح الایمان محبة ماکان المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم یحبه واتباع ماکان یفعله حتی الماکول والمشروب والملبوس (اتحافات ص ۱۲۵) (اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بڑے کاموں کی اقتداء اور تابعداری میں انتہائی حریص تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صریح اور خالص ایمان کی علامات میں سے یہ ہے کہ جن چیزوں اور کاموں سے آپؐ کو محبت ہو، ان کاموں سے محبت کی جائے اور جو افعال آپؐ کرتے تھے ان کی ان افعال میں اتباع کی جائے حتیٰ کہ ماکولات مشروبات اور ملبوسات میں بھی)

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ جوتا ضرور پہننا چاہئے البتہ احترام مسجد اور احترام مقبرہ میں اتار لینا بہتر ہے وقال احمد یکره لبسها فی المقابر (مواهب ص ۸۲) (امام احمد فرماتے ہیں کہ

قبرستان میں جوتوں کا پہننا مکروہ ہے)

(۵/۷۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَی التَّوْأَمَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ ..

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے بیان کیا ۔ انہوں نے ابن ابی ذئب سے اور انہوں نے التوأمة کے آزاد کردہ غلام صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوھریرہؓ سے نقل کی ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔

راویان حدیث (۲۳۷) ابن ابی ذئبؒ اور (۲۳۸) صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کی شرح وبیان باب ھذا کی پہلی حدیث میں تفصیل سے ہو چکا ہے

(۷۸/۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنِ السُّدِّیِّ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَیْثٍ یَقُوْلُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْنِ مَخْصُوْفَتَیْنِ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابو احمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سدّی کے حوالے سے خبر دی۔ سدّی کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن حریثؓ سے یہ روایت سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔

راویان حدیث (۲۳۹) السدیؒ (۲۴۰) من سمع اور (۲۴۱) عمر بن حریثؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مخصوفتین کا معنیٰ:

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ

ایسی جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے جن کو پیوند لگے ہوئے تھے مخصوفتین ' خصف سے ہے معنیٰ جوتے پر مزید چمڑا چڑھانا' سینا' ٹانکنا اور جمانا ہے ضرب کے باب سے ہے مخصوف ٹوٹے ہوئے اور گھٹے ہوئے جوتے کو بھی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نعلین کے چمڑے دوہرے سلے ہوئے تھے یعنی تلی دوہری تھی یا ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں المخصوفتان کا معنیٰ المخروزتان ہے یعنی ستال (آر) سے سئے ہوئے نیز فرماتے ہیں کہ المخصوفتان کے معنیٰ المرقعتان بھی ہیں جن کے معنیٰ ,,پیوند لگے ہوئے،، بھی ہوتے ہیں (اتحافات ص ۱۲۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیوند لگے جوتے:

اگر چہ حدیث باب کی یہ سند مجہول ہے مگر دیگر روایات سے اس کی تصحیح وتصدیق اور تائید ہو جاتی ہے حضرت عروۃؒ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخیط ثوبہ ویخصف نعلہ ویرفع دلوہ (جمع ص ۱۶۲)

آپؐ اپنے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے جوتے کو خود پیوند لگا لیتے اور کنوئیں سے (دلو کے ذریعے) پانی نکالتے اور خصف سے مراد پیوند لگانا ہے وفی شرح ان المراد بہ المرقعۃ' اخرجہ ابن حبان والحاکم۔

نعلین میں نماز:

یصلی فی النعلین سے مراد یا تو نماز جنازہ ہے اور اگر نماز پنجگانہ مراد لیں تو جوتے ایسے تھے جو نجاست سے پاک تھے ویوخذ من الحدیث جواز الصلوٰۃ فی النعلین ان کانتا طاھرتین (اتحافات ص ۱۲۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز جائز ہے)

نعلین مبارک کا طول' عرض' حجم اور مقدار:

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شارحین حدیث میں ایسے نہیں دیکھے ہیں جنھوں نے نعل

مبارک کی صفت یعنی طول وعرض، حجم اور مقدار کا بیان کیا ہو۔ البتہ حافظ عراقیؒ نے اس کو منظوم کیا ہے

ونعله الكريمة المصونة　　طوبیٰ لمن مس بها جبينه

(اور آپؐ کے نعل مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں۔ کس قدر مبارک بادی کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہوگیا)

لها قبالان بسير وهما　　سبتيّتان سبتوا شعرهما

(نعل مبارک کے دو تسمے ہیں۔ اور وہ دونوں بالوں سے صاف کیے گئے ہیں۔

وطولها شبر و اصبعان　　وعرضها مما يلی الكعبان

(اور اس کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگل۔ اور اس کے ایڑی والے حصہ کی چوڑائی)

سبع اصابع و بطن القدم　　خمس وفوق ذا فست فاعلم

(سات انگل اور قدم کا درمیانی حصہ۔ پانچ انگلی اور اس سے اوپر پس چھ انگلی جان لے)

ورأسها محدد وعرض ما　　بين القبالين اصبعان اضبطهما

(اور اس کا سر محدد ہے اور چوڑائی۔ دو تسموں کے درمیان دو انگلیاں تھیں ان کو یاد کر لے)

(مناوی ص ۱۶۳)

(۷/۷۹) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهٗ.

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ الانصاری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابوزناد کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے اعرج سے اور انہوں نے ابوھریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتہ پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔

راوی حدیث (۲۴۲) الاعرجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تعلیم اخلاق یا شفقت نبویؐ :

قال لا یمشینَّ احد کم الخ ۔۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلے دونوں جوتے پہنے یا دونوں اتارے وھذانفی صورۃ ونھی معنیً وھو ابلغ من النھی الصریح (جمع ص ۱۶۳) (اور یہ (لا یمشین ...) بصورت نفی ہے اور دراصل حقیقت میں نہی ہے اور یہ (صورت) زیادہ بلیغ ہوتی ہے نہی صریح سے)لیحفھما ' حفی سے ہے معنیٰ ننگے پاؤں چلنا

جب ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا ہو:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم تھے اور امت پر شفیق تھے جوتے پہننے کے طریقے بھی امت کو تعلیم فرمائے اور ایک جوتا پاؤں میں اور ایک پاؤں ننگے ہو کر چلنے سے منع فرمایا۔

شارحین حدیث نے اس کی متعدد وجوھات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) وقار کے منافی ہے استہزاء کا باعث ہے ایسے شخص کو لوگ احمق کہیں گے۔

(۲) ابن العربیؒ فرماتے ہیں العلۃ فیہ انھا مشیۃ الشیطان (اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ یہ شیطانی چال ہے)

(۳) قیل لانھا خارجۃ عن الاعتدال (اور بعض نے کہا کہ ایسا چلنا حد اعتدال سے خارج ہے)

(۴) باری تعالیٰ کی نعمت کا کفران لازم آتا ہے کہ استطاعت کے باوجود خود کو نعمتِ ربّ سے محروم کر رہا ہے۔

(۵) ایک پاؤں اوپر ہوگا ایک نیچے' گرنے' پھسلنے اور پاؤں میں موچ پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۶) لوگوں کے لئے خندہ استہزاء کا ھدف بنتا ہے اور یہ گناہ ہے وقال البیھقی الکراھۃ للشھرۃ فتمتد الابصار لمن یریٰ ذلک منہ وقد ورد النھی عن الشھرۃ فی اللباس (جمع ص ۱۶۴)

(امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے چلنے (کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو اور دوسرے میں نہ ہو) کی کراہت بوجہ شہرت ہونے کے ہے یعنی یہ کہ ایسے چلنے والے کی طرف لوگوں کی آنکھیں اٹھیں گی۔ حالانکہ لباس

شہرت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے)

امام اعمشؒ کا سبق آموز لطیفہ:

حضرت امام اعمشؒ عظیم محدث شیخ اور جید عالم گذرے ہیں طبعاً ظریف تھے اور ظرافت میں حقائق بیان فرمادیتے تھے ان کے پاس ان کا ایک شاگرد آیا جو پاؤں سے لنگڑا تھا جبکہ آپ آنکھوں سے اعمش (چندھے) تھے امام اعمشؒ نے ان سے فرمایا تم آ کر ہمارے پاس ٹھہر گئے ہو ہم دونوں کے اجتماع پر لوگ استہزاء کریں گے شاگرد نے عرض کیا ہمیں ثواب ملے گا گناہ جھڑیں گے۔

امام اعمشؒ نے فرمایا ہمیں دین یہ نہیں سکھاتا کہ لوگوں کو گناہ میں مبتلا کردیں اور خود ثواب کمائیں البتہ واضح رہے کہ یہ نہی کراہت کے لئے ہے جبکہ بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے ایسا کرے اگر کسی عذر یا ضرورت کے وقت کرتا ہے تو پھر کراہت نہیں ہے کہ عذر عذر ہوتا ہے۔

حدثنا قتيبة :

حدثناقتيبة هناد الخ اسقط هناالاعرج فهذا الحديث مرسل لاسقاط الاعرج وابی هريرة منه بالنظر لاسقاط الصحابی (مواهب ص ۸۴) (حدثنا قتيبة هناد ... اس سند میں یہاں اعرج کا ذکر چھوڑ دیا گیا اس لئے یہ حدیث مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے اعرج (راوی) کے اور ابوھریرہ کے بوجہ ساقط کرنے صحابی کے)

اور زیادہ اوضح عبارت مناویؒ کی ہے کہ **هذا منقطع ومرسل لا سقاط الاعرج وابی هريرة** (کہ یہ منقطع اور مرسل ہے کیونکہ اعرج اور ابوھریرہ کو درمیان سند سے ساقط کردیا گیا)۔

البتہ ملا علی قاریؒ نے اس سند کو ذکر کر کے **نحوه** کے بعد یہ تفصیل لکھ دی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سند بھی پہلی سند جیسے مرفوع ہو فرماتے ہیں **نحوه ای مثله فی المعنیٰ دون اللفظ المتعلق بالمتن والاظهر انه يريد بنحوه نحو الاسناد المتقدم فكانه قال الی آخر الاسناد فلا يرد ماقاله العصام من ان حديث قتيبة منقطع ومرسل لاسقاط الاعرج عن الاسناد واسقاط ابی هريرة نعم كان يكفی ان يقول عن مالک ويزيد بهذا الاسناد (والله اعلم) (جمع ص ۱۶۵) (نحوه .** یعنی یہ اس کے مثل ہے معنی میں نہ کہ

الفاظ میں جن کا تعلق متن حدیث سے ہوتا ہے۔لیکن زیادہ واضح یہ بات ہے کہ نحوہ سے مراد پہلی جیسی سند کے مانند گویا کہ یہ کہا کہ یہ اس جیسے ہے آخر سند تک اس لئے اب وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو عصام کہتے ہیں کہ حدیث قتیبہ منقطع اور مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے سند سے اعرج اور ابوھریرہ کو البتہ یہ کافی تھا کہ پھر سند میں یہ کہتے عن مالک ویزید بھذا الاسناد)

(۸/۸۰) حَدَّثَنَا اِسۡحٰقُ بۡنُ مُوۡسٰی اَخۡبَرَنَا مَعۡنُ اَخۡبَرَنَا مَالِکُ عَنۡ اَبِی الزُّبَیۡرِ عَنۡ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنۡ یَّاۡ کُلَ یَعۡنِیۡ الرَّجُلَ بِشِمَالِہٖ اَوۡیَمۡشِیَ فِیۡ نَعۡلٍ وَّاحِدَۃٍ۔

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو معن نے' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک نے خبر دی۔انہوں نے ابوزبیر سے نقل کیا اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتہ پہنے۔

بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے نہی:

نھیٰ ان یاکل یعنی الرجل بشماله الخ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلے حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک بائیں ہاتھ سے کھانا یہ کراہت تحریمی ہے امام شافعیؒ اسے کراہت تنزیہی قرار دیتے ہیں مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔آپؐ نے فرمایا کل بیمینک یعنی دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہہ دیا کہ میں طاقت نہیں رکھتا لااستطیع آپؐ نے فرمایا لااستطعت تو طاقت نہ رکھ' پھر کیا تھا کہ داہنا ہاتھ شل ہوگیا اور منہ تک نہ پہنچ سکا فما رفعها الرجل الی فیه بعد ذلک

(اتحافات ص۱۲۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ارشادات استحبابی ہیں یعنی حرام نہیں ہیں تاہم بعض اصحاب ظاہر نے اسے ناجائز بتایا ہے (خصائل) یعنی الرجل' حدیث میں رجل کا ذکر شرافت وتکریم کے لئے آیا ہے خواتین سے احتراز نہیں ذکر الرجل لانه الاصل والا

شرف لا الاحتراز (مواهب ص ۸۴) (روایت میں رجل کے لفظ کا ذکر بوجہ اس کے اشرف اور اصل ہونے کے ہے نہ کہ (عورت) سے احتراز کرنے کے لئے (یعنی یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے) عورتوں کو بھی یہی حکم ہے ہے او یمشی میں لفظِ او تقسیم کے لئے ہے شک کے لئے نہیں ہے واو للتقسیم لاللشک (مواهب ص ۸۴)

(۸۱/۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ ح وَاَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ۔

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے مالک کے حوالے سے بیان کیا (تحویل) انہیں اسحٰق بن موسیٰ نے اور ان کو معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابوزناد سے اور انہوں نے اعرج کے حوالے سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت ابوھریرہؓ سے یہ روایت اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتہ پہنے تو دائیں سے ابتدا کرنی چاہئے اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے' دایاں پاؤں جوتہ پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔

جوتا پہننے اور نکالنے میں مسنون طریقہ:

قال اذا انتعل ... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے ابتدا کرے اور جب جوتا اتارے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے تاکہ جوتا پہنتے وقت دائیں طرف اولیت ہونی چاہئے اور جوتے اتارنے میں اسے مؤخر کرنا چاہئے اور بایاں پہلے ہونا چاہئے لان النزع من باب التنقیص والشمال لعدم شرفها تقدم فی کل ما کان من باب التنقیص (کیونکہ جوتے کا نکالنا یہ تنقیص (نقصان) کے قبیلہ سے ہے اور بایاں پاؤں بوجہ عدم شرافت کے ہر اس جگہ مقدم اور پہلے کیا جائے گا جو بابِ تنقیص سے ہو) تکریم و تعظیم اور شرف و خیر اور زینت کے تمام امور میں تیمّن مسنون ہے حدیث زیر بحث میں اس کی ترغیب ہے لان التنعل من باب التکریم والیمین لشرفها تقدم فی کل

ما کان من باب التکریم (مواہب ص ۸۴) (اور چونکہ جوتے کا پہننا یہ عزت اور تکریم کے قبیلہ سے ہے اور دایاں پاؤں ہر اس جگہ مقدم اور آگے کیا جائے گا جواز قبیلہ تکریم وشرافت کے ہو) بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض جگہوں پر نزع باب تنقیص سے نہیں بلکہ عین تکریم ہوتی ہے تو جواب میں بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے۔

(۱) الیمین اقویٰ من الیسار مگر یہ توجیہ بمنزلہ توجیہ کے ہے اسے ترجیح حاصل نہیں۔

(۲) فالاولی قول الحکیم الترمذی الیمین مختار اللّٰہ ومحبوبه مِن الاشیاء فاهل الجنة عن یمین العرش یوم القیامة واهل السعادة یعطون کتبهم بایمانهم وکانت الحسنات علی الیمین وکفة الحسنات مِن المیزان عن الیمین فاستحقت ان تقدم الیمین واذا کان الحق للیمین فی التقدیم اخر نزعها لیبقی ذلک الحق لها اکثر مِن الیسریٰ (مواہب ص ۸۴)

(پس حکیم ترمذیؒ کا یہ قول بہتر ہے کہ اشیاء میں سے دایاں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ترین ہے کیونکہ جنتی لوگ قیامت کے دن عرش معلٰی کے دائیں طرف ہوں گے اسی طرح نیک بخت لوگوں کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا اور نیکیاں بھی دائیں طرف پر ہوں گی اور ترازو اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھی دائیں طرف ہوگا۔ تو اس لئے پہننے میں دایاں زیادہ مستحق ہے اور جب کہ مقدم کرنے میں دایاں زیادہ مستحق ٹھہرا تو اس لئے اس کے نکالنے کو مؤخر کیا گیا تا کہ اس کا وہ حق بائیں سے زیادہ دیر تک قائم اور باقی رہے)۔

(۸۲/۱۰) حَدَّثَنَا اَبُوْمُوْسٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا اَشْعَثُ هُوَ ابْنُ اَبِی الشَّعْثَآءِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَااسْتَطَاعَ فِیْ تَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ..

ترجمہ! ہمیں ابوموسیٰ نے بیان کیا انہوں نے محمد بن مثنیٰ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر اشعث نے دی جو کہ ابن ابی الشعثاء ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے مسروق سے اور انہوں نے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتہ پہننے میں اور اعضاء وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔

تیمّن، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حتی المقدور تیمّن کو پسند فرماتے تھے کنگھی فرمانے میں، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں ایک اور روایت میں حجامت بنوانے اور مسجد میں داخل ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔

اس میں بھی آپؐ کو تیمن پسند تھا ولیس المراد التخصیص بھذہ الثلاثۃ (مواھب ص ۸۵) (اور ان تین مذکورہ چیزوں کے ساتھ تخصیص مقصود نہیں) بلکہ ہر کار خیر و کار شرافت میں تیمّن کو تقدم حاصل ہوتا تھا۔

مااستطاع کمالِ سعی سے کنایہ ہے یا قید احترازی ہے مقصد یہ ہے کہ جہاں استطاعت ہو وہاں ضرور تیمّن اپنایا جائے۔ البتہ اگر عذر ہے تو بائیں کے استعمال کی بھی شرعاً اجازۃ ہے .اذا لضرورات تبیح المحظورات (جمع ص ۱۶۶) (عذر اور ضرورت ممنوعہ چیزیں مباح کردیتی ہیں) ما استطاع علی نحو قولہ تعالیٰ فاتقوا اللہ ما استطعتم وھی تفید جواز المساعدۃ بالشمال اذا کانت ھناک ضرورۃ لذالک فقد ورد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل القثاء والرطب بالیدین معا، لتساعد احداھما الاخریٰ (اتحافات ص ۱۲۹) (حدیث شریف میں مااستطاع کی قید ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فاتقوا للہ ما استطعتم ۔اس لئے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر ضرورت ہو جائے تو بائیں سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ منقول ہے کہ نبی کریم نے ککڑی اور کھجور دونوں ہاتھوں سے اکٹھی کھائیں بوجہ ان دونوں کے موافقت کے)۔

ملا علی قاریؒ ما استطاع کے تحت لکھتے ہیں والذی یظھر عندی ان مرادہ واللہ اعلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکتفی بالیمین فیما لم یتعسر احتراز عن نحو غسل الوجہ اولم یتعذر بان کان یرید

مثلا ان یاخذ العصا والکتاب فیتعین ان یاخذ احدهما بالیمین والاخر بالیسار (جمع ص ۱۶۷)
(اور وہ جو اس سے مجھے واضح ہو رہی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ صرف دائیں ہاتھ پر اکتفا اس وقت فرماتے جب کوئی مشکل در پیش نہ ہوتی ۔ یہ احتراز ہوا مثلاً منہ دھونے سے (کہ اس میں دونوں ہاتھ استعمال ہوں گے) یا کوئی عذر پیش نہ ہو جاتا جیسے مثلاً کتاب اور لاٹھی اٹھانے کا ارادہ کرتے تو پھر ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں کے ساتھ اٹھانے کو متعین کر لیتے)
تنعّل اور ترجل کے بعد طہور کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہے۔

(۸۳/۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ مَرْزُوْقٍ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ قَيْسٍ اَبُوْ مُعَاوِيَةَ اَنْبَأَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا وَاَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَّاحِدًا عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔
ترجمہ! ہمیں محمد بن مرزوق ابو عبداللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو عبد الرحمٰن بن قیس ابو معاویہ نے سنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام نے محمد کے حوالے سے خبر دی ۔ انہوں نے یہ روایت ابو ھریرہؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوتہ میں بھی دوہرا تسمہ تھا ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔
راویان حدیث (۲۴۳) محمد بن مرزوق ابو عبداللہؒ اور (۲۴۴) عبدالرحمٰن بن قیس ابو معاویہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمانؓ نے ایک تسمے والے جوتے پہنے:

کان لنعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جوتوں کے دو دو تسمے ہوا کرتے تھے و اول من عقد الخ پھر دو کے بجائے ایک تسمے کا آغاز خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے کیا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی تعلیماً اختیار فرمائی تا کہ لوگ دو تسموں کو فرض و واجب کا درجہ نہ دے دیں بلکہ یہ تو محض مستحبات میں سے ہے ہر شخص کی اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ہے وہ چاہتے تو دو تسمے استعمال کرے اور چاہے تو ایک تسمہ۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ اشارة الی بیان الجواز وانّ لبسه صلی اللّٰه علیه وسلم کان علی وجه المعتاد لا علی قصد العبادة (جمع ص ۱۶۸) (اس میں جوتے کا ایک تسمہ رکھنے کے جواز کی طرف اشارہ ہے اور بے شک حضور ﷺ کا (دو تسموں والا جوتا) پہننا بطور عادت تھا نہ عبادت کے ارادہ سے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں لعل الخلیفة الثالث افادنا باتخاذ القبال الواحد جواز ذلک (اتحافات ص ۱۳۰) (خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے اس عمل سے ہمیں ایک تسمہ والے جوتے بنانے کا جواز معلوم ہو گیا)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال چار قسم پر ہیں مباح، مستحب، واجب اور فرض، ہر فعل کی توضیح ضروری ہے تا کہ اسے اپنے اپنے درجہ میں رکھا جائے وبه علم ان ترک لبس النعلین ولبس غیرهما غیر مکروه ایضاً (جمع ص ۱۶۸) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوتوں کے پہننے کو چھوڑ دینا اور ان کے علاوہ کسی اور چیز کو پہننا مکروہ نہیں)

==============================

باب ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بیان میں

اس باب میں آپؐ کا انگوٹھی پہننے کا بیان ہے کس قسم کی انگوٹھی پہنی' اس پر کیا نقش تھا' انگوٹھی بطورِ مہر نبوت کے استعمال ہوتی تھی' بیت الخلاء میں جاتے وقت اتار لیتے تھے تا کہ بے حرمتی نہ ہو' آپؐ کی یہ منقوش انگوٹھی آپؐ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تھی ان کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ آئی ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو پہنچی پھر ان سے کنویں میں گر گئی۔

اس باب میں آٹھ احادیث ہیں ای باب بیان الاخبار الواردة فی ذکرہ (اس باب میں ان احادیث کا بیان ہوگا جو آپؐ کی انگوٹھی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔ (مواهب ص ۸۵)

باب ھذا میں لفظ ''ذکر'' کا اضافہ:

البتہ اس باب میں لفظِ ''ذکر'' کا اضافہ ہے جبکہ دیگر تراجم میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے شارحینؒ فرماتے ہیں (۱) لفظ ذکر کو اس باب میں زائد لانے سے اس امر پر تنبیہ مقصود تھی علی تمیز هذه الترجمة من الترجمة المقدمة ای باب خاتم النبوة (اس ترجمۃ الباب (عنوان) کو سابقہ عنوان باب ختم النبوۃ سے ممتاز کرنے کیلئے اس میں لفظ ذکر کا اضافہ کیا ہے) کیونکہ پہلے ترجمۃ الباب میں خاتم سے بضعة ناشزة عند الکتف مراد ہے اور اس ترجمۃ الباب میں مراد آلہ مُہر ہے جس سے خطوط پر مہر لگائی جاتی ہے۔

وفی لفظ الخاتم خمس لغات وقیل عشر والافصح کسر التاء (خصائل) (اور لفظ خاتم میں پانچ لغتیں ہیں اور بعض نے دس کا قول کیا ہے اس میں زیادہ فصیح لغت تاء کا کسرہ ہے)

انگوٹھی مبارک کی صفت:

علامہ بنوری لکھتے ہیں کہ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک کی جامع صفت کسی نے بھی بیان نہیں کی کہ کیا وہ مربع تھی؟ مثلث تھی؟ مدوّر تھی البتہ لوگوں کا معاملہ اس سلسلہ میں مختلف رہا ہے (مواھب ص۸۶) کتاب اخلاق النبوۃ میں منقول ہے **انہ لایدری کیف ھو قالوا والخاتم حلقة ذات فص من غیرھا فان لم یکن لھا فص فھی فتخة** (مواھب ص ۸۶) (کہ انگوٹھی کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے تھی۔ خاتم کی تعریف میں کہتے ہیں کہ کسی (دھات) کا حلقہ ایسے جو نگینہ والا ہو جو کہ حلقہ کے جنس سے نہ ہو اگر اس حلقہ کا نگینہ نہ ہو تو پھر اس کو عربی میں فتحہ کہتے ہیں)۔

انگوٹھی کے احکام:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں اور کبھی بائیں کی چھنگلی انگلی میں پہنی ہے گویا دونوں ہاتھوں میں پہننا مباح ہے بعض علماء نے اسے مطلق سنت قرار دیا ہے بعض صحابہؓ سے انگوٹھی پہننا ثابت ہے یہ مہر کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی اور زینت کے لئے بھی، بعض فقہاء مطلقاً زینت کے لئے استعمال کی اجازت دیتے ہیں جبکہ بعض فقہاء بغیر ضرورت کے اس کے استعمال کو مردوں کے لئے غیر اولیٰ قرار دیتے ہیں البتہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ انگوٹھی کسی ضرورت مثلاً حاکم، قاضی، مفتی کے مہر لگانے کے لئے تو جائز ہے مگر محض زینت کے لئے بہتر نہیں ہے بلا ضرورت ترک اولیٰ ہے وجہ ظاہر ہے کہ آپؐ نے بھی تب بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

واختلف فی حکم الخاتم کما بسط فی المطولات وفی الدر المختار ترک التختم لغیر السلطان والقاضی وذی حاجة الیه کمتول افضل قال ابن عابدین اشار الی ان التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار (عربی حاشیہ خصائل) انگوٹھی کے حکم میں فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے جیسے کہ فقہ کی مطول کتب میں اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے اور درمختار میں ہے کہ بادشاہ، قاضی، اور دیگر صاحبِ حاجت حضرات جیسے متولی وغیرہ کے علاوہ لوگوں کے لئے انگوٹھی کا نہ پہننا افضل ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے کہا کہ اس میں صاحب مختار نے اس طرف اشارہ کردیا کہ انگوٹھی پہننا صاحبِ حاجت لوگوں (سلطان وغیرہ) کے لئے سنت ہے جیسے کہ کتاب الاختیار میں ہے)

جمہور کے نزدیک انگوٹھی چاندی کی ہونی چاہئے پیتل اور لوہے کی انگوٹھی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

انگوٹھی کا اجمالی تاریخی پس منظر:

انگوٹھی کے لئے عربی لفظ خاتم بھی درست ہے اور خاتَم بھی ، **مایختم به** کو کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دومرتبہ انگوٹھی بنوائی ہے سونے کی بھی اور چاندی کی بھی۔ جب مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہوا تو آپؐ نے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ترک فرمایا۔ پھر آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مگر بعد میں اسے بھی اتاردیا البتہ اتارنے کی وجہ معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے اس میں آپؐ کو تکلّف محسوس ہوتا ہو۔ تاہم چاندی کی انگوٹھی کا استعمال ایک خاص مقدار میں کیا مردوں کے لئے ممنوع نہیں ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد آپؐ نے مختلف سربراہان ممالک کو دعوتی خطوط لکھے تو ضرورت مہر کی وجہ سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس سے مکتوبات پر مہر لگانے کا اہتمام ہوتا تھا انگوٹھی بنانے کی ضرورت انجام دینے والے یعلی بن امیہ تھے اس میں نگینہ بھی لگایا اور نگینہ میں مہر ختم نبوت "**محمد رسول اللّٰه**" کے الفاظ بھی کندہ کیئے۔ جب کسی مکتوب یا دعوتی تحریر یا اہم خط پر مہر لگانی ہوتی تو آپؐ انگوٹھی اتار کر اس سے مہر بھی لگادیا کرتے تھے۔

مشاہیر کی انگوٹھیوں کے نقش:

احقر مولف کی طالب علمی کا زمانہ تھا استاذِ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کے دامنِ رشد وہدایت میں اللہ نے پہنچادیا تھا مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی اپنی مادر علمی تھی ان اکابر اساتذہ سے ان کے خاندانی بزرگوں کی مہر وغیرہ کے بارے میں لطائف سنا کرتا تھا۔ مثلاً فرماتے ہمارے ایک خاندانی بزرگ قاضی محمد اکرم کی مہر پر جو الفاظ کندہ تھے وہ یہ تھے "درہر دو جہان است محمد اکرم" قاضی صاحبان کے جدامجد جو تین سوسال قبل

کلاچی تشریف لائے تھے کا نام ''اصل دین'' تھا مہر پر یہ الفاظ کندہ تھے ''ز دینہا دینِ احمد اصل دین است'' ان کے ایک اور خاندانی بزرگ کا نام احمد تھا' ان کی مہر پر یہ مصرع نقش تھا ''دارد امید شفاعت ز محمد احمد'' ان ہی ایام میں انہی اساتذہ کرام سے یہ بھی سنا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی مہر کے الفاظ ''از گروہِ اولیاء اشرف علی'' تھے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی مہر کا نقش ''الٰہی عاقبت محمود گرداں'' تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں احقر بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ پابندِ سلاسل تھا سنٹرل جیل ڈی آئی خان ہمارا مسکن تھی ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کا بیان تھا فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی پر جس مفہوم کا نقش کندہ تھا اس کا مضمون کسی نے فارسی میں منظوم کیا ہے اور بہت خوب ہے۔

دیدی که در نگینِ سلیمان چه نقش بود

خطے به زر نوشته که ایں نیز بگزرد

بچپن کا لاشعوری دور تھا طالب علمی کے بالکل ابتدائی سال تھے' مہر کیا ہوتی ہے؟ مصرع کسے کہتے ہیں؟ ان فارسی مصرعوں کا معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ ان امور سے کیا غرض تھی؟ بس بات اتنی تھی کہ اساتذہ کرام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس انداز سے مزے لے لے کر انہوں نے بیان فرمائے زمانہ طالب علمی کی لاشعوری عمر میں' دل ودماغ نے وہ لے لئے اساتذہ کا وہ انداز ہی اتنا پیارا تھا کہ تب سے اب تک یاد ہے۔ بعض اوقات اکابر اساتذہ اور بزرگوں کی نقل میں بھی برکت ہوتی ہے اور آج اس کی یہ برکت ظاہر ہو رہی ہے کہ مشاہیر اہل اسلام کی مہر اور انگوٹھیوں سے متعلق جستجو ہوئی اور علوم ومعارف کے نئے نئے خزانے سامنے آئے اور سب سے بڑی برکت یہ ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کاتب الحروف کو اللہ کریم نے مہر نبوت اور شمائل نبوی پر قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھوائے جاتے ہیں

بہرحال مشاہیر کی انگوٹھیوں کے جو نقوش مل سکے نذر قارئین ہیں۔

بعض شارحین حدیث نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ درج

تھے" کفی بالموت واعظاً " حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر" للّٰہ الملک "حضرت حذیفہؓ کی انگوٹھی پر "الحمد للّٰہ" امام باقر کی انگوٹھی پر"العزة للّٰہ " امام نخعیؒ کی انگوٹھی پر "الثقة باللّٰہ" حضرت مسروق کی انگوٹھی پر" بسم اللّٰہ " حضرت آدمؑ کی انگوٹھی پر"لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ "حضرت موسیٰؑ کی انگوٹھی پر "لکل اجل کتاب" حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر"انا اللّٰہ لا الہ الا انا محمد عبدی ورسولی" کے الفاظ کندہ تھے (ملخصاً از مواہب ۸۸)

مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان روایات کی حیثیت تفسیری اور تاریخی روایات کی ہے ان میں کوئی بھی چیز مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔

(۸۴/۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَغَیْرُوَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ وَھْبٍ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ خَاتِمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ وَّرِقٍ وَکَانَ فَصُّہٗ حَبَشِیًّا.

ترجمہ !ہمیں قتیبہ بن سعید اور دوسرے بہت سے اساتذہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن وھب سے بیان کی' انہوں نے یونس سے' انہوں نے ابن شھاب سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

راوی حدیث (۲۴۵) عبداللہ بن وھبؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

انگوٹھی اور اس کا نگینہ:

کان خاتم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ورق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی جب وَرَق (بفتح الراء) بولا جائے مراد درخت کا پتہ اور (بکسر الراء) پڑھا جائے تو مراد چاندی ہے ای فضة وفی الاصل النقرة المضروبة وقیل النقرة مطلقاً مضروبة اولا (خصائل) (ورِق بکسر راء کا معنیٰ چاندی اور اصل میں چاندی مضروبہ (عمل شدہ) کو کہتے ہیں۔ اور بعض نے مطلقاً چاندی کو کہا ہے چاہے مضروبہ ہو یا نہ ہو) وکان فصه حبشیاً انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا فص کی فا پر فتح زیادہ فصیح ہے

ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر غیر اولیٰ اور غیر افصح ہے۔ حبشیاً میں یائے نسبت ہے والمراد بالفصّ هنا ما ینقش علیه اسم صاحبه (مواهب ص ۸۶) (یہاں فص سے مراد وہ نگینہ ہے جس پر اس کے مالک کا نام کندہ کیا گیا ہو) نگینہ کو حبش کی طرف منسوب کرنے کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ای حجرا منسوبا الی الحبش وقیل کان فصه عقیقا (جمع ص ۱۶۹) یا مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا اس لئے اسے حبشی کہا گیا یا حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا ای احمر یمیل الی السواد (مناوی ص ۱۶۹) یا اس کے صناع یعنی بنانے والے حبشی تھے یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا یا اس کی کانٹ چھانٹ اور بناوٹ حبشی صفت کے مطابق ہوئی تھی۔ ومعنیٰ حبشیا جنبی به من الحبشة او کان اسود لون الحبشة اوصانعه او صانع نقشه من الحبشة (جمع ص ۱۷۰) (اور نگینہ کے حبشی ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا یا اس لئے کہ حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا۔ یا اس کے بنانے والا حبشی تھا یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا) وذهب السیوطی الی ان الحبشی هو نوع مِن الزبرجد یکون ببلاد الحبشة لونه مائل الی الخضرة قالوا من خواصه انه یجلوا العین (اتحافات ص ۱۳۱) (اور علامہ سیوطیؒ کا خیال ہے کہ فص حبشی زبرجد (پتھر) کی ایک قسم ہے جو حبشہ کے ملک میں ہوتی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپؐ کی انگوٹھی مبارک چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ عمدہ اور اعلیٰ قسم کا پتھر تھا اس کے بعد تیسری حدیث میں فصّه منه کی بھی تصریح آئی ہے یعنی انگوٹھی کا نگینہ اسی جنس سے بھی ہو سکتا ہے جس سے انگوٹھی بنائی گئی ہے جس کی مزید تفصیل وتشریح اور مکمل توضیح باب ھذا کی تیسری حدیث کے ذیل میں کر دی جائے گی انشاء اللہ۔

واما ما روی فی التختم بالعقیق من انه ینفی الفقر وانه مبارک وان من تختم به لم یزل فی خیر فکلها غیر ثابتة علی ماذکره الحفاظ وفی خبر ضعیف ان التختم با الیاقوت الاصفر یمنع الطاعون (جمع ص ۱۷۰) (اور وہ جو مروی ہے کہ عقیق کے نگینہ والی انگوٹھی پہننا فقر وافلاس کو دور کر دیتی ہے اور یہ بڑی مبارک ہے اور جو کوئی بھی اس کی انگوٹھی پہنے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ خیر وبرکت میں رہے گا یہ سب حفاظ حدیث کے نزدیک غیر ثابت شدہ باتیں ہیں اور ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی

پہننا طاعون کو روکتا ہے)

(۲/۸۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَكَانَ يَخْتِمُ بِهٖ وَلَا يَلْبَسُهُ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى اَبُوْبِشْرٍ اسْمُهُ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ وَحْشِيَّةَ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعوانہ نے خبر دی 'انہوں نے ابوبشر سے روایت نقل کی اور انہوں نے نافع سے ۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے پہنتے نہیں تھے۔

راویان حدیث (۲۴۶) ابوعوانہؒ اور (۲۴۷) ابوبشرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگوٹھی پہننے میں معمول مبارک:

اتخذ خاتماً .. حدیث میں تصریح ہے کہ آپ ؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی غرض مہر لگوانی تھی و لا یلبسه اور اکثر اسے پہنا نہیں کرتے تھے ای و لا یلبسه دائما بل غبا ً (مناوی ص ۱۷۱) (یعنی حضور اقدس ﷺ اس کو ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھار پہنا کرتے) اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں تصریح ہے کہ انه کان یلبسه فی یمینه دوسری حدیث میں ہے اذا دخل الخلاء نزع خاتمه . تیسری حدیث میں ہے کان النبی صلی الله علیه وسلم یتختم فی یساره (رواہ ابوداؤد) اور یہ بھی مدلول ومعلوم ہے جیسا کہ شارحینؒ نے تصریح بھی کی ہے کہ آپ ؐ کی دو انگوٹھیاں تھیں ایک اسلئے تھی کہ اس سے تحریروں اور دعوتی خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ و کان لا یلبسه و الثانی کان یلبسه لیقتدی به فیه (مناوی ص ۱۷۱) (اور حضور اقدس ﷺ اس کو (یعنی جو انگوٹھی مہر کے لئے بنوائی گئی تھی) نہیں پہنتے تھے اور دوسری کو اس لئے پہنتے تھے کہ اس کے پہننے میں اس کی اتباع کی جائے) مہر لگوانے کے لئے آپ ؐ نے انگوٹھی ہجرت

کے ساتویں سال بنوائی اسلیئے کہ انہی سنین میں آپؐ نے بادشاہوں کے نام اپنے مُہر شدہ مکتوبات بھیجے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں قال ابن العربی وکان قبل ذلک اذا کتب کتاباً ختمه بظفره (مواهب ص۸۷) (ابن العربیؒ فرماتے ہیں اور اس سے پہلے (یعنی جبکہ انگوٹھی نہیں بنوائی تھی) جب کوئی خط لکھتے تو اس کو اپنے ناخن سے مہر کر دیتے تھے)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد انه لا یلبسه علی سبیل الاستمرار والدوام بل فی بعض الاوقات ضرورة الاحتیاج الیه للختم به کما هو مصرح به فی بعض الاحادیث (جمع ص ۱۷۱) (اور مقصد یہ ہے کہ آپؐ انگوٹھی کو ہمیشہ اور دائمی طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ حسب ضرورت بعض اوقات مہر لگانے کے لئے اس کو استعمال میں لاتے تھے جیسے کہ اس کی تصریح بعض احادیث میں ہے)

ایک تعارض کا دفعیہ:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روایات بالا سے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننا دونوں ہاتھوں میں ثابت ہو رہا ہے جو بظاہر متعارض ہیں حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں مرقاۃ سے منقول ہے کہ لا تعارض بینهما لجواز انه فعل الامرین فکان یتختم فی الیمنی مرة وفی الیسری اخری حسب ما اتفق ولیس فی شئی منهما مایدل علی المداومة صریحا والاصرار علی واحد منهما کذا قال القاضی قلت وقد صرح البیهقی بان التختم فی الیمین منسوخ واخرج ابن عدی وغیره انه صلی اللّٰه علیه وسلم یتختم فی یمینه ثم حوله فی یساره فکان من فعل خلافه لم یصل الیه النسخ واقله ان یقال التختم فی الیسری افضل کما هو الصحیح من مذهبنا لانه ابعد من الاعجاب والزهو لجعل فصه مما یلی کفه (حاشیه مشکوٰة ص ۳۷۸) (ان دو باتوں (یعنی دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے) میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آپؐ نے دونوں کام کیے ہوں کہ کبھی دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ میں حسب اتفاق پہنی ہوں کیونکہ احادیث میں کہیں یہ تصریح موجود نہیں کہ آپؐ نے کسی ایک ہاتھ میں انگوٹھی پہننے پر مداومت یا اصرار کیا ہو۔ اسی طرح قاضی نے فرمایا (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں)

کہ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا منسوخ ہے اور امام بن عدیؒ وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر اس سے تبدیل کر کے بائیں ہاتھ میں استعمال شروع کر دیا گویا جو شخص آپؐ کے اس فعل کے خلاف عمل کرتا ہے (یعنی دائیں ہاتھ میں استعمال کرتا ہے) اس تک اس کا منسوخ ہونا نہیں پہنچا ہوگا۔ اس سے کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے جیسے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے اس لئے کہ یہ صورت فخر و تکبر اور بڑائی کے اظہار سے زیادہ بعید ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرے گا)۔

انگوٹھی کے نہ پہننے میں حکمت:

باقی رہا یہ سوال کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی نہ پہننے میں راز اور حکمت کیا تھی۔
علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں (۱) شاید اس میں راز اظہار تواضع وترک الاراءۃ والکبر ہے کیونکہ انگوٹھی پہننا اور مہر لگانا تکبر و خیلاء کے لئے ناشی ہے (جمع ص ۱۷۱)

مردوں کے لئے سونا چاندی کے استعمال کا حکم:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پوری امت کے لئے نمونہ اور رحمت ہے مردوں کے لئے سونے، چاندی، لوہے اور تانبے کی انگوٹھیاں پہننا، تکبر، غرور، ریا اور رعونت کا باعث ہیں لہذا ان افعال ذمیمہ سے بچنے کے لئے آپؐ نے امت کو ان کے استعمال سے منع فرمایا۔ شرح وقایہ کتاب الکراھیۃ میں ہے کہ "مرد کو زیور چاندی اور سونے کا پہننا حرام ہے۔
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ میں سونا اور بائیں ہاتھ میں حریر (ریشم) لیا اور فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں (ابوداؤد)

انگوٹھی کس دھات سے ہونی چاہئے:

علامہ یوسف نبہانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر

ہوا اس نے پتھر کی انگوٹھی پہن رکھی تھی ۔ یہ وہ دور تھا جب پتھروں سے بت بنائے جاتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ارشاد فرمایا مالی اجد منک ریح الاصنام (مجھے تو آپ سے بتوں کی بدبو آرہی ہے) اس شخص نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی کچھ روز بعد پھر آیا اس وقت اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالی اری علیک حلیة اهل النار (میں تو تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں) یہ تو اہل دوزخ کا زیور ہے اس نے اس انگوٹھی کو بھی اتار کر پھینک دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ! کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاندی کی مگر ایک مثقال سے زیادہ وزنی نہ ہو (وسائل الوصول الی شمائل الرسول)۔

(۸۶/۳) حَدَّثَنا مَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ اَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ اَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ .

ترجمہ ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا ان کے پاس حفص بن عمر بن عبید نے یہ روایت بیان کی جو دریاں بنانے والے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابوخیثمہ زہیر نے حمید کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے اخذ کی ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا۔

راوی حدیث (۲۴۸) حفص بن عمر بن عبید الطنافسیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصه منه کی تشریح:

قال کان خاتم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من فضة فصه منه ' منه میں من تبعیض کے لئے ہے اور ضمیر خاتم کی طرف راجع ہے ای فصه بعض الخاتم بخلاف ما اذا کان حجراً فانه منفصل عنه مجاور له (جمع ص ۱۷۲) (یعنی اس کا نگینہ اسی انگوٹھی کے جنس ہی کا حصہ تھا (یعنی چاندی کا تھا) بخلاف اس کے کہ اگر کسی پتھر کا ہوتا تو اس صورت میں اس سے جدا ہوتا اور بطور مجاورت کے اس میں

رکھا گیا ہوتا)فصه منه یعنی اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ای فصه من بعضه لا انه حجر منفصل عنه مجاور له (مناوی ص ۱۷۲) (یعنی اس کا نگینہ انگوٹھی کا ایک حصہ تھا نہ کہ وہ کوئی پتھر سے تھا کہ پہلے علیحدہ تھا اور اب اس میں رکھا گیا) ابوداؤد کی روایت ہے من فضة کله یعنی پوری کی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی، دونوں روایات میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کردی گئی ہے کہ آپ ؐ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں ایک حبشی نگینہ والی، اس سے مہر کا کام لیا جاتا تھا یہ معیقیب ؓ کے پاس ہوتی تھی۔ دوسری انگوٹھی صرف چاندی کی تھی جسے آپ کبھی کبھار استعمال فرماتے ہوں نہ پہنتے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) نگینہ کا موضع چاندی کا تھا نہ خود نگینہ وقیل معنی کونه فصه منه ان موضع فصه منه فلا ینافی کون فصه حجراً (مرقاة بحواله حاشیه مشکوٰة ص ۳۷۸) (بعض حضرات اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نگینہ کے رکھنے کی جگہ اس سے (چاندی) سے تھی (نہ کہ نگینہ) تو اس صورت میں یہ اس کے منافی نہ ہوگا کہ نگینہ کسی پتھر کا ہو)

شیخ عبدالرؤف نے اپنی شرح میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم جعل خاتمه فی یمینه ثم انه نظر الیه وهو یصلی ویده علی فخذه فنزعه ولم یلبسه (مناوی ص ۱۷۰) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنی پھر اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ران پر تھا تو اس کو نکال دیا اور نہیں پہنا)

مختلف روایات میں تطبیق:

انگوٹھی کے بارے میں متعدد اور مختلف روایات منقول ہیں۔(۱) حلقہ اور نگینہ دونوں چاندی کے نہ تھے (۲) دونوں چاندی کے تھے (۳) ابوداؤد کی روایت خاتم من حدید اور اس پر فضہ کا خول چڑھا ہوا تھا (۴) سونے کی انگوٹھی بھی بنوائی تھی پھر اسے پھینک دیا اور چاندی کی بنوائی۔

صفات استعمال میں بھی اختلاف ہے (۱) دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۲) بعض روایات میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۳) خلاء کے وقت نکالتے تھے (۴) لا یلبسه یعنی نہیں پہنتے تھے۔

(۵) ابوداؤد میں ہے خود نہیں بنوائی بلکہ حضرت عمرؓ سے مستعار لی (۶) حضرت خالدؓ سے لی۔

شارحین تطبیق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اوائل میں جب ضرورت پیش آئی تو حضراتِ صحابہؓ سے مستعار لی اور جب ضرورت شدیدہ ہوئی تو پیتل اور پھر لوہے سے بنوالی پھر جب اسے اہل نار کا زیور قرار دیا گیا تو آپؐ نے اسے ترک فرمایا اور سونے کی انگوٹھی بنوائی جب مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی ممانعت آئی تو آپؐ نے اسے بھی چھوڑ دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

ایک روایت میں انگوٹھی کی اجمالی تاریخ:

قال دخل عمرو بن سعيد بن العاص حين قدم من الحبشة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما هذا الخاتم في يدک يا عمرو قال هذه حلقة يا رسول الله قال فما نقشها قال محمد رسول الله قال فاخذه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان في يده حتى قبض ثم في يد ابي بكر حتى قبض ثم في يد عمر حتى قبض ثم لبسه عثمان فبينما هو يحفر بئرا لاهل المدينة يقال لها بئر اريس فبينما هو جالس على شفتها يأمر بحفرها سقط الخاتم في البئر وكان عثمان يكثر اخراج خاتمه من يده وادخاله فالتمسوه فلم يقدروا عليه فيحتمل ان هذا الخاتم هو الذي كان فصه حبشياً حيث اتى به من الحبشة. (جمع ص ۱۷۲) (حضرت عمرو بن سعیدؓ جب حبشہ سے آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا اے عمرو! تیرے ہاتھ میں یہ کیسے انگوٹھی ہے اس نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ ایک حلقہ (گول چیز) ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس کا نقش کیا ہے عمروؓ نے عرض کیا کہ "محمد رسول اللہ" حضور ﷺ نے ان سے وہ انگوٹھی لے لی اور آپؐ کے پاس ان کی وفات مبارک تک رہی پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر حضرت عمرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر اس کو حضرت عثمانؓ نے پہنا پس اس دوران جبکہ آپؓ مدینہ والوں کے لئے کنواں کھدوا رہے تھے جسے بئر اریس کہا جاتا تھا تو آپؓ کنویں کے کنارے بیٹھے اس کی کھدوائی کا حکم کر رہے تھے کہ اچانک وہی انگوٹھی کنویں میں گر گئی ادھر حضرت عثمانؓ کی عادت تھی کہ انگوٹھی پہنتے اور نکالتے تھے پس اس کو بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی۔ تو اس انگوٹھی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ یہ وہی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا کیونکہ

یہ عمرو بن سعید نے حبشہ سے لائی تھی)

بئر اریس مدینہ منورہ اور قبا کے درمیان ایک کنواں ہے بعض روایات میں ہے کہ وہ کنواں خراب ہو گیا تھا حضرت عثمانؓ اس کی مرمت کرارہے تھے من پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی ان سے کنویں میں گر گئی اور بعض روایات میں ہے کہ ان کے غلام معیقیبؓ سے گر پڑی یہ انگوٹھی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے دور سے چلی آرہی تھی وہ اس کی حفاظت کرتے تھے اور مہر لگاتے وقت ان سے طلب کر لی جاتی تھی بظاہر صورت یہ پیش آئی ہوگی کہ انگوٹھی معیقیبؓ محافظ کے ہاتھ میں تھی اور وہ بھی کنویں کے کنارے (من) پر بیٹھے تھے ایک ادھر ایک اُدھر ایک دوسرے کو لیتے دیتے گر گئی ہوگی۔

(۴/۸۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا اَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلَى الْعَجَمِ قِيْلَ لَهُ اِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِیْ كَفِّهٖ

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا۔ ان کو معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اس حدیث کی سماعت حضرت انس بن مالکؓ (خادم رسول) سے کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے۔ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی اب گویا میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔

امراءِ عجم کو دعوتی خطوط:

قال لما اراد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...والمراد بالعجم ما عدا العرب فيشمل الروم وغيرهم (مواهب ص۸۷) (یعنی عجم سے مراد عرب کے علاوہ سب ملک مراد ہیں اس لئے روم وغیرہ سب کو شامل ہو گئے) عجمی بادشاہوں کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوتی) خطوط لکھنے کا

ارادہ فرمایا یہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا قصہ ہے تو آپؐ نے مختلف سربراہانِ ممالک کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے ملکِ فارس کے حکمران (کسریٰ) کو عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ خط لے کر گئے روم کے حکمران ہرقل یعنی قیصر کے نام حضرت دحیہ کلبی خط لے کر گئے اور حبشہ کے حکمران اصحمۃ یعنی نجاشی کے نام عمرو ابن امیۃ الضمریؓ خط لے کر گئے۔ واول من ارسل الکتب وختمها سیدنا سلیمان حین ارسل کتابه الی بلقیس (اتحافات ص ۱۳۴) (پہلا وہ شخص جس نے خطوط مہر شدہ بھیجے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جبکہ اس نے اپنا خط ملکہ بلقیس کو بھیجا)

مہر بنوانے کا مشورہ:

قیل له ان العجم لا یقبلون ... یعنی وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط دستاویزات کو توجہ واعتماد کی حیثیت نہیں دیتے اور جس خط پر مہر ہو وہ اسے قابل احترام اور لائق توجہ سمجھتے ہیں۔

فاصطنع خاتما فالترکیب علی حد قولهم بنی الامیر المدینة والصانع کان یعلی بن امیة (مواهب ص۸۷) (پس آپؐ نے انگوٹھی بنوائی تو یہاں فاصطنع خاتماً کی ترکیب اور عبارت عرب کے محاورہ بنی الامیر المدینة جیسے ہوئی (یعنی نسبت الی الآمر کے قبیل سے ہوئی) اور حضورﷺ کے انگوٹھی بنانے والے یعلیٰ بن امیہ تھے) تو حضور اقدس نے ان کا مشورہ قبول فرمایا ویدل علی حسن استماع الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم لمشورة اصحابه وتنفیذها فوراً فیما یعود علی الاسلام من نفع کبیر او صغیر (اتحافات ص ۱۳۴) (حدیث مذکور اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حضورﷺ اپنے صحابہؓ کے مشورہ کو اچھی طرح سنتے اور اس میں دین اسلام کا تھوڑا بہت نفع بھی ہوتا تو فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے نافذ فرمادیتے) اور اپنے نام مبارک کی انگوٹھی بنوائی جس کی سعادت حضرت یعلی بن امیہؓ کے حصہ میں آئی۔ دارقطنی میں ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے فرمایا انا صنعت للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم خاتما لم یشرکنی فیه احد نقشت فیه محمد رسول اللّٰه (کہ میں نے حضورﷺ کے لئے انگوٹھی بنائی اس کے بنانے میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ تھا اس میں ''محمد رسول اللہ'' کا نقش میں نے بنایا۔

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں وفیه ندب معاشرة الناس بما یحبون وترک ما یکرهون واستیلاف

العلو بما لا یضر ولا محذور فیه شرعاً(مناوی ص ۱۷۴) (اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان چیزوں میں جو کہ وہ پسند کرتے ہیں اور چھوڑنا ان کی ناپسندیدہ چیزوں کو اور دشمن کے ساتھ نرمی اور محبت کا ایسا برتاؤ جس میں نہ دین کا نقصان اور نہ کوئی خلاف شرع بات ہو مستحب ہے)

حضرت انسؓ کا اتقان اور کمال استحضار:

فکانی انظر الی بیاضه فی کفه حضرت انسؓ کے دل ودماغ اور ایقان واستحضار اور خلوص ومحبت کا کیا کہیئے گویا اس وقت بھی وہ سفیدی ان کی نگاہوں میں جلوہ آراء ہے۔

علامہ الیبجوریؒ فرماتے ہیں وفی هذا اشارة الی کمال اتقانه واستحضاره لهذا الخبر حال الحکایة کانه یخبر عن مشاهدة (مواهب ص۸۷) (اور اس میں اشارہ ہے کہ حکایت کرتے وقت بھی وہ خبر اور حدیث اس کو مستحضر اور یاد ہے گویا وہ بالکل مشاہدہ کر کے خبر دے رہا ہے)

اس روایت سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ انگوٹھی تمام کی تمام چاندی سے تھی۔

تنبیہ:

هذا الحدیث رواه جمع منهم ابن عدی عن ابن عباس باتم من هذا ولفظه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اراد ان یکتب کتاباً الی الاعاجم یدعوهم الی الله تعالیٰ فقال رجل یا رسول الله! انهم لا یقبلون الا کتاباً محتوماً فامر ان یعمل له خاتم من حدید فجعله فی اصبعه فاتاه جبریل فقال انبذه من اصبعک فنبذه مِن اصبعه وامر بخاتم آخر یصاغ له فعمل له خاتم مِن نحاس فجعله فی اصبعه فقال له جبریل انبذه فنبذه وامر بخاتم آخر یصاغ له من ورق فجعله فی اصبعه فاقره جبریل (مناوی ص ۱۷۴) (یہ حدیث ایک بڑی جماعت سے مروی ہے جن میں سے ابن عدیؒ نے ابن عباسؓ کے حوالے سے اسے ذرا مفصل بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا جس میں ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا مقصود تھا تو ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے آپؐ نے لوہے کے انگوٹھی بنانے کا

حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا پس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اپنی انگلی سے نکال کر پھینک دے آپؐ نے تعمیلاً وہ پھینک دی اور فرمایا کہ دوسری انگوٹھی تیار کی جائے پھر آپؐ کے لئے تانبے کی انگوٹھی بنائی گئی آپؐ نے اپنی انگلی میں پہنی پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس کو بھی پھینک دے آپؐ نے اس کو بھی پھینک دیا اور ایک اور انگوٹھی چاندی کی بنانے کا حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے برقرار رکھا)

(۵/۸۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَ نْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَ اَللّٰهُ سَطْرٌ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد بن عبداللہ انصاری نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ثمامہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا اس طرح پر کہ محمدؐ ایک سطر میں تھا رسولؐ دوسری سطر میں لفظ اللہ تیسری سطر میں۔

راویان حدیث (۲۴۹) محمد بن عبداللہ الانصاریؒ (۲۵۰) ابی یعنی عبداللہ بن المثنیٰؒ اور (۲۵۱) ثمامہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نقش مہر ختم نبوت:

قال کان نقش خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ....

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ظاهر رواية البخاری ان محمدا فی السطر الاول ' ورسول فی السطر الثانی ولفظ الجلالة فی السطر الثالث (اتحافات ص ۱۳۵) (بخاری شریف کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''محمدؐ'' پہلی سطر میں اور لفظ ''رسول'' دوسری سطر میں اور لفظ ''اللہ'' تیسری سطر میں)

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مہر نبویؐ کی صورت (اللہ / رسول / محمد) کی تھی کہ اللہ کا نام سب سے اوپر تھا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر الفاظ سے (محمد / رسول / اللہ) معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۹/۶) حَدَّثَنَا نَصْرُبْنُ عَلِيّ الْجَهْضَمِيُّ اَبُوْعَمْرٍو اَنْبَأَنَا نُوْحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتِمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهٗ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰهِ ..

ترجمہ! ہمیں نصر بن علی جہضمی ابوعمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس روایت کی خبر نوح بن قیس نے خالد بن قیس کے حوالے سے دی انہوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انسؓ سے سنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور یہ لوگ بدون مہر کے خطوط کو قبول نہیں کرتے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ منقوش تھا۔

راویان حدیث (۲۵۲) نصر بن علی الجہضمیؒ (۲۵۳) نوح بن قیسؒ اور (۲۵۴) خالد بن قیسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کسریٰ' قیصر اور نجاشی کو دعوتی خطوط:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسریٰ وقیصر والنجاشی ...

کسریٰ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر ملک روم کے اور نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ کا۔

کسریٰ شاہ فارس کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا کسریٰ نے آپؐ کے والا نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر بددعا فرمائی کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرمادے چنانچہ ایسا ہی ہوا شاہِ روم کے پاس دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا۔ وہ باوجود یقین نبوت کے ایمان نہیں لایا ۔نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ خط لکھا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جن پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی۔ یہ اور نجاشی ہیں ان کے اسلام کا حال جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر وحدیث میں مفصل مذکور ہیں ۔گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے حدیثِ بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مکتوب مبارک کسریٰ پرویز کے نام:

ایک والا نامہ کسریٰ کے نام ہے فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا اس کسریٰ کا نام پرویز تھا جو نوشیرواں کا پوتا تھا والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد رسول الله الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الهدی و آمن بالله و رسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له وان محمدا عبده ورسوله ادعوک بدعاية الله فاني انا رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان توليت فان عليک اثم المجوس (زرقانی)

ترجمہ! **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا اور سردار ہے) سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ ' **لاشریک له** کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ شریف) کی دعوت

دیتا ہوں اسلئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اسلئے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تاکہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہوجائے (اورکل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے اَتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہوگا کہ وہ تیری اقتدار میں گمراہ ہورہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو یہ خط دیکر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعہ سے کسریٰ تک پہنچادیں چنانچہ اسی ذریعہ سے وہاں تک خط لیکر پہنچے کسریٰ نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سنا اور اس کو چاک کردیا اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔ حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ نے اس کے لئے بددعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتب تواریخ میں مذکور ہے۔

مکتوب مبارک شاہِ روم قیصر کے نام:

دوسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے قیصر کے نام تھا جو روم کا بادشاہ تھا اس کا نام مؤرخین کے نزدیک ہرقل تھا یہ والا نامہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ بھیجا گیا مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور اقدسؐ کے والا نامہ کو نہایت اعزاز واکرام سے رکھا حضورؐ کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کرلئے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کرلی اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللّٰہ ورسولہ الیٰ ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثما الیریسین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاارباباً من دو ن اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ۔

(بخاری اعلام السائلین (یا اہل الکتاب سے اخیر تک قرآن پاک کا مضمون ہے جو سورہِ آل عمران

کے چھٹے رکوع میں ہے)

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار) ہے سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے حمد وصلوٰۃ کے بعد میں تجھ کو اسلام کے کلمہ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اسلام لے آ تا کہ سلامتی سے رہو اور حق تعالیٰ جل شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے (کہ اہل کتاب کے لئے دوہرا اجر ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سورہ حدید کے ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے (جیسا کہ احبار اور رہبان کو بنایا جاتا تھا اور اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم ان سے کہدو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (ہم تو اپنے مسلک دین اسلام کا صاف اعلان کرتے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام)

حضرت دحیہؓ جب اس والا نامہ کو لیکر گئے اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا بھی وہاں موجود تھا وہ نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کریگا۔ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے اس میں آپ کے نام سے ابتداء نہیں کی اپنے نام سے کی ہے پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جس کے پاس ناموس اکبر (حضرت جبرائیلؑ) آتے ہوں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے اس کے بعد حضرت دحیہؓ کو بڑے اعزاز واکرام سے ٹھہرایا قیصر اس وقت سفر میں تھا واپسی پر اس نے اپنے ارکان وامراء سلطنت کو جمع کیا اور جمع کرکے ان سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر وفلاح ہے اور ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک کے بقا کا ذریعہ ہے بے شک یہ نبی ہیں

ان کا اتباع کرلو اور ان کی بیعت اختیار کرلو اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کے کواڑ بند کرائے گئے تھے اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی وہ لوگ اس قدر متوحش ہوئے کہ ایک دم شور وشغب ہوگیا اِدھر اُدھر بھاگنے لگے مگر کواڑ سب بند تھے دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اس نے سب کو چُپ کرایا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو اب مجھے اس کا اندازہ ہوگیا وہ لوگ اس کے سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دیکر رخصت کیا بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما سر پر رکھا اور ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اس سے مشورہ کیا اس نے کہا بے شک یہ نبی آخرالزمان ہیں جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں قیصر نے کہا مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میری سلطنت جاتی رہے گی۔ (اعلام السائلین)

قیصر روم (ہرقل) کا تجارتی قافلہ سے مکالمہ:

جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذھبی ضرورت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا وہاں مکہ مکرمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا اس نے تحقیق حالات کے لئے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب عمرہ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لئے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانے میں ملک شام میں گیا ہوا تھا کہ اس اثنا میں ہرقل کے نام حضور کا والا نامہ بھی پہنچا جس کو دحیہ کلبیؓ لیکر گئے ہرقل کے پاس جب گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں اس پر ہماری طلبی ہوئی چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کی ہمراہ اس کے پاس گیا اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ

جو نبوت کا دعویدار ہے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے میں نے کہا کہ میں سب میں زیادہ قریب ہوں اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوفِ بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کیا اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کیے۔

ابوسفیان سے سوالات اور ان کے جوابات:

س: یہ مدعیٔ نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟ ج۔ ہم میں بڑا عالی نسب ہے س: ان کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ کوئی نہیں ہوا۔ س: نبوت کے دعوے سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟ ج۔ کبھی نہیں۔ س: ان کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟ ج۔ معمولی درجے کے لوگ۔ س: ان کے متبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟ ج۔ بڑھتا جاتا ہے۔ س: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر کوئی دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟ ج۔ نہیں۔ س: تمہاری ان کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی ہے یا نہیں؟ ج۔ ہوئی ہے۔ س: جنگ کا پانسا کیسا رہا؟ ج: کبھی وہ غالب ہو جاتے کبھی ہم غالب ہو جاتے س: کبھی انہوں نے بدعہدی کی ہے؟ ج۔ نہیں۔ لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے ملا دوں۔ س: ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ ج۔ نہیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی اس کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے اس پر ہرقل نے کہا کہ جب تم ابتداء کر چکے ہو تو تم زیادہ بدعہد ہوئے۔

ابوسفیان کے جوابات پر ہرقل کا تبصرہ:

اس کے بعد ہرقل نے ازسرِ نو سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارہ میں سوال کیا تم نے عالی نسب بتایا انبیاء اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں میں نے پوچھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانے سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں میں نے ان کے متبعین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفاء ہیں یا کمزور لوگ۔

تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں ہمیشہ سے انبیاء کا اتباع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسروں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعویٰ سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں تم نے انکار کردیا میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر ہی جھوٹ بولنا شروع کردیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے تم نے اس سے انکار کردیا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے جس کی بشاشت دلوں میں گھس جائے میں نے پوچھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔

ایمان کا خاصہ یہی ہے کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا تم نے کہا کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔ انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انہی کے لئے ہوتا ہے میں نے بدعہدی کے متعلق سوال کیا تم نے انکار کیا یہی انبیاء کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بدعہد نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تم نے اس سے انکار کیا میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعویٰ کیا ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جاچکا ہے۔

بے شک وہ نبی ہیں:

اسکے بعد ہرقل نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا' صدقہ کرنے کا' صلہ رحمی کا' عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں ہرقل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کیے تو وہ بے شک نبی ہیں مجھے تو یہ یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان سے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل و سلطنت کے زوال کے خوف سے جا نہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ بلاشبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچنے والی ہے جہاں میں ہوں۔ ہرقل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ یہ اپنی کتاب کا بھی ماہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اسلئے اس کو پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک نلکی میں محفوظ رکھا جو نسلاً بعد نسلٍ اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

مکتوب بنام نجاشی:

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے نجاشی کے نام تھا یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں پہلے کا نام اصحمہ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نے ان کی سلطنت حبشہ میں اس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی ملک الحبشۃ سلم انت فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن واشھدان عیسٰی بن مریمؑ روح اللّٰہ وکلمۃ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بہ فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق ادم بیدہ وانی ادعوک الی اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتومن

بالذی جاء نی فانی رسول اللّٰہ وانی ادعوک وجنودک الی اللّٰہ عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ.

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔تم صلح پسند ہو میں اس اللہ کی تعریف تمھارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بادشاہ سب عیبوں سے پاک ہے ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں) امن دینے والا ہے' نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے) اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے پاک وصاف کنواری مریمؑ کیطرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ بن گئیں۔حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ) کے اپنے دستِ مبارک سے پیدا فرمایا میں تمہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں اور اس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بلاتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میرا اتباع کرو اور جو شریعت میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لاؤ۔بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف تم کو اور تمھارے سارے لشکروں کو بلاتا ہوں میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا۔تم میری نصیحت قبول کرلو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو ھدایت کا اتباع کرے۔

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اس والا نامہ پر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے بہر حال انہوں نے اس والا نامہ کے جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساٹھ نفر کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ خدمت اقدس میں بھیجا مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں غرق ہوگئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمتِ اقدس میں نہ پہنچ سکا خود ان نجاشی کا وصال بھی حضورؐ کی حیات ہی میں ہوگیا تھا اور حضورؐ نے غائبانہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی مسئلہ کی بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے نزدیک ان کی خصوصیت تھی)

دوسرے نجاشی کے نام مکتوب مبارک:

ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی بادشاہ ہوا اس کے پاس بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والا نامہ ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

هذا كتاب من النبي صلى الله عليه وسلم الى النجاشي عظيم الحبشة سلام على من اتبع الهدىٰ وأمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له لم يتخذ صاحبة ولا ولدا وان محمداً عبده ورسوله وادعوك بدعاية الله فاني انا رسوله فاسلم تسلم يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبدالا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون الله فان تولو افقولوا اشهدوا بانا مسلمون فان ابيت فعليك اثم النصارى .

ترجمہ! یہ خط اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا سردار ہے سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ذات ہے نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ بیوی ہے اس کے لئے نہ اولاد اور اس کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی پکار یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سلامتی سے رہے گا اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہدو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہو تو نصاریٰ کا گناہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ فقط

اس خط میں غالباً حسب معمول بسم اللہ بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے ان نجاشی کے متعلق یہ محقق نہ ہو سکا کہ یہ اسلام لائے یا نہیں ان کا کیا نام تھا اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں چنانچہ بعض روایات میں

نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہے جن کے جنازہ کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہی صحیح ہے اگر چہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا (خصائل)

(۷/۹۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَأَنَا سَعِيْدُبْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ.

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سعید بن عامر اور حجاج بن منہال نے خبر دی انہوں نے یہ روایت ہمام سے اور انہوں نے ابن جریج سے نقل کی۔ وہ یہ روایت زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے۔

راویان حدیث (۲۵۵) سعید بن عامرؒ (۲۵۶) حجاج بن منہالؒ اور (۲۵۷) ابن جریجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگوٹھی پہنے ہوئے بیت الخلاء جانے کا حکم:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء ... الخلاء قضاء حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں الخلاء فی الاصل المحل الخالی ثم استعمل فی المحل المعد لقضاء الحاجة (مناوی ص۱۷۷) (خلاء اصل میں خالی جگہ کو کہتے ہیں پھر عرف میں قضاء حاجت (بول و براز) کی جگہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے) آپؐ کی انگوٹھی کی مہر مبارک میں کندہ الفاظ متبرک تھے وہ اسم معظم بلکہ جملة مِن القرآن پر مشتمل تھے اسلئے ان کا بیت الخلاء میں ساتھ لے جانا ناپسندیدہ تھا نام معظم کی حرمت، احترام، ادب اور عظمت کی وجہ سے انگوٹھی کو جانے سے پہلے اتار لیتے تھے اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسی انگوٹھی جس میں متبرک نام ہو بیت الخلاء لے جانا مکروہ ہے۔ بعض نے مکروہ تنزیہی اور بعض نے مکروہ تحریمی

قرار دیا ہے۔

(۸/۹۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَّرِقٍ فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بِئْرِ اَرِيْسٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبداللہ بن نمیر نے خبر دی۔ ان کو عبیداللہ بن عمر نے حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضور کے دستِ مبارک میں رہی، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر ان ہی کے زمانے میں بئر اریس میں گر گئی تھی۔ اس انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

راوی حدیث (۲۵۸) عبداللہ بن نمیرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

خاتم نبوی' خلفاء کے پاس:

اتخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتما من ورق فکان فی یدہ ... یہ انگوٹھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس کے دو معنیٰ محتمل ہیں ۔ (۱) آپؐ ہاتھ میں پہنتے تھے **کما ذکرہ المناوی ای فی خنصر یدہ الیمنی فھو من باب اطلاق الکل وارادۃ الجزء (مناوی ص۱۷۸) وکما یدل علیہ الحدیث السابق کان اذا دخل الخلاء نزع خاتمہ** (جیسے مناویؒ نے ذکر کیا ہے یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں تو اس صورت میں یہ از باب **اطلاق الکل وارادۃ الجزء** کے قبیل سے ہوگا یعنی ذکر کل کا اور اس سے مراد جز ہے یعنی یہاں ذکر ہاتھ کا ہے اور مراد انگلی ہے اور جیسے کہ اس پر پہلی حدیث بھی دال ہے کہ جب آپؐ بیت الخلاء جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال لیتے تھے)

(۲) یا وہ آپؐ کے قبضہ تصرف میں تھی حسب ضرورت اس سے مہر لگالیا کرتے تھے اگلے باب کی

روایت کے مطابق وہ آپ کے بدری صحابی حضرت معیقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی اور آپؐ نے ان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت (تقریباً دو سال تین ماہ) میں ان کے تصرف میں رہی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت (دس سال چھ ماہ) میں ان کے زیر استعمال رہی۔

پھر امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت (بارہ سال) میں چھ سال تک ان کے قبضہ وتصرف میں رہی وثم هنا للتراخی فی الرتبة (مواهب ص ۹۰) (ثم یہاں تراخی رتبی کے لئے ہے) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تینوں خلفاء کرام اس خاتم مبارک سے مہر کا کام لیتے تھے اور تبرک کا بھی ای للختم به و للتبرک (مہر اور تبرک کے لئے) امام نوویؒ اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں وفی الحدیث التبرک بآثار الصالحین ولبس ملا بسهم والتیمن بها (مناوی ص ۱۷۸) (اور حدیث شریف سے تبرک بہ آثار صالحین حاصل کرنا اور ان کے ملابس (انگوٹھی کپڑے وغیرہ) پہننا اور ان سے برکت حاصل کرنا معلوم ہو رہا ہے)

انگوٹھی کا بئر اریس میں گرنے کا واقعہ:

حتی وقع فی بئر اریس یہاں تک کہ وہ اریس کے کنویں میں گر گئی مسجد قباء کے قریب اریس کا کنواں ہے۔ هو بستان معروف والبئر قریبة من مسجد قباء وکان سیدنا عثمان جالساً علیها (اتحافات ص ۱۳۷) (یہ ایک مشہور کنواں مسجد قباء کے قریب ہے حضرت عثمانؓ اس کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے) ونسب الی رجل من الیهود اسمه اریس (مواهب ص ۹۰) (اور یہ کنواں یہودیوں میں سے ایک شخص جس کا نام اریس تھا کو منسوب ہے) حضرت عثمانؓ نے مسلسل تین روز تک اس سے پانی نکلوایا اور بالکل تہہ تک صاف کروایا مگر انگوٹھی نہ ملی

شیخ ابراهیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ وفی وقوعه اشارة الی ان امر الخلافة کان منوطا به فقد تواصلت الفتن وتفرقت الکلمة وحصل الهرج ولذالک قال بعضهم کان فی خاتمه صلی اللہ علیه وسلم مافی خاتم سلیمان من الاسرار لان خاتم سلیمان لما فقد ذهب ملکه وخاتمه صلی اللہ

علیہ وسلم لما فقد من عثمان انتقض علیه الامر وحصلت الفتن التی افضت الی قتله واتصلت الی اخر الزمان (مواهب ص ۹۰) (حضرت عثمانؓ سے انگوٹھی گر جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت (محفوظہ) اس کے سہارے معلق تھی پس اس کے بعد پے درپے فتنے اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی شروع ہوئی اور خرابی وفسادات پیدا ہوتے گئے اس لئے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی اس انگوٹھی میں وہی اسرار ورموز تھے جو حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی میں تھے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی جب گم ہوئی تو اس کی بادشاہی ختم ہوگئی اور جب حضورﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے گم ہوئی تو اس کی خلافت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی اور ایسے فتنے وفساد شروع ہوئے جن کی نوبت آپؓ کی شہادت تک پہنچی اور پھر آخر تک یہ سلسلہ رہا)

قال جلال الدین السیوطیؒ و لعل سقوط الخاتم من ید عثمان هو سبب مالا قاه عثمان من فتنة وبلاء والله اعلم (اتحافات ص ۱۳۷) (امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی کا گرنا یہی سبب بنا ان فتنوں اور مصیبتوں کا جو آپؓ کو پہنچیں)

دنیا میں اشیاء کی تاثیر خواص کے اعتبار سے ہے اہل السنّت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے لازم وملزوم کوئی چیز نہیں ورنہ آگ حضرت ابراھیمؑ کو جلا دیتی، چھری اسماعیلؑ کو ذبح کر دیتی ایسے اسی خاتم نبوی کا خاصہ غلبہء امن وسلامتی تھا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا خاصہ ''سلطنت'' تھا انگوٹھی کے گرنے پر یہی مقدر بعلم اللہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور سے شرور وفتن شروع ہوں گے اسلئے انگوٹھی کو ضائع کروا دیا گیا۔ **واللہ اعلم بالصواب**

==================================

باب ما جاء في ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے

گذشتہ باب میں مہر نبوی کی حقیقت اور نقش مہر نبوت کا بیان تھا اس باب میں مہر نبوت کے استعمال کا بیان ہے ومن هذا الباب بيان كيفية لبسه (مواهب ص ۹۰) (اور اس باب میں حضور ﷺ کے (انگوٹھی) پہننے کی کیفیت کا بیان ہے)

تختم فی الیمین افضل ہے:

تختم: لبس الخاتم کو کہتے ہیں اس ترجمۃ الباب کے انعقاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک تختم فی یمینه کی روایات تختم فی الیسار سے راجح ہیں بل قال فی جامعه روی عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تختم فی یسارہ وهو لا یصح (مواهب ص ۹۰) (بلکہ مصنفؒ نے اپنی تصنیف جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق کہ حضور ﷺ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے کہا کہ یہ غیر صحیح ہے) تاہم جمہور محدثین کے نزدیک تختم فی الیسار کی روایات بھی ساقط الاعتبار نہیں ہیں کہ وہ نا قابل احتجاج ہوں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ ابتداء میں تختم بالیمین کرتے تھے اواخر میں تختم بالیسار ہو گیا اس کا شاہد انہوں نے ایک حدیث پیش کی۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتختم فی یمینه ثم حول الی یساره آخر الامرین (کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر آخر میں ہاتھ کو تبدیل کر دیا) گویا تختم بالیسار ہوا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں فقہاء کرامؒ کا دونوں صورتوں کے جواز پر اجماع ہے اختلاف صرف اولویّت اور افضلیت میں ہے باقی رہا یہ سوال کہ جب آپؐ ہمیشہ تیامن کو پسند فرماتے تھے تو انگوٹھی پہننے میں یسار کو کیوں اختیار کیا گیا تو وجہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ

تزیّن مقصود نہیں ہونا چاہئے یمین میں تو تزیّن کے لئے پہنا جاتا ہے اسلئے آپ نے تختم بالیمین کو ترک فرمایا اور تختم بالیسار کرنے لگے تزیّن سے احتراز کی خاطر نگینہ کو بھی تو اندر کی طرف رکھتے تھے

شعارِ روافض ہونے کی توجیہ کی تردید:

درمختار میں قہستانیؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا روافض کا شعار ہو گیا تھا اسلئے علماء نے کہا کہ اس سے احتراز واجب ہے اور فسّاق کی تشبیہ سے بھی احتراز ضروری ہے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں یہ توجیہ قابل اعتناء نہیں وکونہ صار شعار الروافض لا اصل لہ (مواھب ص ۹۱) (اور یہ کہہ دینا کہ (دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا) روافض کا شعار ہو گیا تھا اس قول کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے)

باب میں نو احادیث ہیں ای باب بیان اخبار الواردۃ فی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس الخاتم فی یمینہ (مواھب ص ۹۰) (یعنی یہ باب ان احادیث کے متعلق ہے جن میں حضور ﷺ کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان ہے) خلاصہ یہ کہ اس باب میں توسّع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے۔ وکان التختم فی الخنصر فی الحالتین (اتحافات ص ۱۳۸) (اور حضور ﷺ کا انگوٹھی پہننا دونوں حالتوں (چاہے دائیں ہاتھ میں یا بائیں میں) چھنگلی میں ہوتا)

(۹۲/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَسْكَرِ الْبَغْدَادِيُّ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِيْ يَمِيْنِهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ نَحْوَهُ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن سہیل بن عسکر بغدادی اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ۔ وہ دونوں کہتے ہیں

کہ ہم کو یحییٰ بن حسان نے اس روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن بلال نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالے سے اس حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابراھیم بن عبداللہ بن حنین سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اخذ کی۔ وہ یہ روایت حضرت علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

راویان حدیث (۲۵۹) محمد بن سہل البغدادیؒ (۲۶۰) یحییٰ بن حسانؒ (۲۶۱) سلیمان بن بلالؒ (۲۶۲) شریک بن عبداللہؒ (۲۶۳) ابراھیم بن عبداللہؒ (۲۶۴) عن ابیہ اور (۲۶۵) احمد بن صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک:

کان یلبس خاتمه فی یمینه حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے کیونکہ انگوٹھی پہننا نوعِ تکریم سے ہے لہذا دایاں ہاتھ اس کے لئے بہتر اور زیادہ مستحق ہے لان التختم فیه نوع تشریف وزینة والیمین بهما اولیٰ (مناوی ص ۱۸۶) اس لئے کہ انگوٹھی پہننے میں ایک قسم کی شرافت اور زینت ہے اور دایاں ہاتھ ان دونوں باتوں کے ساتھ زیادہ مناسب ہے)

مصنفؒ نے امام بخاری سے نقل کیا ہے ان التختم فی الیمین اصح شئی فی هذا الباب عن النبی صلی الله علیه وسلم (مواهب ص ۹۱) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ سے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اس باب میں زیادہ اصح صورت ہے) اور ظاھر ہے کہ تختم فی الیمین اصح ہے فلاوجه للعدول عن ترجیح افضلیته (مواهب ص ۹۱) (اس کو (دائیں ہاتھ میں پہننے) کی افضلیت کے راجح ہونے میں کوئی وجہ عدول کی نہیں)۔

باقی رہا روایات کا اختلاف تو ان میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کردی گئی ہے کہ (۱) دونوں قسم کے روایات (روایات یمین وروایات یسار) کا تعلق مختلف احوال وحالات سے ہے۔ (۲) یا آپؐ کی دو انگوٹھیاں تھیں جیسا کہ مافصه حبشی (جس کا نگینہ حبشی تھا) اور وما فصه منه (جس کا نگینہ اسی (حلقہ) کے جنس سے تھا) کے درمیان تطبیق کی گئی ہے۔

مذھب مختار اور حافظ عراقی کے اشعار:

ملاعلی قاریؒ دائیں ہاتھ میں پہننے کی افضلیت کے قائل ہیں لکھتے ہیں وھو مذھبنا المختار لما تقدم مِن الآثار فعليه الجمهور مِن العلماء الابرار (جمع ص۱۸۶) (اور یہی ہمارا پسندیدہ مذہب ہے بوجہ ان احادیث کے جوگذر چکی ہیں اس پر ہی جمہور علماء ابرار ہیں)

وقد احسن الحافظ العراقی حيث نظم ذلک فقال

يلبسه كما روى البخاری	فی خنصر اليمينِ اويسار
كلاهما فی مسلم ويجمع	بان ذا فی حالتين يقع
او خاتمين كل ذلک بيد	كما بفص حبشیّ قد ورد

(مناوی ص۱۸۶)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ حافظ عراقیؒ نے بہت اچھا کیا کہ اس کو منظوم کر کے پیش کیا فرماتے ہیں، حضورﷺ انگوٹھی پہنتے تھے جیسے کہ بخاریؒ نے روایت کی ہے دائیں بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں، دونوں روایتیں مسلم شریف میں ہیں اور ان کی تطبیق یہ ہے کہ (دائیں اور بائیں چھنگلی میں پہننا) دو حالتوں میں واقع ہوئی ہیں یا پھر انگوٹھیوں کو ہر ایک ہاتھ میں پہنا ہے جیسے کہ روایتِ فص حبشی وارد ہوئی ہے۔ علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ مردوں کے لئے درمیانی انگلی اور سبابہ میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے اور خنصر میں پہننا سنت ہے جبکہ خواتین کے لئے تمام انگلیوں میں بلا کراہت پہننا جائز ہے۔

دوسری سند سے روایت:

حدثنا محمد بن يحییٰ ... اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے دو اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے پہلی سند محمد بن سہل سے شروع ہو کر حضرت علیؓ پر ختم ہوئی ہے دوسری سند محمد بن یحیٰ سے شروع ہو کر عبداللّٰہ بن ابی نمر تک پہنچتی ہے چونکہ دونوں روایات کا مضمون یکساں ہے اسلئے مصنف علاّمؒ نے دوسری سند کے ساتھ مضمون حدیث نقل نہیں کیا۔

(۹۳/۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِیعٍ اَخْبَرَنَا یَزِیْدُبْنُ هَارُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلْمَةَ قَالَ رَأَیْتُ ابْنَ اَبِیْ رَافِعٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ رَاَیْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ .

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یزید بن ھارون نے حماد بن سلمۃ کے حوالے سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دیکھا کہ وہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پس میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۶۶) ابورافعؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگوٹھی دائیں ہاتھ کی خنصر انگلی میں پہننا سنت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتختم فی یمینه ... اس حدیث کے لانے سے امام ترمذیؒ کی یہی غرض ہے کہ آپؐ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے تاہم ان احادیث سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپؐ دائیں ہاتھ کی کونسی انگلی میں پہنا کرتے ہیں۔

شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں لم یبین فی هذه الاحادیث فی ای الاصابع وضعه فیها لکن الذی فی الصحیحین تعیین الخنصر فالسنة جعله فی الخنصر فقط وحکمته انه ابعد عن الامتحان فیما یتعاطاه الانسان بالید وانه لا یشغل الید عما تزاوله من الاعمال بخلاف مالو کان فی غیر الخنصر (مواهب ص ۹۱ .. ومناوی ص۱۸۷) (کہ ان احادیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ آپؐ نے انگوٹھی کو انگلیوں میں سے کونسی انگلی میں پہنا لیکن جو صحیحین میں مذکور ہے اس سے خنصر (چھنگلی) ہی کی تعیین ہوتی ہے۔ پس سنت یہی ہے کہ اس کو صرف چھنگلی میں پہنا جائے اور اس کی حکمت وغرض یہی کہ یہ انگلی ان معاملات میں جو انسان ہاتھوں کے ساتھ کرتا ہے دور رہے گی اور ایسی صورت میں وہ ہاتھ کے کام کرنے میں رکاوٹ بھی نہ ہوگی بخلاف اس وقت کہ جب انگوٹھی خنصر کے علاوہ دوسرے انگلیوں میں ہو

(۹۴/۳) حَدَّثَنَا مُوسَیٰ بْنُ یَحْییٰ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَیرٍ اَنْبَأَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِیلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِینِهِ.

ترجمہ! ہمیں موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبداللہ بن نمیر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابراھیم بن فضل نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے اس روایت کی خبر دی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۲٦۷) ابراہیم بن الفضلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینه، زاد فی روایة ویقول الیمین احق بالزینة من الشمال (مواھب ص ۹۲) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپؐ فرماتے کہ دایاں زینت کے ساتھ زیادہ حقدار (مناسب) ہے بہ نسبت بائیں کے) ونقل المصنف فی الجامع عن البخاری انه قال اصح شی ورد فی هذ االباب ای التختم بالیمین (جمع ص۱۸۷) (اور مصنفؒ نے جامع ترمذی میں بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس باب میں واردشدہ احادیث میں سب سے زیادہ اصح وہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ہے)

اسلئے حافظ ابن حجرؒ جو فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا وہ یہ کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزون ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزون ہے کہ بائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہے اور احادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

(۹۵/۴) حَدَّثَنَا اَبُوالْخَطَّابِ زِیَادُبْنُ یَحْییٰ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَیْمُوْنٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِینِهِ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن میمون نے خبر دی انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی وہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۲۶۸) ابوالخطابؒ (۲۶۹) عبداللہ بن میمونؒ (۲۷۰) جعفر بن محمدؒ اور (۲۷۱) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینہ ... مضمون حدیث تو وہی ہے جو اس سے قبل روایات میں آ گیا ہے سید اصیل الدین فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہ کہ اس روایت کی اسناد میں لین ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی عبداللہ بن میمون متکلم فیہ ہے امام بخاری نے انہیں ذاھب الحدیث ابوزرعہ نے واھی الحدیث' خود مصنف نے منکر الحدیث' ابوحاتم نے متروک قرار دیا ہے ابن حبان نے کہا لا یجوز الاحتجاج بہ (جمع ص ۱۸۷) مگر اس حدیث کے کثرت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ قوی ہو جاتی ہے لہذا وخرجت عن نکارتہ . (یہ روایت بوجہ شواہد کثیرہ کے منکر ہونے سے نکل گئی) (جمع ص ۱۸۷)

....

(۹۶/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَیْدِ الرَّازِیُّ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ وَلَا اِخَالُهٗ اِلَّا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت جریر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت صلت بن عبداللہ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۷۲) الصلت بن عبد اللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ

فرمائیں۔

قال کان ابن عباسؓ ... صلت بن عبداللہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ظاہر ہے کہ صلت کی ملاقات حضرت ابن عباسؓ سے ہوئی ہوگی تب دیکھا ہوگا لہذا صلت تابعین کے مقام پر فائز ہیں۔

ابن عباسؓ کا معمول:

ولااخاله ... اخال ہمزہ کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر کسرہ سے زیادہ استعمال ہوا ہے اور افصح ہے ظاهر السّياق ان قائل ذلک هو الصلت ويحتمل ان يكون لواحد ممن قبله ولم توجد هذه الجملة فى بعض الاصول (جمع ص۱۸۸) (کہ سیاق کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا یعنی (لا اخاله قال) کا قائل صلت بن عبداللہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ جو اس سے قبل راوی مذکور ہیں ان میں سے کسی کا قول ہو اور یہ جملہ بعض اصول میں نہیں پایا گیا) ان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا عمل، حضرت محمدؐ کے عمل کے مطابق تھا چونکہ آپؐ کا معمول دائیں ہاتھ کا تھا اسلئے حضرت ابن عباسؓ بھی اتباع سنت میں دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں واخرجه ابوداؤد من الوجه عن محمد ابن اسحق قال رأيت على الصلت بن عبدالله خاتما فى خنصره اليمنى فقال رأيت ابن عباس ذكره عن النبى صلى الله عليه وسلم (جمع ص۱۸۸) (اور ابوداؤد نے دوسری سند کے طریق سے محمد بن اسحٰق سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبداللہ کی دائیں چھنگلی میں انگوٹھی دیکھی تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ اس حالت کو (یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہننا) حضور ﷺ سے نقل کرتے تھے)

(۶/۹۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ اَبِىْ عُمَرَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَيُّوبَ بْنِ مُوسٰى عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِىْ كَفَّهُ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَنَهٰى اَنْ يَّنْقُشَ اَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِىْ سَقَطَ مِنْ مُعَيْقِيْبٍ فِىْ بِئْرِ اَرِيْسَ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم کو سفیان نے ایوب بن موسیٰ اور انہوں نے نافع کے واسطہ سے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا اس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا تھا اور لوگوں کو منع فرمایا دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے یہ وہی انگوٹھی تھی جو معیقیب سے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بئر اریس میں گرگئی تھی۔

راویان حدیث (۲۷۳) ابن ابی عمرؒ اور (۲۷۴) ایوب بن موسیٰؒ کے حالات ''تذکرہ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک تعارض میں تطبیق:

اتخذ خاتمامِن فضة الخ وفی روایة اتخذ خاتما مِن فضةٍ روایت باب کے الفاظ ہیں وجعل فصه مما یلی کفه' وفی روایة لمسلم ممایلی با طن کفه یعنی ہتھیلی کی پیٹ کی طرف رکھا ہوا تھا وھی تفسیر للاولیٰ (مواھب ص ۹۲) (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نگینے کو ہتھیلی کی جانب رکھا اور مسلم کی روایت میں مما یلی باطن کفه ۔۔۔ اور یہی پہلے معنیٰ کی وضاحت ہے) ابوداؤد کی ایک روایت سے ہاتھ کی پشت کی طرف نگینہ کا ہونا ظاہر ہوتا ہے مِن روایة الصلت بن عبداللّٰہ قال رایت ابن عباس یلبس خاتمه ھکذا وجعل فصه علی ظھرھا (مواھب ص ۹۲) (اور صلت بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ اپنی انگوٹھی اس طرح پہنتے تھے اور اس نے اس کے نگینہ کو ہاتھ کی پشت پر کیا ہوا تھا)

دونوں روایات میں محدثین کرامؒ نے توفیق وتطبیق کی ہے علامہ البیجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کبھی تو ہتھیلی کی طرف اور کبھی ہاتھ کی پشت کی طرف انگوٹھی کا نگینہ ہوتا وقد یجمع بما قاله الزین العراقی مِن انه وقع مرة ھکذا ومرة ھکذا (مواھب ص ۹۳) (اور ان کی تطبیق کی صورت وہ ہوسکتی ہے جو علامہ زین العراقیؒ نے کہا کہ کبھی ایسے واقع ہوا (یعنی ہتھیلی کی جانب نگینہ تھا) اور کبھی ویسے ہوا کرتا کہ (پشت کی جانب نگینہ ہوتا)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ہتھیلی کی طرف اس کے ہونے کی روایت اصح ہے اور افضل ہے امام نوویؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں بانہ ابعد عن الزهو والعجب (مواہب ص ۹۲) (کہ یہ حالت اور صورت فخر وریاء اور عجب سے زیادہ بعید ہوتی ہے)

مرد وخواتین کے لئے انگوٹھی استعمال کرنے کا سنت طریقہ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلی) میں پہننا سنت ہے اور اس کے سنت ہونے پر سب کا اجماع ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی سب سے چھوٹی انگلی میں ہونی چاہئے اور نگینہ مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ اس کا پہننا زینت کے لئے ہوتا ہے۔

مہرِ نبوت کا استعمال دوسروں کے لئے ممنوع قرار دیا:

ونهى ان ينقش احد عليه ... ذوق اتباع اور شوق اطاعت اور کمال عشق ومحبت میں ایسا نہ ہو کہ سب انگوٹھیاں بنا کر مہر نبوت اس میں کندہ کر کے مہریں لگاتے پھریں کہ اصل مہر خلط ملط اور مشکوک ہو جائے ۔ والحكمة فى النهى عن ذلك انه لونقش غيره مثله لادى الى الالتباس والفساد (مواہب ص ۹۳) (اور اس سے (انگوٹھی کی مہر میں محمد رسول اللہ کندہ کرانے) منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر آپؐ کے علاوہ باقی لوگ بھی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ کندہ کروانا شروع کر دیں تو پھر التباس (خلط ملط) اور فساد پر منتج ہوتا)

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اتخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما مِن فضة ونقش فيه محمد رسول الله وقال انى اتخذت خاتما مِن ورق ونقشت فيه محمد رسول الله فلا ينقش احد على نقشه (مواہب ص ۹۳) (کہ نبی علیہ السلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ فرمایا کہ میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ بھی کندہ کروائے ہیں اس لئے کوئی شخص بھی (اس جیسے الفاظ) انگوٹھی پر کندہ نہ کروائے) اور بعض روایات میں جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو مہر نبوت کے الفاظ اپنی انگوٹھی میں کندہ

کرنے کی اجازت دیدی تھی وھو غیر ثابت وبفرض ثبوته فھو قبل النھی وان النھی خاص بحیاته صلی اللّٰہ علیه وسلم (مواھب ص ۹۳) (یہ بات ثابت نہیں اور بالفرض اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو وہ (حضرت معاذ کو اجازت) آپؐ کے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اور یہ نہی حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھی)

وھو الذی سقط ... اس کی بحث تفصیل سے گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے تاہم اتنی بات یاد رہے کہ انگوٹھی کس سے گری اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے گری اور بعض میں ہے کہ حضرت معیقیبؓ سے گری محدثین تطبیق فرماتے ہیں کہ بئر اریس کے من پر بیٹھے وہ حضرت عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا ان سے لے رہے تھے کہ انگوٹھی پھسل گئی اور کنویں میں گر گئی

(۹۸/۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حاتم بن اسمٰعیل نے خبر دی انہوں نے جعفر بن محمد سے یہ روایت نقل کی جنہوں نے یہ حدیث اپنے باپ امام باقرؒ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

حدیث باب اور ترجمۃ الباب:

کان الحسن والحسین رضی اللّٰہ عنھما یتختمان فی یسارھما یعنی حضرات حسنینؓ انگوٹھیاں بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے' بظاہر یہ حدیث ترجمۃ الباب کے خلاف ہے شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ترجمۃ الباب کے خلاف روایت کے اندراج سے اس روایت کے ضعف اور اس سے استدلال کرنے والوں کے مسلک ضعیف کو اشارہ ہے۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں بندہ ناچیز کے نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لئے اور اس نوع کی روایات بیان جواز کے واسطے ہیں (خصائل)

(۳) ترجمۃ الباب میں حضرات محدثین کے طریقہ کے مطابق کلمہ ام فی یسارہ محذوف ہے اگر اسی توجیہ کو تسلیم کرلیا جائے تو کوئی روایت بھی ترجمۃ الباب کے خلاف نہ ہوگی۔

(۸/۹۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَهُوَابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُبْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِىْ يَمِيْنِهٖ.

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا اِلَّا مِنْ هٰذَالْوَجْهِ وَرَوٰى بَعْضُ اَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِىْ يَسَارِهٖ وَهُوَ حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ اَيْضًا ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عیسیٰ طباع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت عباد بن عوام نے سعید بن ابی عروبۃ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور حضرت انسؓ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

راویان حدیث (۲۷۵) محمد بن عیسیٰؒ (۲۷۶) عباد بن عوامؒ اور (۲۷۷) سعید بن عروبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ترمذیؒ کی تحقیق:

قال ابو عیسیٰ! امام ترمذیؒ اپنی تحقیق سے محدثین اور فقہاء اور طلباء حدیث کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔

مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے یہاں پر امام ترمذیؒ اپنی تحقیق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں حضرات محدثین اسناد حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کے بھی ہر ہر لفظ پر نظر رکھتے ہیں کہ کونسی حدیث میں کونسا مضمون صحیح ہے اور کونسا مضمون مطلوبہ معیار سے کمزور ہے اگرچہ بائیں ہاتھ کی احادیث بھی مسلم وابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔

چنانچہ امام نوویؒ دونوں قسم کی روایات (یمین ویسار) کو صحیح بتاتے ہیں مگر باوجودیکہ متنِ حدیث صحیح ہے مگر خاص اصول اور قواعدِ تحقیق کے وہ معیار پر پورا نہیں ہوتیں تو پھر اسی خاص اصول اور طریقہ حدیث پر محدثینؒ کلام کرتے ہیں چنانچہ قال ابوعیسیٰ سے امام ترمذیؒ نے بھی کلام کیا ہے۔

(۹/۱۰۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا اَلْبَسُهٗ اَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن عبیداللہ المحاربی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالعزیز بن ابی حازم نے بیان کی انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن عقبۃ سے اور انہوں نے نافع سے اخذ کی۔

وہ یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی جس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے صحابہؓ نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منسوخ ہونے کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔

راویان حدیث (۲۷۸) محمد بن عبید المحاربیؒ اور (۲۷۹) عبدالعزیز بن ابی حازمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی حرمت پر اجماع:

مضمون حدیث ترجمہ میں واضح ہے اور اس سے قبل بھی مضمون حدیث ذکر ہوتا رہا حضور ﷺ بھی اور آپ ﷺ کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننے لگے ایک روز آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے کہ مردوں کے لئے وحی کے ذریعہ سونے کی حرمت کا اعلان آ گیا تو آپ ﷺ نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور اعلان فرمایا لا البسہ ابدا (میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا) تو دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں اتار پھینکیں اور کمال اتباع کا ثبوت دیا۔

ایک دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک ہاتھ میں سونا لیا اور ایک ہاتھ میں ریشم لیا اور ارشاد فرمایا هذان حرامان علی ذکور امتی ای حل لاناثها یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور میری امت کی عورتوں پر حلال ہیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکی النووی رحمہ اللہ الاجماع علی تحریمه (اتحافات) (امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے) سونے کے (مردوں کے لئے حرام ہونے پر) اجماع ہے فتحریم التختم بالذهب مجمع علیه الآن فی حق الرجال کما قاله النووی رحمہ اللہ الا ماحکی عن ابن حزم انه اباحه واما حکی عن بعضهم انه مکروه لا حرام قال وهذان باطلان وقائلهما محجوج بالاحادیث التی ذکرها مسلم مع اجماع من قبله علی تحریمه (مواهب ص ۹۴) (اب اس وقت مردوں کے حق میں سونے کی انگوٹھی بنانے کی حرمت متفق علیہ ہے جیسے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا مگر صرف امام ابن حزم رحمہ اللہ کہ اس نے اس کو مباح کہا ہے اور وہ جو بعض لوگوں سے یہ منقول ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں (اس پر کہتے ہیں) کہ یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور ان قائلین کے خلاف ان احادیث سے استدلال کیا گیا جن کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور بوجہ اجماع ہو جانے اس کی حرمت پر) ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ سونے کی حرمت جمیع الاحوال میں قائم ہے اگر کسی پر اچانک جنگ آ جائے اس کے لئے بھی پہننا اسی طرح حرام ہے جس طرح عام حالات میں حرام ہے اذا لا تعلق له بالحرب بخلاف الحریر (مواهب ص ۹۴) (اس لئے کہ اس کا (سونے کا) تعلق جنگ سے نہیں بخلاف ریشم کے)

باب ماجاء فی صفة سیف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں

صفة کا معنیٰ بیان کرنا' تعریف کرنا' وَصَفَ' یَصِفُ وصفاً وصِفةً (یہ ضرب یضرب کے باب کا مصدر ہے اس کی ماضی، مضارع، مصدر بروزن وصف یصِف وصفاً وصفة آتا ہے) صفت! وصف 'کشف اور تبیین کو کہتے ہیں والمراد بصفة السیف حالته التی کان علیها (اتحافات ص ۱۴۴) (اور تلوار کی صفت اور بیان سے اس کی وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جس پر وہ تھی) مصنفؒ نے آلاتِ حرب میں اولاً سیف سے آغاز فرمایا لانه انفعها و ایسرها و اغلبها استعمالاً (جمع ص ۱۹۲) (اس لئے کہ جنگی ساز و ساماں میں سے یہ زیادہ نافع آسان اور استعمال کے لحاظ سے غالب ترین چیز ہے)

باب الخاتم کے بعد باب السیف کا انعقاد بھی اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص اسوہ حسنہ' نظام العمل' اجتماعی قیادت وسیادت اور نظمِ ریاست کے قیام واستحکام کے لئے ایک خاص دستور السلطنت دیا تھا کہ اولاً سلاطین اور سربراہانِ ممالک کو دعوتی' اصلاحی اور تبلیغی خطوط ارسال کیے جائیں ان خطوط کی عظمت واہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان پر مہر لگا دی جائے اگر وہ اسلام قبول کریں' آپؐ کی نبوت کو تسلیم کرلیں تو انہیں اپنی حالتِ حکومت پر برقرار رکھا جائے بصورت دیگر جب وہ انکار کردیں تو طاقت' قوت' جہاد اور تلوار سے غلبہ اسلام کی جدوجہد کی جائے اشارة الی انه دعاهم الی الاسلام اولاً فلما امتنعوا حاربهم (جمع ص ۱۹۲) (یہ اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے تو آپؐ نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی اور جب انہوں نے اس سے انکار کیا تو

پھران سے جہاداور جنگ کی)

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواریں:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں تھیں (۱) المأثور وهو اول سيف ' ملكه عن ابيه (۲) القضيب (۳) القلعي ' نسبة الى قلع ' موضع بالبادية (۴) البتار (۵) الحتف (۶) المخذم بكسر الميم (۷) الرسوب (۸) الصمصامة (۹) اللحيف (۱۰) ذوالفقار بفتح الفاء وكسرها لان فى ظهره فقرات (اى حفر صغار) كفقرات الظهر (اتحافات ص ۱۴۴) (جن کے نام یہ ہیں (۱) ماثور یہ پہلی وہ تلوار جس کے آپ ؐ آباءواجداد سے وارث ہوئے (۲) قضیب (۳) قلعی وہ منسوب قلع جو جنگل میں ایک جگہ کا نام ہے (۴) البتار (۵) حتف (۶) مخذم (میم اول کے کسرہ کے ساتھ) (۷) رسوب (۸) صمصامہ (۹) لحیف (۱۰) ذوالفقار (فاء کا کسرہ اور فتح دونوں پڑھے جا سکتے ہیں) اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں پشت (پیٹھ) کی طرح جوڑ تھے اس لئے اس کو ذوالفقار کہا جاتا تھا) اس تلوار میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے حضوراقدس ﷺ نے یہ تلوار حضرت علیؓ کو مرحمت فرمائی تھی اور جس وقت مكة المكرمہ فتح ہوا تو آپ ؐ کے ہاتھ میں یہی تلوار تھی ۔ یہ ذوالفقار وہی تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نفل جنگ بدر میں لی تھی اور یہی وہ تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے وقت ایک خواب اس سلسلہ میں دیکھا تھا ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں واخرج ابن سعد عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم تنفل سيفا لنفسه يوم بدر يقال له ذوا لفقار وهو الذى راى فيه الرؤيا يوم احد (جمع ص ۱۹۳) (اور مؤرخ ابن سعد ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بدر کے (فتح) کے دن اپنے لئے بطور نفل کے ایک تلوار لی تھی جسے ذوالفقار کہا جاتا تھا اور یہ وہی تلوار تھی جس کے متعلق آپ ؐ نے جنگِ احد کے وقت ایک خواب دیکھا تھا (کہ اس کی دھار میں ٹوٹ پھوٹ ہے)

دو معجزاتی تلواریں "العون" اور "العرجون":

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید دو تلواریں معجزانہ شان کی مظہر تھیں (۱) العون (۲) العرجون

غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہؓ حاضر خدمت ہوئے عرض کیا تلوار ٹوٹ گئی۔ تو آپؐ نے جزل حطب یعنی ایک خشک شاخ ان کو عطا فرمائی اور حکم فرمایا اضرب بہ کہ جاؤ اور جہاد کرو فعاد فی یدہ سیفاً صارما طویلاً ابیض شدید المتن فقاتل به ثم لم یزل عنده یشهد به المشاهد الی ان استشهد (مواهب ص ۹۵) پس جب وہ خشک لکڑی (چھڑی) ان کے ہاتھ میں گئی وہ ایک نہایت شاندار لمبی چمکدار مضبوط اور تیز تلوار بن گئی تو انہوں نے اس کے ساتھ قتال کیا پھر وہ ان کے پاس رہی اور ہمیشہ اس کے ساتھ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قتال اہل ردۃ میں شہید ہو گئے۔

وکان هذا السيف يسمى العون اس تلوار کا نام العون تھا اسی طرح جنگ احد میں لڑتے لڑتے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ٹوٹ گئی فاعطاه النبی صلی الله علیه وسلم عسیباً مِن نخلٍ فرجع فی یده سیفاً (مواهب ص ۹۵) آپؐ نے ان کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جب وہ ان کے ہاتھ میں گئی تو نہایت عمدہ تلوار بن گئی اس کا نام عرجون تھا اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ زندگی بھر اسی سے جہاد کرتے رہے۔

(۱/۱۰۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ اَنْبَاَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن بشار نے بیان کی انہوں نے یہ حدیث وہب بن جریر سے اخذ کی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی انہوں نے حضرت قتادہ سے اور قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

لفظِ قبیعة کی تشریح:

قال کان قبیعة سیف رسول الله صلی الله علیه وسلم مِن فضة

قبیعة' لفظِ طبیعة کے وزن پر ہے تلوار کے قبضہ پر چاندی یا لوہے کی گرہ کو قبیعة کہتے ہیں جسے عموماً بندِ

شمشیر بھی کہا جاتا ہے اس کا مادہ قبع ہے بمعنی ٹوپی کے، تلوار کو جہاں سے پکڑا جاتا ہے مقبض کہلاتا ہے نیچے کے حلقے کو شارب کہتے ہیں مقبض اور شارب کے نیچے پستان نما زائد قطعہ کو قبیعة کہتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا قبیعة وہ ہے جو قبضہ کے اس جانب کی طرف ہو جو دھار کی طرف ہوتا ہے چاندی کا ہو یا لوہے کا۔ القبیعة ما علی رأس مقبض السیف مِن فضة اوحدید او غیرھما کذا قاله الجوھری (اتحافات ص ۱۴۵) (قبیعہ وہ ہے جو تلوار کے پکڑنے کی جگہ کے شروع میں ہو چاہے چاندی کا یا لوہے کا یا کسی دوسری (دھات) کا ہو۔ اسی طرح امام جوہریؒ نے کہا ہے) سیف سے مراد وہ تلوار ہے جس کا نام ذوالفقار ہے وکان لا یکاد یفارقه (مواھب ص ۹۵) (اور حضور ﷺ اس کو ہمیشہ ساتھ ہی رکھتے تھے)

اس خبر میں تو صرف قبیعة کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے ابن سعد عن عامر کی روایت میں ہے قال اخرج الینا علی بن الحسین سیف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاذا قبیعته مِن فضة وحلقته مِن فضة اور جعفر بن محمد عن ابیه کی روایت ہے کان نعل سیف رسول اللّٰہ ای اسفله وحلقته وقبیعته مِن فضة .(مناوی ص ۱۹۳) (کہ حضرت علی بن حسینؓ ہمارے پاس حضور ﷺ کی ایک تلوار لائے کہ اس کا قبیعہ چاندی کا اور حلقہ چاندی کا۔۔۔ کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کا نعل یعنی اس کا نچلا حصہ اور حلقہ اور قبیعہ چاندی سے تھے)

(۱۰۲/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِیْدِبْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ کَانَتْ قَبِیْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاذ بن ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انہوں نے سعید بن ابی الحسن (بصری) سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی مُٹھ چاندی کی تھی۔

راوی حدیث (۲۸۰) سعید بن ابی الحسنؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

مردوں کے لئے آلاتِ حرب میں چاندی کا استعمال:

مضمونِ حدیث تو پہلی حدیث والا ہے دونوں احادیث کا مدلول یہ ہے تحلیة آلة الحرب بفضة (کہ جنگی ساز وسامان کو چاندی کے ساتھ مزیّن کرنا) مردوں کے لئے جائز ہے سونے کے ساتھ جائز نہیں والتحلية بذلک من خصائص الامة المحمدية العظيمة (اتحافات ص ۱۴۵) (اور چاندی کے ساتھ مزیّن کرنا بھی امت محمدیہ کی بڑی خصوصیات میں سے ہے)

(۳/۱۰۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُبْنُ صُدْرَانَ الْبَصْرِیُّ اَخْبَرَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ عَنْ هُوْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ! ہمیں ابوجعفر محمد بن صدران بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی طالب بن حجیر نے بواسطہ ہود کے جو عبداللہ بن سعید ہیں وہ اپنے نانا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا طالبِ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی تو انہوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

راویان حدیث (۲۸۱) ابوجعفر محمد بن صدران البصریؒ (۲۸۲) طالب بن حجیرؒ (۲۸۳) ہود بن عبداللہؒ اور (۲۸۴) جدہٗؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تلوار میں سونے کے استعمال کا حکم:

جمہور علماء کے نزدیک تلوار میں سونا لگانا ممنوع ہے بظاہر اس روایت باب سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے جمہور محدثین وفقہاء کہتے ہیں کہ یہ حدیث استعمال ذھب کے جواز کے لئے مستدل نہیں بن سکتی جس کے متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) محدثین نے اس روایت کوضعیف بتایا ہے هـذاالحديث ضعيف كما قاله القطان بل منكر فلاتقوم به الحجة على حل التحلية بالذهب (مواهب ص ۹٦) (یہ حدیث ضعیف ہے جیسے کہ امام قطانؒ کہتے ہیں بلکہ منکر ہے اس لئے اس حدیث سے سونے کے ساتھ کسی چیز کومزین اور خوبصورت بنانے پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی)

(۲) علامہ تور بشتیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے وقال التور بشتي هذا الحديث لا يقوم به حجة اذليس له سند يعتمد به (جمع ص ۱۹۴) (تور بشتیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل اور حجت نہیں بن سکتی اس لئے کہ اس کی کوئی ایسی سند نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے)

(۳) یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح الخ مكة المكرمة کو فتح کر کے بحیثیت فاتح داخل ہوئے یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کا ہے اس وقت خانہ کعبہ میں ۳٦۰ بت نصب تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں چھڑی تھی اور ہر ایک بت پر آیت کریمہ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل ہمیشہ مٹے گا) پڑھ کر چھڑی سے اشارہ فرماتے تو وہ گر جاتا چونکہ یہ فتح کا موقع تھا تو کہا جاسکتا ہے کہ فضة ملمعّ بالذهب تھی خالص سونا نہیں تھا۔ بہر حال جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک تلوار میں سونے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۴) چونکہ سونا ممنوع تھا اس لئے راوی نے بھی صرف چاندی کی تحقیق کی کہ وہ کس جگہ تھی سونے کے متعلق پوچھا تک نہیں کہ وہ کہاں تھا ولعل السوال حين كان عن الفضة دون الذهب فيه اشارة لذلك (اتحافات ص ۱۴۷) (اور جب کہ سوال صرف چاندی سے تھا نہ کہ سونے سے تو یہ بھی خود اس طرف اشارہ ہے (کہ سونا ممنوع تھا)

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ قبیعة تو چاندی کا تھا موضع ذهب مقبض سے اوپر تھا جس میں احتمال ہے کہ مسمار (میخیں) سونے کے ہوں جس کی فقہاء اجازت دیتے ہیں واللہ اعلم۔

(۴/۱۰۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ اَخْبَرَنَا اَبُوْعُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِيْ عَلٰى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ اَنَّهٗ صَنَعَ سَيْفَهٗ عَلٰى سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا .حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِنَحْوَهٗ

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن شجاع بغدادی نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعبیدۃ حداد نے عثمان بن سعد کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت ابن سیرین سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃؓ کی تلوار کے موافق بنوائی اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے اور وہ قبیلہ بنوحنیفہ کی تلواروں کے طریق پر تھی۔

راویان حدیث (۲۸۵) محمد بن شجاع البغدادیؒ (۲۸۶) ابوعبیدہ الحدادؒ اور (۲۸۷) عثمان بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ حنفیاً کی تشریح:

وکان حنفیاً الخ حنفیا قبیلہ بنوحنیفہ کی طرف نسبت ہے مسیلمہ کذاب اس قبیلہ سے تھا یہ لوگ تلواروں کے عمدہ بنانے میں مشہور تھے اس سے قبل بھی کان حبشیاً گذرا ہے جس کا ایک معنیٰ ہم نے ''حبشی الصفة'' کیا تھا یہاں بھی مراد یہ ہے کہ بنوحنیفہ کی صنعت والی ان کی بنائی ہوئی۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں فیحتمل ان صانعه کان منهم ویحتمل انه اتی به من عندهم وهذه الجملة مِن کلام سمرة فیما یظهر ویحتمل انها مِن کلام ابن سیرین علی الارسال

(مواهب ص۹۶) (پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا کاریگر بنوحنیفہ میں سے تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تلوار ان کے ہاں سے لائی گئی ہو، بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ سمرۃ کے کلام سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ابن سیرین کا کلام بصورت حدیثِ مرسل ہو)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں قال المؤلف فی جامعه هذا حدیث غریب لانعرفه الا مِن هذا الوجه (جمع ص۱۹۵) (اور مصنفؒ نے اپنی جامع میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو بغیر اس سند کے نہیں

جانتے ہیں)

روایت مذکورہ کومصنفؒ نے دوسری سند سے بھی نقل فرمایا ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس عقبۃ بن مکرم بصری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس محمد بن بکرؒ نے عثمان بن سعد کے حوالہ سے اس جیسی خبر دی۔محمد بن بکر کے بعد روایت سابقہ ہی کے راوی ہیں۔

==

باب ماجاء فی صفة درع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ترجمہ! باب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کے بیان میں

لفظِ درع کی تشریح:

لفظِ دِرع (دال کے کسرہ کے ساتھ) مذکر بھی آتا ہے اور مونث بھی' اس کی جمع دروع آتی ہے یہاں پر مضاف مقدر ہے ای فی صفة لبس درعہ (یعنی زرہ کے پہننے کی صفت کے بیان میں تو گویا (لبس) مضاف محذوف ہے) تاکہ ترجمۃ الباب دونوں حدیثوں کے مطابق ہو جن میں نفس درع کی صفت کا بیان نہیں ہے بلکہ صفت لبس درع کا بیان ہے ھی جبّة مِن حدید تصنع حلقاً حلقاً وتلبس للحرب (مواھب ص۹۷) (درع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ زرہ لوہے کی ایک قمیص ہے جسے حلقہ حلقہ یعنی کنگنیوں کی شکل میں بنایا جاتا ہے اور جنگ میں (حفاظت) کے لئے پہنا جاتا ہے) جسے ہم اردو میں زرہ کہتے ہیں یہ لوہے کی قمیص ہے جسے جنگجو لڑائی میں حفاظت کے لئے پہنتے ہیں تاکہ دشمن کے وار کے وقت جسم براہ راست متاثر نہ ہو بلکہ زرہ اس کے لئے مانع ہو اور جسم اسکی زد سے محفوظ رہے یلبس علی الصدر للوقایة مِن ضربات السلاح (اتحافات ص۱۴۸) (یہ ہتھیاروں کے وار سے بچنے کے لئے سینے پر پہنا جاتا ہے).

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں کا بیان:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ میں زرہ پہنی ہے کان درع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لھا حلقتان مِن فضة عند موضع الثدی اوقال عند موضع الصدر وحلقتان خلف ظھرہ (اتحافات

ص ۱۴۸)(اور نبی کریم ﷺ کے زرہ کے دو حلقے (کنگنیاں) پستان کی جگہ یا یہ کہا کہ سینے کی جگہ تھیں اور دو حلقے پیٹھ کے پیچھے تھے) بلکہ احادیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں متعدد زرہیں استعمال کی ہیں جن میں سے سات کے نام گنوائے گئے ہیں۔

(۱)ذات الفضول ! اس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے سمیت بذلک لطولها وهی التی رهنها عند ابی الشحم الیهودی (مواهب ص۹۷) وذکروا ان سعد بن عبادة اهداها للنبی صلی الله علیه وسلم یوم بدر (اتحافات ص۱۴۸)(۲) ذات الوشاح (۳)ذات الحواشی (۴) فضة(۵)السُغدیه ! قیل هی درع سیدنا داؤد علیه السلام التی لبسها لقتال جالوت (۶) البتیراء (۷) الخرنق (مواهب ص۹۷) ((۱) ذات الفضول ..... اس کو اس نام سے بوجہ اس کے لمبے ہونے کے مسمّیٰ کیا جاتا تھا اور یہ وہی زرہ ہے جس کو آپؐ نے ابوشحم یہودی کے پاس بطور رہن رکھا تھا اور مؤرخین نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہی زرہ سعد بن عبادہؓ نے بدر کے دن حضور ﷺ کو بطور ہدیہ دی تھی)

(۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) فضّه (۵) سُغدیه بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سیدنا داؤدعلیہ السلام کی زرہ تھی اور جالوت کے ساتھ جنگ کے لئے اس کو پہنا تھا (۶) بتیراء (۷) خرنق)

اس باب میں دو احادیث ہیں جن میں آپؐ کے زرہ پہننے کا بیان ہے ای باب بیان الاخبار الواردة فی صفة درع رسو ل الله صلی الله علیه وسلم (مواهب ص۹۷) (یعنی باب حضور ﷺ کے زرہ کے اوصاف کے متعلق وارد شدہ احادیث کے بیان میں)

....

(۱/۱۰۵) حَدَّثَنَا اَبُوسَعِیدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِیدِ الْاَشَجُّ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ بْنُ بُکَیرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ یَحْییٰ بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَی الصَّخْرَةِ فَلَمْ یَسْتَطِعْ فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ وَصَعِدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اسْتَوٰی عَلَی الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسعید عبداللہ بن سعید اشج نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے خبردی۔ انہوں نے یہ روایت یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے ان کے والد اور دادا کے واسطہ سے اخذ کی۔ تو حضرت زبیر بن العوامؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر احد کی لڑائی میں دو زرہ تھیں (ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی اور دو زرہوں کا وزن نیز غزوہ احد میں وہ تکلیفیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی کہ جن کی وجہ سے چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا تھا غرض ان وجوہ سے) حضورؐ اس چٹان پر نہ چڑھ سکے اسلئے حضرت طلحہؓ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعہ سے اس چٹان پر چڑھے۔ زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کرلیا۔

راویان حدیث (۲۸۸) ابوسعید عبداللہ بن سعید الاشجؒ (۲۸۹) یونس بن بکیرؒ (۲۹۰) یحییٰ بن عبادؒ (۲۹۱) ابیہ (۲۹۲) جدہ عبداللہ بن الزبیرؓ اور (۲۹۳) الزبیر بن العوامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ احد' حضرت طلحہؓ اور دو زرہیں:

کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یو م احد درعان ... حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے روز اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں آپؐ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پا رہے تھے یوم احد' احد پہاڑ سے منسوب جنگ ہے عرب حسب عادت اپنی لڑائیوں کو امکنة اور ازمنة کی طرف منسوب کرتے تھے احد بھی ایک پہاڑ ہے جن کی طرف یہ جنگ منسوب ہے جو ۳ھ میں قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑی گئی۔

جنگ احد میں معاملہ بہت سخت تھا تین ہزار کفار کے لشکر جرار نے یلغار کر دی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کے بعد شہر سے باہر جبل احد کے دامن میں کفار کو روک کر یہ جنگ کی یہی وہ موقع تھا کہ منافقین نے بھی دھوکہ دیا اور تیراندازوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی آپؐ کو اگرچہ زرہ پہننے کی ضرورت نہ تھی مگر تعلیم امت کے لئے ظاہری اسباب اختیار فرمانا بھی

ضروری تھا چنانچہ آپؐ نے ذاتی دفاع کے لئے دو زرہیں (ذات الفضول اور فضة) پہنی ہوئی تھیں اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حسب ضرورت اسلحہ کا استعمال جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ۔اسی غزوہ میں آپؐ شدید زخمی ہوئے آپ کے سر اور پیشانی مبارک سے کافی خون بہا کہ پتھر لگا تھا' دانت مبارک ٹوٹے' نچلا ہونٹ مبارک زخمی ہوا 'چہرہ مبارک زخمی ہوا ' گال مبارک میں زرہ کی کڑی دھنس گئی ووقع فی حفرة من الحفر التی عملها ابوعامر لیقع فیها المسلمون (اتحافات ص ۱۴۹) (اور آپؐ غاروں میں سے ایک غار میں گرے جن کو ابو عامر نے اس لئے کھودا تھا کہ اس میں مسلمان گریں) یہاں تک کہ ابن قمئة نے بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ قتل ہو گئے ۔صحابہ کرامؓ میں یہ جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپؐ کسی بلند چٹان پر چڑھ جائیں تا کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کو دیکھ لیں اور ان کو آپ کی حیاتِ طیبہ کا یقین ہو جائے آپؐ نے چٹان پر چڑھنا چاہا۔ فلم یستطع لثقل الدرعین و کثرة جهده (اتحافات ص ۱۴۹) (پھر دونوں زرہوں کے بوجھ اور (اس دن) کی تکلیف اور سخت مشقت کی وجہ سے (چٹان) پر نہ چڑھ سکے) پھر حضرت طلحہؓ کو بٹھایا ان کو سہارا بنا کر چٹان پر چڑھ گئے اور جب اطمینان واستقامت سے آرام فرما ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو زندہ وسلامت دیکھا تو وہ مطمئن ہو گئے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اوجب طلحة ۔طلحہ نے اپنے اوپر واجب کر لی اس کے تین معانی محتمل ہیں (۱) جنت واجب کر لی (۲) میری شفاعت واجب کر لی (۳) یا بڑا ثواب واجب کر لیا یعنی لنفسه الجنة او الشفاعة او المثوبة العظیمة بفعله هذا اوبما فعل ذلک الیوم حیث جعل نفسه فداء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حتی شلت یده (جمع ص ۱۹۷) (یعنی حضرت طلحہؓ نے اپنے لئے جنت یا شفاعت یا اجرِ عظیم واجب کر لیا اپنے اس فعل کی وجہ سے یا جو اس دن اس نے اہم کارنامہ سرانجام دیا کہ اپنے آپ کو حضور ﷺ پر قربان ہو جانے کے لئے پیش کیا اتنے تک کہ اس کا ہاتھ بھی شل (ناکارہ) ہو گیا)

یہ اللہ کی طرف سے حضرت طلحہؓ کی دلیری' جوانمردی' بہادری' شجاعت اور بے مثال ایثار

وقربانی کا انعام تھا وہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کرنے کے لئے مردانہ وار لڑتے رہے حضرت طلحہؓ اس روز حضور اقدسؐ سے بار بار عرض کرتے تھے یا نبی اللّٰہ! بابی انت وامی لا تشرف یصبک سهم من سهام لقوم فنحری دون نحرک (اتحافات ص ۱۵۰) (اے اللہ کے پاک نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپؐ اپنے سر وغیرہ کو ظاہر اور اونچا نہ کر کہ کسی دشمن کا تیر نہ لگ جائے میری یہ گردن قربانی کے لئے آپؐ کے لئے پیش خدمت ہے) حضرت طلحہؓ پر اس روز کچھ اوپر اسّی زخم آئے تھے کہ وہ ڈھال بن کر آپؐ پر برسنے والے تیروں کو روکتے رہے اور آپؐ کی مدافعت میں تیراندازی بھی کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ اس روز حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا۔ حضرت طلحہؓ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے خیر شهید یمشی علی الارض (اتحافات ص ۱۵۰) (زمین پر چلنے (رہنے) والوں میں سے بہترین شہید) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کی اس دن کی ہمت واستقامت اور آپ پر جان نثاری وفدا کاری دیکھ کر ارشاد فرمایا ذلک الیوم کله لطلحة (اتحافات ص ۱۵۰) (یہ دن سب طلحہؓ کا ہوا (یعنی تمام درجات اس نے سمیٹ لیے) جمل کی لڑائی میں شہید ہوئے اور بصرہ میں مدفون ہوئے حضرت طلحہؓ کا واقعہ تفصیل سے عرض کر دیا تاکہ مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت والہیت اور اخلاص وکمال عشق کا اندازہ لگ سکے۔

(۱۰۶/۲) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ عَلَیْهِ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَیْنَهُمَا۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں (احمد) ابن ابی عمر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان بن عیینہ نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث یزید بن خصیفہ سے سائب بن یزید کے حوالے سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دو زرہیں تھیں جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔

راوی حدیث (۲۹۴) یزید بن خصیفہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ظاهر بينهما کی تشریح:

حدیث کا مضمون تو وہی ہے جو باب کی پہلی روایت میں گذر چکا ہے البتہ اس روایت میں قد ظاهر بينهما کے الفاظ کا اضافہ ہے ظاہر کا معنیٰ اوپر نیچے یا دوہرا ہونا ظاهر بين الثوبين اوپر نیچے پہننا شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ای لبس درعا ثم لبس فوقها ظهارة ثم لبس الدرع الاخرى (اتحافات ص ۱۵۰) (یعنی ایک زرہ پہنی اور پھر اس کے اوپر ظہارۃ (کپڑے کی ابرا) پہنی پھر اس کے اوپر دوسری زرہ پہنی) یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں کہ آپؐ کے پاس دو زرہیں تھیں جو آپؐ بدل بدل کر کبھی ایک اور کبھی دوسری علی سبیل البدلية پہنا کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپؐ نے تعلیم امت اور دفاع میں استحکام کی ترغیب اور اهتماماً بامر الحرب (مواهب ص ۹۸) (جنگی امور کی اہمیت کے پیش نظر) دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں ظاهر کا یہی معنیٰ عربی لغت اور شعراء نے بھی لیا ہے جبکہ سبعة المعلقة الثانیہ میں ہے۔

مُظَاهِرُ سِمْطَیْ لُؤْ لُوءٍ وَّ زَبَرْجَدِ

میرے محبوب نے موتی اور زبرجد کے دو ہار اوپر نیچے پہن رکھے تھے

توکل کی حقیقت:

جیسے کہ پہلی حدیث میں بھی عرض کیا تھا اس میں اس توکل کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ توکل وہی ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد ربّ الاسباب پر اعتماد کرلیا جائے ۔ واشارة الى انه ينبغى ان يكون التوكل مقروناً بالتحصن لا مجرداً عنه فلهذا لم يبرز للقتال منكشفاً متوكلا ولذالك قال اعقلها وتوكل (مواهب ص۹۸) (اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ توکل حفاظت کے اسباب کے ساتھ مقرون ہونا چاہیئے نہ کہ اسباب کو بالکل چھوڑ کر اس لئے تو آپؐ بھی محض اللہ کے بھروسے خالی ہاتھ (بغیر اسباب کے استعمال) جنگ کے لئے نہیں نکلے اور اسی لئے تو آپؐ نے ایک صحابیؓ کو ارشاد فرمایا کہ اونٹ کا پاؤں باندھ کر پھر توکل کیجئے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات اوانفروا جمیعا (نساء) اے ایمان والو! کافروں کے مقابلے میں اپنی احتیاط رکھو پھر ان سے مقابلہ کے وقت متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو) حفاظت کا حسب ضرورت وحسب موقع سامان لینا آیت شریف کا امتثال ہے اور آپؐ سے زیادہ ارشادات۔ خداوندی پر عمل کرنے والا کون ہوسکتا ہے لہذا زرّہ، خود، تلوار وغیرہ کا استعمال سب احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔ (خصائل)

یہ حدیث مراسیل صحابہؓ سے ہے:

یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے مراسیل میں سے ہے کہ حضرت سائبؓ جنگ احد میں موجود نہ تھے کیونکہ وہ اپنے والد کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جبکہ اس وقت ان کی عمر صرف سات برس تھی۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے ابوداؤد کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ عن السائب عن رجل قد سماہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاھر یوم احد بین درعین (مواھب ص۹۸) (کہ یہ روایت حضرت سائب سے اور اس نے اس شخص سے روایت کی جس کا نام لیا تھا (جس کا سابقہ روایت میں ذکر نہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن دو زرہیں نیچے اوپر پہن رکھی تھیں) اس تصریح کے بعد یہ مراسیل سے نکل جاتی ہے اور غالب یہی ہے کہ عن رجل سے مراد حضرت زبیر بن عوامؓ ہوں کیونکہ اس باب کی پہلی روایت اسی معنیٰ میں ان سے منقول ہے۔

==

باب ماجاء فی صفة مغفر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ترجمہ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مبارک کے بیان میں

مغفر کی حقیقت وصفت:

انّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل مکۃ وعلیہ مغفر ..

مغفر کا معنیٰ خود اس کا مادہ و مصدر غَفر ہے بمعنیٰ ڈھانپنے کے چھپانے اور برتن کے اندر ڈھانپنے کو غفر کہتے ہیں والمغفر کمنبر مِن الغفر وھو الستر (مواھب ص۹۸)(مغفر بروزن منبر ہے یہ مادہ غفر سے مشتق ہے بمعنیٰ ستر اور پردے کے ہے) غفران کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت انسان کے گناہوں کو مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ چونکہ مغفر (خود) بھی انسان کے سر کو دشمن کے حملے سے اور چوٹ سے بچاتی ہے اسے بھی مغفر کہتے ہیں یہ بھی اسلحہ کی ایک قسم ہے لان السلاح یطلق علی مایقتل بہ وعلی ما یدفع بہ وھو مما یدفع بہ (مواھب ص۹۸) (یہ اس لئے کہ سلاح کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ یا تو قتل ہو (یعنی آلہء قتل) یا پھر مدافعت اور حفاظت کا ذریعہ ہو اور مغفر (خُود) بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ مدافعت کی جاتی ہے۔

اس باب میں دو احادیث وارد ہیں جن میں آپؐ کی صفتِ مغفر کا بیان ہے ای بـاب بیـان الاخبـار الواردۃ فی صفۃ مغفر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (مواھب ص۹۸)(یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضورﷺ کے خود کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔

فتح کے موقع پر جب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو خود پہنے ہوئے تھے آپؐ کے خود مبارک کے نام (۱) موشح اور (۲) ذوالسبوغ تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آلاتِ حرب:

امام ترمذیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر آلاتِ حرب کا ذکر نہیں کیا شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے آپؐ کے متعدد آلاتِ حرب ذکر کیئے ہیں لکھتے ہیں کہ آپؐ کے چھ عدد قوس وکمان تھے جن کے اپنے اپنے نام تھے الزوراء ' الروحاء ' الصفراء ' شوحط ' الکتوم ' السداد آپؐ کی ترکش کا نام الکافور تھا ایک ڈھال مبارک کا نام الذلوق تھا دوسری کا نام القنق تھا ایک ڈھال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کی گئی مگر اس پر عقاب' یا کبش (مینڈھے) کی تصویر تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصویر پر ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے اسے محو کر دیا ابن قیمؒ نے شوحط کی بجائے البیضاء کا ذکر کیا ہے نیز الکتوم کے متعلق لکھا ہے کسرت یوم احد فاخذ ھا قتادة بن نعمان (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹) (کہ وہ جنگ احد کے دن ٹوٹ گئی تو اسے قتادہ بن نعمان نے اٹھایا) آپؐ کے سات گھوڑے تھے۔

گھوڑوں کے بھی اپنے اپنے نام تھے السکب ' المرتجز ' الظرب ' اللحیف ' اللزاز ' الورد ' سبحة۔

ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق الشافعی نے ان سات متفق علیہ گھوڑوں کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

والخیل سکب لحیف سبحة بظرب

لزاز مرتجز ورد لھا اسرار

(زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰)

(اور حضور ﷺ کے گھوڑے سکب لحیف سبحہ اور ضرب لزاز۔ مرتجز۔ ورد ان کے اپنے خاصیات تھے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر مبارک کا نام المثوی تھا ایک لمبا سا نیزہ تھا جس کا نام البیضاء تھا ایک خیمہ تھا۔ جس کا نام الکن تھا ایک ٹیڑھے سر والی لکڑی تھی جو تقریباً گز برابر لمبی تھی جس کو محجن کہتے ہیں ایک لاٹھی مبارک تھی یعنی مخصر جس کا نام العرجون تھا (اتحافات ۱۵۳'۱۵۴)

علامہ یوسف نبھانیؒ نے شمائل الرسول میں لکھا ہے کہ آپؐ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا اس کا رنگ سیاہ تھا ایک جھنڈا زرد رنگ کا بھی تھا اور ایک سفید رنگ کا تھا جس کے اندر سیاہ دھاریاں تھیں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزہ کا نام صادر تھا زین کا نام داج تھا اونٹنی کا نام قصوی اور غضباء تھا خچر کا نام دلدل گدھے کا نام یعفور تھا جس بکری سے دودھ نوش فرما... کا نام عنیہ تھا۔ مذکورہ آلات حرب کے علاوہ بھی ابن قیمؒ نے چند دیگر اشیاء کا بھی ذکر کیا ہے فرمایا۔ و کانت له ثلاث جبات یلبسهما فی الحرب فیها جبة سندس اخضر...وکانت له حربة تسمی النبعاء و کان له محجن یسمّیٰ الدوّن و کان له ترس ابیض یسمّیٰ الموجز (زاد المعاد ج ا ص ۵۰) (آپؐ کے تین جبّے تھے جن کو جنگ و جہاد میں پہنتے تھے ان میں ایک جبّہ سبز سندس کا تھا اور آپؐ کا ایک نیزہ تھا جسے نبعاء کہا جاتا تھا اور ایک محجن (ٹیڑھے سر والی لکڑی) جس کا نام الدوّن تھا اور آپؐ کی ایک سفید ڈھال بھی تھی جسے موجز کہا جاتا تھا)

(۱/۷ ۱۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ مِغْفَرٌ فَقِيلَ لَهُ هٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ روایت بیان کی ان کو مالک بن انس نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث ابن شہاب سے نقل کی اور وہ خادمِ رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر خود تھی حضورؐ جب خود اتار چکے اور اطمینان ہو گیا تو کسی نے آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے حضورؐ نے فرمایا اس کو قتل کردو۔

خلاصہ مضمون:

حدیث میں دو چیزیں بطور خاص مذکور ہیں (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی مغفر (خاص جنگی ٹوپی جسے خود کہتے ہیں) اپنی حیات مبارکہ میں سر پر پہنی ہے (۲) دوسری بات یہ کہ فتح مکہ کے روز ایک شخص عبدالعزیٰ بن خطل نے استار کعبہ پکڑ کر جان کی امان چاہی مگر حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف نہ فرمایا اور قتل کا حکم دے دیا۔

مغفر یا عمامۃ؟ تعارض کا جواب:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ ... یہاں شارحینِ حدیث نے ایک تعارض اور اس کے جواب کو اہتمام سے بیان فرمایا ہے تمام رواۃ ومحدثینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ؐ کا یہ دخول، فتح مکہ کا مراد ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ دخولِ مکہ کے وقت آپ ؐ نے خود مبارک پہن رکھی تھی وعلیہ مغفر کی تصریح ہے۔

مگر اس کے بعد والے باب "ماجاء فی عمامۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی پہلی روایت میں " وعلیہ عمامۃ سوداء " کی تصریح ہے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے بعض محدثین اور شارحین حدیث کو تذبذب ہوا کہ دونوں روایات میں کونسی زیادہ صحیح اور درجہ صحت کو پہنچتی ہے مگر درحقیقت دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے محدثین حضرات نے دونوں روایات کا اپنا اپنا محمل بیان کیا ہے جس کی وجہ سے تعارض باقی نہیں رہتا۔

(۱) حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آغاز میں جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر پر خود مبارک تھا آپ ؐ کے لئے تھوڑی دیر کے لئے حرم میں قتل وقتال حلال کر دیا گیا تھا وانت حل بھذ البلد چونکہ جنگ اور قتال میں اپنا دفاع بھی لازمی تھا اس لئے آپ ؐ نے خود مبارک پہن رکھی تھی۔

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حرم کو مستقل معرکہ کارزار یا میدان جنگ نہیں بنانا چاہتے تھے چنانچہ دخول مکہ کے فوراً بعد آپ ؐ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے مامون ہے اپنے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی مامون ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے جب دخولِ مکہ کے بعد جنگ کا احتمال باقی نہ رہا اور لوگوں نے آپ ؐ کی ہدایات کے مطابق امن لینا شروع کر دیا تو آپ ؐ نے خود اتار دی اور سر پر عمامہ تھا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دخول مکہ کے وقت آپ ؐ کے سر پر عمامہ بھی تھا اور اس کے اوپر مغفر

یعنی خود بھی تھی اور یہ لوگوں کا معمول بھی تھا جیسا کہ علی رأسه عصابة کی تصریح بھی ہے اور اس سے مقصد عمامہ کا چھوٹا ہونا بتانا ہے حافظ ابن حجرؒ جمع بین الروایات کی اس صورت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ مغفر تو بھاری ہوتا ہے اور ہوتا بھی تو لوہے کا ہے ظاہر ہے کہ اس نے سر کو تکلیف بھی دینی ہے نیچے پگڑی رہے تو سر کو راحت ملے گی۔

ایک تعارض اور اس کا حل:

وعلیه مغفر کا اس خبر سے بھی تعارض نہیں ہے جس میں تصریح ہے کہ لا یحل لاحدکم ان یحمل بمکة السلاح جیسا کہ اسے مسلمؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کیونکہ شارحینِ حدیث نے اس کی متعدد توضیحات کی ہیں۔

(۱) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کان دخول نبینا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم بالمغفر والسلاح فی الساعة التی حلت فیها مکة له وهی ساعة تطهیر الکعبة مِن الاصنام وتطهیر مکة من الشرک والوثنیة وبذلک فلا تنا فی بین هذ الحدیث وحدیث مسلم عن جابر الخ (اتحافات ص ۱۵۱) (حضور ﷺ کا مکہ کو اسلحہ اور خود سمیت داخل ہونا یہ اس تھوڑے وقت کے لئے تھا جس میں آپؐ کے لئے قتل وقتال مکہ میں جائز قرار دیا گیا تھا اور اس وقت میں کعبہ شریف کو بتوں اور مکہ شریف کو شرک و بت پرستی سے پاک وصاف کرنا مقصود تھا تو اس توجیہ سے اس حدیث میں اور حضرت جابرؓ کی وہ حدیث جو مسلم میں ہے (کہ نہیں تم میں سے کسی کے لئے جائز کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے) کوئی تعارض اور منافات نہیں)۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ مکرمہ میں قتال ایک ساعت کے لئے حلال کر دیا گیا ولم تحل لاحد بعده (اور آپؐ کے علاوہ (مکہ اور حرم میں) کسی کے لئے اس کے بعد قتال جائز اور حلال نہیں کیا گیا) اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں متھیأ للقتال (جنگ کی تیاری کرکے) داخل ہوئے تھے۔

(۳) نہی اور ممانعت خاص ہے اس صورت میں جب حمل سلاح کی ضرورت نہ ہو ولذا دخل عام

عمرة القضاء ومعه ومع المسلمين السلاح فى القراب . (اوراسی لئے تو آپ عمرۃ القضا کے سال مکہ شریف گئے اور آپؐ اور مسلمانوں کے ساتھ اسلحہ نیام وغیرہ میں تھا)

(۴) المراد مِن النهى حمل السلاح للمحاربة مع المسلمين . (ہتھیار اٹھانے سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے ہتھیار اٹھائے جائیں)

(۵) ويجوز ان يكون النهى بعدفعله صلى الله عليه وسلم على انه يجوز له مالا يجوز لغيره (جمع ص ۱۹۹) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے اس دفعہ ہتھیار اٹھانے کے بعد نہی ہوئی ہو۔اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کے لئے کوئی کام جائز ہو اور آپؐ کے علاوہ لوگوں کے لئے ناجائز ہو ، یعنی حضور ﷺ کی خصوصیت ہو)۔

(۶) وجمع آخرون بان النهى عن السلاح فى الامور العادية فاذا دعت ضرورة لحمله ارتفع النهى (اتحافات ص ۱۵۱) (اور بعض دوسرے حضرات نے یہ تطبیق بھی کی ہے کہ ہتھیار اٹھانے کی نہی امور عادیہ میں ہو اور جب کبھی ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑ جائے تو نہی ختم ہو جاتی ہے)۔

ابن خطل کے قتل کا حکم:

فقيل له هذا ابن خطل متعلق باستار الكعبة ... یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اتارنے کے بعد بتایا گیا یہ ابن خطل ہے جو استار کعبہ کو پکڑے ہوئے اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے باوصف گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں جن کے جرائم ناقابل عفو تھے آپؐ نے ان کے خون ہدر کر دیئے تھے اور عفو عام سے ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا پھر ان میں سے سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو گئے تھے ان کو معافی مل گئی تھی چار مرد اور چار عورتیں باقی رہیں جو قتل کر دیے گئے ابن خطل بھی ان میں سے ایک تھا ابن خطل اولاً بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا عبداللہ نام رکھا وحی کی کتابت کا کام بھی کیا کرتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ سے زکوۃ لینے کے لئے اسے بھیجا اس نے راستے میں اپنے ایک مسلمان غلام کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس ـــ

کھانا پکانے میں غلطی ہوئی تھی۔

وکان معه مولیٰ یخدمه وکان مسلماً فنزل منزلًا وامر مولاه ان یذبح تیساً ویصنع له طعاماً ونام فاستیقظ ولم یصنع له شیئا فعدا علیه فقتله (جمع ص ۲۲۰) (اور اس کے ساتھ ایک غلام تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا اور وہ (ابن خطل) مسلمان تھا سفر کرتے جب ایک منزل پر اترے تو اپنے غلام کو کہا کہ بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے اور خود سو گیا جب بیدار ہوا اور غلام نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا تھا تو اس غلام پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا)

پھر خود قصاص کے خوف سے مدینہ منورہ نہ لوٹا کہ قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ نکلا وہاں پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا دو باندیاں خریدیں جو آپؐ کے حق میں ہجو یہ اشعار کہہ کہہ کر ابن خطل کو خوش رکھا کرتی تھیں آپؐ نے اس کا خون ہدر کر دیا اسلئے باوجود استار کعبہ کے پکڑنے کے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور قتل کر دیا گیا۔ فقال اقتلوه امرهم بقتله علی سبیل الکفایة فکل من قتله منهم حصل به المقصود (مواهب ص ۹۹) (آپؐ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم (کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے نہ کیا) بلکہ علی سبیل الکفایہ فرما دیا یعنی یہ کہ جو کوئی بھی اس کو قتل کر دے گا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا)

ابن خطل اور استار کعبہ:

بعض حضرات نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور استار کعبہ کے ساتھ چمٹ گیا متمسکاً بان من دخله کان اٰمنا (اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وہ دلیل پکڑ رہا تھا کہ جو کوئی حرم میں داخل ہو جائے وہ امن پر ہوگا) مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں اس کے دخول کعبہ اور ومن دخله کان اٰمنا سے تمسک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دراصل استار کعبہ سے چمٹنے کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی بھی کعبۃ اللہ کے استار سے چمٹ جاتا لوگ اس کی تعظیم کرتے اور جرائم معاف کر دیے جاتے لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم آپؐ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے کہ من دخل المسجد فهو اٰمن ومن

دخل دار ابی سفیان فھو آمن ومن اغلق علیه بابه فھو آمن لانه من المستثنین کیونکہ دارقطنی میں روایت ہے قال صلی اللّٰہ علیه وسلم اربعة لا اُؤمّنھم لافی حل ولا فی حرم الحویرث بن نقید وھلال بن خطل ومقیس بن صبابة وعبداللّٰہ بن ابی سرح وفی حدیث سعد بن ابی وقاص قال اربعة نفرو امرأ تان وقال اقتلوھم وان وجدتموھم متعلقین باستار الکعبة (جمع ص ۱۹۹) (کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ امن پر ہوگا جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ امن سے ہوگا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہوگا۔ اس لئے کہ (ابن خطل) امن سے مستثنیٰ شدہ لوگوں میں سے تھا)۔۔۔۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمیوں کو نہ میں زمین حل میں اور نہ حرم میں امن دیتا ہوں (۱) حویرث بن نقید (۲) ھلال بن خطل (۳) لقیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن ابی سرح
اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مروی حدیث میں ہے کہ چار مرد اور دو عورتیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ان کو قتل کردو اگرچہ تم ان کو غلاف کعبہ پکڑتے ہوئے بھی پاؤ)

ابن خطل کو کس نے قتل کیا:

چنانچہ یہ شخص مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ابو برزہ اسلمیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
البتہ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں فقال اقتلوه واستبق الی قتله عمار بن یاسر، وسعید بن حریث فسبق سعید وقتله وقیل قتله ابوبرزة ویجمع بان الذی باشر قتله اولا ابوبرزة وشارکه سعید وقتلوه بین زمزم والمقام (مواھب ص ۹۸) (پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو (ابن خطل) کو قتل کردو تو اس کے قتل کے لئے دوڑ پڑے عمار بن یاسر اور سعید بن حریث تو حضرت سعید نے اس کے قتل کرنے میں سبقت حاصل کر کے قتل کر دیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کو ابو برزہ نے قتل کیا ان کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل شروع اور ابتدائے قتل ابو برزہ نے کیا اور پھر اس کے ساتھ سعید بھی شریک ہو گئے اور انہوں نے زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کر دیا)۔
احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں کہ ابن خطل کے قاتل کی تعیین میں اختلاف ہے حاکم کی روایت میں ہے کہ وہ سعید بن زید ہے بزار میں سعد بن ابی وقاص، دارقطنی میں زبیر بن العوام بتلایا گیا

ہے قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابو برزہ اسلمی ہیں ولعل الجميع تسابقوا الیٰ قتله ولكن الذی باشره بـالقتل ابوبرزة فضرب عنقه بين الركن والمقام (اتحافات ص ۱۵۲) (اور شاید کہ سب نے اس کے قتل کے لئے مسابقت کی لیکن جس نے قتل کیا وہ ابو برزہ تھے اس نے اس کی گردن رکن اور مقام ابراھیم کے درمیان توڑ دی یعنی قتل کر دیا)

شاتم رسول کا حکم:

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گالیاں بکے اور توہین کرے اور مرتد ہو جائے ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے جس طرح نعوذ باللہ کوئی شخص اللہ رب العزت کو گالیاں دے، شرک کرے اور مرتد ہو جائے پھر توبہ کر لے تو اس کی توبہ بالاتفاق قبول ہوتی ہے تو شاتم رسول جو مرتد ہو جائے اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہئے قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

باب کہ یہ روایت ائمہ ثلاثہؒ کے مسلک کا متدل اور مؤید ہے امام ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل مفصل اور جامع کتاب '' الصارم المسلول علی شاتم الرسول '' کے نام سے لکھی ہے جس میں ہر دو مذاھب کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے جب دونوں جانب کے مسالک اور دلائل وا ہداف کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ محققین احنافؒ اور محققین شوافعؒ کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے بلکہ صرف نزاع لفظی ہے مقصد ایک ہے دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ التائب من الذنب كمن لا ذنب له (کہ گناہ سے حقیقۃً توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو) کے مطابق شاتم رسول کی توبہ بھی عنداللہ قبول ہوگی تاہم حاکم وقت، قاضی اور عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شاتم کو توبہ کی وجہ سے معاف کر دے بلکہ وہ اسے سیاسۃً قتل کر سکتا ہے تاکہ آئندہ کسی کو جرات نہ ہو احنافؒ کا مسلک بھی یہی ہے ابن خطل کا قتل اس کا ثبوت ہے کہ وہ سیاسۃً قتل کئے گئے۔

باقی رہی یہ بات کہ قتل کر دینا مصلحت ہے یا توبہ قبول کر لینا تو وہ موقع اور محل کے لحاظ سے

فیصلہ کیا جا سکتا ہے جہاں تک ابن خطل کے قتل کا واقعہ ہے تو اس کے متعدد وجوہ محتمل ہیں (۱) حدیث میں ابن خطل کی توبہ کا کوئی ذکر نہیں (۲) یہ عین ممکن ہے کہ ابن خطل نے توبہ نہ کی ہو اور آپؐ نے بوجہ ارتداد کے اس کے قتل کا حکم دیا ہو (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے توبہ کی ہو مگر صدق دل سے نہ ہو اور آپؐ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا ہو۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا قتل قصاصاً ہو جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں۔ فقتلہ قصاص بالمسلم الذی قتلہ یرشد الی ذلک ان ابن سرح کان کابن خطل فیما ذکر فلما اسلم ترک (مناوی ص ۲۰۰) پس ابن خطل کا قتل (دراصل) اس مسلمان کی قصاص میں تھا جس کو اس نے قتل کیا تھا اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ ابن سرح کا حکم بھی ابن خطل جیسا تھا جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے لیکن جب وہ اسلام لائے تو اس کو چھوڑ دیا گیا)

(۱۰۸/۲) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ اَحْمَدَ حَدَّثنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِیْ مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَآءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُّحْرِمًا..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسٰی بن احمد نے بیان کی۔ ان کو عبداللہ بن وہب نے یہ روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے سر مبارک پر خود تھی جب حضورؐ نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں سے نہیں اس کو قتل کر ڈالو۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس روز محرم نہیں تھے۔

وبلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یو مئذ محرماً حدیث کا مضمون اور تفصیلی بحث تو گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے البتہ یہ جملہ اضافی ہے جو اسی روایت میں نقل کیا گیا ہے۔

دخول مکہ کے وقت احرام کا مسئلہ:

ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن مُحرِم نہیں تھے احرام نہیں باندھا تھا بلکہ خود مبارک اتار کر سیاہ عمامہ زیبِ راس فرمایا تھا۔ خطب الناس وعلیه عمامة سوداء (آپؐ نے لوگوں کو (یوم فتح مکہ) خطبہ دیا اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ (پگڑی) تھی) بلکہ اس سے قبل جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر خود تھا جو احرام کے منافی ہے

یہ حدیث بھی بظاہر شوافع کا مستدل اور مؤید ہے اور اس کو سند بنا کر بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار دیتے ہیں مگر حنفیہ حضرات بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار نہیں دیتے تفصیلی بحث اور دلائل تو اپنی جگہ آئیں گے مگر حنفیہؒ کے نزدیک یہ حدیث شوافع کا مستدل اور حجت اسلئے نہیں بن سکتی کہ اس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح مکہ کی غرض سے حرمت اٹھا دی گئی تھی وہ روز آپ کے لئے حلال تھا۔

احنافؒ بھی کہتے ہیں دخول مکہ بغیر احرام کے اس وقت ناجائز ہے جب اطمینان ہو، امن ہو، اندیشہ قتل وقتال اور فکرِ مزاحمت نہ ہو مگر فتح مکہ کے موقع پر کتنے کتنے اندیشے لاحق تھے مکہ میں داخل ہونے کا یقین نہیں تھا احناف کہتے ہیں کہ لبسِ مخیط اور ستر رأس ضرورة (کہ بوجہ ضرورت اور مجبوری کے سلے ہوئے کپڑوں اور سر چھپانے) سے احرام معدوم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دم لازم آئے گا جس سے عدم احرام کا ثبوت بہت مشکل ہے۔

= =

باب ماجاء فی عمامة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک کے بیان میں

عمامہ کی فضیلت وبرکات:

العِمامة (بکسر العین) ما یعتم به فوق الرأس (العمامہ عین کے کسرہ کے ساتھ ہر اس چیز کو جو سر کے اوپر بطور پگڑی کے لپیٹی جائے) کو کہتے ہیں عمامہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ ومستمرہ ہے والعمامة سنة لا سیّماً للصلوة وبقصد التجمل لا خبار کثیرة فیها (مواهب ص ۹۹) (عمامہ (پگڑی) سنت ہے خصوصاً نماز کے لئے یا خوبصورتی حاصل کرنے کی غرض سے بوجہ ان احادیث کثیرہ کے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں) آپؐ نے خود بھی عمامہ پہنا ہے اور اس کی تعریف بھی فرمائی ہے ترغیب بھی دی ہے اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث درج کی ہیں ای بـاب بيـان الاخبـار الـواردة فـی صفة عمامة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (مواهب ص ۹۹) (یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضور ﷺ کے عمامہ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ,,عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری)

عینی شرح بخاری میں ہے کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں عمامہ باندھنا سنت ہے مزید یہ بھی فرمایا ,,عمامہ باندھا کرو کہ اسلام کا نشان ہے مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔

شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں ففـی الـخبـر فـرق بیـنـنـا وبین المشرکین العمائم علی القلانس وامالبس الـقـلـنـسـوة وحدها فهوزیّ المشرکین (مواهب ص ۹۹) (حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور

مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں کے اوپر پگڑیوں کے باندھنے میں ہے اور صرف ٹوپی کا اکیلا پہننا تو یہ (ایک قسم) مشرکین کی شکل وہیئت ہے)

سیاہ عمامے کا حکم:

تاہم یہاں اتنا یاد رہے کہ لباس بذاتہ ممنوع نہیں ہوتے بلکہ کسی دوسری قوم یا فرقِ ضالہ سے مشابہت کی وجہ سے انہیں خاص حالات اور مشابہت کے قطعی احتمالات کی وجہ سے مکروہ قرار دیدیا جاتا ہے مثلاً کالی پگڑی یا سیاہ لباس بنفسہٖ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے مگر محرم کے ایام میں شیعہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں ان دنوں میں سیاہ لباس پہننا گویا ان سے مشابہت بظاہر شیعیت کا فروغ وترویج ہے لہذا ان ایام میں سیاہ پگڑی اور لباس سے اجتناب بہتر ہے۔ایک دور میں سیاہ لباس پہننا عباسی خلفاء کا شِعار ہو گیا تھا۔حتیٰ کہ علماء کرام کے جبّے اور عمامے بھی سیاہ ہوا کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامة سوداء حضرت عباسؓ کو عطا فرمایا تھا جو ہر تخت نشین کے سر پر بطور تبرک کے رکھا جاتا تھا حضرت امام ابو یوسفؒ ذاتی طور پر اس رنگ کو پسند فرماتے تھے چنانچہ ایک عید کے موقع پر جبہ، عمامہ اور گھوڑا بھی سیاہ رنگ کا تھا۔پھر وہ اس رنگ کو فضیلت دینے لگے مقابلہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اسے روافض کا شعار قرار دیا جو بطور حداد (غم) کے وہ استعمال کرتے تھے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر بھی رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ لونِ اسود بھی سنت ہے اور لون ابیض بھی مگر بیاض کو فضیلت حاصل ہے۔

عمامہ پر قطعی مواظبت ثابت ہے:

یہاں یہ مسئلہ بھی خصوصیت سے واضح رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ نے عمامہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس پر انہوں نے مواظبت کی ہے اور یہ مواظبت قطعی ثابت بھی ہے اس وجہ سے بعض لوگوں نے پگڑی کو سنت مؤکدہ قرار دیدیا مگر اس کا پس منظر بھی ہے وہ یہ کہ عرب عمامہ کے عادی تھے وہ بغیر عمامہ کے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ان کا معمول تھا جیسا کہ اب بھی

سرحد و بلوچستان میں بعض قبائل بالخصوص وزیرستان وغیرہ میں یہ قطعی مروج ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہ کرامؓ بھی صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ میں عرب دستور کے مطابق عمامہ اور رداء کو لازماً پہنا کرتے تھے لہذا عمامہ ورداء عادت مبارک تھی بہر حال راجح یہی ہے کہ نماز پڑھتے وقت عمامہ زیب راس ہو مگر بغیر عمامہ کے بھی نماز بلا کراہت جائز ہے اگر ننگے سر نہ ہو فقہاء کا یہی فتویٰ ہے کراہت اس چیز سے آتی ہے جہاں کوئی ممانعت ہو یا کراہت منقول ہو عادت کے موافق نہ ہونا یہ کوئی جرم نہیں ہے

مقدار عمامہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کی مقدار کیا تھی؟ اسی سلسلہ میں محدثینؒ نے تصریح کی ہے کہ مشہور روایات میں مقدار عمامہ مذکور نہیں ہے طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے وقال ابن حجر لااصل له (مواهب ص ۹۹) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی بنیاد نہیں ہے)

علامہ جزریؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے سیَر کی کتابوں میں خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی (خصائل)

لکن نقل عن النووی انه كان له صلی الله علیه وسلم عمامة قصيرة و كانت ستة اذرع وعمامة طويلة كانت اثنى عشر ذراعاً (مواهب ص ۹۹) (لیکن امام نوویؒ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی ایک کوتاہ (چھوٹی) پگڑی جو چھ ذراع (ہاتھ) تھی اور ایک لمبی پگڑی وہ بارہ ہاتھ تھی)

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں لم تكن عمامته صلی الله علیه وسلم كبيرة يوذى الرأس حملها ولا صغيرة لا تقى الرأس من حرولا برد . بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الامور الوسط (اتحافات ص ۱۵۵) (حضور ﷺ کی پگڑی نہ اتنی لمبی تھی کہ سر کو اٹھانے سے تکلیف ہو اور نہ اتنی چھوٹی کہ سر کو سردی اور گرمی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ بلکہ درمیانی تھی اور درمیانی امر میں بہتری ہوتی ہے)۔

....

(۱۰۹/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ عَنْ حَمَّادِبْنِ سَلَمَةَ (ح) وحَدَّثنامَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعُ عَنْ حَمَّادِبْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن مہدی نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت حماد بن سلمہ کے واسطہ سے پہنچی (تحویل) ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی انہوں نے وکیع سے اور انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ابن ابی زبیر کے حوالے سے نقل کی۔ انہوں نے جابرؓ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

مغفر یا عمامہ یا دونوں:

دخل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مکة یوم الفتح وعلیه عمامة سوداء زاد مسلم بغیر احرام وزاد مسلم فی روایة و ابوداؤد قد ارخی طرفیها بین کتفیه (مناوی ص ۲۱۴) (آپؐ فتح مکہ کے دن مکہ شریف داخل ہوئے اور آپؐ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔ مسلمؒ نے یہ زیادتی کی ہے کہ آپؐ غیر محرم تھے اور مسلمؒ نے ایک دوسری روایت میں اور ابوداؤد نے یہ زیادتی بھی کی کہ پگڑی کے دو طرف (کنارے) حضور ﷺ نے کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے)۔

اس سے قبل باب میں گذرا کہ دخل مکة وعلیه مغفر (کہ حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے سر پر خود تھی) دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ (۱) نیچے خود ہو اوپر عمامہ فالعمامة قد تکون فوق المغفر (اتحافات ص ۱۵۵) (پس پگڑی کبھی خود کے اوپر ہوتی ہے) یا عمامہ چھوٹا ہوا اور اس پر خود ہو (۲) یا داخلہ کے وقت خود مبارک سر پر تھی کہ احتمال مزاحمت کا تھا لیکن دخول کے متصلاً عمامہ باندھ لیا جو بظاہر دخول کا وقت ہی تھا اسلئے وقتِ دخول کی طرف نسبت ہوئی (۳) بعض حضرات یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ خود تو لوہے کا ہوتا ہے ظاہر ہے پہننے والے کو اذیت بھی ہوتی ہوگی اذیت سے بچنے کے لئے خود کے نیچے پگڑی پہن لی ہوگی۔ وفی الحدیث اشارة الی ان العمامة افضل من غیرها (اتحافات

ص ۱۵۵) (اور حدیث شریف میں اشارہ کہ عمامہ (پگڑی) دوسری چیزوں سے افضل ہے) وقال الجزری و فیہ اشارة الی ان ھذا الدین لا یتغیر کالسواد بخلاف سائر الالوان (جمع ص ۲۰۴) (امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اس دین اسلام میں تغیر تبدل نہیں ہوگا جیسے کالا رنگ (کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوتی) بخلاف دوسرے رنگوں کے) قال الزین العراقی اختلف الفاظ حدیث جابر فی المکان والزمان الذی لبس فیہ العمامة السوداء فالمشہور انہ یوم الفتح وفی روایة البیہقی فی الشعب یوم ثنیة الحنظل وذلک یوم الحدیبیة قال ویجاب ببیان ان ھذا لیس اضطراباً وانہ لبسھا فی الحدیبیة وفی الفتح معاً اذلا مانع من ذلک الا ان الاسناد واحد فلیتامل (مناوی ص ۲۰۵) (حافظ زین الدین العراقیؒ نے کہا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے الفاظ اس مکان (جگہ) اور زمان (وقت) کے متعلق مختلف ہیں جن میں حضور ﷺ نے کالی پگڑی پہنی۔ پس مشہور تو یہ ہے کہ وہ فتح مکہ کا دن تھا اور امام بیہقیؒ کی روایت میں ثنیۃ الحنظل (یوم حدیبیہ) کا دن تھا (تو گویا روایت میں اضطراب ہوا) زین العراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ کوئی اضطراب نہیں بلکہ بے شک (یہ ہوسکتا ہے) کہ آپؐ نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے دونوں ایام میں کالی پگڑی پہنی ہو اس لئے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں البتہ یہ بات (کھٹکتی ہے) کہ سند تو ایک ہی ہے فلیتامل)

....

(۱۱۰/۲) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِبْنِ عَمْرِوبْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَأَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَآءَ.

ترجمہ! ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی انہوں نے یہ روایت سفیان سے اور انہوں نے مساور وراق سے اخذ کی وہ یہ روایت جعفر بن حریثؓ سے اور وہ اپنے باپ عمرو بن حریثؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۵) مساور الوراقؒ اور (۲۹۶) جعفر بن عمروؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیاہ عمامہ اور بعض صحابہؓ کا معمول:

قال رایت علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عمامۃً سوداء ۔ مضمون حدیث تو پہلی حدیث میں گذر چکا۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سوں نے سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال کیا ہے حضرت علیؓ نے شہادت عثمانؓ کے روز، حضرت حسنؓ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے حضرت ابن زبیرؓ سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن جریرؓ، حضرت عمارؓ بھی سیاہ عمامہ پہنا کرتے تھے (مناوی ص۲۰۴)

وکان سعید بن المسیّب یلبسھا فی العیدین (اتحافات ص۱۵۷) (اور حضرت سعید بن المسیب بھی کالی پگڑی عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) میں پہنا کرتے تھے) مگر بایں ہمہ علماء کرام اور فقہاء عظام نے جمعہ وعیدین یا خطبہ میں سیاہ عمامہ پہننا ضروری قرار نہیں دیا۔ وفی شرح الزیلعی وکیف ماکان الافضل فی لبسھا البیاض وصحۃ لبس المصطفی للسواد ونزول الملائکۃ یوم بدر بعمائم صفر لا یعارضہ لانہ لمقاصد ومصالح اقتضاھا خصوص ذلک المقام کما بینہ بعض العلماء الا علام فلا ینا فی عموم الخبر الصحیح الامر بلبس الا بیض وانہ خیر الالوان فی الحیاۃ والممات (مناوی ص ۲۰۴) (اور زیلعی کی شرح میں ہے اور صورت جو بھی ہو پس افضل سفید عمامہ اور پگڑی ہے دوسری جانب حضور ﷺ کے کالی پگڑی پہننے کی صحت اور فرشتوں کا جنگِ بدر کے دن زرد (پیلی) پگڑیاں پہنے اترنا اس کے معارض اور منافی اس لئے نہیں ہے کہ یہ تو بعض ایسے مقاصد اور مصالح کی وجہ سے تھا جو اس مقام کی خصوصیات کی مقتضی تھیں جیسے کہ اس کو بعض بڑے علماء حضرات نے بیان کیا ہے۔ تو اس لئے یہ اس حدیثؐ صحیح کے عموم کے منافی نہ ہوا جس میں سفید لباس کے پہننے کا حکم ہے اور یہ کہ سفید رنگ زندگی میں بھی اور وقتِ موت بھی دوسرے رنگوں سے بہترین رنگ ہے)

امام اوزاعیؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ سیاہ رنگ کو کیوں استعمال نہیں کرتے تو ناپسندی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لانہ لا یجلیٰ فیہ عروس ولا یلبی فیہ محرم ولا یکفن فیہ میت والظاھر مراد ہ غیر العمامۃ (مناوی ص۲۰۴) (کہ اس (کالے رنگ) کے لباس میں دُلہن کو جلوگاہ میں نہیں بٹھایا

جاتا اور نہ ہی اس میں محرم شخص تلبیہ پڑھتا ہے اور نہ اس میں میت کو کفن دیا جاتا ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ امام اوزاعیؒ کی مراد اس عمامہ (پگڑی) کے علاوہ دیگر لباس ہے)

حدیث کا مدلول یہ بھی ہے کہ صرف دخول مکہ کے وقت نہیں اس کے علاوہ بھی آپؐ نے سیاہ عمامہ استعمال فرمایا ہے تاہم علماء کرام کا قول فیصل اور متفقہ فیصلہ یہی ہے جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں فی الحدیث جواز لبس الاسود فی الخطبة ولبس البیاض افضل (جمع ص ۲۰۵) (اور حدیث شریف میں خطبہ کے وقت سیاہ پگڑی پہننے کا جواز اور سفید پگڑی کا پہننا افضل معلوم ہوتا ہے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں کہ والعمائم البیض ھی التی تناسب زیّ العلماء فی ھذا الزمان (اتحافات ص ۱۵۷) (کہ اس زمانہ میں علماء کو بطور شعار کے سفید پگڑیاں باندھنا زیادہ مناسب ہیں)

(۳/۱۱۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ وَیُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی قَالَا حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان اور یوسف بن عیسیٰ نے یہ حدیث بیان کی وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت مساور وراق سے اخذ کی انہوں نے یہ حدیث جعفر بن عمرو بن حریث سے نقل کی جو اپنے باپ عمرو بن حریثؓ کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ حضور اقدس نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

دورانِ خطبہ سیاہ عمامہ کا ثبوت:

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خطب الناس وعلیه عمامة سوداء (کہ بے شک نبی علیہ السلام لوگوں کو خطبہ دیا اور آپؐ کالی پگڑی باندھے ہوئے تھے) مسلم کی روایت میں علی المنبر (منبر پر) کی تصریح ہے۔ (جمع ص ۲۰۵)

نیز مسلم میں ابو اسامة عن مساور کے طریق سے روایت ہے قال حدثنی جعفر بن عمرو بن حریث

عن ابیه قال کانی انظر الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخی طرفیها بین کتفیه قال عیاض والصواب طرفها (اتحافات ص۱۵۷) (جعفر بن عمرو بن حریث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ گویا میں حضورﷺ کو منبر پر بیٹھے دیکھ رہا ہوں اور آپؐ کے سر پر کالی پگڑی ہے جس کے دونوں طرف اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہیں۔ عیاضؒ فرماتے ہیں کہ طرفیھا (تثنیہ) کی بجائے طرفھا (بصیغہ مفرد) صحیح ہے)

(۱) مشہور قول یہ ہے کہ یہ خطبہ فتح مکہ کا ہے جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا ای وعظهم عندباب الکعبة کما ذکره الحافظ ابن حجر والمراد بالمنبر فی بعض الروایات عتبة الکعبة لانها منبر بالمعنیٰ اللغوی وهو کل مرتفع (مواهب ص۱۰۰) (یعنی ان کو کعبہ کے دروازے کے پاس وعظ ونصیحت فرمائی جیسے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور منبر سے مراد بعض روایات میں کعبہ (بیت اللہ) کی چوکھٹ ہے اس لئے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے چوکھٹ بھی منبر ہے۔ کیونکہ منبر کا لغوی معنیٰ ہر اونچی جگہ ہے)

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا کوئی خطبہ جمعہ تھا کیونکہ اس قصہ میں بعض جگہ منبر کی تصریح بھی منقول ہے جبکہ فتح مکہ کا خطبہ منبر پر نہیں تھا۔ وقد ذکر صاحب المصابیح هذا الحدیث فی باب خطبة الجمعة (اتحافات ص۱۵۷) (اور صاحب المصابیح نے اس حدیث کو خطبہ جمعہ کے باب میں ذکر کیا ہے)

(۳) ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ خطبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال کا ہے۔ شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن هذا الحدیث نفهم ان لبس العمامة السودآء لم یکن بمکة فقط ولکن کانت فی مکة وغیرها (اتحافات ص۱۵۷) (اور اس حدیث سے ہم یہ سمجھتے اور معلوم کرتے ہیں کہ آپؐ کا سیاہ پگڑی کا پہننا یہ صرف مکہ میں نہیں تھا بلکہ مکہ اور غیر مکہ دونوں میں ہوا ہے)

(۴/۱۱۲) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا یَحْییٰ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَدَنِیُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ

بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَرَاَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاذ ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی ان کو یہ روایت یحییٰ بن محمد مدنی نے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبدالعزیز بن محمد سے اور انہوں نے عبید اللہ بن عمر سے اخذ کی وہ روایت نافع کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو ایسے ہی کرتے دیکھا عبیداللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے) قاسم بن محمد اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے) سالم بن عبداللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۷) ہارون ابن اسحٰق الہمدانیؒ (۲۹۸) یحییٰ بن محمد المدینیؒ (۲۹۹) عبدالعزیز بن محمدؒ اور (۳۰۰) عبیداللہ بن عمرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شملہ بھی سنت مؤکدہ ہے:

كان النبى صلى الله عليه وسلم اذااعتمّ سدل عمامته بين كتفيه ... پہلی تین روایات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کے سیاہ رنگ کی وضاحت تھی اب چوتھی روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ جب عمامہ باندھتے تو اس کے کنارہ (شملہ) کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے سدل کا معنیٰ لٹکانا ہے عمامہ سے مراد (۱) کنارہ عمامہ ہے اى ارخىٰ طرفها الذى يسمّى العلاقة (جمع ص ۲۰۶) (یعنی پگڑی کا ایک کنارہ لٹکائے ہوئے تھے جسے علاقہ کہا جاتا ہے) (۲) بعض طرق الحدیث میں ہے آپؐ دونوں کاندھوں کے درمیان طرفِ اعلیٰ کا ارسال فرماتے تھے۔ وهو يسمّى

عـذبة لـغة (اور یہ لغت میں عذبہ کہلاتا ہے) (۳) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ طرفِ اسفل ہو حتـی یـکـون عـذبة فـی الاصطلاح العرفی الآن (تا کہ اب کی عرفی اصطلاح میں عذبہ ہو) (۴) اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں اطراف مراد ہوں معاً لانـه ورد انـه قـد ارخـیٰ طـرفيهـا بين كتفيه بلفظ التثنية (مـواهـب ص ۱۰۱) (اس لئے کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ؐ نے دونوں طرفین (کنارے) اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ۔تثنیہ کے لفظ کے ساتھ) (۵) اور یہ بھی منقول ہے کہ اس کا ایک طرف آگے اور دوسرا پیچھے ہو جیسے کہ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ فرماتے ہیں عـمـمّنی رسول الله صلی الله عليه وسلم فسدلها بين يدیّ ومن خلفی رواه ابوداؤد (مشكوٰة شريف ص ۳۷۴) (مجھے حضور ﷺ نے پگڑی بندھوائی اور اس کے ایک کنارہ کو میرے سامنے اور دوسرے کو پیچھے لٹکایا)

وقـد استـفيد من الحديث ان العذبة سنة فقد جاء فی العذبة احاديث كثيرة ما بين صحيح وحسن (مـواهـب ص ۱۰۱) (اور حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عذبہ (طرفِ اعلیٰ کو کندھوں کے درمیان لٹکانا) سنت ہے کیونکہ عذبہ کے بارے میں بہت سی احادیث صحیح اور حسن درجہ کی وارد ہوئی ہیں) شیخ عبدالجوادالدومی ؒ فرماتے ہیں ویـظهـر ان اتـخـاذ الـعذبة كان اذا اشتد الحر كانت لوقاية الرقبة من شـدة الحر (اتـحافات ص ۱۵۸) (اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عذبہ کا رکھنا اس وقت ہوتا جب گرمی سخت ہوتی تو یہ سخت گرمی سے گردن کی حفاظت کا ذریعہ بنے)۔

خلاصہ یہ کہ شملہ مبارک کے لٹکانے کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ مختلف رہی ہے آپ ؐ اکثر شملہ مبارک لٹکائے رکھتے تھے۔سینہ کے دائیں طرف، کبھی بائیں طرف اور تقریباً اکثر اوقات دونوں کاندھوں کے درمیان اور کبھی ایک طرف آگے اور دوسرا پیچھے رکھتے تھے اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ پگڑی کے دونوں اطراف کو شملے کی طرح کاندھوں کے درمیان رکھتے تھے ملاعلی قاری ؒ فرماتے ہیں ان الاتيـان بكل واحد من تلک الامور سنة (جمع ص ۲۰۷) (ان سب امور (مذکورہ بالا) میں سے ہر ایک پر عمل کرنا سنت ہے)

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ سے تقریباً سب صورتیں ثابت ہیں مگر افضل صورت دونوں کاندھوں کے درمیان کمر مبارک پر لٹکانا ہے وارسالهـا بيـن كـتـفين افضل (مـواهـب ص ۱۰۱) (اور اس کا

دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا افضل ہے) علامہ ابن قیمؒ نے اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ سے اس سلسلہ میں ایک عجیب بات نقل کی ہے فرماتے ہیں فدل (الحدیث) علی ان اللذوابة لم یکن یرخیها دائما بین کتفیه .وکان شیخنا ابو العباس ابن تیمیه قدس روحه فی الجنة یذکر فی سبب اللذوابة شیئاً بدیعا وهو ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انما اتخذ ها صبیحة المنام رآه فی المدینة لما رأی رب العزة تبارک وتعالیٰ فقال یا محمد فیم یختصم الملأ الا علیٰ قلت لاادری فوضع بین کتفی فعلمت ما بین السماء والارض الحدیث وهو فی الترمذی وسئل عنه البخاری فقال صحیح قال فمن تلک الحال ارخی اللذوابة بین کتفیه وهذا من العلم الذی منکره السنة الجهال وقلوبهم ولم ارهذه الفائدة فی اثبات اللذوابة لغیره (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (پس حدیث شریف اس پر دال ہے کہ آپؐ شملہ دائمی طور پر کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتے تھے) اور ہمارے شیخ ابوالعباس بن تیمیہؒ ذوابہ (شملہ) کے متعلق عجیب بات بیان کرتے تھے وہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے شملہ لٹکایا اس خواب دیکھنے کی صبح جو کہ آپؐ نے مدینہ شریف میں دیکھا جبکہ باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! یہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا پس باری تعالیٰ نے (بلاتشبیہ) اپنا دست قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان وزمین کی سب چیزیں معلوم کرلیں۔۔۔۔اور یہ ترمذی میں ہے اور امام بخاریؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے فرمایا صحیح ہے (تو شیخؒ فرماتے) کہ اسی حال وکیفیت کے سبب آپؐ شملہ کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ ایسے امور اور باتوں کے علم سے جاہل اور غافل لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میں یہ مذکورہ فائدہ شملہ کے ثبوت میں آپؐ کے علاوہ لوگوں کے لئے نہیں دیکھتا)۔

محققین محدثین کی رائے یہ بھی ہے کہ گاہے گاہے شملہ بنائے بغیر بھی پگڑی باندھ لیا کرتے تھے واحیاناً یلبس العمامة من غیر علاقة (جمع ص ۲۰۷) (اور کبھی کبھار آپؐ بغیر شملہ بنائے پگڑی باندھ لیا کرتے تھے)۔

علامہ یوسف نبہانیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عمامہ باندھا اس کا ایک کونہ میرے کاندھے پر ڈالا۔اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدروحنین

میں ایسے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی تھی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليًا وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة (زاد المعاد ج ا ص ۵۰) (کہ حضورﷺ کا ایک عمامہ سحاب تھا آپؐ نے حضرت علیؓ کو پہنایا اور وہ اس کو پہنا کرتے اور اس کے نیچے ٹوپی رکھا کرتے اور آپؐ ٹوپی بغیر پگڑی کے اور پگڑی بغیر ٹوپی کے بھی پہنا کرتے) آپؐ کسی شخص کو اس وقت تک شہر کا حاکم مقرر نہ فرماتے تھے جب تک کہ اسے عمامہ نہ بندھواتے تھے عمامہ کا طرز یہ ہوتا کہ اس کا ایک پلہ دائیں کاندھے پر کان کی طرف ڈالا جاتا تھا۔ وكان ابن عمر يفعل ذلك ... (اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا کیا کرتے تھے) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پگڑی باندھتے تھے قاسم بن محمدؒ بھی اور حضرت سالمؒ بھی يفعلان ذلك (دونوں ایسا کیا کرتے تھے) یعنی عمامہ کو کتفین کے درمیان ڈالا کرتے تھے واشار بذلك الى انه سنة مؤكدة محفوظة لم يتركها الصلحاء (مواهب ص ۱۰۱) (اور اس میں اس طرف اشارہ کردیا کہ یہ ایک سنت مؤکدہ محفوظہ ہے نیکوکار لوگوں نے اس کو نہیں چھوڑا (بلکہ اپنا شعار بنایا) اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ابن عمرؓ کے حوالے سے نقل کی ہے عن ابن عمر انه قيل له كيف كان يعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يدير كور العمامة على رأسه ويغرزها من ورائه ويرخى لها ذؤابة بين كتفيه (مناوی ص ۲۰۶) (حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان کو کہا گیا کہ حضورﷺ کیسے پگڑی باندھا کرتے تو ابن عمرؓ نے کہا کہ پگڑی کے پلّو سر کے اردگرد لپیٹ اور گھما کر پیچھے باندھ دیتے اور اس کا شملہ کندھوں کے درمیان لٹا دیتے)

شملہ کی مقدار:

باقی رہی مقدار شملہ کی بات تو شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں واقل ما ورد فى طولها اربع اصابع واكثر ما ورد فيه ذراع وبينهما شبر و يحرم افحاشها بقصد الخيلاء (مواهب ص ۱۰۱) (شملہ کی مقدار میں کم از کم لمبائی چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ وارد ہوئی ہے اور درمیانی مقدار

ایک بالشت اوراس سے انتہائی زیادہ بطور تکبر کے رکھنا حرام ہے)

(۱۱۳/۵) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اَبُوسُلَيْمَانَ وَهُوَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيلِ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم خطب الناس وعليه عِصَابَةٌ دَسْمَآءُ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یوسف بن عیسٰی نے یہ روایت بیان کی ان کو وکیع نے اور انہیں ابوسلیمان نے یہ حدیث بیان کی جن کا نام عبدالرحمٰن بن غسیل ہے وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا یا چکنی پٹی تھی۔

راوی حدیث (۳۰۱) ابوسلمان بن عبدالرحمٰن بن الغسیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ:

خطب الناس وعليه عصابة دسماء۔ محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ مرض الوفات کے وقت تھا اور آخری خطبہ مبارک تھا هذه الخطبة وقعت فی مرض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الذی توفیٰ فيه (اتحافات ص ۱۵۹) (اور یہ خطبہ آپؐ نے مرض وفات ہی میں دیا تھا) ولم یصعد المنبر بعد ذلک (مواهب ص ۱۰۱) (اور اس کے بعد منبر پر نہیں بیٹھے (یعنی پھر خطبہ نہیں دیا) اس خطبہ مبارک میں آپؐ نے انصار کی مراعات کا خاص طور سے ذکر فرمایا ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور ارشاد فرمایا ايها الناس ان الناس يكثرون ويقل الانصار حتیٰ يكونوا كالملح فی الطعام فمن ولی منكم امراً يضر فيه احدا وينفعه فليقبل مِن محسنهم وليتجاوز عن مسيئهم ..فصعدا لمنبر ولم يصعد بعد ذلک اليوم (جمع ص ۲۰۹) (اے لوگو! بے شک لوگ (مسلمان) بڑھ رہے ہیں اور قبیلہ انصار (کے لوگ) کم ہوتے جا رہے ہیں اتنے تک کہ وہ کھانے میں مثل نمک ہو

جائیں گے۔ پس تم میں سے جو کسی امر (امور نافعہ یا ضارہ) کا حاکم اور والی بنایا جائے تو انصار میں محسنین کی قدر دانی کرے اور ان میں غلطی کرنے والوں سے درگزر فرمائے اس وقت حضور علیہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس دن کے بعد منبر پر پھر نہیں بیٹھے)

عصابة دسماء :

اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد تھا اسلئے پٹی کا باندھنا بھی موجہ ہے بعض روایات میں عمامہ کا لفظ آیا ہے العصابة والعمامة بمعنیً (اتحافات ص ۱۵۹) (عصابہ اور عمامہ ایک ہی معنیٰ میں ہیں) دسماء کا معنیٰ سوداء ہے کما فی نسخة وقیل معنیٰ الدسماء الملطخة بالدسم لانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یکثر مِن دهن شعره فاصابتها الدسومة مِن الشعر (مواهب ص ۱۰۱) (دسماء کا معنیٰ سیاہ ہے جیسے کہ ایک نسخہ میں یہ ہے اور بعض نے کہا کہ دسماء کا معنیٰ جو چکنائی کے ساتھ مخلوط ہو۔ اس لئے کہ نبی کریم علیہ اپنے بالوں مبارک میں تیل زیادہ لگاتے تھے تو پگڑی وغیرہ کو بھی بالوں کی چکنائی پہنچ جاتی تھی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر تیل لگانے کا معمول تھا اور تیل زیادہ استعمال فرمایا کرتے تھے لہذا پٹی کا یا عصابة کا تیل آلود ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اور اگر مراد سیاہ عمامہ لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ اس میں کسی قسم کا بعد نہیں کہ یہ آپؐ کی عادت مبارک تھی خلاصہ یہ کہ علماء کی اس میں دو آراء ہیں بعض نے یہاں سیاہ عمامہ مراد لیا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظاً دونوں محتمل ہیں اور معمول بھی دونوں کے مطابق ہے۔

==

باب ماجاء فی صفة اِزار رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کے بیان میں

ازار کا معنیٰ وتشریح:

الازار ' ازر سے ماخوذ ہے ازر کا معنیٰ مضبوطی سے باندھنا' ازار بروزن فعال بمعنیٰ مفعول کے ہے یعنی مایؤتزر بہ ' پھر اس سے چادر مراد لی گئی پھر اس کی مزید تخصیص کی گئی یعنی ہر وہ چیز جو اسفلِ بدن پر باندھی جائے اسے ازار کہتے ہیں ازار کا لغوی ترجمہ تہبند ہے جس کا لغۃً اطلاق ازار اور سراویل دونوں پر آتا ہے مگر عرب کی عادت تہبند کے استعمال کی تھی جو سلا ہوا نہ ہوتا تھا اسلئے اب مراد فقط تہبند ہی ہے الازار: الملحفة والمراد هنا ما يستر اسفل البدن ويقابله الرداء وهو ما يستر اعلى البدن (اتحافات ص ۱۶۱) (ازار اور ملحفہ سے یہاں مراد ہر وہ چیز جو بدن کے نچلے حصہ کو ڈھانپے اور اس کے مقابل رداء ہے یعنی ہر وہ چیز جو بدن کے اوپر حصہ کو چھپائے) ترجمۃ الباب میں الرداء کو حذف کردیا گیا من باب الاکتفاء کقوله تعالیٰ سرابيل تقيكم الحر ای والبرد (جمع ص ۲۱۰) (الاکتفاء کے قبیل سے ہوا (یعنی ایک چیز کو ذکر کیا جائے اور اس کا مقابل بھی ساتھ مراد ہو) جیسے کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں کہ "سرابيل تقيكم الحر" کا ذکر کر کے اس کا مقابل برد بھی ساتھ مراد ہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

اس باب میں چار احادیث مذکور ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند باندھنے اور صحابہؓ کا آپؐ کی کامل اتباع کا بیان ہے۔ سراویل اگرچہ استر للبدن (بدن کو زیادہ چھپانے والا

) ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا بھی ثابت ہے اور پسند کرنا بھی حتی کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی سراویل موجود تھی۔ مگر محققین حضرات کی رائے یہ ہے کہ قوی احادیث میں پہننا مصرّح نہیں ہے علامہ بیجوریؒ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ راجح قول پہننے کا عدم ثبوت ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے سراویل خریدی ہے اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لئے خریدی ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث میں آپؐ کے سراویل پہننے کا ذکر بھی آیا ہے جبکہ حضراتِ صحابہ کرامؓ تو آپؐ کی اجازت سے باقاعدہ پہنتے تھے اور صحابہؓ کا پہننا ثابت ہے (زادالمعاد ج ۱ ص ۵۱)

حضرت ابوامامۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہود سراویل پہنتے ہیں اور تہبند نہیں پہنتے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی مخالفت کرو سراویل بھی پہنو اور ازار بھی، دونوں چیزیں استعمال کیا کرو تا کہ نہ تو یہودیوں کی بالکل موافقت رہے اور نہ بالکل مخالفت۔ نیل الاوطار میں حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ کبھی سراویل بھی پہنتے ہیں آپؐ نے فرمایا پہنتا ہوں مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے اس سے زیادہ پردہ دوسری چیز میں نہیں ہے تاہم محدثینؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ازارورداء کا طول وعرض:

بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تہبند باندھنے کا تھا اور چادر اوڑھنے کا، اور سراویل بھی پسند تھی لہذا شرعاً تہبند اور سراویل دونوں کا استعمال جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن جوزیؒ نے الوفاء میں عروۃ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدسؐ کے رداء کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی طول رداء رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ اذرع وعرضہ ذراعان ونصف اور واقدیؒ سے ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے کہ چھ ہاتھ لمبی، تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی تھی عن الواقدی ان طولہ ستۃ اذرع فی ثلاثۃ اذرع وشبر جبکہ تہبند مبارک چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا

واما ازارہ فطولہ اربعۃ اذرع و شبر فی ذراعین .(مواھب ۱۰۲) اور احادیث میں

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حلة حمراء کے پہننے کا جوتذکرہ آتا ہے اس سے مراد بھی ازاراوررداء ہے والحلة ازار ورداء ولا تكون الحلة الا اسماللثوبين معاً (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۱) (اورحلّہ (جوڑا) تہبنداور چادر ہے اور دراصل حلّہ دو کپڑوں کے مجموعہ ہی کا نام ہوتا ہے)

(۱۱۴/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ هٰذَيْنِ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراھیم نے بیان کی۔ ان کو ایوب نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حمید بن ہلال سے اخذ کی اور ان تک یہ حدیث ابو بردہ (سے ان کے باپ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعریؓ) کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھلائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔

راویان حدیث (۳۰۲) حمید بن ھلالؒ (۳۰۳) ابو بردہؒ اور (۳۰۴) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیوند لگی چادر اور درشت کپڑے کا تہبند:

اخرجت الینا عائشةؓ کسآءً ملبداوازاراً غلیظاً باب کی اس پہلی حدیث میں دو چیزیں مذکور ہیں کہ سیدہ عائشہؓ نے آپؐ کے وفات کے بعد حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو دو چیزوں کی زیارت کرائی۔

(۱) کسآءً ملبدا یعنی پیوند شدہ کمبل یا چادر یہاں کسآء بمعنیٰ مکسوء کے ہے یعنی پہنی ہوئی چیز' تاہم محاورات میں معمولی کپڑے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کساء بکسر اوله وهو ما يستر اعلى البدن ضد الازار وجمعه اکسية (مناوی ص ۲۱۰) (کساء (شروع لفظ کے کسرہ کے ساتھ) کا معنیٰ جو بدن کے اوپر حصہ کو ڈھانپے اور جو ازار کا مقابل ہے اور اس کی جمع اکسیة آتی ہے) ملبداً تلبید سے

ہے پیوند لگے ہوئے کپڑے' عرب کہتے ہیں لبدت القمیص البدہ یا لبدتہ میں نے قمیص میں پیوند لگائے جس ٹکڑے سے قمیص کے سامنے کا حصہ پیوند کرتے ہیں اسے لبدہ کہتے ہیں پشت پر جو چیتھڑا لگاتے ہیں اسے قبیلہ کہتے ہیں وقیل التلبید جعل بعضہ ملتزقا بعض : ملبداً ای مرقعا (جمع ص ۲۱۰) (اور بعض کہتے ہیں کہ تلبید کا معنیٰ کپڑے کے بعض ٹکڑوں کو بعض سے لگانا ملبداً کا معنیٰ ٹکڑے لگا ہوا) وقیل ھو الذی ثخن وسطہ حتی صار کاللبد (مواھب ص ۱۰۲) (اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جس کا درمیان سخت ہو مثل ٹاٹ وغیرہ کے) (۲) دوسری چیز ازاراً غلیظاً یعنی موٹی قسم کا تہبند تھا' غلیظاً' غلظۃ سے ہے' بمعنیٰ سخت ہونے' موٹا ہونے اور درشت ہونے کے ہیں ای خشناً (مواھب ص ۱۰۲) (یعنی کھردرا) وزاد البخاری تعلیقاً مما یصنع بالیمن (مناوی ص ۱۰۲) (اور امام بخاریؒ نے تعلیقاً یہ زیادتی بیان کی کہ وہ یمن میں تیار کیا جاتا تھا)۔

سیدہ عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں چیزیں جن میں آپؐ نے وصال فرمایا بطور تبرک کے اپنے پاس رکھی تھیں لا جل التبرک بھما (مواھب ص ۱۰۲) نیز آپ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طیالسی جبہ بھی محفوظ تھا جسے آپؐ پہنا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو یہ تبرکات ان کی بہن حضرت اسماءؓ کے پاس منتقل ہوئے۔ فکانت عندھا تستشفی بھا المرضیٰ کما اخبرت بذالک اسماء فی حدیثھا فی مسلم (مواھب ص ۱۰۲) (وہ حضرت اسماءؓ کے پاس تھے ان کے ساتھ بیماروں کے لئے طلبِ شفا کی جاتی تھی جیسے کہ مسلم کی حدیث میں حضرت اسماءؓ نے اس کی خبر دی ہے) حدیث میں لفظِ اخرجت آیا ہے یا تو اہتمام کے لئے خود دکھایا یا پھر ان لوگوں کی درخواست پر کسی کے ذریعہ زیارت کرائی ای اما بنفسھا او بامرھا (جمع ص ۲۱۰) (یعنی یا تو خود حضرت اسماءؓ دکھانے لائی یا کسی نے دکھانے کے متعلق کہا)

پیوند لگی چادر اور ازارِ غلیظ کے اختیار فرمانے کی توجیہات:

فقالت قبض روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین حضراتِ محدثینؒ نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان کی ہیں (۱) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلّف نہ فرماتے تھے بعض لوگوں کے ہاں

موت کے وقت بھی عمدہ لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ روح نکلنا بھی عمدہ لباس میں ہو۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وفیہ انہ ینبغی للانسان ان یجعل آخر عمرہ محلًا لترک الزینة وان یرکن للعیش الخشن (مناوی ص ۲۱۱) (اورحدیث میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ اپنی آخر عمر میں ترک زینت کرتا رہے اوراس کا رجحان (سادگی اور ذرا تنگ عیش زندگی کی طرف ہو)

(۲) حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں یہ دعا کی تھی اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکیناً اورآپؐ کاان دو پیوندلگی اور درشت چادروں میں قبض روح اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھااجابةً لدعائه مراراً اللھم احینی مسکیناً ... (جمع ص ۲۱۱) (یہ حضور ﷺ کی اس دعا کی قبولیت ہے جو آپؐ بارہا کیا کرتے کہ اے اللہ مجھے زندگی میں مسکین رکھ اور میری موت بھی مسکینیت میں ہو اور مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھائیں)۔

(۳) وصال کے وقت ایسے کپڑوں کا استعمال غایتِ درجہ کی تواضع وعبدیت پرحمل کیا جاسکتا ہے جیسے کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ای تواضعاً وانکساراً وعبودیةً وافتقاراً (یعنی تواضع انکساری، عاجزی ،عبودیت اور احتیاج کے لئے) حالانکہ فتوحات کے دروازے کھل چکے تھے وسعت بھی آ گئی تھی اسلامی ریاست بھی قائم ہوچکی تھی خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کے مالی حالات بھی مستحکم ہو گئے تھے پھر فتح مکہ کے بعد دوسرے ممالک سے ہدایا اور سلاطین سے تحائف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا مگر آپؐ کا وہی حال رہا جو پہلے تھا اور یہ حال اختیاری تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں اوراس نوع کی تمام احادیث کا مدلول یہ ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی لذات اور تنعمات سے اعراض تھا' باریک عمدہ کپڑا ابسا اوقات عجب غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے جبکہ موٹا سادہ اور فقیرانہ لباس تواضع وانکسار اور عبدیّت کا باعث بنتا ہے اس لئے تو حضور ﷺ نے ان دو (پیوند لگی چادر اور موٹا تہبند) کا پہننا پسند فرمایا قال النووی ھذا الحدیث وامثاله یبین ما کان علیه صلی اللہ علیه وسلم مِن الزھادة فی الدنیا ولذاتھا والاعراض عن اغراضھا وشھواتھا حیث اختار لبسھما (جمع ص ۲۱۱)

(۴) وفیہ دلیل علی ان الفقیر الصابر افضل مِن الغنی الشاکر (جمع ص ۲۱۱) (اور اس میں دلیل ہے کہ فقیرِ صابر درجہ اور مرتبہ میں غنیِ شاکر سے بڑا اور افضل ہے) بعض بدنصیب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں غنی اور مالدار ہو گئے تھے حکومت قائم ہوئی تو دنیادار ہو گئے اور عیش و تنعّم میں رہنے لگے اس حدیث میں ان پر کھلا رد ہے یہ بجا ہے کہ اسلامی ریاست قائم ہوئی فتوحات کے دروازے کھلے مگر آپ ؐ کا حال وہی تھا جو پہلے تھا نعم ظھر لہ الملک والغنیٰ ولکن اختار الفقر والفناء لیکون متبعا لجمھور الانبیاء ومتبعاً لخلاصۃ الاولیاء والاصفیاء (جمع ص ۲۱۱) (ہاں اسلامی مملکت اور مالداری کے حصول کے باوجود آپ ؐ نے فقیرانہ، زاہدانہ زندگی کو اس لئے پسند اور اختیار فرمایا تاکہ انبیاء کرام کے اسوۂ حسنہ کی تو تابعداری کرنے والے اور اولیاءِ کرام کے لئے متبع ومقتدا بنیں)

تبرک بآثار الصالحین :

شیخ عبدالرؤف ؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آثار الصالحین اور ان کے ملبوسات وسامان سے تبرک حاصل کرنا مندوب ہے وفی الحدیث ندب حفظ آثار الصالحین والتبرک بھا من ثیابھم ومتاعھم (مناوی ص ۲۱۱) چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر مبارک اور تہبند مبارک کو بطور تبرک کے محفوظ رکھا جس میں آپ ؐ کا وصال ہوا تھا فرمایا کہ ان کے پاس ایک طیالسی جبہ بھی تھا جسے آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا تھا اس کے گریبان پر ریشم کا کام ہوا تھا فکانت عندھا یستشفی المریض بھا کما اخبرت بذالک اسماء فی حدیثھا فی مسلم (مناوی ص ۲۱۱) (وہ حضرت عائشہ ؓ کے پاس تھا مریض اور بیمار لوگ اس کے وسیلہ سے اپنی شفا طلب کرتے جیسے کہ حضرت اسماء ؓ سے اس کی خبر مسلم شریف میں منقول ہے)

(۲/۱۱۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ شُعْبَۃَ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّتِیْ تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّھَا قَالَ بَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِیْ یَقُوْلُ ارْفَعْ

اِزَارَکَ فَاِنَّهٗ اَتْقٰی وَاَبْقٰی فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هِيَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ اَمَالَکَ فِيَّ اُسْوَةٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُهٗ اِلٰی نِصْفِ سَاقَيْهِ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ ان کو اس روایت کی خبر ابوداؤد نے کی۔ انہوں نے شعبہ سے اور پھر انہوں نے اشعث بن سُلیم کے حوالے سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے یہ روایت ان کے چچا کے حوالے سے اخذ کی (ان کا نام عبید بن خالد تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ کہ اس سے نجاست ظاہری وباطنی تکبر وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ ایک معمولی سی چادر ہے اس میں کیا تکبر ہوسکتا ہے اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم از کم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کو دیکھا تو نصف ساق تک تھی۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قال بينما ان امشي با لمدينة الخ امشي مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے استحضاراً للحال الماضية (جمع ص ۲۱۱) (گذشتہ حال کے استحضار کے لئے) لفظ با بمعنیٰ فی کے ہے كما في بعض النسخ (مواهب ص ۱۰۳) (جیسے کہ بعض نسخ شمائل میں (باء کے بجائے فی ہے) یعنی بينما امشي في المدينة) اذا انسان خلفي يقول الخ اذا مفاجاة کے لئے ہے کسی شخص نے مجھے پیچھے سے آواز دی حين رآني مسبلاً ازاري وغافلاً عن حسن شعاري (جمع ص ۲۱۲) (جس وقت آپؐ نے مجھے دیکھا کہ میں اپنے تہبند کو (ٹخنوں) سے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں اور میں اسے اپنا اچھا شعار بنانے سے غافل تھا) ارفع ازارک یعنی زمین سے تہبند کو اوپر کرو فانه اتقیٰ وابقیٰ کہ ایسا کرنے میں تقویٰ بھی ہے تحفظ وبقا بھی، تقویٰ تو اس لئے کہ اس سے کبر، خیلاء، عجب، ریا اور خود پسندی کی نفی ہوتی ہے۔ للبعد عن

الکبر والخیلاء (مواھب ص ۱۰۳) (بعض نسخوں میں انقی مذکور ہے جو النقاء سے ہے ای انظف مِن الوسخِ (جمع ص ۲۱۲) (یعنی کہ میل کچیل سے صاف ستھرا ہوگا) ابقیٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ تہبند دیر تک چلے گا اور اگر زمین پر گھسٹتا رہا تو جلدی پھٹ جائے گا نصف ساقین تک ازار رکھنا یہ تقویٰ کے مطابق ہے اخروی فائدہ ہوا اور ازار کے پاؤں کے نیچے آنے سے بچنے میں تحفظ دنیوی کا فائدہ ہے یہ انقی ہوا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اپنے کپڑوں کی حفاظت' صفائی اور ان کی دیکھ بھال پر توجہ دینی چاہئے لان اھماله تضییع واسراف (مواھب ص ۱۰۳) (اس لئے کہ اس کو ویسے مہمل چھوڑ دینے میں اسراف اور کپڑے کا ضیاع ہے)

بردة ملحاء :

فالتفت فاذا ھو رسول اللّٰہ صلیٰ اللّٰہ علیه وسلم فقلت یارسول اللّٰہ انما ھی بردة ملحاء ۔یعنی میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ای نظرت الی ورائی (جمع ص ۲۱۲)

تو اچانک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے راوی کہتے ہیں کہ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں عرض کیا ھی بردة ملحاء .ملحاء املح کی تانیث ہے۔

(۱) والملحة (بالضم) بیاض یخالطه سواد (جمع ص ۲۱۲) (اور الملحة (میم کے ضمہ کے ساتھ) ایسی سفیدی جس کے ساتھ سیاہی (کالے پن) کی ملاوٹ ہو) کو کہتے ہیں (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ملحاء سفید اور کالی دھاریوں والے کپڑے کو کہتے ہیں (۳) وقیل مافیه البیاض اغلب (جمع ص ۲۱۲) (اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں سفیدی غالب ہو) صحابی کی غرض یہ تھی کہ معمولی سی چادر ہے اگر اس کا پلو نیچے لگ بھی جائے تو بظاہر کوئی حرج نہیں لا خیلاء فیھا وان امر بقائھا ونقائھا سھل (جمع ص ۲۱۳) (اس میں تکبر اور فخر والی بات نہیں۔ باقی رہا اس کے تحفظ بقاء اور صفائی کا معاملہ تو یہ آسان ہے) اور ایک معنیٰ یہ بھی محتمل ہے کہ یہ تو دھاریدار خوشنما چادر ہے ہم اسے شوق سے پہنتے ہیں اگر یہ نیچے گھسٹ بھی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں والمراد به بردة سوداء فیھا خطوط بیض یلبسھا الاعراب لیست مِن

الثیاب الفاخرۃ (مواھب ص ۱۰۳) پھر یہ ایسا کپڑا بھی نہیں جس کو خصوصی محفلوں میں اہتمام سے پہنا جائے انما ھو ثوب مھنۃ لاثوب زینۃ (مواھب ص ۱۰۳) (بیشک وہ تو محنت ومزدوری میں استعمال کا کپڑا ہے نہ کہ زینت وغیرہ کے لئے)۔

امالک فیّ اسوۃ :

امالک فیّ اسوۃ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے لئے میرا نمونہ کافی نہیں ہے اور کیا میرے طرز عمل میں تیرے لئے نمونہ نہیں ہے اسوۃ بمعنیٰ قدوۃ اور متابعت کے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنے کیئے کی توجیہ بیان کر رہے ہو اور جوازِ فعل کے لئے سند ڈھونڈ رہے ہو یہاں یہ بات نہیں چلے گی اللہ پاک کا صریح حکم ہے لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ (کے اقوال وافعال) میں بہترین نمونہ ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما (جو شخص کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے تو وہ بڑی کامیابی سے فیض یاب ہوا) اور یہ بھی فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ۔ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے (درحقیقت) اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند باندھنے میں فقط میری ہی اتباع کرو اور بس۔

تہبند کا شرعی طریقہ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں نصفِ ساقین تک ازار کا اسبال مستحب ہے نصفِ ساقین سے کعبین تک بلا کراہت جائز ہے اور جو کعبین پر لٹکا دیا جائے اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے فان کان للخیلاء فممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیہ (جمع ص ۲۱۵) وفی معنی الازار القمیص وکل ملبوس واما المرأۃ فیسن لھا جرہ علی الارض قدر شبر و اکثرہ ذراع (مواھب ص ۱۰۳) (اور تہبند کے حکم میں قمیص اور ہر ملبوس ہے اور عورت کے لئے (قمیص اور ازار وغیرہ میں) ایک بالشت کی مقدار کا زمین پر کھینچ کے چلنا سنت ہے اور زیادہ ایک ہاتھ تک)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وینبغی ان یعلم ان فی معنی الازار القمیص وسائر الملبوسات وانما خص

الازار بالذكر بناء على القضية الاتفاقية او خرج الكلام مخرج الغالب فان غالب ملبوساتهم كان ازاراً (جمع ص ۲۱۵)(اور یہ بھی معلوم کرنا مناسب ہے کہ تہبند کے حکم میں قمیص اور باقی سب ملبوسات ہیں باقی حدیث شریف میں تہبند کی تخصیص یا تو ویسے اتفاقی ہے یا پھر ان کی عام عادات کے مطابق کلام استعمال کیا گیا کیونکہ ان کی غالب ملبوسات تہبند ہی ہوتے تھے) كما قال النبي صلى الله عليه وسلم الاسبال في الازار والقميص والعمامة من جرّ منها شيئًا لم ينظر الله اليه يوم القيامة (مشكوٰة ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسبال (شرعی حد سے زیادہ لٹکانا) تہبند قمیص اور پگڑی میں ہے۔ جو کوئی شخص ان میں حدود شرعی سے زیادہ لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماویں گے)۔

خواص کے لئے حضرت مدنیؒ کی تنبیہ:

خلاصہ یہ کہ تہبند کو ٹخنوں پر لٹکانا گناہ ہے مگر آج عوام تو عوام خواص بھی اسی میں مبتلا ہیں بعض اہل علم تو تاویلات بھی کرتے ہیں اور جواز کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں اور خلاف سنت فعل کو مستحسن ثابت کرتے ہیں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے کہ جب حضرت امام مالکؒ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ نظافت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمیشہ خوش پوشاک رہتے ہیں قیمتی اور عمدہ لباس پہنتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نفعل ونستغفر، یعنی ہم یہ کام کرتے بھی ہیں اور اس سے استغفار بھی پڑھتے ہیں تاویل کا سہارا لیکر نفس کو اترانے سے بچایا نہ یہ کہ ایک تو گناہ کرنا دوسرا اس کے لئے سندِ جواز ثابت کرنا تو دوہرا گناہ ہے اللہ پاک سب کی حفاظت فرماوے۔ ویسے تو صاف ستھرے عمدہ لباس کو (جبکہ اس میں ارتکاب گناہ نہ ہو) بہت سے مشائخ اور اکابر نے پسند فرمایا ہے بلکہ جس کی توفیق ہو اور استعمال نہ کرے تو آپؐ نے اس کے متعلق فرمایا کہ فاذا اتاک الله مالاً فلير اثر نعمة الله عليک و كرامته (مشكوٰة ص ۳۷۵) (جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال ودولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کی نعمت واحسان کا اپنے اوپر کچھ اظہار بھی کرنا چاہئے)۔

(۳/۱۱۶) حَدَّثَنَا سُوَيْدُبْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ مُوْسَی بْنِ عُبَیْدَةَ عَنْ اِیَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ عُثْمَانُ یَأْتَزِرُ اِلیٰ اَنْصَافِ سَاقَیْهِ وَقَالَ هٰکَذَا کَانَتْ اِزْرَةُ صَاحِبِیْ یَعْنِیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن نصر نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے موسیٰ بن عبیدۃ کے واسطہ سے بیان کی انہوں نے یہ روایت ایاس بن سلمۃ بن اکوع سے ان کے باپ کے حوالے سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی۔

راویان حدیث (۳۰۵) موسیٰ بن عبیدۃؒ اور (۳۰۶) ایاس بن سلمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمانؓ کا اہتمامِ سنت :

کان عثمان یأتزر الی انصاف ساقیه یعنی حضرت عثمانؓ اپنا تہبند پنڈلیوں کے نصف تک لٹکایا کرتے تھے والساق مابین الرکبة والقدم (مواهب ص ۱۰۳) (اور ''پنڈلی'' گھٹنے اور قدم کے درمیانی جگہ ہے) یأتزر ای یلبس الازار ویرخیه (جمع ص ۲۱۳) (یأتزر یعنی تہبند پہنتے اور اس کو لٹکاتے تھے) جمع سے مافوق الواحد مراد ہے بقرینتما اضیف الیه وقیل فی جمع الانصاف اشارة الی التوسعة (جمع ص ۲۱۳) (بوجہ قرینے مضاف الیہ (یعنی ساقیہ) کے اور بعض نے اس کا استعمال بطور توسع کے (غیر جمع کے لئے) کیا ہے) پھر اس کی توجیہ بیان فرماتے هکذا کانت ازرة صاحبی ۔(کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں) کہ اسی ہیئت وشکل پر میرے (محبوب ساتھی حضورﷺ) کی لنگی تھی)۔

خلفاء راشدین کا طریقہ بھی سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی ۔(تمہارے اوپر میری سنت (طریقہ) اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے) حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت کو محفوظ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قال مااسفل مِن الکعبین من الازار فی النار (جمع ص ۲۱۵) (کہ تہبند کا ٹخنوں کے نیچے کا حصہ آگ میں ہوگا) حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؒ سے تہبند کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تم نے بڑے واقف کار سے سوال کیا میرے پیغمبر نے فرمایا کہ مسلمانوں کا تہبند نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے اس کے نیچے ٹخنوں تک ہوتو کچھ مضائقہ نہیں لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ تہبند کا لٹکے گا وہ آگ میں جائے گا اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے (ابوداؤد)

(۴/۱۱۷) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ اَخْبَرَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَیْرٍ عَنْ حُذَیْفَۃَ بْنِ الْیَمَانِ قَالَ اَخَذَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَۃِ سَاقِیْ اَوْ سَاقِہٖ فَقَالَ ھٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ فَاِنْ اَبَیْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَیْتَ فَلَا حَقَّ لِلْاِزَارِ فِی الْکَعْبَیْنِ .

ترجمہ ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ یہ روایت نے بیان کی ۔ انہوں نے اس روایت کی خبر ابوالاحوص سے انکے باپ (ابی اسحٰق) کے حوالے سے دی ۔ انہوں نے مسلم بن نذیر سے اخذ کی اور انہوں نے حذیفہ بن یمانؓ سے سنی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہوتو اس سے کچھ نیچے سہی اگر اس پر بھی قناعت نہ ہوتو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں لہذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے ۔

راویانِ حدیث (۳۰۷) مسلم بن نذیرؒ اور (۳۰۸) حذیفہ بن الیمانؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

عضلۃ کا معنیٰ وتشریح:

اخذ بعضلۃ ساقی اوساقہ الخ عضلۃ : طلحۃ کے وزن پر ہے ہر اس پٹھے کو کہتے ہیں جو گوشت سے پُر ہو کل لحمۃ مجتمعۃ فی عصب (جمع ص ۲۱۴) کو کہتے ہیں وھی ھنا اللحمۃ المجتمعۃ اسفل مِن الرکبۃ مِن مؤخر الساق (جمع ص ۲۱۴) (اور اس (عضلہ) سے مراد یہاں وہ پُر گوشت پٹھا جو گھٹنے

سے نیچے پنڈلی کا آخری حصہ)لفظِ او کا مدلول شک حذیفہ کونہیں بلکہ حذیفہ کے بعدوالے راوی کو ہے کیونکہ بعض نسخوں میں اخـذ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اسفل مِن عضلة ساقی (کہ نبی کریم ﷺ نے میری پنڈلی کے نچلے پُر گوشت حصہ کو پکڑا) منقول ہے بغیر شک کے ملاعلی قاریؒ نے جمع الوسائل ص ۲۱۴ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

موضع الازار :

فـقـال هذا موضع الازار یعنی تہبند باندھنے کا یہ مقام ہے ای طـرفـه اونهـاية موضع الازار (مناوی ص ۲۱۴) ای هـذا مـحل موضع طرف الازار فهو علی تقدير مضاف (مواهب ص ۱۰۴) (یعنی یہ جگہ تہبند کے پلّو کا محل ہے پس یہ عبارت بصورت تقدیر مضاف (طرف) ہے) فان ابیت ... اگر تم کو اس قدر اونچا تہبند باندھنا پسند نہ ہو ای امتنعت مِن قبول النصيحة المتضمنة للعمل بالاكمل والا فضل واردت التجاوز عن العضلة فاسفل (یعنی اگر تو ایسی نصیحت کا انکار کرتا ہے جو اکمل اور افضل صورت پر عمل کو متضمن ہے اور تیرا ارادہ (حضورؐ کی بتائی ہوئی جگہ سے) تجاوز کرنا ہے تو پھر ذرا اسی سے نیچے سہی) یعنی عضلة سے نیچے کی پنڈی بھی اس کا موضع ومقام ہے کعبین کے قریب تک فان ابیت . اگر اس سے بھی انکار ہو اور طریقہ مسنون سے تجاوز ہو تو پھر خیلاء ہے تکبر ہے غرور ہے اور سنت کی مخالفت ہے فلاحق للازار فی الكعبين ای فی وصوله اليهما والمعنیٰ اذا جاوز الازار الكعبين فقد خالفت السنة . (جمع ص ۲۱۴) (تو تہبند کا ٹخنوں میں کوئی حق نہیں یعنی تہبند کو ٹخنوں تک پہنچانے کا مطلب یہ نکلا کہ جب تہبند ٹخنوں سے متجاوز ہو تو پھر آپ نے سنت کی مخالفت کی)

یہ بات بھی عرض کی جا چکی ہے کہ علماء کرام نے ضرورت کو اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے ٹخنے میں پھوڑا پھنسی ہو یا پاؤں میں اور مکھی وغیرہ بیٹھتی ہو یا گردوغبار کا اندیشہ ہو تو بغرض حفاظت وضرورت ازار کا لٹکانا جائز ہے۔ کمااذن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لعبدالرحمٰن بن عوف والزبير بن العوام فی لبس قميص الحرير من اجل حكة كانت بها رواه البخاری (جمع ص ۲۱۴، مشکوۃ ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت بوجہ

اس کھجلی (خارش) کے جوان دونوں میں تھی)

خلاصہ بحث:

علامہ ملاعلی قاریؒ قاضی عیاض اور عراقی سے نقل کرتے ہیں وقد نقل القاضی عیاض کراھة کل مازاد علی العادة من الطول والسعة وتبعه الطبری وقال العراقی حدث للناس اصطلاح وصار لکل صنف من الخلائق شعار یعرفونه به فمهما کان ذلک بطریق الخیلاء فلا شک فی تحریمه وما کان علی سبیل العادة فلا یجری النهی فیه مالم یصل الی حد الاسراف المنموم (جمع ص ۲۱۶) (اور تحقیق قاضی عیاضؒ نے ہر اس لباس کی جو عام (لوگوں کی) عادت سے طول وعرض میں زیادہ ہو کراہت نقل کی ہے اور امام طبریؒ نے بھی اس سلسلہ میں ان کی اتباع کی ہے اور علامہ عراقیؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی لباس کے سلسلہ میں ایک اصطلاح اور عادت بن چکی ہے اور ہر ایک قوم اپنے طور وطریق کے مطابق اسے اپنا شعار بنائے ہوتی ہے پس جب کبھی یہ بطور فخر وریاء اور تکبر کے ہو تو اس کی حرمت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ البتہ جو بطورِ عادت کے استعمال ہوتا ہے تو اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت نہیں ہے اگر وہ اسرافِ مذموم کی حد تک نہ پہنچا ہو)۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت پسندی :

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی طھارت ونظافت کو پسند فرماتے تھے اور امت کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے آپؐ کی اسی طبیعت اور صفائی پسندی کا اثر تھا کہ آپؐ کا کپڑا میلا نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ آپؐ کے کپڑے میں کبھی بھی جوئیں نہیں پڑیں ان ثوبه لا یقمل (مناوی ص ۲۱۶)

ملاعلی قاریؒ نے بھی لکھا ہے ومن خواصه ان ثوبه لم یقمل (جمع ص ۲۱۶) (حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کے کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کبھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھی اور نہ کبھی مچھر نے آپ کو کاٹا ان الذباب لم یقع علی ثوبه قط ولا یمص دمه البعوض (مناوی ص ۲۱۶)

==========

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مِشْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس ﷺ کی رفتار مبارک کا تذکرہ

خوبیٔ رفتار :

مشیة ! مشی مصدر ہے، بمعنی گزرنے اور چلنے کے آتا ہے۔ بروزنِ فِعلة ، جیسے سدرة، کیفیت اور حالت کی ترجمانی کرتا ہے۔ما یعتاده الانسان من المشی و قیل هیئة المشی (مناوی ص۲۱۶)(علامہ مناویؒ مشیة کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو عام طور پر انسان چلتے رہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ چلنے اور رفتار کی ہیئت اور شکل کو مشیة کہتے ہیں) ویسے تو حلیہ مُبارک کی روایات میں آپؐ کی رفتار مبارک کا ذکر تبعاً آچکا ہے، مگر اس ترجمة الباب کے انعقاد کی وجہ آپؐ کی رفتار کی کیفیت (ہلکی، درمیانی یا تیز) اور اس کی حسن وخوبی کا مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے .... ؎

عالم ہمہ یغمائے تو، خلقِ جہاں شیدائے تو
آن نرگسِ شہلائے تو، آوردہ رسم دلبری

(حاصل ترجمہ : سارا جہان آپؐ کے طفیل سے وجود میں آیا تمام مخلوق آپؐ پر فدا ہوتی ہے آپؐ کی خوبصورت نرگسی آنکھوں سے دنیا میں دلبری کی رسم قائم ہوئی ہے)

فارسی کے اس شعر کا گویا اردو کا یہ شعر ترجمہ ہے .... ؎

ساری دنیا مصطفیٰؐ کو دیکھ کر حیران ہے
کیسے ہوگا وہ مصوّر جس کی یہ تصویر ہے

(۱/۱۱۸) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِىْ يُوْنُسَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَارَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِهٖ وَمَارَاَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِىْ مِشْيَتِهٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوىٰ لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے استاذ قتیبۃ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابن لہیعۃ نے ابی یونس کے واسطہ سے دی اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کی۔

ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، (چمک اور روشنی چہرہ مبارک پر اس قدر تھی) گویا کہ آفتاب آپؐ ہی کے چہرے میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپؐ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، زمین گویا لپٹی جاتی تھی (کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں) ہم لوگ آپؐ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپؐ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔

راویان حدیث (۳۰۹) ابن لہیعہؒ (۳۱۰) ابو یونسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حسنِ کامل :

مارأیت شیئًا احسن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ، رأیت بمعنی علمت اور ابصرت کے ہے والاول ابلغ (مناوی ص ۲۱۷) (حدیث میں لفظ رائیت یا تو بمعنی علمت (میں نے پہچانا) یا بمعنی ابصرت (میں نے دیکھا) کے ہے اور پہلا معنی زیادہ فصیح و بلیغ ہے) شیخ بیجوریؒ بھی لکھتے ہیں ۔ورأی اماعلمیة و امابصریة والاول ابلغ (مواهب ص ۱۰۴) (اور رأی یا بمعنی رویت علمی ہے یا بصری پہلی صورت یعنی رویت علمی (بمعنی جاننے کے) زیادہ بلیغ ہے) شیئًا کی تنوین تنکیر کے لیے ہے بمعنیٰ عموم کے اور نکرہ تحت النفی ہے، تو خاص انسان مراد نہیں ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ ہر

چیز سے خوبصورت تھے والمعنی انه احسن مما عداه (جمع ص ۲۱۷) اور مطلب یہ کہ آپؐ اپنے ماسوا سب چیزوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔

جمال رخ انورؐ :

کأنّ الشمس تجری فی وجهه گویا سورج آپؐ کے چہرۂ انور میں چل رہا ہے یعنی چمک رہا ہے۔ شبه جریان الشمس فی فلکها بجریان ماء الحسن و نضارته و رونقه فی وجهه ﷺ اوشبه لمعان وجهه و ضوئه بلمعانها و ضوئها و قصده اقامة البرهان علیٰ احسنیته و خص الوجه لانه الذی فیه تظهر المحاسن ولکون حسن البدن تابعاً لحسنه غالباً (مناوی ص ۲۱۷) (ابوھریرہؓ نے سورج کے اپنے مدار میں چلنے کو اس صاف وشفاف تروتازہ پانی سے تشبیہ دی جو حضور ﷺ کے چہرہ مبارک میں جاری ساری ہو اور یا آپؐ کے چہرہ مبارک کی روشنی اور چمک کو سورج کی روشنی اور چمک سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ دینے سے غرض حضور پاک ﷺ کی انتہائی خوبصورتی پر حجت اور دلیل قائم کرنا ہے اور چہرہ کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ سب محاسن کا مظہر ہے اور اس لیے بھی کہ سارے بدن اور اعضاء کا حسن عام طور چہرے کے حسن ہی کا تابع ہوتا ہے ـ و یحتمل ان یکون من تناهی التشبیه بجعل وجهه مقراً و مکاناً للشمس (جمع ص ۲۱۷) (اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تناہی فی التشبیہ کے قبیل سے ہو (یعنی مشبہ کو عین مشبہ بہ سے تعبیر کر دینا) یعنی حضور ﷺ کے چہرے مبارک کو سورج کی قیام گاہ وقرار گاہ قرار دیا جائے) جس کی تائید ربیع بنت معوذؓ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، لورأیته لرأیت الشمس طالعة (جمع ص ۲۱۷) (کہ اگر آپ لوگ حضور ﷺ کو دیکھتے تو ایسے ہی دیکھتے جیسے سورج نکلا ہوا ہے) ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بے تکلفی کے ایک موقع پر بڑے لطیف انداز سے حضور اقدس ﷺ کو دور جاہلیت کے مشہور شاعر ابو کبیر ھذلی کے کہے ہوئے رنگِ تغزل سے مملو اس شعر کا مصداق ٹھہرایا .... ۔

واذانظرت الی اسرة وجهه برقت کبرق العارض المتهلل

(جب میں نے ان کے روئے تاباں پر نظر ڈالی تو اس کی شان درخشندگی ایسی تھی جیسے کہ لکۂ

ابر میں بجلی کوندرہی ہو) چہرۂ انور کا خصوصیت سے ذکر اور اس کے حسن و جمال کے تذکرہ کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ چہرہ سے تمام محاسن کا اظہار ہوتا ہے۔ لان حسن البدن تابع لحسنه غالباً (جمع ص۲۱۷) (اس لئے کہ بدن اور جسم کی خوبصورتی اکثر چہرے کے حسن کے تابع ہوتی ہے)

احقر کا ارادہ ہے کہ شرح شمائل ترمذی کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ جمالِ محمدؐ کے عنوان سے سیرتِ رسولؐ پر کام کیا جائے کہ یہی باعث نجات بھی ہے۔ اللہ! اسی پر زندگی دے اور یہی موت ہے

نصاب حسن درحد کمال است ــــ زکوتم دہ کہ مسکینم فقیرم

(آپؐ کا حسن حد کمال تک پہنچا ہوا ہے، مجھے زکوٰۃ عنایت فرماویں کیونکہ میں مسکین فقیر ہوں (یعنی چونکہ آپ کے حسن علوم نبوت وغیرہ میں کمال ہی ہے اس لئے مجھے بھی معرفت الٰہیہ سے کچھ بطور زکوٰۃ دینا چاہئے)

حُسنِ رفتار :

ومارایت الخ آپؐ کی رفتار مبارک اس قدر تیز تھی۔ کانما الارض تطویٰ له (گویا زمین آپؐ کے لیے لپیٹی جارہی ہے) ای تجمع و تجعل مطوية تحت قدميه (مناوی ص۲۱۷) (یعنی ساری زمین کو اکٹھا اور لپیٹ کر آپؐ کے قدموں میں ڈالا گیا) اکتراث کا معنی توجہ کرنا ہے۔ اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے ساتھ آتا ہے۔ اثبات کے ساتھ قلیل اور نادر استعمال ہوتا ہے ۔ غیر مکترث بمعنی بغیر کوشش و توجہ کے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: واستعمال مکترث فی النفی هو الاغلب وفی الاثبات قلیل شاذ (مواھب ص۱۰۵) ملا علی قاریؒ نے اس کا معنی غیر مبال سے کیا ہے (جمع ص۲۱۷) والحاصل ان سرعته فی مشيته كانت من كمال القوة لامن حيث الجهد والمشقة والعجلة.

(جمع ص۲۱۸) (خلاصہ بحث یہ نکلا کہ آپؐ کے چلنے میں تیز رفتاری یہ (روحانی) قوت کے کمال کیوجہ سے تھی نہ کہ قصداً محنت و مشقت اور جلدی سے چلنے میں)

(۱۱۹/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَوْلٰى غُفْرَةَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وُلْدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

كَانَ عَلِيٌّ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِيْ صَبَبٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر اور بہت سے لوگوں کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس سے ملی۔ ان تک یہ روایت عمر بن عبداللہ سے پہنچی جو کہ غفرۃ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن محمد نے یہ حدیث بیان کی، جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو یوں کہتے کہ جب آپؐ چلتے ہیں' تو قوت سے پاؤں اٹھا کر چلتے، گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں''۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپؐ کا ذکر فرماتے، تو یہ فرماتے کہ جب آپؐ چلتے تھے، تو ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھاتے (عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا اونچائی سے اُتر رہے ہیں۔

تقلع کا معنیٰ :

قال کان علی........ اس حدیث کا مفہوم اور اس کی شرح پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

تقلّع : درخت کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کو کہتے ہیں۔ من قلع الشجرة اذا نزعها من اصلها ای مشی بقوة و دفع کامل (جمع ص ۲۱۸) (تقلع کا اشتقاق اور مادہ قلع الشجر ۃ سے ہے یعنی جب درخت کو جڑ سے ہی نکال دیا جائے یعنی آپؐ پوری قوت و ہمت اور وقار سے چلتے تھے) کیونکہ تقلع زمین سے قوۃ اور ہمت سے پاؤں اٹھانے اور وقار و تمکنت سے چلنے کو کہتے ہیں۔ وھی مشیة اُولی العزم والھمة والشجاعة وھی اعدل المشیات واروحھا للاعضاء (زاد المعاد ج ا ص ۵۹) (اور اس قسم کی ہیئت وشکل سے چلنا بہادر اور عزم و ہمت والے لوگوں کی چال و رفتار ہے اور یہ چلنے کے اقسام میں سب سے معتدل اور اعضاء کو آرام پہنچانے والی ہے) ناز ونخرہ اور فخر و غرور سے چلنا ناپسندیدہ چال ہے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہے۔ جیسے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا بینما رجل یتبختر فی بردین وقد اعجبته نفسه خسف به الارض فھو یتجلجل فیھا الی یوم القیامة (مشکوۃ ص ۴۰۴) کوئی ایک شخص اپنی دو چادروں میں بڑے ناز ونخروں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے

ہوئے جارہا تھا کہ زمین اسکے ساتھ دھنس پڑی پس وہ دھنستا اور گھستا جائیگا اسمیں قیامت تک (مشکوٰۃ) ینحط بمعنیٰ ینزل کے ہے، ای کانما ینزل فی منحدر۔ (مواھب ص۱۰۵) گویا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔

(۱۲۰/۳) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِیْ عَنِ الْمَسْعُوْدِیِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ تَکَفُّؤًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس اس روایت کی خبر میرے باپ نے مسعودی کے حوالے سے دی۔ اُن کو یہ حدیث عثمان بن مسلم بن ہرمز سے ملی۔ اُن کے پاس یہ روایت نافع بن جبیر بن مطعم کے ذریعہ سے پہنچی اور وہ اس کو حضرت علی بن طالبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو جھک کر چلتے تھے گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں۔ اس حدیث کی بحث بھی پہلے باب میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ تکفأ الخ معناہ انہ یمیل الی امامہ لیرفع رجلہ من الارض بکلیتہ لامع اھتزاز وتکسر کھیئۃ المختال (مواھب ص۱۰۵) (اس کا معنی یہ ہے کہ آپؐ ذرا آگے کی طرف جھکتے تا کہ زمین سے اپنا پاؤں مکمل طور پر اٹھائیں نہ بدن کو حرکت دیئے اکڑتے ہوئے متکبرین کی چال)

مشیۃ کے اقسام :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک جس کا تذکرہ احادیث میں ہے کے متعلق فرمایا کہ قال غیرواحدمن السلف بسکینۃ ووقارمن غیر تکبرولا تماوت وھی مشیۃ رسول اللہ ﷺ الخ 'بہت سے اسلاف اور بزرگوں نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک کے متعلق یہ فرمایا کہ آپؐ پورے

اطمینان اور وقار کیساتھ چلا کرتے اسمیں تکبر اور سستی کی چال نہیں ہوا کرتی تھی۔ پھر اس سلسلہ کے ضمن میں فرمایا کہ والمشیات عشرة انواع ، هذه الثلاثة (هون، تماوت، مهانة) منها والرابع السعي والخامس الرمل وهو اسرع المشي مع تقارب الخطا و يسمى الخبب و في الصحيح من حديث ابن عمر ان النبي ﷺ خب في طوافه ثلاثا و مشى اربعا والسادس النسلان وهو العدو الخفيف الذي لايزعج الماشي وفي بعض المسانيد ان المشاة شكوا الى رسول الله ﷺ من المشي في حجة الوداع فقال استعينوا بالنسلان. والسابع الخوزلى وهي مشية التمايل و هي مشية يقال ان فيها تكسر اوتخنثا. والثامن القهقرى وهي مشية الى وراء. والتاسع الجمزى مشية يثب فيها الماشي وثبا. و العاشر مشية التبختر وهي مشية أولي العجب والتكبر وهي التي خسف الله سبحانه بصاحبها لما نظر في عطفيه و اعجبته نفسه فهو يتجلجل في الارض الى يوم القيامة و اعدل هذه المشيات مشية الهون والتكفي. (زادالمعاد ج۱ ص۶۰) (کہ رفتار اور چلنے کی دس قسمیں ہیں تین تو وہی گذشتہ (ھون، تماوت، مھانہ) اور چوتھی قسم سعی اور پانچویں رمل ہے یعنی قدموں کو قریب قریب اٹھاتے ہوئے جلدی چلنا اور اسی کو دوڑنا اور کودنا کہا جاتا ہے۔ اور ابن عمرؓ کی صحیح روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ طواف کے تین چکروں میں ذرا تیز چلے اور چار چکروں میں اپنی طبعی رفتار میں گئے اور چھٹی قسم النسلان ہے یعنی تھوڑا تیز چلنا جو چلنے والے کو بے آرام اور تھکائے نہیں اور بعض مسند روایات میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیدل چلنے والوں نے حضور ﷺ سے چلنے (میں تکلیف) کی شکایت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنی رفتار میں نسلان سے استعانت حاصل کرو۔ ساتویں قسم الخوزلی ہے اور یہ ناز و نخرہ سے چلنا ہے کہا جاتا ہے کہ اس چال میں لچک اور ٹوٹا پن سا ہوتا ہے۔ آٹھویں قسم کو قہقری کہتے ہیں یعنی الٹا چلنا نویں قسم الجمزی ہے جس میں چلنے والا اچھل اور کود کود کر چلتا ہے اور دسویں قسم تبختر ہے یعنی متکبرانہ اور خود پسندانہ چال اور یہ چال متکبرین اور خود بین لوگوں کی ہے۔ (اور یہ تو وہی مبغوض اور ناپسندیدہ چلنا ہے) کہ اس چال پر چلنے والے کو جب اپنی دو خوبصورت چادروں کو دیکھ کر اپنی جان غرور تکبر سے اچھی لگی تو اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسے دھنسایا کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا اور گھستا چلا جائے گا (معاذ اللہ) اور ان سب رفتار اور چالوں میں ھون اور تکفی کی چال معتدل ہے۔

بَابَ مَاجَآءَ فِیْ تَقَنُّعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

باب! حضوراقدس ﷺ کے قناع کے بارے میں

(۱/۱۲۱) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی اَخْبَرَنَا وَکِیْعُ اَخْبَرَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ صَبِیْحٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبَانَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُکْثِرُ الْقِنَاعَ کَاَنَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یوسف بن عیسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس اس روایت کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان کے حوالے سے بیان کی۔ ان کے پاس یہ حدیث صحابی رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنے سر پر کپڑا رکھتے تھے، جو کہ تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھا کرتے تھے اور حضورؐ کا کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔

تقنّع کا معنیٰ وتشریح :

تقنع: کا معنی قناع کا پہننا وھو تغطیۃ الراس بطرف العمامۃ او برداء، اعم من ان یکون فوق العمامۃ اوتحتھا .(جمع ص ۲۱۸)

ملا علی قاریؒ قناع کا معنی یہ لکھتے ہیں کہ پگڑی یا چادر کے طرف (پلّو) سے سر کا چھپانا خواہ وہ پلّو پگڑی کے اوپر ہو یا نیچے)

القناع کا استعمال :

یہاں تقنع سے مراد القناع کا استعمال ہے۔ القناع وہ کپڑا جو تیل لگانے کے بعد سر پر ڈالا

جائے تا کہ تیل کا اثر ٹوپی، عمامہ اور دیگر کپڑوں تک نہ پہنچے۔حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، التقنع من اخلاق الانبیاء (مواهب ص ۱۰۶)(کہ یہ قناع کا استعمال انبیاء کرامؑ کے عادات واخلاق میں سے ہے)

یکثر القناع.....الخ ،قناع،فعال کے وزن پر ہے،بمعنیٰ دوپٹہ،رومال اور سر بند کے،نقاب، لثام اور حجاب بھی فعال کے وزن پر ہیں۔تستر اور پردہ کے معنی میں جتنے الفاظ بھی آتے ہیں، وہ اکثر فِعال کے وزن پر ہوتے ہیں۔خواتین کے سرڈھاکنے کے لئے جو کپڑا استعمال ہوتا ہے،اسے خمار اور مردوں کے لئے قناع کا استعمال ہوتا ہے۔اور کبھی قناع مرد وخواتین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے...... وهو الخرقة التی تلقی علی الرأس بعد استعمال الدهن لتقی العمامة من الدهن شبهت بقناع المرأة. (مواهب ص ۱۰۶) کپڑے کا ایک ٹکڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد اس لئے ڈالا جاتا ہے۔تا کہ پگڑی کی تیل کی چکناہٹ سے حفاظت ہو اسکو عورت کی قناع (اوڑھنی سے تشبیہ دی گئی)

القناع کی دوصورتیں اور برکات :

یکثر القناع 'القناع کا استعمال دوطرح پر ہوتا ہے(۱) عمامہ اور ٹوپی کے نیچے رکھا جائے تا کہ ٹوپی اور عمامہ تیل سے محفوظ رہیں۔حدیث باب کا مدلول بھی یہی ہے۔(۲) عمامہ کے اوپر رکھا جائے یہ بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ترمذی کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ تشریف لاتے ،تو متقنع ہوتے تھے اور القناع عمامہ کے اوپر ہوتا تھا۔لما ورد فی البخاری انه صلی الله علیه وسلم اتی بیت ابی بکر فی قصة الهجرة متقنعاً بثوبه والظاهر انه کان متغشیا به فوق العمامة لا تحتها لانه کان مستخفیا من اهل مکة متوجهاً الی المدینة (جمع ص ۲۱۸)(جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ ہجرت کے موقعہ پر جب ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے تو اپنی چادر سے قناع کئے ہوئے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ آپؐ اسے پگڑی کے اوپر ڈالے اسمیں ڈھانپے ہوئے تھے نہ کہ پگڑی کے نیچے اسلئے کہ اسوقت آپؐ مکہ والوں سے چھپ کر مدینہ شریف جانے کے لئے متوجہ تھے۔اس کو عربی میں طیلسان (حجازی رومال) کہتے ہیں۔یہ عرب کی عادت تھی کہ عمامہ کے اوپر رومال ڈالا جاتا ہے اور آج

بھی مروّج ہے (مگر بغیر عمامہ کے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول تھا، پھر یہ علماءِ کرام کا شعار بن گیا۔ شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں کسی کو اس وقت تک القناع اور طیلسان نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ جب تک کہ وہ تحصیل علم وحکمت کی تکمیل نہ کرلے۔ و فی خبر لا یتقنع الا من استکمل الحکمة فی قوله و فعله ویوخذمنه انه ینبغی ان یکون شعارا للعلماء یختص بهم لیعرفوا فیسألو اویمتثل امرهم ونهیهم وهذا اصل فی لبس طیلسان وله فوائد جلیلة کالا ستحیاء من الله والخوف منه اذ تغطیة الرأس شأن الخائف الذی لاناصر له ولامعین وکجمعه للتفکر لانه یغطی اکثر وجهه فیحضر قلبه مع ربه ویمتلئی بشهوده وذکره وتصان جوارحه عن المخالفات ونفسه عن الشهوات ولذلک قال بعض الصوفیة الطیلسان الخلوة الصغریٰ. (مواهب ص۱۰۶) (اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اتنے تک قناع (حجازی رومال) کا استعمال نہ کرلے جب تک اپنے اقوال وافعال میں حکمت اور دانائی کے امور کی تکمیل نہ کرلے اور اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مناسب ہے کہ یہ (قناع) علماء کے ساتھ خاص اور انکا شعار ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس کے ذریعہ پہچانے جاویں تو پھر ان سے مسائل پوچھے جائیں اور مامورات ومنھیات میں ان کے اقوال وافعال کا امتثال اور اتباع کیا جائے۔ اور یہی بنیادی نقطہ طیلسان (حجازی رومال وغیرہ) کے پہننے میں ہے۔ اسکے علاوہ بھی اسکے بڑے فوائد ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے خوف وحیاء کرنا۔ کیونکہ سر کا چھپانا ایسے ڈرنے والے کی شان ہے جسکا بظاہر کوئی بھی ناصر اور مددگار نہ ہو۔

یا پھر اپنے منتشر تفکرات کو مجتمع کرنے کے لئے کیونکہ جب یہ رومال اسکا زیادہ تر چہرہ ڈھانپ لیتا ہے تو اس کو اپنے ربّ تعالیٰ سے استحضار قلبی کی دولت حاصل ہوجائیگی اور پھر اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حضوری سے معمور ہوجائیگا اور اس کے اعضاء وجوارح اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور اسکا نفس شھوات سے محفوظ ہوجائیگا۔ اس لئے تو بعض صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ طیلسان (ایک طرح کی) چھوٹی خلوت اور حضوری ہے (مواھب ص:۱۰۶)

غرضِ اعادۂ حدیث :

یہ حدیث اس سے قبل باب الترجل میں بھی گذر چکی ہے۔ یہاں علیحدہ مستقل ترجمۃ الباب کے انعقاد سے مصنفؒ کی غرض القناع کے استعمال پر خصوصی تنبیہ ہے کہ آپؐ اس کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا القناع کثرتِ دھن کے باوجود پاک ہوتا تھا :

کانّ ثوبه ثوب زیّات : بصیغة النسبة ای بائع الزیت اوصانعه فان الغالب علیهما ان یکون ثوبهما ملهنا (جمع ص۲۱۹) مراد یہ ہے کہ جس طرح زیات یعنی تیل بیچنے والے یا بنانے والے کا کپڑا تیل سے چکنا رہتا ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قناع بھی گویا زیّات کا کپڑا معلوم ہوتا تھا، مگر اس کے باوصف یہ آپؐ کی خصوصیت تھی کہ آپؐ کا کپڑا نہ تو کبھی میلا ہوتا تھا، نہ آپؐ کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی، نہ مچھر اور کھٹمل آپ کا خون چوس سکتا تھا۔ یہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ مناویؒ نے علامہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر کبھی نہیں بیٹھی۔

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ جِلْسَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی ہیئت کے بیان میں

جلسة، کیفیت قعوداور هيئة الجلوس (بكسر الجيم اسم للنوع (جمع ص ۲۱۹)

جِلسة (جیم کے کسرہ کے ساتھ) یہ ایک بیٹھنے کی قسم کا نام ہے۔ قعود کھڑے ہونے سے بیٹھنے کواور جلوس لیٹنے سے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔بعض نے اس فرق پر نکیر بھی کی ہے،مگر ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں وربما يفرق فيجعل القعود لما هو من القيام والجلوس لما هو من الاضطجاع على ما فى القاموس (جمع ص ۲۱۹)(اور کبھی ان دونوں کے درمیان یہ فرق کیا جاتا ہے کہ قعود کھڑے سے بیٹھنے کواور جلوس لیٹنے سے بیٹھ جانے کو کہتے ہیں جیسے کہ یہ قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے۔

یہاں جلسہ کے مقابل میں قیام ہے،خواہ جلسہ بصورت بیٹھنے کے ہو یا بصورت اضطجاع کے ہو۔مصنفؒ نے اس باب میں تین احادیث نقل کی ہیں،جن میں آپؐ کی نشست سے متعلق تفصیلات ہیں۔دوزانو بیٹھنا،چوکڑی مار کر بیٹھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا وغیرہ کی توضیح ہے۔ہر ایسا طریقہ یا ہیئت جس سے غرور،کبر،نخوت ظاہر نہ ہو بلکہ عاجزی،تواضع،عبدیت،انکساراور درماندگی نمایاں ہو،علماءِ کرامؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

عرب میں تہبند کارواج تھا،شلوار کا استعمال بہت کم تھا۔اس لئے ایسا طریقہ یا ہیئت جس سے کشفِ ستر ہو یا غرور وتکبر کا اظہار ہو،علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ہاں اگر کشفِ ستر نہ ہواور تکبر کا اظہار بھی نہ ہو،تو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱۲۲/۱) حَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ اَنْبَانَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ عَنْ جَدَّتَيْهِ

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءِ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عفان بن مسلم نے۔ اُن کے پاس خبر دی عبداللہ بن حسان نے اپنی دادی اور نانی کے حوالے سے جنہوں نے قیلہ بنت مخرمہؓ سے روایت نقل کی، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپؐ کو اس عاجزانہ حالت میں دیکھا، تو میں دہشت کی وجہ سے کپکپا اُٹھی۔

القرفصاء کا معنی وتشریح:

انها رأت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد وهو قاعد القرفصآء.

القرفصاء : (بضم القاف) قعود کی ایک خاص کیفیت ہے، دونوں رانیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور دونوں سرین پر بیٹھے اسے اکڑوں بیٹھنا اور ہاتھوں کے ٹانگوں کے گرد باندھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں ۔ والقرفصاء قعدة مخصوصة على الاٰلتين متكأ ويلصق بطنه بفخذيه ويتأبط كفيه (اتحافات ص ۱۶۹) اور (قرفصاء ایک ایسی مخصوص نشست ہے کہ جس میں دونوں سرین پر تکیہ لگائے بیٹھ کر اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چمٹاتے ہوئے اپنی ہتھیلیوں کو بغل میں ڈال کر بیٹھنے کی کیفیت کو کہتے ہیں) عرب کے دیہاتی لوگ عموماً اس طرح بیٹھتے تھے۔ تاہم شیخ البیجوریؒ نے اس کی دو صورتیں نقل کی ہیں۔

(۱) بان يجلس على اليتيه ويلصق فخذيه ببطنه ويلصق يديه على ساقيه وهى جلسة المحتبى.

(کہ اپنی دونوں سرینوں پر بیٹھے اور اپنی رانوں کو پیٹ سے چمٹائے اور اپنے دونوں ہاتھ پنڈلیوں سے ملاتے ہوئے ان کا احاطہ کرے اور یہی احتباء (گوٹ مارنے) والے کی نشست ہے)

(۲) وقيل ان يجلس على ركبتيه متكأ ويلصق بطنه بفخذيه ويتأبط كفيه وهى جلسة

الاعـراب (مواھب ص۱۰۷) (کہ دونوں گھٹنوں پرتکیہ لگائے بیٹھے اوراپنے پیٹ کورانوں کیساتھ چمٹائے اوراپنی ہتھیلیوں کوبغل میں ڈالے بیٹھے اوراسکوعرب دیہاتیوں کی نشست کہتے ہیں۔

بیٹھنے میں خشوع ومسکنت کا اظہار :

المتخشع فی الجلسة : حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم عاجزانہ حالت میں تھے۔ المتخشع: تفعّل کے باب سے ہے والتفعل لیس للتکلف بل لزیادة المبالغة فی الخشوع (مناوی ص۲۲۰)اور یہاں تفعل کی خاصیت تکلف نہیں بلکہ خشوع میں مبالغہ اور زیادتی کرنے کے لئے مستعمل ہے۔جیسا کہ متوحد،متقدس اورمتبر کے صیغے تکلف کے لئے نہیں بلکہ زیادتی ،مبالغہ اورکمال کے لئے ہیں۔

الجلسة :ای فی هیئة جلسته و کیفیة قعدته (جمع ص۲۲۰)یعنی یہاں جلسہ سے مراد آپ ؐ کے بیٹھنے کی نوعیت اورھیئت مقصود ہے)یعنی ایسا بیٹھنا تھا جس میں فقرومسکنت احتیاج اورعبدیت کا اظہار تھا، جیسا کہ آپ ؐ کاارشاد بھی ہے۔ اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد. (میں ایسا بیٹھتا ہوں جیسے کہ ایک غلام بیٹھتا ہےاور میں تو ایسے کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے) شیخ البیجوریؒ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں، ای الخاشع خشوعاً تاما فی جلسته تلک فهو خافض الطرف والصوت ساکن الجوارح (مواھب ص۱۰۷) یعنی آپ ؐ اس نشست پرمکمل خشوع کیساتھ بڑی متواضع شکل میں بالکل سکون اورخاموشی سے نظریں جھکائے ہوتے تھے)

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کومتمردین' سرکشوں' جبارین اورمتکبرین کی ھیئۃ جلوس سے نفرت تھی ۔من التربع والتمدد والاتکاء ورفع الرأس وشماخة الانف وعدم الالتفات الی المساکین والاحتجاب عن المحتاجین (جمع ص۲۲۰) (یعنی چارزانو بیٹھنے انگڑائی لینے تکیہ لگائے بیٹھنے سر اٹھانے ناک بھوں چڑھانے اورمسکین اورمحتاجوں کی طرف توجہ نہ کرنے اوران سے حجاب میں رہنے کی صورتیں)

رعب کی وجہ کیاتھی ؟

ارعدت من الفرق، میں خوف اوررعب مارے کانپ اٹھی۔

(۱) رعب اور پھر کانپنے کی وجہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متخشّع اور متفکر تھے۔ پھر یہ فکر بھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، جس کا منشأ کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے ان کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا ہو کہ مبادا امت پر کوئی عذاب تو نہیں آرہا، جس کی وجہ سے آپؐ اس قدر فکرمند ہیں اور ظاہر ہے کہ آپؐ کا فکر وہم تو ہمیشہ امت کے لئے ہوتا تھا۔

(۲) حضرات صوفیاءِ کرامؒ اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت بیٹھنے کی ہیئت، قلب مبارک پر توجہ کاملہ، ماسوی اللہ سے قطع نظر اور تجلیّاتِ ربّانی میں ارتکاز کی وجہ سے صفتِ جمال میں کمال اور صفت جلالت میں عظمت کو پہنچے ہوئے تھے، جس کی بدولت قیلہ بنت مخرمہ لرزہ براندام ہوگئیں (یہ وہی قیلہ بنتِ مخرمہ ہے، جن کا تفصیلی ذکر باب ما جاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (باب وہ احادیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) بارھویں نمبر کی روایت میں گذر چکا ہے۔

تکمیلِ مضمون حدیث :

اس حدیث کا کچھ اور حصہ بھی ہے، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت قیلہؓ کی یہ حالت خوف لرزہ دیکھ کر حاضرینِ مجلس میں سے کسی صاحب نے عرض کیا فقال له جلیسه یا رسول اللّٰہ ارعدت المسکینة حضور ﷺ کو مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے رسولؐ اللہ ارعدت المسکینة یعنی یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہوگئی اور اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ خود حضرت قیلہؓ کہتی ہیں کہ میں آپؐ کے پشت پر پیچھے تھی۔ آپ ﷺ نے میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ یا مسکینة علیک السکینة : اے مسکینہ! سکون اختیار کر، بس اتنا فرمانا تھا کہ ساری خوف ودہشت اور رعب ولرزہ جو مجھ پر طاری تھا جاتا رہا۔ اذهب اللّٰہ ما کان دخل قلبی من الرعب (جمع ص ۲۲۰) (تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو خوف اور رعب تھا وہ بالکل ہی ختم کردیا)

(۲/ ۲۳ ۱) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ

الزُّهرِیّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِیْمٍ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّهٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان نے زہری کے حوالے سے، انہوں نے یہ روایت عباد بن تمیم سے ان کے چچا کے حوالہ سے نقل کی (چچا کا نام عبداللہ بن زید تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا۔ بایں حالت کہ اس وقت حضورؐ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

راویان حدیث (۳۱۱) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ (۳۱۲) عباد بن تمیمؒ اور (۳۱۳) عمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

استلقاء کا معنیٰ اور دو صورتیں :

انہ رأی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مستلقیاً فی المسجد ، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

استلقاء: الاضطجاع علی القفا . (مواھب ص ۱۰۷) استلقاء کے معنیٰ گردن کے بل لیٹنا جسے عرفاً چت لیٹنا کہتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان مستلقی بھی ہو اور نائم بھی ہو۔ و اضعا احدیٰ رجلیہ علی الاخریٰ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے ۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں بچھا کر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا اور یہ جائز ہے کہ اس میں کشف عورت کا امکان نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ یہی لکھتے ہیں کہ ان یکون رجلاہ ممدودتین احداھما فوق الاخریٰ ولاباس بھذا فانہ لا ینکشف شیء من العورۃ بھذہ الھیئۃ (جمع ص ۲۲۱) حدیث باب میں اسی صورت کا ذکر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان چت لیٹ جائے اور ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں کھڑے گھٹنے پر رکھ دے۔ اسی حالت میں لیٹنا منع ہے کیونکہ اس ہیئت میں کشفِ ستر کا اندیشہ ہے، جب تہبند باندھا ہوا ہو، ان یکون ناصبًا رکبۃ احدیٰ الرجلین ویضع الرجل الاخریٰ علی الرکبۃ

المنصوبة (جمع ص۲۲۱) یہ صورت ممنوع ہے۔حدیث نہی اس پرمحمل ہے۔ "وهو ماروا ه مسلم عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يستلقين احدكم ثم يضع احدیٰ رجليه على الاخرى". (اوروہ حدیث امام مسلمؒ نے بروایت حضرت جابرؓ نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ چت لیٹے تم میں سے کوئی پھر اپنا ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھے) ممانعت کی وجہ بھی اظہر ہے کہ تہبند بندھا ہو،تو ستر کھلنے کا احتمال قوی ہے۔البتہ تہبند نہیں ہے اور شلوار پہنی ہے تو کشفِ ستر کا اندیشہ نہیں ہے۔اس لئے علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔اس سے دونوں احادیث میں تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے اور دونوں کا اپنا اپنا محمل اور مراد متعین ہو جاتی ہے۔

حدیث کی باب سے مناسبت :

البتہ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کو ہیئت نشت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو پھر یہاں اندراج سے کیا فائدہ۔علماءِ کرامؒ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔راجح جواب یہ ہے کہ جلسہ سے مراد عام ہے،بیٹھنا بھی اور لیٹنا بھی۔جب اس قسم کا لیٹنا کہ پاؤں کے اوپر پاؤں رکھا ہو،مسجد میں جائز ہے،تو بیٹھنا تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔وفيه جواز الاتكاء والاضطجاع والاستراحة في المسجد مطلقاً . (جمع ص۲۲۱)(اوراس حدیث سے مسجد میں تکیہ لگانا۔لیٹنا اور آرام کرنا مطلقاً ہر صورت میں جائز ہے)

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ووجه ايراد الحديث في هذا الباب يدل على حل الجلوس بسائر كيفياته بالاولى لان الاستلقاء على الهيئة المذكورة اذا جاز في المسجد فسائر انواع القعود أجوز . (مناوی ص۲۲۱)(اوراس باب میں اس حدیث کوذکر کرنے کی وجہ سے اس بات پر دال ہے کہ مسجد میں ہر طریقہ اور شکل پر بیٹھنا بطریق اولیٰ جائز ہے اس لئے کہ جب چت لیٹنا بصورت مذکورہ مسجد میں جائز ہے تو پھر تو بیٹھنے کی سب صورتیں بطریق اولیٰ زیادہ جائز ہوں)۔

مسجد میں لیٹنے کا حکم :

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ مسجد میں لیٹنا ادب کے خلاف ہے۔محدثین حضرات جواب

میں کہتے ہیں۔

(۱) ممکن ہے کہ یہ واقعہ اعتکاف کا ہو اور معتکف کے لئے جواز میں کسی کو اعتراض نہیں۔

(۲) اور اگر واقعہ غیر اعتکاف کا ہے، تو محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ مسجد کو مستقلاً ہمیشہ کے لیے بطور عادت کے مبیت (ٹھکانا) بنانا' جائز نہیں ہے۔لیکن اگر عبادت کرتے کرتے تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ کمر سیدھی کر لی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر مؤطا میں نقل ہوا کہ عشاء کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور لوگوں کے جمع ہونے تک مسجد میں لیٹے رہتے تھے۔

(۱۲۴/۳) حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِبْرٰهِيمَ الْمَدَنِيُّ أَخْبَرَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ احْتَبٰى بِيَدَيْهِ.

ترجمہ : ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سلمۃ بن شبیب نے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے اخذ کی۔انہوں نے یہ روایت اسحٰق بن محمد انصاری سے نقل کی، جنہوں نے یہ حدیث ربیح بن عبدالرحمٰن ابن ابی سعید سے اخذ کی۔اُنہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا ابوسعید خدریؓ سے نقل کی۔وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے''۔

راویان حدیث (۳۱۴) سلمۃ بن شبیبؒ (۳۱۵) عبداللہ بن ابراہیم المدنیؒ (۳۱۶) اسحٰق بن محمد الانصاریؒ اور (۳۱۷) ربیح بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الاحتباء کا معنی وتشریح اور حکم :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس في المسجد احتبٰى بيديه ۔ جب حضور ﷺ مسجد

مین بیٹھتے تو احتباء کی شکل میں بیٹھتے) بعض نسخوں میں "فی المجلس" (یعنی مجلس میں) مذکور ہے۔
بزار میں احتبیٰ بیدیه کے بعد "نصب رکبتیه" (کہ اپنے دونوں گھٹنے کھڑے کرتے) کا اضافہ بھی منقول ہے۔ نیز بزار میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے حوالے سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ جلس عند الکعبة فضم رجلیه و اقامها و احتبیٰ بیدیه (جمع ص۲۲۱) (کہ آپؐ بیت اللہ شریف کے پاس بیٹھتے اور پاؤں ملائے کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں سے احتباء (گوٹ مارا)

صحاحِ میں احتباء کا معنی: اذا جمع ظهره و ساقیه بعمامته (کہ اپنی پگڑی سے پیٹھ اور پنڈلیوں کو اکھٹا کر لینا) سے کیا گیا ہے اور کبھی کبھی عمامہ کی جگہ ہاتھوں سے بھی احتباء کیا جاتا ہے۔ وقد یحتبی بیدیه (جمع ص۲۲۲) (اور کبھی دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے) عسقلانیؒ فرماتے ہیں، احتباء عربوں کا خاص وتیرہ ہے، و منه الا حتباء حیطان العرب (جمع ص۲۲۲) (اور اسی سے یہ ہے کہ احتباء تو عرب کی چاردیواری (باغ) ہے)

خلاصہ یہ کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے، پاؤں اور پیٹ کو ملا کر پیٹھ سے جکڑ لینے کو "احتباء" کہتے ہیں۔ اسی صورت میں بجائے ہاتھوں کے کپڑے سے جکڑنے کو بھی احتباء کہتے ہیں۔
جمعہ کے روز دوران خطبہ آپؐ نے احتباء سے منع فرمایا کہ استماعِ خطبہ کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور بعض اوقات اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

بیٹھنے کی مختلف صورتیں :

حضرت جابر بن سمرۃؓ سے روایت ہے۔ ان النبی ﷺ کان اذا صلی الفجر تربع فی مجلسه حتی تطلع الشمس حسناء (کہ بیشک جب حضور ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نشست پر چارزانو بیٹھ جاتے اتنے تک کہ سورج چمکتا ہوا نکلتا)۔ تربع کا معنی چارزانو بیٹھنا ہے۔ فقیل هذا الحدیث مخصص و قال میرک محمول علی اختلاف الاحوال فتارةً تربع و تارة احتبیٰ وتارة استلقی و تارة ثنی رجلیه توسعة للأمة المرحومة (جمع ص۲۲) (بعض حضرات نے اس حدیث کو پہلی حدیث کا مخصص (تخصیص کرنے والی) قرار دیا اور ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف احوال پر

محمول ہے۔ پس کبھی آپؐ چارزانو بیٹھتے اور کبھی احتباء کی صورت میں اور کبھی استلقاء کرتے اور کبھی پاؤں کو موڑے ہوئے (قعدہ کی شکل میں) بیٹھتے اور یہ سب امت مرحومہ پر توسع اور آسانی پیدا کرنے کے لیے)

حضوراقدس ﷺ کی نشست گاہ :

حضوراقدس ﷺ نے اپنی نشست کو کبھی بھی کسی خاص مقام اور کوئی مخصوص چیز پر بیٹھنے میں منحصر نہیں فرمایا، بلکہ جو جگہ بھی میسر ہو جاتی تو اضعاً وہیں تشریف فرما ہو جاتے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :

" کان یجلس علی الارض و علی الحصیر والبساط .....ولماقدم علیه عدی بن حاتم دعاه الی منزله فالقت الیه الجاریة وسادة یجلس علیها فجعلها بینه وبین عدی وجلس علی الارض: قال عدی فعرفت انه لیس بملک "(زادالمعادج اص۶۰)(آپؐ زمین پر بھی اور چٹائی اور دری پر بیٹھا کرتے اور جس وقت آپؐ کے پاس عدی بن حاتم آئے تو اسکو اپنے گھر بلایا تو کنیز نے آپؐ کی طرف ایک گدا ڈالا تو حضور ﷺ نے اس کو عدی اور اپنے درمیان ڈالا اور آپؐ زمین پر بیٹھے عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں نے پہچان لیا کہ آپؐ بادشاہ نہیں)

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تُکَأَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

تکأۃ کا معنیٰ وتشریح :

تکأۃ: فُعَلَۃٌ کے وزن پر ہے، جیسے کہ هُمَزَۃٌ اور لُمَزَۃٌ اس کی مثالیں ہیں، جس کا معنیٰ تکیہ، بہت تکیہ لگانے والا، فرش پر بچھونا بچھا کر آرام سے بیٹھنا وغیرہ کے آتے ہیں۔ اصل میں و کأۃ ہے، واؤ تا سے بدل دیا گیا ہے۔ جیسے کہ تراث اور تجاہ میں واو کو تا سے بدلا گیا ہے۔ اس باب میں امام ترمذی نے حضور اقدس ﷺ کی نشست کے دوران کسی چیز کا تکیہ استعمال کرنے کے متعلق پانچ احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ای باب الأخبار الواردة فی بیان تُکَأَةِ رسول الله صلَّی اللّٰهُ علیه وسلم (مواهب ص۱۰۸) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان جو حضور ﷺ کے تکیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) تکیہ لگا کر بیٹھنا حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے اور مباح ہے۔

(۱۲۵/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِیُّ الْبَغْدَادِیُّ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَآئِیْلَ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ عَلٰی یَسَارِهٖ.

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیں عباس بن محمد دوری بغدادی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسحٰق بن منصور سے حاصل کی۔ اُن کو یہ روایت اسرائیل سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے سماعت

کی۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور تکیہ آپ کی بائیں طرف تھا''۔

راویان حدیث (۳۱۸) عباس بن محمد الدوریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تکیہ لگا کر بیٹھنے کا حکم :

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی و سادة علی یسارہ :

وسادة: افادة کے وزن پر ہے۔تکیہ کو کہتے ہیں۔ **مایتوسد به من المخدة (بکسر المیم)** (جس چیز کیساتھ ٹیک لگایا جائے یعنی مخدہ (میم کے کسرہ کیساتھ) سوتے وقت رخسار رکھنے کا تکیہ مراد ہے) اور کبھی کبھی وساد بغیر تاء کے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی اُساد بھی کہتے ہیں۔ **علی یسارہ** یعنی تکیہ حضور اقدس ﷺ کے بائیں طرف پڑا ہوا تھا۔یہ تصریح تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے۔پس دائیں طرف، بائیں طرف اور حسب ضرورت پشت پیچھے تکیہ لگانا جائز ہے۔

و المقصود ھی راحة الجالس (اتحافات ص۱۷۲) (دراصل اس سے بیٹھنے والے کی راحت مقصود ہے (چاہے جس صورت پر بھی ہو) البتہ دائیں جانب بہر حال بہتر ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کوئی عذر نہ ہو، **و ھو لبیان الواقع فیجوز الاتکاء علی الوسادة یمیناً و یساراً** (جمع ص ۲۲۳) (یہ صورت حال اور واقعہ کا بیان ہی ہے ورنہ تکیہ پر دائیں بائیں ہر طرح ٹیک لگانا جائز ہے) علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے متعلق نقل فرمایا ہے'' **و کان یتکئی علی الوسادة و ربما اتکأ علی یسارہ و ربما اتکأ علی یمینه و کان اذا احتاج فی خروجه توکأ علی بعض اصحابه من الضعف** (زاد المعاد ج۱ ص۶۰) (کہ حضور ﷺ تکیہ پر ٹیک لگایا کرتے اور بعض اوقات بائیں جانب اور بعض دفعہ دائیں جانب اور جب باہر جانے کی ضرورت ہوتی تو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے بعض ساتھیوں (صحابہؓ) پر تکیہ اور ٹیک لگایا کرتے) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یسار کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں۔

امر اتفاقی ہے، لیکن قواعدِ محدثین کے لحاظ سے یسار کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے۔ اس لیے امام ترمذیؒ نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔ (خصائل)

(۱۲۶/۲) حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ اَخْبَرَنَا الْجُرَیْرِیُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی بَکْرَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ. قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ کَانَ مُتَّکِئًا قَالَ وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدۃ نے بیان کی۔ ان کے پاس خبر دی بشر بن مفضل نے، انہوں نے یہ روایت جریری سے اخذ کی، جنہوں نے اسے عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث اپنے والد حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ کی مجلس میں) فرمایا، کیا میں تمہارے سامنے وہ گناہ نہ بیان کروں جو کبیرہ گناہوں میں بڑے بڑے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: حضورؐ! کیوں نہیں ضرور، آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے، حالانکہ آپؐ اُس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا، جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور ﷺ یہ بات برابر کہتے رہے، یہاں تک ہم نے کہا کاش کہ آپؐ خاموش ہو جائیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ بتاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ، کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں

سے کونسی بات فرمائی تھی۔ اُس وقت حضور ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اور جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ سکوت فرمادیں۔ بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔

راویانِ حدیث (۳۱۹) عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃؓ اور (۳۲۰) ابیہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی بحث :

الا احدثکم باکبر الکبائر : ایک صحیح روایت میں الا اخبر کم اور ایک میں الا انبئکم نقل ہوا ہے۔ ومعنی الکل واحد (مواھب ص ۱۰۸) (اور سب کا معنیٰ باوجود اختلاف الفاظ کے ایک ہی ہے) اندازِ خطاب کا یہ مسنون طریقہ تمام علماءِ کرام، داعیین اور مبلغین کو اختیار کرنا چاہیئے۔ حضور اقدسؐ بھی اکثر اس اندازِ خطاب سے گفتگو فرماتے تھے۔ لحثھم علی التفرغ والاستماع لمایرید اخبارھم بہ۔ (مواھب ص۱۰۸) (ان کو اس پر آمادہ کرنا مقصود ہے کہ جو بات ان کو آپؐ نے بتلانی ہے اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر کے کان لگائے سن لیں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض طرقِ صحیحہ میں الا انبئکم باکبر الکبائر، تین مرتبہ نقل ہوا ہے۔ اھتماماً بشأن الخبر المذکور انه امر له شأن (جمع ص۲۲۳) (مذکورہ خبر کے عظیم الشان ہونے کا اہتمام کرنے کے لئے)

الکبائر: کبیرۃ کی جمع ہے، اکبرالکبائر کا معنیٰ گناہوں میں بڑا اور زیادہ شنیع گناہ۔ البتہ کبیرہ کے معنیٰ اور تعریف میں اختلاف ہے، (۱) ھی ما نزل فیه وعید شدید فی الکتاب او السنة (۲) ما کان فیه حد (۳) کل جریمة توذن بقلة اکتراث مرتکبها بالدین (اتحافات ص۱۳۷) (جسکے متعلق قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہو۔۲۔ جس میں کوئی حد مقرر ہو۔۳۔ ہر ایسا جرم جو مجرم شخص کے دین سے لاپرواہی کا مظہر ہو)

شیخ بیجوریؒ نے ہر تعریف پر معترضین کا کلام نقل کیا ہے تیسری تعریف کو'' وھو اشمل التعاریف '' قرار دینے کے باوجود بھی اس پر کلام کیا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے کہا ہے کہ کبیرہ کی صحیح تعریف

مبہم ہے، جس طرح کے اسم اعظم لیلة القدر ساعة الجمعة، ووقت اجابة الدعاء لیلاً، صلوة الوسطی (اسم اعظم شب قدر۔ جمعہ کے دن کی ساعت قبولیت اور رات کے ایک حصہ میں دعا کی قبولیت کا وقت اور درمیانی نماز) کی قطعی تعیین مبہم ہے۔ وحکمته هنا الا متنا ع من کل معصیة خوفاً من الوقوع فی الکبیرة۔ (جمع ۲۲۴) (اوران چیزوں کو مبہم رکھنے کی حکمت دراصل ہر گناہ سے رکوانا مقصود ہے بوجہ اس خوف کے کہ اسکی وجہ سے کہیں گناہ بیرہ کا مرتکب نہ ہو جاؤں)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر اضافی ہے، ہر گناہ بہ نسبت اپنے سے بڑے کے صغیرہ اور اپنے سے چھوٹے کے کبیرہ ہے ۔ قال صاحب الکفایة و الحق انهما اسمان اضافیان لا یعرفان بذاتیها فکل معصیة اضیفت الی مافو قها فهی صغیرة وان اضیفت الیٰ ما دونها فهی کبیرة (شرح عقائد ص۸۲) صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ حق بات تو یہ ہے کہ یہ دو (صغیرہ وکبیرہ) امر اضافی اور نسبتی ہیں بذاتہ انکی تعریفیں نہیں کی جاسکتیں اس لئے ایسا سمجھئے کہ ہر گناہ بہ نسبت اپنے مافوق (یعنی بڑے گناہ کے) صغیرہ ہے اور بہ نسبت مادوں (چھوٹے گناہ کے) کبیرہ ہے۔

کبائر کی تعیین وتعداد اور بخشش کا وسیلہ :

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں۔ علماء نے مستقل تصانیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبی کی ایک کتاب اس مضمون میں مستقل ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، جو مصر میں چھپ گئی۔ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ مستقل گنوائے ہیں اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ (۴۶۷) مفصل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شمائل میں مشہور کبائر کو گنوایا ہے، جو حسب ذیل ہیں۔ آدمی کا قتل کرنا، زنا کرنا، اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپانا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ توڑ دینا ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا،

مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو، ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظ قرآن کی، کسی ظالم سے چغلی کھانا، دیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا، قرم سازی یعنی بھڑواپن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا، جادو کا سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا، بلا مجبوری کسی جاندار کو جلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا اور اس کے عذاب سے نہ ڈرنا، عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلا وجہ انکار کرنا چغلی کھانا (جمع ج ا ص ۲۲۴)۔

ملا علی قاریؒ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں کبائر کا مستقل باب ہے۔ اس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنوایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے یا عبادت میں یا اُس سے استعانت حاصل کرنے میں یا علم میں یا قدرت میں یا تصرف میں یا پیدا کرنے میں یا پکارنے میں یا کہنے میں یا نام رکھنے میں یا ذبح کرنے میں یا نذر ماننے میں یا لوگوں کے اس کی طرف امور سونپنے میں یعنی جیسے اللہ جل شانہٗ کو سب کام سپرد ہیں، اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امور ذیل بھی اس میں ذکر کیے ہیں:

گناہ پر اصرار کی نیت، نشہ کی چیز پینا، اپنے محرموں سے نکاح کرنا جوا کھیلنا، کفار سے دوستی کرنا باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا، مردار کا گوشت کھانا، نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو بُرا کہنا یا ان کا انکار کرنا، صحابہ کرامؓ کو بُرا کہنا، بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا، اسراف کرنا، فساد کرنا، کسی کے سامنے ننگا ہونا (یعنی بیوی کے علاوہ) بخل کرنا، پیشاب اور منی کو پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا، تقدیر کو جھٹلانا، تکبر کی وجہ سے پائچہ ٹخنوں سے نیچے کرنا، نوحہ کرنا، بُرا طریقہ ایجاد کرنا، محسن کی ناشکری کرنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، حائضہ سے صحبت کرنا، غلّہ کی گرانی سے خوش ہونا، جانور سے بدفعلی کرنا، امرد کو شہوت سے دیکھنا، کسی کے گھر میں جھانکنا، عالموں

اور حافظوں کی حقارت کرنا، اگر ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں، تو اُن کے درمیان مساوات نہ کرنا، امیر سے عہد شکنی کرنا وغیرہ بتائے ہیں۔

ان کبائر میں بھی درجات ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث بالا میں کبائر کو بڑے گناہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا، چاہے اس کے بعد کسی وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے۔ اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہیے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔ (خصائل ص:۷۹)

الاشراک باللّٰہ :

الا شراک باللّٰہ : الا شراک کا لغوی معنی جعل احد شریکاً لا خر (کسی کو دوسرے کا شریک بنانا) کو کہتے ہیں، لیکن یہاں غیر اللہ کو الٰہ بنانا مراد ہے۔ والا ظھر ان المراد به الکفر (جمع ج ا ص ۲۲۴) (اور یہ بات تو واضح ہے کہ اس سے مراد کفر ہے) المراد به مطلق الکفر و انما عبر بالا شراک لا نه اغلب انواع الکفر لا لاخراج غیره (مواھب ص ۱۰۹) (اس سے مراد مطلق کفر ہے اور اسکی تعبیر شرک سے اسے لیے کی گئی کہ یہ (شرک) کفر کے قسموں میں غالب ترین صورت ہے نہ کے کسی سے احتراز مقصود ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں :

وقول رسول اللّٰہ ﷺ متفق مع قوله تعالی : "ان اللّٰہ لا یغفر أن یشرک به و یغفر مادون ذلک لمن یشاء" ومع الحدیث القدسی:" من لقینی بقراب الأرض خطیئة لا یشرک بی شیئاً، لقیته بمثلها مغفرة" ومع قوله تعالیٰ: ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من أحد ھم ملء الا رض ذھبا ولو افتدی به" و مع قوله تعالیٰ : "ومن یشرک باللّٰہ فکأنما خرمن السماء فتخطفه

الطير أو تهوى به الريح في مكان سحيق"۔ (اور نبی علیہ السلام کا (گزشتہ) فرمان مبارک اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (ترجمہ) کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتے اس بات کو کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے علاوہ جسکو چاہیں بخش دیتے ہیں اور حدیث قدسی کے ساتھ جو شخص میرے پاس بھری زمین غلطیاں اور گناہ لے کر آئے لیکن کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں کیا تھا تو میں اسکو اپنی طرف سے اتنی ہی مغفرت عطا کرونگا'' اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے (ترجمہ) ''بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مرے بھی حالت کفر ہی میں سوان میں کسی کا (بطور کفارہ) زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائیگا اگر چہ وہ معاوضہ میں اسکو دینا بھی چاہے''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کیساتھ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو (اسکی حالت ایسی ہوگی جیسے) گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹخ دیا'' موافق ہیں۔

بہر حال شرک کبائر سے ہے، خواہ وہ شرک ذات میں ہو، صفات میں ہو، عبادت میں، استعانت میں، علم وقدرت میں ہو یا تصرف وتدبیر میں ہو۔

عقوق الوالدین :

و عقوق الوالدين : والدین کی نافرمانی بھی گناہ کبیرہ ہے۔ والدہ کی ہو یا والد کی یا دونوں کی، دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے، لان عقوق احدهما يستلزم عقوق الآخر غالباً. (جمع ص ۲۲۵) (کیونکہ ان میں سے ایک کی نافرمانی دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے)

عقوق: العق سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی الشق و القطع (چیرنا اور کاٹنا)۔ اسی سے العقیقۃ ماخوذ ہے، جو مولود کے حلق شعر پر بکری کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ شرعاً مراد یہ ہے کہ والدین کی قولاً اور فعلاً نافرمانی اور ایذاء رسانی سے بچا جائے. والمراد صدور مايتأذى به الوالد من ولده من قول او فعل (اور اس سے مراد ہر ایسی بات یا کام جسکے ذریعہ اولاد کی طرف سے والد کو تکلیف پہنچے) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تقل لهما اف ولا تنهر هما، الاية (اور نہ کہہ والدین کو اف تک بھی اور نہ انکو جھڑک دے) البتہ شرک اور معصیت میں ان کی اطاعت حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان

جاهداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما و صاحبهما فی الدنیا معروفا (اگر تجھ پر وہ دونوں بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل اور سند نہ ہوتو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا (کے حوائج و معاملات) میں انکے ساتھ خوبی کیساتھ بسر کرنا)۔آیت سے واضح ہے کہ عقوق الوالدین حرام ہے، اگر چہ والدین کافر ہوں۔شیخ البیجوریؒ نے مزید تصریح کی ہے کہ:والمراد بالوالدین الاصلان وان علیا و مال الزرکشی الی الحاق العم والخال بهما ولم یتابع علیه (مواھب ص۱۰۹) (کہ والدین سے مراد اپنے اصول ہیں اگر چہ اوپر تک جائیں (یعنی داد پردادا وغیرہ) اور امام زرکشیؒ کا رجحان تو چچا اور ماموں وغیرہ کو شامل کرنے کی طرف ہے البتہ کسی دوسرے نے اسکی موافقت نہیں کی) والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے، جس کی سزا آخرت میں بھی ملے گی اور بعض اوقات دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

والعقوق من العقوبات التی یجعل عقابها فی الدنیا (اور والدین کی نافرمانی ایسی عقوبات (جُرموں) میں سے ہے جنکی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے)

والدہ کی ناراضگی کا ایک دلچسپ واقعہ :

دار قطنی، بیهقی (فی شعب لایمان) اور دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ! یہاں ایک نوجوان ہے۔جس پر نزع یعنی موت کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔اسے لا اله الا الله پڑھنے کی تلقین کی جارہی ہے، فلا یستطیع ان یقولها ،وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ کلمہ پڑھ لے۔حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کیا وہ اپنی زندگی میں کلمہ نہیں پڑھا کرتا تھا، بتایا گیا کہ وہ تو مسلمان ہے اور کلمہ پڑھا کرتا تھا۔آپؐ نے فرمایا پھر کس چیز نے اس کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے سے روک دیا ہے، چنانچہ آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے۔

ہم بھی آپؐ کے ساتھ چل پڑے اور ہم سب اس نوجوان کے پاس آپہنچے۔فقال یا غلام:قل لا اله الا الله ' (آپؐ نے فرمایا اے لڑکے لا اله الا الله (کلمہ توحید) پڑھ۔اس نے عرض کیا،حضرت!

مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں مل رہی، لا اَستَطِیعُ ان اقولھا ، پھراس نے صاف بتادیا کہ اس کی وجہ والدہ کی نافرمانی ہے۔لعقوق والدتی ۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اَحیة ھی (کیاوہ زندہ ہے)فرمایاجی ہاں والدہ تو زندہ ہے، چنانچہ آپؐ نے ان کی والدہ کو بلوایااور پوچھا کیا یہ نوجوان تمہارابیٹا ہے۔عرض کی جی ہاں ،میرابیٹا ہے،آپؐ نے فرمایالکڑیاں جمع کرکے آگ روشن کردی جائے اوراگرتو بیٹے کومعاف نہ کرے تو جلتی آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے. فقالت اذاً کنت اشفع له ''(اسکی والدہ نے کہاپھرتو میں اسکی سفارش کروں گی)تو آپؐ نے ارشادفرمایاتُو بھی خداکوگواہ بنااور ہم بھی خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ تواس سے راضی ہے۔بانکِ قد رضیتِ عنه ،تواس بچے سے راضی ہے۔

والدہ نے عرض کیا''قدرضیتُ عن ابنی '' میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں۔تب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا،''فقال یا غلام قل لا اله الا الله، فقال لا اله الا الله ، فقال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم الحمد الله الذی انقذہ بی من النار. ذکرہ السیوطی فی شرح الصدور ''(اتحافات ص۱۷۴)۔(تو آپ نے فرمایااے لڑکے!کلمہ توحید پڑھ تولڑکے نے لا الٰه الا اللّٰه پڑھا حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں کہ جس نے میرے ذریعہ سے اس شخص کوآگ اوردوزخ سے بچایا۔اس واقعہ کوامام سیوطیؒ نے شرح صدور میں ذکرکیا ہے)

انتباہ واہتمام :

وجلس رسول الله سلی الله علیه وسلم و کان متکئا !یعنی جلوس سے قبل آپؐ نے تکیہ فرمایا تھا،آپ بیٹھ گئے جواس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے خصوصیت اوراہتمام سے اگلی بات فرمائی ہے۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، و سبب الا ھتمام بذلک کون قول الزور اوشھادة الزور اسھل و قوعاً علی الناس والتھاون بھما اکثر فان الاشراک ینبو عنه قلب المسلم والعقوق یصرف عنه الطبع السلیم والعقل القویم واما الزور فالحو امل والبواعث علیه کثیرة کا لعداوة والحسد و غیر ھما فاحتیج الی الاھتمام به. (جمع ص ۲۲۵) (اوراسکے اہتمام کرنے کا سبب یہ ہے کہ جھوٹی بات اور

جھوٹی گواہی لوگوں کے خلاف دینا آسان ہے اور پھران دونوں کیساتھ تہاون اور لاپرواہی یہ سب کثیر الوقوع اُمور ہیں۔

اس لئے کہ شرک سے تو مسلمان کا دل نفرت کرتا ہے اور والدین کی نافرمانی سے بھی عقل صحیح اور سلیم الطبع انسان اعراض کرتا ہے اور وہ جو جھوٹ ہے۔ تو اس پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والی بہت سی چیزیں ہوسکتی ہیں جیسے دشمنی حسد وغیرہ وغیرہ اس لیے اس کے اہتمام کرنے کی ضرورت پڑی)

شھادتِ زور کا معنیٰ، قباحت اور شرعی حکم :

قال و شھادۃ الزور او قول الزور الخ، پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا، راوی کہتے ہیں کہ آپؐ یہ بات برابر کہتے رہے (اور آپؐ کے تکرار سے ہم خوف زدہ ہو گئے) یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپؐ خاموش ہوجائیں۔

زور، ازوار سے ہے وھو الانحراف وقال المطریزی اصل الزور تحسین الشیء و وصفه بخلاف صفته و قال القرطبی شھادة الزور ھی الشھادة بانکذب یتوصل بھا الی الباطل من اتلاف نفس او اخذ مال او تحلیل حرام او تحریم حلال، فلا شئی اعظم ضرراً منه ولا اکثر فساداً بعد الشرک باللہ (جمع ص۲۲۷) (اور اسکا معنی انحراف (روگردانی) ہے اور امام مطریزیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز کی اصلی اور حقیقی صفت کے علاوہ دوسری صفت کے ساتھ اسکی خوبصورتی کو ظاہر کرنا۔ اور امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جھوٹی گواہی یہ ہے کہ جس کے ذریعہ آپ باطل اور ناحق کام تک پہنچیں یعنی کسی نفس کی ناحق ہلاکت یا کسی کا ناحق مال لینا یا حرام کو حلال کرنا یا حلال کو حرام کرنا ہو تو شرک باللہ کے بعد ایسے جھوٹ سے نقصان اور فساد کے لحاظ سے کوئی چیز بڑھ کر نہیں ہے) بار بار کے تکرار سے اس کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔

قلنا لیته سکت ! کاش حضور اقدس ﷺ خاموش ہوجائیں۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے (۱) کہ بار بار کے تکرار سے کہیں طبع مبارک پر گرانی نہ آجائے، کیلا یالم ﷺ (۲) یا اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں آپؐ کی زبان مبارک سے ایسے کلمات نہ نکل جائیں جو نزول بلا کا سبب بن جائیں، اوخوفاً من ان

یجری علی لسانه ما یو جب نز ول العذاب. (جمع ص ۲۲۷)

واعظ٬ مدرس اور خطیب کے لیے ہدایت :

اس حدیث سے ایک فائدہ یہ بھی مستفاد ہوا کہ واعظ، خطیب اور مدرس کے لیے، وعظ و خطاب میں، درس و تدریس میں، بیان اور ہدایات میں بعض حالات میں ضروری ہے کہ وہ تکرار اور مبالغہ سے کام لے اور اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں ڈال دے کہ تلامذہ، مستفیدین اور حاضرین و مخاطبین کو اس پر رحم آجائے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ینبغی له ان یتحر ی التکرار و المبالغة و اتعاب النفس فی الا فادة حتی یر حمه السامعون و المستفیدون (جمع ص ۲۲۷)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ،ویوخذ من الحدیث جواز ذکر الله و افادة العلم متکئا و ان ذلک لا ینا فی کمال الا دب و ان الاتکاء لیس مفوتاًلحق الحاضرین المستفیدین . (مواھب ص ۱۰۹)(اور حدیث مبارک سے اللہ کے ذکر اور دینی تعلیم کو تکیہ لگا کر دینے کا جواز اخذ کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کمال ادب کے خلاف نہیں ہے نیز یہ کہ تکیہ لگانا مستفیدین اور حاضرین کے حق کو فوت اور ضائع کرنے والا نہیں)

والا ظهر انه یختلف با ختلاف الا شخاص والا ماکن والا زمان (جمع ص ۲۲۶)(اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مذکورہ حکم اشخاص زمانے اور علاقوں کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے)

باب سے عدم مناسبت کا اعتراض :

اس حدیث پر ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسے ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ اس میں اتکاء وارد ہے۔

جبکہ ترجمۃ الباب میں التکأۃ کا عنوان ہے۔اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اتکاء، تکأۃ کو مستلزم ہے۔و اقصی ما قیل فی دفع هذا الایراد انه یستلزم التکأة و فیه ما فیه هکذا قالت الشراح . (حاشیۂ خصائل)

(۱۲۷/۳) حَدَّثَنَاقُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْاَ قْمَرِ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت شریک نے علی بن اقمر کے حوالے سے بیان کی۔وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابوجحیفہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی چیز سے ٹیک لگا کر نہیں کھاتا''۔

ابوجحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

لفظ امّا کا معنی وتشریح :

امّا انا فلا اٰکل متکئًا امّا: حرف شرط ہے، تفصیل کے لیے آتا ہے اور مجرد تاکید کے لیے بھی امّا ھنا لمجردا لتاکید و ان کانت للتفصیل مع التاکید غالباً نحو جاء القوم أما زید فراکب وأما عمرو فماش (مواھب ص ۱۱۰) (لفظ امّا یہاں محض تاکید کے لیے ہے اگرچہ عام طور پر تاکید کیساتھ تفصیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے کہ جاء القوم الخ' میں امّا تفصیل کے لیے ہے (معنی یہ ہے قوم آئی ان میں سے زید سوار ہوکر اور عمرو پیدل آئے)

اس سے نہی کرنا مقصود ہے۔تاہم طریقہ کنایہ کا ہے۔اپنے لیے ایک چیز ثابت نہ کرنے کا مقصد دوسرے سے اس کی نفی کرنا ہے، تو یہ نفی حکم میں نہی کے ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا تکبر کی علامت ہے :

کیونکہ تکیہ لگا کر کھانا تواضع کے خلاف ہے، زیادہ کھائے جانے کا سبب ہے۔اس سے پیٹ بھی بڑھتا ہے اور سرعت ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اہلِ جاہلیت اور عجمی سلاطین اور متکبرین کا وتیرہ ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، والاظھر ان یرادبہ تعریض غیرہ من اھل الجاھلیة والا عجام بانھم یفعلون ذلک اظھاراً للعظمة والکبریاء والا فتخار والخیلاء واما انا فلا افعل ذلک و کذلک من تبعنی. (جمع ص ۲۲۷) (اور زیادہ واضح بات یہ کہ حضور ﷺ کے اس قول (کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا) سے اہل جاہلیت اور عجمی لوگوں پر ایک قسم کی تعریض اور طنز ہے کہ یہ لوگ جو تکیہ لگا کر کھا

نا اپنی بڑائی اور فخر وتکبر کے لیے کھاتے ہیں۔ میں اور میرے تابعداری کرنے والے ایسا نہیں کرتے۔

تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں :

تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں صورتیں نہی کا مصداق ہیں۔ (۱) دونوں یا ایک پہلو پر تکیہ لگا کر کھانا (۲) دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو زمین پر رکھ کر تکیہ لگائے۔ (۳) جوکڑی مار کر کسی گدّے وغیرہ پر بیٹھے۔ (۴) کمر (پُشت) دیوار یا تکیہ وغیرہ سے لگا کر بیٹھے، کھانے کے وقت ان چار صورتوں پر بیٹھنا مذموم ہے۔ ملا علی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں: الاول الا تکاء علی اربعة انواع الا ول الاتکاء علی احد الجنبین الثانی وضع احدی الیدین علی الا رض والاتکاء علیها والثالث التربع علی و طاء والا ستواء علیه والرابع استنا د الظهر علی و سادة و نحوها و کل ذلک مذموم حالة الا کل منهی عنه لا ن فیه تکبر ا۔ (جمع ص ۲۲۸)

اسی طرح لیٹ کر کھانا بھی مکروہ ہے۔ البتہ کھڑے ہو کر کھانا مکروہ نہیں اور اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے مراد مستقل طور پر کھڑے ہو کر کھانا مراد نہیں بلکہ اگر کوئی چیز اتفاقاً کھڑے کھالی، تو اس کو مکروہ نہیں کہنا چاہیے، ورنہ آج ملحدین جو کھڑے ہو کر کھاتے ہیں اسی سے استدلال کرتے پھرینگے۔ نیز سنت طریقہ پر کھانے کی جو تین صورتیں مذکور ہیں، ان کے بھی خلاف ہے، حالانکہ شامی باب الحظر والاباحة میں ہے "کترک السنة المؤ کدة فانه لایتعلق به عقوبة النار ولکن یتعلق به الحر مان عن شفاعة النبی المختار لحدیث من ترک سنتی لم ینل شفاعتی (شامی ج ۵ ص ۲۳۷) (جیسے کہ سنت مؤکدہ کو چھوڑ دینا کہ اس کے ساتھ اگرچہ دوزخ اور آگ کی سزا نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی تو ضرور ہے بوجہ اس حدیث کہ آپؐ نے فرمایا جس نے میری سنت (طریقہ) چھوڑ دیا وہ ہرگز میری شفاعت نہیں پائے گا)۔

نیز شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں آداب الطعام میں ذکر کیا ہے "فاذا غسل یدیه قبل الطعام ونزع النعلین واطمأن فی مجلسه واخذه اعتداداً به وذکر اسم الله افیضت علیه البرکة (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۸۵) جب (کھانے والا) اپنے ہاتھ کھانے سے پہلے دھولے اور جوتے

نکال کر اطمینان کیساتھ مجلس طعام میں بیٹھ جائے اور اسکوعزت واحترام سے اٹھا کر بسم اللہ الخ پڑھے تو اس کھانے میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔اور بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

ویکرہ ایضاً مضطجعاً الا فیما یتنقل بہ ولا یکرہ قائماً لکنہ قاعداً افضل (جمع ص ۲۲۸) اور اسی طرح لیٹے ہوئے کھانا مکروہ ہے مگر (جو بطور تنقل یعنی تفکہ وغیرہ کے ہو) اور (اتفاقاً) کھڑے ہو کر کھانا مکروہ نہیں لیکن بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

کھانے میں سنت طریقہ :

کھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے پر جھکاؤ ہو اور کھانے والا اس پر منحنی ہو، **والسنۃ ان یقعد عند الاکل مائلاً الی الطعام.** (جمع ص ۲۲۸)

اس حدیث کا سبب بھی ایک اعرابی کا قصہ ہے، جو ابن ماجہ اور طبرانی میں اسناد حسن کے ساتھ منقول ہے۔ وہ یوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری ہدیہ کی گئی، **فجثی علی رکبتیہ یاکل ،** حضورؐ دوزانو بیٹھ کر کھارہے تھے۔اعرابی نے یہ دیکھ کر کہا، **ماھذہ الجلسۃ** ؟ یہ کونسا بیٹھنا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، **ان اللہ جعلنی عبدا کریما ولم یجعلنی جبارا عنیدا** (جمع ص ۲۲۸) مجھے اللہ تعالیٰ نے معزز اور متواضع بندہ بنایا اور نہیں بنایا مغرور سرکش۔

ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ سب کچھ تواضعاً کیا۔آپؐ کا ارشاد ہے، **انما انا عبد اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد .** میں تو ایک بندہ ہی ہوں اور بندہ جیسے بیٹھتا ہوں اور کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ اور غلام کھاتا ہے۔اور یہ بھی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ حاضر خدمت ہوا۔ جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔عرض کی حضورؐ! اللہ نے آپ کو اختیار دے دیا ہے، چاہیں تو **عبداً نبیا** بن جائیں اور چاہیں تو **ملکاً نبیا** بن جائیں۔

اس وقت حضرت جبرئیل بھی رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ **فاومأ الیہ ان تواضع قال بل عبداً نبیا** (جمع ص ۲۲۸) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ عاجزی اور تواضع کو پسند کر حضورؐ نے فرمایا کہ میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں ۔فکانت جلسة رسول الله صلی الله علیه وسلم وقت الاکل کلها ادب و احترام فتارة یجلس علی صدور قدمیه و تارة یجلس ناصبا رجله الیمنیٰ وجالسا علی الیسریٰ (اتحافات ص۱۷۵)یعنی آپؐ کا کھانا کھاتے وقت بیٹھنا سب کا سب ادب واحترام کا طریقہ ہے، کبھی تو آپؐ دونوں پاؤں کی ہتھیلیوں پر بیٹھتے اور کبھی داہنے پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو لٹا کر اس پر بیٹھ جاتے ۔ یہ حدیث بھی اور آنے والی حدیث بھی اگلے باب سے زیادہ موزوں ہے، یہاں زیادہ سے زیادہ یہی توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ أن الاتکاء مستلزم تکاة . (مواھب ص۱۱۰) (کہ اتکاء اور تکاء آپس میں لازم ملزوم ہیں)

(۱۲۸/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَاعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاجُحَيْفَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اٰكُلُ مُتَّكِاً.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے نقل کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان سے علی بن اقمر کی وساطت سے پہنچی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا''۔

غرض اتیانِ حدیث :

اس حدیث کے متن میں ''اما انا'' نہیں ہے۔باقی وہی الفاظ ہیں جو پہلی حدیث میں گذر چکے ہیں۔سند میں بھی فرق ہے۔ غرض گذشتہ حدیث کی تاکید ہے، قال السید امیر الدین یظهر الفرق بین الحدیثین باختلاف بعض رجال السند وتغییر یسیر فی المتن والغرض تاکید هذا الامر بالنسبة الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (جمع ص۲۲۹) سید امیر الدینؒ کہتے ہیں کہ ان دو حدیثوں کے درمیان فرق تو سند میں بعض رجال کے اختلاف کیوجہ سے ہے اور کچھ معمولی تبدیلی متن میں بھی ہے اور اصل غرض اس امر (یعنی نبیؐ کا تکیہ لگائے ہوئے نہ کھانا) کی تاکید بنسبت نبی علیہ السلام کے ہے

(۵/ ۱۲۹) حَدَّثَنَا یُوسُفُ بْنُ عِیسٰی حَدَّثَنَا وَکِیعٌ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِیلُ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی لَمْ یَذْکُرْ وَکِیعٌ عَلٰی یَسَارِہٖ ھٰکَذَا رَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ اِسْرَآئِیلَ نَحْوَ رِوَایَۃِ وَکِیعٍ وَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا رَوٰی عَلٰی یَسَارِہٖ اِلَّا مَا رَوٰی اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَآئِیلَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث یوسف بن عیسٰی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ روایت وکیع کے ذریعے پہنچی۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسرائیل نے سماک بن حرب کے واسطہ سے بیان کی اورانہوں نے جابر بن سمرہؓ سے یہ حدیث سنی۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

امام ترمذیؒ نے یہاں پر کلام کیا ہے کہ اس روایت میں وکیع نے بائیں جانب کے الفاظ ذکر نہیں کئے اور بہت سے لوگوں نے اسرائیل کے ہم معنی روایت ہی بیان کی ہے اور ہم اسرائیل سے روایت کرنیوالے اسحٰق بن منصور کے سوا کسی ایک راوی کو بھی نہیں جانتے جس نے بائیں جانب کے الفاظ کہے ہوں''۔

امام ترمذی کا اعتراض :

قال ابو عیسٰی ....الخ ،امام ترمذیؒ کو باب کی پہلی حدیث کے لفظ علی یسارہ پر اعتراض ہے کہ بغیر اسحٰق بن منصور کے کسی بھی دوسرے راوی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ امام ترمذیؒ کا خیال ہے کہ یہ الفاظ شاید سہواً نقل ہوئے ہیں کہ حضورؐ کا معمول دائیں طرف تکیہ کا تھا۔ امام ترمذیؒ کی بات بھی درست ہے، تاہم شارحینؒ کہتے ہیں کہ علی یسارہ کسی عذر کی بنا پر ہوسکتا ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ :

''فان کان بالمرء مانع لا یمکن معہ من الاکل الامتکئا لم یکن فی ذلک کراھۃ ثم ساق عن جماعۃ من السلف انھم اکلوا کذلک '' (جمع ص ۲۲۸) اگر کسی شخص کو رکاوٹ اور مانع درپیش ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے بغیر تکیہ کے وہ کھانا نہیں کھا سکتا تو پھر تکیہ لگائے کھانے میں کسی قسم کی

کراہت نہیں پھر بہت سے اسلاف اور بزرگوں سے تکیہ لگا کر کھانے کا تذکرہ کیا ہے اور اسحٰق بھی ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے۔

وكان الاولىٰ ايراد هذا الطريق عقب طريق اسحق بن منصور أول الباب

(اتحافات ص ۱۷۶) اور اچھا یہ ہوتا کہ اس اسناد کے طریق کو مصنفؒ اسحٰق بن منصور کے اسناد کے بعد شروع باب میں لاتے۔

==================================

بَابَ مَا جَآءَ فِیْ اِتِّکَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لے کر چلنے کے بیان میں

اتکاء: کا معنی سہارا لینا یا سہارا لے کر چلنا۔ اتکاء: وکاء سے ماخوذ ہے، جس سے چیزوں کو باندھا جاتا ہے "اتکاء" انسان کی گرنے سے حفاظت اور دوسرے کے سہارے سے چلنے میں مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

باب تکأۃ اور باب اتکاء کی غرض انعقاد :

(۱) اس باب کا حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عارض یعنی حالتِ مرض وغیرہ میں کسی صحابی کا سہارا لیکر چلنے کے بیان کی غرض سے انعقاد کیا گیا ہے۔ **وبھذا یفھم أن ھذا الباب غیر الاول** ۔ اور اس توجیہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ باب پہلے باب سے مغایر ہے۔

(۲) بعض شارحینؒ کہتے ہیں کہ بابِ سابق کے انعقاد سے غرض حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق تکیہ کا بیان ہے اور اس باب میں **بیان اتکاء المصدر** ، دونوں تراجم میں معنیٰ مصدری اور بیان **ما اتکئی علیہ** جس چیز پر تکیہ کیا جائے کے بیان کے لحاظ سے فرق ہے۔

(۳) مگر زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ پہلے ترجمۃ الباب میں مطلق وسادہ کا بیان تھا۔ **اعم من بیانھا وبیان الاتکاء علیھا** (حاشیہ خصائل) (اس سے عام کہ اسمیں تکیہ یا جس پر تکیہ کیا جائے کا بیان ہو) اور اس **ترجمۃ الباب** سے بیان **استناد علی غیر الوسادۃ من الانسان** (مطلق تکیہ کے علاوہ کسی انسان وغیرہ پر سہارا لینا) مقصود ہے۔ یہاں اس باب میں تو صاف ظاہر ہے کہ انسان کا سہارا لے کر چلنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ دراصل انسان کی کرامت واحترام کی وجہ سے اس کا عدم جواز کا وہم تھا، اس لئے علیحدہ

ترجمۃ الباب کا انعقاد کیا گیا۔

(۴) باب ھذا میں کیفیتِ فعل کا بیان مقصود ہے، اگر چہ ضمناً مفعول بہ کی کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے، جبکہ ماقبل کے باب میں اصلاً مفعول بہ کی کیفیت کا بیان مقصود تھا، اگر چہ فعل کی کیفیت وہاں ضمناً معلوم ہو جاتی ہے۔

(۱۳۰/۱) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى اُسَامَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے عمرو بن عاصم نے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حماد بن سلمہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے حمید سے اخذ کیا۔ وہ اس حدیث کو خادمِ رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضورؐ بیماری میں گھر سے نکلے کہ آپؐ نے اُسامہؓ کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس وقت آپ پر قطر کا ساختہ کپڑا تھا، جس کو آپ نے کندھے پر ڈال رکھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اس حدیث کی تشریح **باب ما جاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (۲/ص ۵۸) میں کی جا چکی ہے۔ قارئین وہاں ملاحظہ فرماویں۔

خلاصہ بحث :

اجمالاً تلخیص یہ ہے کہ شاکیاً، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ضرب یضرب کے باب سے آتا ہے، بمعنی بیمار ہونے کے۔ الشکوی کانت من المرض (اتحافات ص ۱۷۷) بیماری کی وجہ سے شکایت تھی قیل وھذا فی مرض موتہ (جمع ص ۲۳۰) بعض نے کہا کہ یہ واقعہ اور صورت حال مرض موت کے وقت تھی۔

یتوکأ: یہ التوکأ سے مضارع ہے، بمعنی الاتکاء علی الشیء ای یتحامل ویعتمد (جمع ص ۲۳۰) حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین آدمیوں پر سہارالیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ، رواۃ حضرات کبھی کسی کا ذکر کردیتے ہیں، کبھی کسی کا۔ اس حدیث سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام واہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بنابرضرورت کسی آدمی کا سہارا لے کر چلنا جائز ہے۔

(۲/ ۱۳۱) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَطَآءُ بْنُ مُسْلِمِ الْخَفَافُ الْحَلَبِيُّ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ وَعَلٰى رَاْسِهٖ عِصَابَةٌ صَفْرَآءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا فَضْلُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُشْدُدْ بِهٰذِهِ الْعِصَابَةِ رَاْسِيْ قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ عَلٰى كَفَّهُ مَنْكِبِيْ ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مبارک سے پہنچی۔ ان کو یہ روایت عطاء بن مسلم خفاف حلبی کے ذریعے ملی۔ ان کو اسے جعفر بن برقان نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث عطاء بن ابی رباح سے اخذ کی، جنہوں نے اسے فضل بن عباسؓ سے روایت کیا۔

فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے مرض الوفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھ رہی تھی۔ میں نے سلام کیا، حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو۔ پس میں نے تعمیل ارشاد کی۔

پھر حضورصلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں مفصل قصہ ہے۔

راویان حدیث (۳۲۲)محمد بن المبارکؒ (۳۲۳)عطاء بن مسلمؒ (۳۲۴)جعفر بن برقانؒ (۳۲۵)عطاء بن ابی رباحؒ اور(۳۲۶)فضل بن عباسؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ، حدیث کی تشریح :

دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں یہ میری اس ملاقات کاواقعہ ہے جب آپؐ مرض الوفات میں تھے..الخ وعلیٰ راسہ عصابۃ :(اوراسکے سر پر عصابہ یعنی پٹی یا پگڑی تھی) عصابۃ بمعنی پٹی کے یا عمامہ کے ہے، ای خرقۃ اوعمامۃ (جمع ص۲۳۰) تاہم حدیث کے اگلے الفاظ اشدد بھذا العصابۃ راسی (کہ اسی پٹی سے میرے سرکو باندھ) عصابۃ کے خرقہ ہونے کی تائید بلکہ تعین کرتے ہیں۔

صفراء : بمعنی زرد رنگ ہونے' بعض حضرات نے کہا زرد رنگ نہیں تھا، مگرابتداء میں تیل لگانے اور عصابۃ کے ملوث ہوجانے کی وجہ سے وہ زرد معلوم ہوتا تھا۔

قال الحنفی لعل صفرتھا لم تکن اصلیۃ بل کانت عارضۃ من ایام مرضہ لا جل عرق وغیرہ (جمع ص۲۳۱) حنفیؒ کہتے ہیں کہ اسکا پیلا پن (رنگ) اصلی اور حقیقی نہ تھا بلکہ بیماری کے دنوں میں پسینہ وغیرہ کیوجہ سے عارضی طور پر تھا(جمع ص۲۳۱) یہ توجیہ تب ہے، جب عصابۃ بمعنی عمامۃ کے ہواوراگر عصابۃ بمعنی خرقۃ پٹی کے ہو، تو فلا اشکال (جمع ص۲۳۱) (تو پھراس کے پیلے ہونے میں کوئی اشکال نہیں) بہرحال اگر واقعۃً بھی زرد رنگ ہو، تو چونکہ وہ حرام نہیں' اس لئے اختیار فرمایا۔

شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں : العمامۃ الصفراء اور العمامۃ الحمراء اور العمامۃ السوداء (پیلی پگڑی، سرخ پگڑی، کالی پگڑی) آپؐ سے ثابت ہیں۔ فالعمامۃ البیضاء افضل (مواھب ص۱۱۱) (البتہ سفید پگڑی افضل ہے) (مواھب ص۱۱۱) فسلمت : میں نے سلام کیا، پھر مجھے سلام کا جواب دیا گیا، ففی الکلام ایجاز (مناوی ص۲۳۱)۔پس یہاں کلام میں اختصار ہے۔(مناوی ص۲۳۱)

مسئلہ حاضر وناظر :

لبیک یا رسول الله: اس سے بعض لوگ "یارسول اللہ" سے ندا کے جواز پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ ندا بطور تعظیم کے تھی۔۔اس لئے اس کا قائل نہ، تو بدعتی ہے، نہ مشرک ہے، جیسے عام شعراء بھی ندا کرتے ہیں، جو بطور مجاز کے ہوتی ہے۔جو اخراج الکلام بخلاف مقتضی الظاهر ((یہ از قبیل اقتضاء ظاہر کے خلاف کلام کو استعمال کرنا) کے مطابق ہوتی ہے، جسے ہم تنزیل الغائب بمنزلة الشاهد (غائب کو بہ منزلہ حاضر کے بنا دینا) بھی کہہ سکتے ہیں، تو یہ گویا اسناد مجازی ہوا۔اس سے آپ کو حاضر وناظر ثابت کرنا بے سود ہے۔

اشدد بهذه العصابة راسی۔(اس پٹی کیساتھ میرے سرکو باندھ)۔یہ کمال فی التوکل کے منافی نہیں، کیونکہ یہ بھی معالجہ اور تداوی کی ایک نوع ہے۔ واظهار الافتقار المسکنة والتبری من الحول والقوة۔(اور یہ ایک قسم کی محتاجی مسکینی اور زور وقوت کے گھمنڈ نہ ہونے کا اظہار ہے)

فوضع کفه.....الخ : عند قصد القعود او بعده اوعند ارادة القيام وهو الاظهرو قال میرکؒ ای فاتکأ علیّ وقال الحنفی فوضع کفه و کان متکئًا (جمع ص۲۳۱) پھر اپنا ہاتھ مبارک رکھا الخ یعنی بیٹھنے کے ارادہ کیوقت یا اس کے بعد اور یا کھڑے ہونے کے ارادہ کیوقت اور بظاہر یہی صورت تھی ملا میرکؒ فرماتے ہیں (کہ پھر تو الفاظ فاتکأ علیّ ہیں) یعنی میرے اوپر سہارا لے کر کھڑے ہوئے۔اور حنفی کہتے ہیں کہ الفاظ فوضع کفه و کان متکئًا یعنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور آپ تکیہ کئے ہوئے تھے۔(جمع ص۲۳۱) ثم قام (پھر کھڑے ہوئے) یہی موضع استشہاد اور باب اتکاء سے وجہ مناسبت ہے۔

حدیث میں سبق آموز طویل قصہ :

وفي الحديث قصة: یہ قصہ باب الوفات میں تفصیل سے آرہا ہے۔علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، وهي انه صعد المنبر و امر بنداء الناس وحمد الله واثنى عليه والتمس من المسلمين ان يطلبوا منه حقوقهم (مواهب ص۱۱۲) وہ یہ ہے کہ آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو آواز دے کر بلانے کا حکم

کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ تم اپنے حقوق مجھ سے طلب کرو) (مواہب ص۱۱۲) مجمع الزوائد میں خوب تفصیل سے یہ تمام تر قصہ نقل کر دیا گیا۔ قارئین کے ذوق علم اور شوق مطالعہ کے پیش نظر من وعن نذر قارئین ہے۔

امام ترمذیؒ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت فضلؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا، حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کرلوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا:

میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا، میری کمر موجود ہے، بدلہ لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا ہو، میری آبرو سے بدلہ لے لے، جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو، وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے (بدلہ لینے سے) رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے، وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کرلے یا معاف کردے کہ میں اللہ جل شانہٗ کے یہاں بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔

چنانچہ اس کے بعد منبر سے اُتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو، وہ بھی ادا کردے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا میرے تین درہم آپؐ کے ذمے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں، نہ اس کو قسم دیتا ہوں، لیکن

پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک سائل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا، تو آپؐ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ اس کو تین درہم دیدو۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کرو۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لئے تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی۔ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔

اس کے بعد پھر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو، وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی یااللہ اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) نصیب فرما اور (زیادتی) نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یا عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ اس کو سچائی اور کامل ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرمادے۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں، میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے، جدھر بھی وہ جائیں، ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے۔ یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں زبان سے عاجز ہوں، حضور ﷺ

نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ متصف رہتے تھے۔ اسی غلبۂ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو جو باتفاق اہل حق تمام اُمت میں افضل ہیں۔ یہ شبہ ہو جاتا تھا۔

ابن ابی ملیکہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ جو مشہور اکابر صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گذر چکے یعنی صحابہ کرامؓ اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ اور تابعین کوئی بھی ان میں ایسا نہیں ہے، جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گذشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے، جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسنؒ کا یہ بھی مقولہ ہے جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو، وہ منافق ہے۔

ابراہیم تیمیؒ جو فقہاء تابعین میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو (بخاری شریف، فتح الباری) یہی مطلب ہے، ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو ہیچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند ونصیحت وغیرہ احوال کے اعتبار سے یہ ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔ (خصائل ص ۸۱)

==========================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اَکْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے کے طریقے کے بیان میں

بعض نسخوں میں "باب صفة أکل رسو ل الله صلی الله علیه وسلم" (باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی صفت کے بیان میں) منقول ہے۔مگر پہلی عبارت بہتر ہے ، لان المقصود بیان الأخبار الواردة فی صفة اکله صلی الله علیه وسلم (مواہب ص۱۱۲) (اس لئے کہ اصل مقصود ان احادیث کا بیان ہے جو حضور ﷺ کے کھانے تناول فرمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)

لفظ''الاکل'' کی تشریح :

الاکل: کی دوتعریفیں کی گئیں ہیں :

(۱) ادخال شئی من الفم الی البطن بقصد الاغتذاء (کسی چیز کا بہ ارادہ غذا حاصل کرنے منہ کے ذریعے پیٹ میں ڈالنا) مگر یہ تعریف درست نہیں ہے کیونکہ میوہ جات وغیرہ کا کھانا اس تعریف سے نکل جاتا ہے کہ انکا کھانا تفکّھًا (لذت اور مزہ کے لئے) ہوتا ہے۔اغتذاء (غذا کے لئے) نہیں۔

(۲) ادخال الطعام الجامد من الفم الی البطن سواء کان بقصد التغذی اوغیره کالتفکه. (مواہب ص۱۱۲) (منجمد کھانے کومنہ کے ذریعہ پیٹ میں ڈالنا خواہ بہ ارادہ غذاء ہو یا غیر غذا یعنی تلذذ وغیرہ کے لئے۔(مواہب ص۱۱۲) لذت اور مزہ کے لئے لفظ جامد کی قید سے "المائع" نکل گیا، کیونکہ مائع چیز کا منہ میں ادخال، اکل نہیں بلکہ شرب ہے، کیونکہ شرب : ادخال المائع فی الفم (کسی بہنے والی چیز کو منہ میں ڈالنا) کو کہتے ہیں۔اس میں پانی، چائے، دودھ، شربت اور اس قسم کی

سب سیال اشیاء شامل ہیں۔البتہ الاکل : (بالضم) فاسم لما یوکل (مواھب ص۱۱۲) (الاکل (ہمزہ کے ساتھ) ہر کھائی جانے والی چیز کا نام ہے) والاکلة : لبلمرة و اکیلة الاسد فریسة التی یاکلھا. (مناوی ص۲۳۱) (اور لفظ الاکلة ایک دفعہ کھانے کو اور اکیلة الاسد کے معنی شیر کا اپنے شکار کردہ چیز کو کھانا)

حضور اقدس ﷺ کے کھانے کا طریقہ :

اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا بیان ہے۔جس سے آپ ﷺ کے کھانے کے طریقہ پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ آپ ﷺ کس طرح بیٹھ کر اور دائیں ہاتھ سے اور پھر اس کی کن انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے، پھر کھانا کھا کر انگلیوں کو صاف فرماتے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پونچھنے سے پہلے انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے اور پھر کسی کپڑے سے ہاتھ صاف کرلیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے فلا یمسح یدہ حتی یَلْعَقُهَا اَوْیُلْعِقُهَا یعنی اپنا ہاتھ کھانا کھانے کے بعد نہ پونچھتے۔جب تک اس کو چاٹ نہ لیتے یا کسی دوسرے کو چٹوا نہ دیتے۔جناب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کھانے کے بعد تولیہ سے ہاتھ پونچھنا سنت ہے۔(لغات الحدیث ج۵ ص۴۱)

(۱/ ۱۳۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنُ بْنُ مَهْدِيّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهٗ ثَلاثاً قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَرَوٰى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ قَالَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کو محمد بن بشار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان کے حوالے سے بیان کی، انہوں نے یہ روایت سعد بن ابراہیم سے اخذ کی، اور انہوں نے یہ روایت کعب بن مالک کے فرزند سے حاصل کی، جو اپنے باپ کعبؓ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے

تھے۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن بشار کے علاوہ جو اس حدیث کی روایت کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

راویان حدیث (۳۲۷) سعد بن ابراہیم ؒ (۳۲۸) ابن کعب بن مالکؒ اور (۳۲۹) عن ابیہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانے میں تین انگلیوں کا استعمال اور چاٹنا :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یلعق اصابعہ ثلثا ، حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد تین مرتبہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے تا کہ انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا کھانے کا معمولی سا حصہ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔قال ابو عیسٰی ... الخ ، سے امام ترمذیؒ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ بعض نسخوں میں لفظِ ثلاثا کے بجائے 'الثلاث' نقل ہوا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ثلاثاً مرات کی صفت نہیں بلکہ تین انگلیاں مراد ہیں، انگوٹھا، انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی، ای الابھام و المسبحۃ والوسطیٰ (جمع ص ۲۳۳) کہ ان تینوں کے ساتھ آپؐ نوالہ کھایا کرتے تھے اور پھر ان کو چاٹ لیا کرتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر ۴ میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ فیہ اشارۃ خفیۃ الی انہ کان یاکل باصابعہ الثلاث (جمع ص ۲۳۲) (اس میں ایک مخفی اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ اپنے تین انگلیوں مبارک سے کھانا تناول فرماتے)

انگلیوں کو چاٹنے کی کیفیت :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے کی ابتداء وسطی انگلی سے، پھر سبابہ اور پھر ابہام کو چاٹتے تھے جیسے کہ ملا علی قاریؒ نے حدیث نقل کر کے اس کی حکمت بیان فرمائی۔ کعب بن عجرۃؓ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث الابھام والتی تلیھا والوسطی ثم رأیتہ یلعق اصابعہ الثلاث قبل ان یمسحھا الوسطٰی ثم التی تلیھا ثم الابھام وکان السرفیہ ان الوسطٰی اکثر تلویثا لانھا اطول.........اولان الذی یلعق الاصابع یکون بطن کفہ الیٰ جھۃ وجھہ فاذا ابتدأ بالوسطٰی انتقل الی السبابۃ الی جھۃ یمینہ ثم الی الابھام . (جمع ص ۲۳۳) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ اپنی تین انگلیوں انگوٹھے اور اسکے ساتھ والی (انگشت شہادت) اور

درمیان والی انگلی سے کھاتے تھے۔ پھر آپ ؐ کو دیکھا کہ اپنی تینوں انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے چاٹ لیا کرتے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی (انگشت شہادت) پھر انگوٹھے کو اور اس طریقے پر چاٹنے میں یہ راز ہے کہ درمیانی انگلی بوجہ لمبے ہونے کے زیادہ ملوث ہوتی ہے اور یا پھر اسلئے کہ جو شخص انگلیاں چاٹتا ہے تو اسکی ہتھیلی کا اندرونی حصہ اسکے چہرے کی طرف ہوگا پس جب ابتدا درمیانی سے کریگا تو پھر اسے دوسری انگلی سبابہ کی طرف انتقال دائیں جانب ہوگا اور پھر انگوٹھے کے لئے بھی اسی طرح (تو گویا چاٹنے میں بھی دایاں جانب ملحوظ رہا)

انگلیاں کب چاٹی جائیں :

یہ چاٹنا بھی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ کھانے کے دوران نہیں اور یہی سنت ہے **ای بعد الفراغ لافی الاثناء قال ابن حجر فیسن قبل المسح او الغسل اوبعد الفراغ من الاکل لعقها لرواية مسلم و يلعق يده قبل ان يمسحها محافظة على البركة وتنظيفًا لها** (جمع ص۲۳۲) یعنی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ کھانے کے دوران علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پس انگلیوں کا چاٹنا پونچھنے یا دھونے سے پہلے یا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سنت ہے مسلم شریف کی اس روایت کی بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کھانے کے بعد) ہاتھوں کی انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے اس لئے چاٹتے تھے تاکہ انکی صفائی اور برکت کا تحفظ ہو جائے) اصل بات یہ چل رہی تھی کہ تین انگلیاں چاٹنا سنت ہے یا تین مرتبہ؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ چاٹنا مستقل ادب ہے کہ اس سے مکمل صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں چاٹنا مستقل ادب ہے، جیسا کہ اسی باب کی چوتھی روایت میں آرہا ہے۔ (خصائل) ایک روایت کے مطابق چاٹنا بھی سنت ہے اور چٹوانا بھی، مگر چٹوانا وہاں مناسب ہے جہاں سامنے والا اسے بے تکلفی، محبت' شفقت' سنت اور برکت سمجھے۔ مثلاً مخلص خادم ہو، شاگرد رشید ہو، اپنی اولاد ہو، اہلیہ ہو، **يحبون و يتلذذون بذلك منه** (جمع ص۲۳۲) کہ وہ چاٹنے والے بھی اسکے چٹوانے کو پسند اور اسمیں لذت محسوس کریں) مگر ایسے لوگ جو متکبر ہوں، جن کے دماغ میں تہذیب مغرب کی رعونت ہو، جو سرمایہ دار اور مترفین ہوں اور جنہیں خیر و برکت اور

محبت وخلوص کے اس عمل سے کراہت ہو، وہاں نہیں چٹوانا چاہیے۔ خلافاً لمن کرہ من المترفین لعق الاصابع استقذاراً (موھب ص۱۱۲) بخلاف متکبرین مالدار قسم کے لوگ جو انگلیوں کو چاٹنے سے نفرت اور گھن محسوس کریں۔

انگلیاں چاٹنے کے برکات :

ایک روایت میں انگلیاں چاٹنے کی علت بھی بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھالے، تو اسے کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں۔ فانه لا یدری فی ایتھن البــرکة (مواھب ص۱۱۲) (کیونکہ اسے کیا خبر کہ کھانے کے کونسے جزء میں خیر و برکت ہے)۔ اسی طرح برتن کا چاٹنا بھی سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی برتن میں کھایا، پھر اسے چاٹ لیا ...... استغفرت له القصعة (مواھب ص۱۱۲) تو وہ برتن اس کے لئے استغفار پڑھتا ہے۔

احیاء العلوم میں ہے جس نے برتن چاٹ لیا، پھر اسے دھویا اور وہی پانی پی لیا، کان له کعتق رقبة (مواھب ص۱۱۳) اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ جس نے دستر خوان پر گرے پڑے کھانے کے ٹکڑے کھالئے یا جو پلیٹ سے گرا اسے اٹھا کر کھالیا۔ امن من الفقر والبرص والجذام وصرف عن ولده الحمق، تو وہ فقر، برص اور جذام سے مامون رہے اور اس کی اولاد حماقتوں سے محفوظ رہے گی۔ الدیلمیؒ میں ہے کہ جس نے دستر خوان پر گرنے والے ٹکڑے کھائے، خرج ولده صبیح الوجه و نفی عنه الفقر ۔ اس کو اللہ پاک خوبصورت اولاد دے گا اور وہ فقر سے محفوظ رہے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے، جس نے کھانے کے بعد پلیٹ چاٹ لی اور پھر انگلیاں چاٹ لیں، اشبعه الله فی الدنیا والآخرة (مواھب ص۱۱۳) اس کو اللہ پاک دنیا و آخرت میں بھوک سے محفوظ رکھے گا اور پیٹ بھر کر رزق عنایت فرماوے گا۔

(۲/ ۱۳۳) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حسن بن علی خلال نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت عفان اور ان کے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کی۔ انہوں نے ثابت سے اور ثابت نے یہ حدیث صحابی اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے' تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۳۳۰) الحسن بن علی الخلالؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگلیوں کے چاٹنے کو کراہت سے نہ دیکھا جائے :

کان النبی صلی الله علیه وسلم......الخ، مضمون حدیث اور متعلقہ ضروری بحث پچھلی حدیث میں عرض کر دی ہے۔ شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں پر رد ہے، جو انگلیاں چاٹنے کو "استقذارا" (بطورِ نفرت) ناپسند کرتے ہیں۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ بعض بے وقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ تو عقل کی بات ہے اور انہیں سمجھنی چاہیے کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے، یہ وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا۔ اس میں کیا نئی چیز آ گئی کہ اس سے نفرت ہونے لگی اور اس میں کراہت آ گئی (ان کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں)۔ قال الخطابی عاب قوم افسد عقولهم الترفه لعق الاصابع واستقبحوه کانهم ماعلمو ان الطعام الذی علق بهاوبالصحفة جزء من الماکول واذالم یستقذر کله فلا یستقذر بعضه ولیس فیه اکثر من مصها بباطن الشفة. (مناوی ص۲۳۴) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے یا کسی بھی انسان کے فعل کو، اس میں تو کلام ممکن ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فعل اور کسی بھی سنت کو قباحت کی طرف منسوب کرنا اندیشۂ کفر ہے۔

جیسا کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ سے تعبیر کی ہے۔ قال ابن حجرؒ: واعلم ان الکلام فیمن استقذر ذلک من حیث هو لا مع نسبته للنبی ﷺ والا خشی علیه الکفر اذ من استقذر شیئاً من احواله مع علمه بنسبته الیه صلی الله علیه وسلم کفر. (جمع ص۲۳۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

''درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے، ان کو التفات بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر کسی کو کراہت طبعی اپنے اس فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنا چاہیے۔ بندہ جب حجاز گیا تھا، تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے۔ مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا، ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکال کر دیکھتے ہیں، پھر منہ میں لے لیتے ہیں۔ غرض اس انداز سے وہ گھناوٹ سے تعبیر کررہے تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس تذکرہ سے قے ہوجائے گی۔

لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیرنی کا چمچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے، پھر اس لعاب کے بھرے ہوئے کو رکابی بھی ڈال دیا جاتا ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سینکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا واہمہ بھی نہیں ہوتا'' (خصائل ص ۸۳)

(۳/ ۱۳۴) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ الصُّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيِّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ نَحْوَهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن علی بن یزید صدائی بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن اسحٰق حضرمی نے روایت کیا۔

انکو یہ حدیث شعبہ سے سفیان ثوری کی وساطت سے پہنچی، انہوں نے علی ابن اقمر سے اور

انہوں نے علی صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کیا ہے۔ ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

راویان حدیث (۳۳۱) حسین بن علی بن یزید الصدائیؒ اور (۳۳۲) یعقوب بن اسحٰق الحضرمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک تعارض سے جواب :

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَّا اَنَا فلا اٰکل مُتَّکِئًا، اس حدیث کی تشریح گذشتہ صفحات میں حدیث (۱۲۷/۳) باب ما جاء فی التکاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ انہ اکل مرۃ مُتَّکِئًا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانا کھایا تھا۔

علامہ البیجوریؒ اس کی متعدد توجیہات کرتے ہیں۔

(۱) فلعلہ لبیان الجواز۔ (شاید کہ صرف بیان جواز کے لئے ہو)

(۲) او کان قبل النھی، (یا یہ آپؐ کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو) جس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے ابن شاہین نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ ان جبرئیل رأی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل متکئًا فنھاہ (مواھب ص۱۱۳) کہ بیشک جب جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ تکیہ لگا کر کھا رہے ہیں تو اس کو منع کر دیا۔

(۳) ٹیک لگا کر کھانے سے طعام بہ سہولت نیچے نہیں اترتا اور نہ اسے معدہ بہ سہولت قبول کرتا ہے اور بعض اوقات اس سے تکلیف بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔

(۱۳۵/۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ ابْنٍ لِکَعْبِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْکُلُ بَاَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَ يَلْعَقُهُنَّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی۔ انکے پاس اسے عبدۃ

بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت کعب بن مالکؓ کے فرزند سے سُنی۔ جنہوں نے اسے اپنے باپ حضرت کعبؓ کے حوالے سے پیش کیا۔ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی عادتِ شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔

تین انگلیوں سے کھانے کی مزید توضیح :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث ویلعقھن. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے اوران کو چاٹ لیتے تھے۔

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پانچ انگلیوں سے کھانا حریص قسم کے لوگوں کا کام ہے۔ علامہ البیجوریؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ " الأکل باصبع اکل الشیطان وباصبعین اکل الجبابرۃ وبالثلث اکل الا نبیاء (کہ ایک انگلی کیساتھ کھانا شیطان کے کھانے اور دو انگلیوں کیساتھ متکبرین اور بڑے لوگوں کے کھانے اور تین انگلیوں کے ساتھ نبیوں کے کھانے کا طریقہ ہے) (مواھب ص ۱۱۴) حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے "الأکل باصبع واحد مقت وباثنتین تکبر وبالثلثۃ سنۃ و بازید شرۃ "۔ (کہ ایک انگلی سے کھانا مبغوض اور قابل نفرت اور دو انگلیوں سے تکبر ہے اور تین انگلیوں سے سنت ہے اور اس سے زیادہ انگلیوں کے ساتھ کھانا حرص اور ہلکا پن ہے)۔ بعض روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ثابت ہے، تو وہ بوجہ ضرورت کے ہے۔ کوئی ایسی چیز ہو، جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو، تو پھر پانچوں سے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ تاہم اس سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے کہ لقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فمِ معدہ پر بوجھ اور حلق میں اٹک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ وربما سدّ المجریٰ فمات فوراً. (مواھب ص ۱۱۴)

چمچوں کا استعمال :

بعض صالحین نے چمچوں کے استعمال سے بھی پرہیز کیا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین انگلیوں سے کھانا کھانا ثابت ہے۔

ہارون رشید کے بارے میں آیا ہے۔ جب ایک مرتبہ ان کے سامنے طعام لایا گیا، تو انہوں نے چمچ طلب فرمائی۔ اس وقت امام ابو یوسفؒ ان کے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے ہارون رشید سے عرض کی۔

حضور! جاء فی تفسیر جدک ابن عباس فی تفسیر قوله تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم جعلنا لهم اصابع یاکلون بها فأحضرت الملاعق فردها وأکل باصابعه (مواهب ص ۱۱۴)

یعنی تمہارے دادا جان حضرت ابن عباسؓ نے تفسیر آیہ کریمہ ولقد کرمنا بنی آدم کے ضمن میں فرمایا ہے:

"جعلنا لهم اصابع یاکلون بها (کہ ہم نے ان کو انگلیاں دیں جن سے وہ کھاتے ہیں) تو ہارون الرشید نے چمچوں کو واپس کر دیا اور انگلیوں سے کھانا کھایا۔

(۵/ ۱۳۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُکَیْنٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سُلَیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَاَیْتُهٗ یَاْکُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوْعِ.

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت فضل بن دکین سے اخذ کی۔ انہوں نے یہ روایت مصعب بن سلیم سے سنی اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے، بلکہ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹیک لگا کر کھانا بوجہ عذر کے تھا :

یقول اتی رسول اللّٰه علیه وسلم بتمر فرأیته یاکل وهو مقع من الجوع. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، تو میں نے دیکھا کہ وہ تناول فرما رہے ہیں اور بھوک کی وجہ سے سہارا لیئے ہوئے تھے۔

مقع، اقعاء سے ہے، وهو ان یستند الانسان الی ماوراء ہ من الضعف (اتحافات ص ۲۰۰)

(اور وہ یہ کہ انسان کسی چیز کو ضعف اور کمزوری کیوجہ سے اپنے پیچھے تکیہ کیلئے کھڑا کرے)۔ اکڑوں

بیٹھنے، دونوں سرینوں پر بیٹھنے اور دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کر کے کسی چیز کا پیٹھ پیچھے سہارا لینے کو اقعاء کہتے ہیں۔احادیث میں ٹیک لگا کر کھانا ممنوع ہے۔حدیث باب میں جو **اقعاء** کا ذکر ہے، یہ بوجہ عذر و ضرورت کے تھا، یعنی بھوک تھی اور ضعف تھا۔علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں۔**ولیس فی هذا مایدل علی ان الاستناد من اٰداب الاکل لانه انما فعله لضرورة الضعف** (مواهب ص۱۱۴)

(اور اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو یہ دلالت کرے کہ ٹیک لگانا یہ کھانے کے آداب وسنن میں ہے کیونکہ آپؐ نے تو یہ فعل بوجہ عذر کمزوری اور ضعف کیا تھا)

لہٰذا نہ تو اس روایت پر ان احادیث کا اشکال ہوسکتا ہے، جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہوسکتا ہے۔

==========================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ خُبْزِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کے بیان میں

گذشتہ باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اوراس کی کیفیت کا بیان تھا۔اس باب میں آپ ﷺ کی کھائی جانے والی روٹی کا بیان ہے کہ وہ گندم کی ہوتی تھی یا جو کی ،میدے کی ہوتی تھی یا چھنے ہوئے آٹے کی، پراٹھے بھی ہوا کرتے تھے یا نہیں۔میدہ کی روٹی کا آپؐ سے کھانا ثابت نہیں۔میدہ کی روٹی مالداروں کی غذا تھی،گندم تو کاشت ہی نہیں ہوتی تھی،دور دراز علاقوں شام وغیرہ سے منگوائی جاتی تھی۔حضور اقدسؐ کو بالعموم جَو کی سادہ روٹی میسر آتی تھی، جسے آپؐ تناول فرماتے اور خدا کا شکرادا کرتے۔ پراٹھہ پکنے کا ذکر تو روایت میں ملتا ہے،مگر کھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات نقل کی ہیں،ای باب بیان صفة خبز رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (مواھب ص۱۱۴)یعنی باب حضورؐ کی روٹی کے اوصاف کے بیان میں۔

والخبز (بالضم)الشیء المخبوز من نحو بروھو المراد ھنا (مواھب ص۱۱۴)خبز بضم الخاء سے مراد ایسی چیز جو گندم وغیرہ سے پکائی ہوئی ہو۔اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔

ھو ما یخبز من برّاو شعیرٍ وغیرھما (اتحافات ص۲۰۲)جو گندم یا جو وغیرہ سے پکائی جائے۔

(۱/۱۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ یَزِیْدَ یُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ اور محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی، وہ دونوں کہتے

ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو شعبہ نے ابو اسحٰق کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن یزید کو اسود بن یزید سے روایت بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے یہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اخذ کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسؐ کی وفات تک حضورؐ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

راویان حدیث (۳۳۳) عبدالرحمٰن بن یزیدؒ اور (۳۳۴) اسود بن یزیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''آل'' مقحم یا غیر مقحم :

ماشبع آل محمد......الخ، شبع کا معنی شکم سیر ہونا۔ من باب طرب (مواھب ص ۱۱۴) اس روایت میں لفظِ ''ال'' اگر مقحم زائد ہو، تو مراد آپؐ کی ذات مبارک ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خود سرور عالمؐ نے مسلسل دو روز تک گندم کی روٹی، تو اپنی جگہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور اگر لفظِ ''ال'' مقحم نہ ہو، تو آپؐ کی ذات بمع اہل خانہ کے مراد ہے۔ یعنی آپؐ کے حینِ حیات آپؐ کے اہل خانہ نے بھی مسلسل دو روز تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

والمراد بالآل هنا ازواجه والذين كان ينفق عليهم ويعولهم ويحتمل ان يكون لفظ "ال" زائداً فيكون المراد ماشبع رسول الله صلى الله عليه وسلم (اتحافات ص ۲۰۲) اور یہاں آل سے مراد آپؐ کی ازواج مطہرات اور جن پر آپؐ خرچ کیا کرتے یعنی اہل وعیال اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں لفظ آل زائد ہو تو پھر مراد یہ ہوگا کہ خود حضورؐ سیر نہیں ہوتے تھے۔ الخ)

اس سلسلہ میں مختلف احادیث منقول ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، **ماشبع آل محمد من طعام ثلثة ايام** (کہ حضورؐ کے اہل وعیال نے تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا) اور ایک دوسری روایت ہے، **ماشبع آل محمد من خبز مادوم** (محمدؐ کے اہل وعیال سیر نہیں ہوئے ایسی روٹی سے جو سالن کے ساتھ ہو) ایک اور حدیث میں ہے ، **ما شبع ال محمد يومين الاواحد هما تمر** (کہ پیٹ بھر

کر نہیں کھائی حضورؐ کے گھرانے نے مسلسل دو دن مگر ان میں سے ایک دن کھجور ہوتی تھی)۔ گویا ایک دن کھانا ایک دن فاقہ ہوتا تھا۔ سخاوت، بخشش اور جود وعنایت آپؐ اور آپؐ کے خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ فقیروں، عاجزوں، مسکینوں اور غریبوں کی پرورش آپ کی شفیق طبیعت تھی، اس لئے ایک روز آپؐ اور آپؐ کے اہل بیت روٹی سالن کھا لیا کرتے تھے۔ دوسرے روز کھجور پر گذارا کر کے غریبوں، فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دنیاوی عیش وعشرت اور فارغ البالی کو ان مقدس وجودوں نے پسند ہی نہیں فرمایا، بلکہ فقر وفاقہ کی زندگی کو تمام لذتوں پر ترجیح دے کر پیارے محبوبؐ کے نقش قدم پر چلنے کو باعثِ فخر سمجھتے۔

ایک اشکال کا جواب :

بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ اپنے اہل بیت کو ایک ایک سال کا نفقہ عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جوابات بیان کئے ہیں۔

(۱) اس حدیث میں لفظ "اهـل" مقحم یعنی زائد ہے۔ مراد خود ذاتِ اقدسؐ ہے اور آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی ذخیرہ نہیں کیا۔

(۲) حضور اقدسؐ تو اپنی ازواج مطہرات کو سال کا ذخیرہ حوالہ کر دیا کرتے تھے، مگر ازواج مطہرات شوقِ ثواب میں سب کچھ فقراء مساکین اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ ولا ينا فی ذلک انه كان يدخر فی آخر حياته قوت سنة لعياله لأنه كان يعرض له حاجة المحتاج فيخرج فيها ما كان يدخره. (مواهب ص ۱۱۵) اور یہ آپؐ کی گذشتہ حالت کے منافی اور مخالف نہیں کیونکہ آپؐ تو اپنی آخری زندگی میں اپنے اہل وعیال کے لئے پورے سال کا غلہ ذخیرہ فرما دیتے تھے لیکن جب کوئی محتاج اپنی حاجت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ تو پھر ذخیرہ شدہ میں سے اس کی حاجت کے لئے نکال لاتے۔

(۳) حضور اقدسؐ اور ازواج مطہرات کا فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا، کیونکہ آپؐ خود کسی چیز کا

ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔اوراز واج مطہرات اپنے نفقات کا صدقہ کرلیا کرتی تھیں۔فقرِ اختیاری کی بھی دوقسمیں ہیں۔

(۱) گھر میں سب کچھ موجود ہے۔مگر کھاتے نہیں' یہ فقرِ مذموم ہے۔

(۲) جومل جائے تناول کرلیا جائے ،نہ ملے تو صبر کرلیا جائے۔بظاہر یہ فقر اضطراری ہے، مگر آپؐ کے حق میں اسلئے اختیاری ہے کہ آپؐ دعا سے متمول بن سکتے تھے۔اُحد پہاڑ سونے کا بنانے کی پیش کش کی گئی ،مگر آپؐ نے اختیاراً فقر کو ترجیح دی، بلکہ ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے، اللھم احینی مسکینًا وامتنی مسکینًا واحشرنی فی زمرة المساکین ۔(اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے موت بھی مسکینی میں دے اور آخرت میں مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھایئے)۔فقر اختیاری کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپؐ کے پاس جتنا مال بھی آجاتا تھا،آپؐ اس کوراہ خدا میں فوراً خرچ کردیتے اورآپؐ کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اس کی دوتوجیہات بیان کی ہیں' فرماتے ہیں

(۱) یہ کہ سال بھر کا نفقہ اس حساب سے ہو کہ مسلسل دودن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو، بلکہ کبھی روٹی،کبھی کھجوریں اور کبھی فاقہ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہی ہوں۔اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو صرف روٹی کی نفی ہے۔

''الشبع'' کی مضرتیں :

علماءؒ نے اس پر تنبیہ کی ہے' جو شبع (پیٹ بھر کر کھانا) معدہ میں فساد پیدا کرے اور پیٹ بڑھائے وہی ''منھی عنہ'' یعنی ممنوع ہے اورحق بھی یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا اعضاء کو عبادت میں بوجھل بنا دیتا ہے۔انسان میں فطری اور طبعی نشاط کو ختم کر دیتا ہے۔نیند کی کثرت اور سستی وغفلت کا باعث بنتا ہے،صاحبِ اتحافات بھی یہی نقل کرتے ہیں: والحق ان الشبع یثقل الاعضاء عن العبادة،

ویقلل نشأط المرء و یکثر من نومه وتثاؤبه. (اتحافات ص۲۰۲)

(۱۳۸/۲)حَدَّثَنا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِیُّ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ بُکَیْرٍ حَدَّثَنا حَرِیْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ سُلَیْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِیَّ یَقُوْلُ مَا کَانَ یَفْضُلُ عَنْ اَهْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِیْرِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحیٰ بن ابی بکیر نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کو حریز بن عثمان نے سلیم بن عامر کے واسطے سے بیان کیا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہؓ باہلی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔

راویان حدیث (۳۳۵) یحیٰ بن ابی بکیرؒ (۳۳۶) حریز بن عثمانؒ (۳۳۷) سلیم بن عامرؒ اور (۳۳۸) ابوامامۃ الباھلیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کچھ بھی نہ رہتا :

ما کان یفضل عن اهل بیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خبز الشعیر : فضل کا معنی باقی رہنا، بچنا اور زیادہ ہوجانا، آتا ہے۔ ای یزید (یفضل کا معنی یزید ہے)(جمع ص ۲۳۸) یعنی دستر خوان پر جب کھانا چنا جاتا ہے، وہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ سارا کھالیا جاتا تھا، بمشکل اس سے شکم سیری ہوتی ہے۔ یعنی آپؐ کے گھر میں اشیاء خورد ونوش بہت قلیل ہوا کرتے تھے کہ جو کی سادہ روٹی بھی بمشکل میسر تھی۔ اس کے فاضل بچے رہنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میرکؒ فرماتے ہیں ''ای کان لا یبقی فی سفرتهم فاضلاً عن ماکولهم" (یعنی ان کے دستر خوان میں کھائے گئے کھانے سے زائد نہیں بچتا تھا) سیدہ عائشہؓ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قالت مارفع عن مائدته کسرة خبز حتی قبض (آپؐ کے دستر خوان سے آپؐ کی وفات تک کوئی بچا ہوا ٹکڑا نہیں اٹھایا گیا) وقد ورد عن عائشةؓ ایضاً انها قالت توفی صلی اللّٰه علیه وسلم ولیس عندی شیء یاکله ذو کبد الاشطر شعیر فی

رف أی نصف وسق فأكلت حتی طال علی فكلته ففنی . (مناوی ص ۲۳۸) (اوراسی طرح حضرت عائشہؓ سے یہ بھی منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی جب وفات ہوئی تو میرے پاس کسی جگر والے یعنی ذی روح کے لئے کھانے کو کچھ بھی موجود نہ تھا مگر آدھے وسق کی مقدار میں جو میں اس سے کھایا کرتی کافی مدت تک پھر میں نے جب اس کو ماپ لیا تو پھر ختم ہو گئے)

(۱۳۹/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ هِلَالِ بْنِ خُبَابٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن معاویہ جمحی نے بیان کی۔ اُنکے پاس یہ روایت ثابت بن یزید نے ہلال بن خباب کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمۃ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپؐ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گذار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا، اور اکثر غذا آپ ﷺ کی جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (گو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی)۔

راویان حدیث (۳۳۹) عبداللہ بن معاویہ الجمحیؒ اور (۳۴۰) ھلال بن خبابؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''طاویاً'' کا معنی :

قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یبیت ....الخ، طاویاً : طوی سے ہے۔ باب ضرب بمعنی لپیٹنے کے، اگر باب علم سے ہو تو، بمعنی بھوکا رہنے کے ہے۔ طاوی کا معنی مجازاً بھوکا ہونا آتا ہے۔ ای خالی البطن جائعاً وطوی (بالفتح) اذا جوّع نفسه قصداً (جمع ص ۲۳۸) یعنی خالی پیٹ (بھوکا) اور طوی (فتح کیساتھ) کا معنی یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو قصداً بھوکا رکھے۔

عشاء ! عین کے فتح کے ساتھ وھو مایو کل عند العشاء (بالکسر)(جمع ص ۲۳۹) جو چیز رات کو عشاء کے وقت کھائی جائے۔

لفظ ''اھل '' کی تشریح :

اھلہ ! مراد عیال ہیں، زوجہ سے بھی کنایہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، وسار باھلہ (کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ چلے) وتاھل بمعنی تزوّج کے ہے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں : والمراد باھلہ عیالہ الذین فی نفقتہ وفی المغرب اھل الرجل امرأتہ وولدہ والذین فی عیالہ ونفقتہ وکذا کل أخ وأخت وعم وابن عم وصبی یقوتہ فی منزلہ (مواھب ص ۱۱۵) اوراہل سے مراد گھرانے کے وہ افراد ہیں جن کا نان نفقہ اسکے ذمہ ہواور لغت کی کتاب مغرب میں ہے کہ ایک شخص کے اہل اس کی بیوی اولاد اور گھرانے کے وہ لوگ جن کا خرچ وخوراک اس کے ذمہ ہواور اسی طرح ہر بہن اور بھائی چچا اور چچازاد بھائی اور دیگر چھوٹے بچے جو اس گھر میں پلتے ہوں (وہ سب اس کے اہل کہلاتے ہیں)

اظہار فقر سے اجتناب :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ تو حضور اقدسؐ اپنی شرافتِ نفس وعظمت منصب اور رفعتِ مقام کی وجہ سے اپنے صحابہ کرامؓ سے بھی اس کیفیت فقر وافلاس کو چھپائے رکھتے تھے۔ علامہ البیجوریؒ کے الفاظ میں یبالغ فی سترہ ذلک عن اصحابہ ،آپؐ اپنے صحابہؓ سے اس کو چھپانے کی انتہائی کوشش فرماتے تھے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے اور اہل بیتِ اطہار کے فقر وافلاس کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ دو دو تین تین روز فاقہ سے گذر رہے ہیں اور وہ خاموش رہیں اور تعاون نہ کریں، مگر آپؐ نے اور آپؐ کے اہل بیت نے اپنے فقر واحتیاج کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ اس میں بھی تعلیم امت مقصود تھی کہ غربت وافلاس اور فقر وفاقہ کے باوصف دستِ سوال نہیں پھیلانا چاہیے۔ وھذا یدل علی فضل الفقر والتجنب عن السؤال مع الجوع (مواھب ص ۱۱۵) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر وفاقہ کے باوجود یہ عملاً دستِ سوال سے بچنے کی فضیلت پر

دلالت کر رہا ہے۔

روٹی اکثر جو کی تناول فرماتے :

وكان اكثر خبزهم خبز الشعير: حضور اقدسؐ کی روٹی اکثر جو کی ہوا کرتی تھی اور اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ جو کا موٹا آٹا ہوتا تھا۔ چھلنی بھی نہ ہوتی، پھونکوں سے تنکے اڑا دیئے جاتے تھے۔

(۱۴۰/۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحمٰنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارَیَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ. كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاكَانَتْ لَنَامَنَاخِلُ فَقِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مِنْهُ مَاطَارَثُمَّ نَعْجِنُهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی اُن کے پاس بیان کیا عبیداللہ بن عبدالمجید حنفی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرحمٰن نے بیان کی، جو کہ ابن عبداللہ بن دینار تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوحازم نے صحابی رسول حضرت سہل بن سعدؓ کے حوالے سے بیان کی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں ہوگا، پھر سائل نے پوچھا کہ حضورؐ کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا پھر جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سہلؓ نے فرمایا کہ اس کے آٹے میں پھونک مارلیا کرتے تھے' جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے وہ اُڑ جاتے تھے، باقی گوندھ لیتے تھے۔

راویان حدیث (۳۴۱) عبداللہ بن عبدالمجید الحنفیؒ (۳۴۲) عبدالرحمٰن یعنی عبداللہ بن دینارؒ (۳۴۳)

ابوحازمؒ اور (۳۴۴) سھل ابن سعدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''النقیّ ''اور ''الحواری'' کی تشریح :

اکل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم النقی یعنی الحواریّ : النقیّ چھنا ہوا آٹا اور میدہ اس کوالحواری بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر ہمزۂ استفہام محذوف ہے۔ وھی ثابتۃ فی نسخۃ (مواھب ص ۱۱۶) (اور یہ ھمزہ ایک نسخہ میں موجود ہے)۔ النقیّ: اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چھلنی سے صاف ہوکر آتا ہے۔ لنقائہ من النخالۃ قال :

یطعم الناس اذا ما امحلوا ۔۔۔ من نقی فوقہ ادمہ

شاعر کہتا ہے کہ (میرا ممدوح) لوگوں کو کھلاتا ہے جب وہ قحط زدہ ہوتے ہیں میدہ کی روٹی سالن کے ساتھ۔

الحواری : النقی کی تفسیر ہے، جوراوی کا ادراج ہے' ھو الذی نخل مرۃ بعد مرۃ من التحویر والتبییض وھو تفسیر مدرج. (اتحافات ص ۲۰۵) (حواری وہ میدہ اور آٹا ہے جو کئی بار چھانا جائے یہ تحویر اور تبییض (سفیدی کے مادہ سے ہے اور نقی کی تفسیر حواری ہے یہ راوی کا ادراج ہے۔

حواری مخلص دوست کو کہتے ہیں، قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ (صف ۱۴) مخلص دوستوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک مخلص دوست ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سہلؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپؐ نے اپنی زندگی میں کبھی چھنے ہوئے آٹے سے پکی ہوئی روٹی بھی کھائی ہے۔

حضورؐ نے میدہ کبھی دیکھا بھی نہیں :

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ کھانا تو کجا، ما رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النقیّ، آپؐ نے زندگی میں چھنا ہوا آٹا یا میدہ دیکھا بھی نہیں ولکن سھلاً لم ینف الأکل فقط بل نفی الرؤیۃ کذالک (اتحافات ص ۲۰۵) یہاں حضرت سہلؓ نے صرف میدہ کی روٹی کھانے کی نفی نہیں کی بلکہ دیکھنے تک کی بھی کردی۔ حتی لقی اللّٰہ۔ یہ وصال مبارک سے کنایہ ہے کیونکہ موت اللہ کی ملاقات

کے اولین مقدمات میں سے ہے۔ ظاہرِ روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے چھنا ہوا آٹا اور میدہ نہ تو بعثت سے قبل دیکھا تھا اور نہ بعد میں، لم یرا لنقی قبل البعثة ولا بعد ھا (اتحافات ص ۲۰۵) حضرت سہلؓ سے ایک دوسرے طریق سے روایت منقول ہے، مارأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم منخلاً من حین ابتعثه الله حتی قبضه (جمع ص ۲۴۰) (نبی کریمؐ نے بعثت سے لے کر وصال تک کبھی چھانی کو دیکھا بھی نہیں)

حضرت سہلؓ سے مزید پوچھا گیا ھل کانت لکم مناخل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھانیاں ہوتی تھیں) مناخل، منخل کی جمع ہے، وھو الة النخل وھو معروف (وہ چھاننے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو لوگوں میں مشہور ہے) (اتحافات ص ۲۰۵) جسے ہم اردو میں چھانی کہتے ہیں۔

جب سوال بصیغہ جمع ہے، یعنی ھل کانت لکم (معشر الصحابة من المھاجرین و الانصار) (اے جماعت صحابہؓ ! (مہاجرین وانصار) کیا تمہاری چھانیاں ہوتی تھیں) (مواھب ص ۱۱۶) تو اس کا جواب بھی جمع کے صیغے میں دیا گیا۔ ما کانت لنا مناخل۔ (ہماری چھانیاں نہیں تھیں)۔

آٹا صاف کرنے کا طریقہ :

سامعین نے روایت پر اور قصہ پر تعجب کیا، اس لئے پھر سوال کیا گیا کیف کنتم تصنعون بالشعیر (تو پھر جَو (پسے ہوئے) کیساتھ تم کیا معاملہ کرتے تھے)، تو جواب میں حضرت سہلؓ نے فرمایا، کنا ننفخه یعنی جو کا آٹا پیس کر اوپر سے پھونک مارتے تھے جس سے موٹا موٹا چھلکا اڑ جاتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ''النفخ'' کی تفسیر ''نقول اف'' (کہ ہم اس پر اف کرتے) سے بیان کی گئی ہے۔ فیطیر منه ماطار کالتبن ویبقی الدقیق (اتحافات ص ۲۰۵) تو جس چیز (تنکے وغیرہ) نے اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتی (اور اسکا آٹا رہ جاتا)۔

ثم نعجنه، پھر اسے ہم گوندھ لیا کرتے تھے اور وہی پکا کر کھایا کرتے تھے۔ عجین اس آٹے کو کہتے ہیں، جو پانی میں گوندھا گیا ہو، عجن کا معنی گوندھنا۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر اَن چھنا آٹا استعمال فرمایا :

خلاصہ یہ کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنے آٹے (گیہوں یا جو) کی روٹی نوش فرماتے رہے۔طبی نقطۂ نگاہ سے بھی اَن چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی معدہ پر ثقل اور گرانی پیدا کرتی ہے۔

چھلنی کی بدعت :

بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت در آنے والی چھلنیوں کی ترویج ہے۔ولـذا قيل المنخل اول بدعة في الاسلام (جمع ص ۲۴۰) تاہم یہ ملحوظ رہے کہ یہاں بدعت سے مراد وہ بدعت نہیں جو سنت کے مقابلہ میں ہے اور مذموم ہے بلکہ جدید اقدام اور جدید طریقۂ رائج کرنے کے اعتبار سے بدعت کہا گیا ہے۔تاہم اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وقـد نقل المناوی عن الغزالی وهذا لا يقتضی ان اتخاذ المناخل لنخل الطعام منهی عنه، لأن القصد مـن النخل تطيب الطعام وهو مباح مالم يؤد الى التنعم المفرط . (اتحافات ص ۲۰۵) اور تحقیق علامہ مناویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے۔کہ اس روایت سے آٹا چھاننے کے لئے چھانیاں بنانے کا عدم جواز معلوم نہیں ہوتا۔اسلئے کہ آٹا وغیرہ کو چھاننے سے کھانے کی اصلاح اور اچھا بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ ایک مباح اور جائز امر ہے اگر انتہائی عیش پرستی کے لئے نہ ہو۔(واللہ اعلم)

(۱۴۱/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ یُوْنُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا اَكَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی خِوَانٍ وَلَا فِیْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَلَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰی مَا كَانُوْ يَاْ كُلُوْنَ قَالَ عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ یُوْنُسُ هٰذَا الَّذِیْ رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ هُوَ یُوْنُسُ الْاَسْكَافُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی معاذ بن ہشام نے خبر دی۔وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے یونس کے حوالے سے بیان

کی۔انہوں نے اس کو قتادہ سے نقل کیا اور قتادہ نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپؐ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہؒ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دسترخوان پر۔

لفظ ''خِوان'' کی تشریح :

ما اکل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...الخ ،خوانِ (خا کے کسرہ کے ساتھ) اس کی جمع خُوْن آتی ہے، جو خُوُن سے مخفف ہے۔ خوان (خا کے ضمہ کے ساتھ) بھی ایک لغت میں آتا ہے، وہ اونچی شئی جس پر اہل امصار کھانا کھاتے ہیں، جس کے نیچے پائے ہوں، میز اور تپائی وغیرہ ،ھو الشیء المرتفع الذی یاکل علیہ اھل الامصار (اتحافات ص۲۰۶) قیل وسمی خوانا لانہ یتخون ما علیہ ای ینتقص ۔(جمع ص۲۴۱) اور اسے خوان اس لئے کہتے ہیں کہ جو چیز اس پر ہوتی ہے وہ کھانے سے کم ہوتی جاتی ہے۔ اس میں ایک تیسری لغت بھی منقول ہے اور وہ اخوان (ہمزہ کا کسرہ اور خاء ساکن) کے ساتھ ہے لعلھا سمیت بذالک لا جتماع الاخوان والا صحاب عندھا وحولھا (جمع ص۲۴۱) (اور شاید اسکی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو کہ بھائی اور ساتھی اسکے پاس اور اردگرد جمع ہو جاتے ہیں)۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اسم عجمی ہے، معرب ہے۔

تپائی اور میز پر کھانا کھانے کا حکم :

اس کا استعمال عموماً مترفین کرتے ہیں۔ یہ صنیع الجبارین ہے، لئلا یفتقروا الی خفض الرأس عند الاکل (جمع ص۲۴۱) (یہ متکبرین اور بڑے مالداروں کا طریقہ ہے کہ انکی تو خواہش ہوتی ہے کہ کھانے کی وقت سر جھکانے کی بھی ضرورت نہ ہو)۔ متکبرین، مترفین اور جبارین کی متکبرانہ اور شنیعہ عادت ہونے کے پیش نظر آپؐ کو پسند نہ تھی۔ اس لئے کبھی بھی اسے اختیار نہ فرمایا۔ اس لئے مناویؒ،

ملا علی قاریؒ اور علامہ البیجوریؒ سب نے لکھا ہے۔ فالا کل علیه بدعة لکنها جائزة (جمع ص ۲۴۱) پس اس (میز تپائی وغیرہ) پر کھانا بدعت ہونے کے باوجود جائز ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وجاء النهي عنه اذا قصد الأكلون تكبرا فان لم يقصدو اذلك فلا جناح (اتحافات ص ۲۰۶) (اور ان پر کھانے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ ان پر کھانے والوں کے ارادے تکبر اور بڑائی کے ہوں اگر ان کا مقصد یہ نہ ہوتو پھر صرف ان پر کھانے میں گناہ نہیں۔ کوکب دری میں ہے کہ ہمارے زمانے میں میز پر کھانا کھانا نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم ضرورت، مجبوری، ماحول اور بعض ایسے حالات جہاں تکبر اور تشبہ کا احتمال نہ ہو میز اور تپائی کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

چھوٹی پیالیوں اور چٹنی وغیرہ کے برتنوں کا استعمال :

سُكُرَّجَةٌ: چھوٹا برتن، چھوٹی پلیٹ، چھوٹی طشتری اور چھوٹی پیالی وغیرہ، جس میں چٹنی، اچار، مربہ اور سلاط وغیرہ رکھی جاتی ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں، اناء صغير يوضع فيه الشيء القليل المشهي للطعام الهاضم له كالسلطة والمخلل (مواهب ۱۱۷) کھانے کے ساتھ دسترخوان پر جو متعلقات رکھی جاتی ہیں، چٹنیاں اور مربے وغیرہ، جن سے کھانے میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ اشتہاء کھلتی ہے اور زیادہ کھایا جا سکتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ ان چیزوں سے احتراز فرمایا۔ اس لئے ان کے لئے استعمال ہونے والے برتن بھی استعمال نہیں کئے، بلکہ آپؐ تو پیٹ بھر کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے ہاضم اشیاء کے استعمال کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی، بل كان لا ياكل الا لشدة الجوع ولانها اوعية الالوان ولم تكن الالوان من شان العرب (بلکہ آپؐ تو انتہائی بھوک کی وجہ سے کھانا کھاتے تھے نیز یہ برتن متنوع اشیاء کے رکھنے کے لئے ہوتے ہیں اور عرب میں متنوع اور مختلف قسم کے کھانوں کا رواج نہیں تھا)۔ بلکہ عربوں کا محبوب کھانا ثرید ہوتا تھا، جس پر گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوتے تھے، انما كان طعامهم الثريد على مقطعات اللحم (مواهب ص ۱۱۷) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سکرجۃ اس لئے بھی استعمال نہیں فرمایا کیونکہ اکثر متکبرین، خیلاء اور

جبارین اسے استعمال کرتے ہیں۔اوانه من علامات البخل، و الاظهر انه من دأب المترفين و عاده الحريصين على الاكل المفرطين. (جمع ص ۲۴۱)(اور یا یہ (چھوٹے برتنوں کا) استعمال بخل کی علامت ہے۔ البتہ زیادہ واضح بات یہی ہے کہ بیشک یہ طریقہ عیش پرست اور انتہائی زیادہ کھانے والے حریص لوگوں کی عادت ہے۔

میدہ کی روٹی :

ولاخبز له مرقق، اور نہ ہی آپؐ کے لئے کبھی میدہ کی چپاتی پکائی گئی۔مرقق باریک اور پتلی روٹی، ای

(۱) ملیّن محسن كخبز الحوارى

(۲) وقيل الخبز المرقق هو الرغيف الواسع الرقيق ويقال له الرُقاق (اور بعض نے خبز مرقق کی تعریف یہ کی ہے کہ پتلی اور چوڑی روٹی جسے رقاق کہا جاتا ہے)۔

(۳) وقيل هو السميد مايصنع من الكعك وغیرہ۔(اور بعض نے کہا کیک وغیرہ قسم کی روٹی جو میدہ سے بنائی جاتی ہے)

ترقیق کا معنی تلیین ہے اور ظاہر ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی روٹی اکثر جو سے ہوا کرتی تھی، جبکہ پتلی باریک روٹی (رُقاق) گندم کے میدہ سے پکتی ہے اور بظاہر وہ آپؐ کو میسر نہ تھا اور نہ آپؐ اسے پسند فرماتے تھے۔

ترقيق الخبز بھی تو متکبرین اور مترفین کا وتیرہ ہے اور ارباب تکلف کا کام اور یہ تو بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ ذاتِ اقدسؐ تکلف اور تنعّم سے بری تھی، بلکہ آپؐ زندگی بھران تکلفات وتنعّمات کے قریب بھی نہیں پھٹکے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے ما اعلم ان النبیؐ رأى رغيفا مرققا حتى لحق بالله وشاةً سميطابعينه حتى لحق بالله (جمع ص ۲۴۲)(کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ نبی کریمؐ نے وفات تک پتلی روٹی (چپاتی وغیرہ) یا سالم بکری بھنی ہوئی دیکھی ہو) اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ میدہ قابض، ثقیل، دیر ہضم اور مسدد ہے۔میدہ کھانے والے اکثر قولنج، بدہضمی اور نفخ کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، انہیں بواسیر اور قبض کی شکایت اکثر رہتی ہے۔

"السفرة" کا معنی وتشریح اور استعمال :

فقلت لقتادة ... الخ ، جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؒ سے دریافت کیا۔ فعلی ما کانوا یاکلون پھر کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے ، انہوں نے جواب میں فرمایا، علی هذه السفرة ' اپنے اسی دستر خوان پر۔

السُفُر : سفرة کی جمع ہے۔ اسے سفرۃ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ جب بچھایا جاتا ہے تو اس پر چنا ہوا کھانا سب کا سب' سب کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کما ان السفر یسمّٰی سفراً لاسفاره من اخلاق الرجال (اتحافات ص ۲۰۷) جیسے کہ سفر کو اس لئے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر شخص کے اخلاق (اچھے یا بُرے) کو ظاہر کر دیتا ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں ـو السفـرة : حاله مستدیر وله معالیق وتضم و تنفرج ، السفرة اخص من المائدة وهی مایمد ویبسط لیؤ کل علیه سواء کان من الجلد او من الثیاب (اتحافات ص ۲۰۷) (کہ سفرہ ایک گول قسم کا چمڑہ جس میں معالیق (لٹکانے کے آلات) ہوں جو سمیٹے جاتے ہیں اور کھلتے بھی ہیں (پھر انکی نسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ سفرہ خاص ہے مائدہ سے کیونکہ مائدہ ایسا دستر خوانِ جسے اس لئے بچھایا جائے تا کہ س پر کھانا کھایا جائے وہ چمڑے کا ہو یا کپڑے کا)

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ طعام کو میز اور تپائی پر رکھ کر کھانا، متکبرین اور مترفین کا طریقہ ہے اور زمین پر رکھ کر کھانا، سوءادب ہے........ وفسادله. (اور اسکو خراب کرنا ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان کا طریقہ اعتدال اختیار فرمایا: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: میز یا تپائی پر کھانا بادشاہوں کا عمل ہے، رومال پر کھانا اہل عجم کا عمل ہے اور السفرة پر کھانا عرب کا عمل ہے اور وہ سنت ہے۔ جسے علامہ بیجوریؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وقال الحسن البصری الاکل علی الخوان فعل الملوک وعلی المندیل فعل العجم وعلی السفرة فعل العرب وهو سنة. (مواهب ص ۱۱۷)

(۶/ ۳۴۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنا عَبَّادُ بْنُ عَبَادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ فَدعَتْ لِیْ بِطعَامٍ وَقَالَتْ مَااَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاَشَآءُ اَنْ اَبْكِیَ اِلَّا بَكَيْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ اَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِیْ فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا وَاللّٰهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِیْ يَوْمٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت عباد بن عباد مہلبی نے مجالد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبی سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کی۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی، مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگتی ہوں۔

مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے حضورؐ کی وہ حالت یاد آجاتی ہے، جس پر ہم سے مفارقت فرمائی ہے کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔

راویان حدیث (۳۴۵) عباد بن عباد المهلبی ؒ (۳۴۶) المجالدؒ اور (۳۴۷) الشعبیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروقؒ کی ضیافت کی:

قال دخلت علی عائشةؓ ..الخ 'حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے پاس گیا۔ فدعت لی بطعامٍ یعنی انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا، ای امرت خادمها ان يقدمه الی "(یعنی اپنے خادم کو کہا کہ وہ میرے پاس کھانا لائے) مقصد یہ ہے کہ انہوں نے میری ضیافت کی۔ فرمانے لگیں ما اشبع من طعام، میں سیر ہو کر کبھی بھی کھانا نہیں کھاتی جو کچھ میرے پاس ہوتا ہے، وہ سیر ہو کر نہیں کھایا جاتا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کھانے سے مراد روٹی اور گوشت ہے، ای خبز ولحم۔ (یعنی روٹی وگوشت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا

فاشاء ان ابکی الابکیت ، یعنی میں اپنے سے رونا نہیں روک سکتی، رونا بہرصورت آیا ہی چاہتا ہے جملے کا مفہوم واضح ہے۔ حضرت ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ جب بھی میں سیر ہوکر کھانا کھاتی ہوں، تو رونے کو جی چاہتا ہے۔ پس میں رو پڑتی ہوں۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ ما اشبع الابکیت ، لفظی ترجمہ یوں بنتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا، مگر رو پڑتی ہوں۔ ما نافیہ کے بعد اِلاّ آیا ہے۔ اس لئے یہی مفہوم بنتا ہے۔ درمیان میں فاشاء کا لفظ واقع ہے۔ یہ فا دو قسم پر ہوسکتی ہے۔

(۱) تاکید یہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ جب بھی سیر ہوکر کھانا کھایا، تو رونے کو جی چاہا ہے۔

(۲) اور اگر فا سببیہ مان لیا جائے، تو پھر معنی ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا رونے کا سبب بن جاتا ہے۔

رونے کی وجوہات :

رونا کیوں آتا تھا، اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) آپؐ کی تنگدستی کا موازنہ جب دورِ فراخی سے کیا جاتا تھا تو اس دور کی عُسرت اور حضور اقدسؐ کے فقر و ناداری پر سیدہ عائشہؓ کو رونا آجاتا تھا، مگر یہ توجیہ راجح نہیں کہ آپؐ کا فقر اختیاری تھا اور اس پر آخرت میں انعامات موعود تھے۔ (۲) سیدۃ عائشہؓ کو رونا اس لئے آتا تھا کہ آپؐ کے وجود مسعود میں فقر و فاقہ میں جو مستی و لذت تھی اور جو اجر و ثواب موعود تھا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد وہ ان سے محروم ہوگئی۔ اس احساس محرومی ثواب پر انہیں رونا آتا تھا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، ای تحزنا لتلک الشدة التی قاستها الحضرة النبوية او تأسفا علی فوت تلک المرتبة العلية المرضية . (یعنی یہ غمگینی اور رونا یا تو اس تنگدستی اور سختی پر جو حضورؐ نے برداشت کی تھی اور یا پھر ان مراتب عالیہ (اجر و ثواب) سے محرومی کے سبب جو اسوقت حاصل ہوتے تھے) (جمع ص ۲۴۳) شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کان الشبع عند السيدة عائشة يثير حزنها ، ويسيل دمعها لصلة قلبها بحبيبها وخشيتها من ربها . (حضرت عائشہؓ کے پاس کسی کا پیٹ بھرے کھانا اس کے غم کو ابھارتا اور اسکے آپؐ سے قلبی تعلق ومحبت اور اللہ تعالیٰ کے خوف کیوجہ سے آنسو جاری ہوجاتے)۔ (اتحافات ص ۲۰۷)

(۱۴۳/۷)حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِيْرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے ابو داوٗد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث شعبہ نے ابو اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سُنا جو کہ اسود بن یزید سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر پسند تھا :

قالت ماشبع...الخ ،شروع باب میں حدیث کی تشریح کی جاچکی ہے، مگر تھوڑا سا فرق ہے۔ وہاں سب گھر والوں آلِ محمد کا ذکر ہے اور یہاں صرف ذات والا ستودہ صفات کا ذکر ہے۔ دونوں احادیث کا مضمون ایک ہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کو فقر پسند تھا اور الفقر فخری (فقر اور مسکینی تو میرا فخر ہے) آپؐ کی شانِ امتیاز تھا، بلکہ اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں، جو کچھ میسر ہوتا، وہ حاجتمندوں، غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

(۱۴۴/۸)حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَاَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا اَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ ان کے پاس عبداللہ بن عمر اور ابو معمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث نے سعد بن ابی عروۃ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے قتادہ سے اور قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے کبھی اخیر عمر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔

راویان حدیث (۳۴۸) عبداللہ بن عمرو ابو معمرؒ اور (۳۴۹) عبدالوارثؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث کا خلاصہ :

حدیثِ زیر بحث کا مضمون باب ھذا کی پانچویں حدیث کے ہم معنیٰ ہے۔ روایات بھی دونوں حضرت انسؓ سے منقول ہیں۔ حالتِ فقر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خود پسندیدہ تھی۔ اسی لئے اللہ پاک نے بھی اسی حالت میں رکھا، پھر آپؐ کے کھانے میں علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) آپؐ کو آپؐ کی پسند کے مطابق میسر ہی اتنا ہی آتا تھا، جو بقدر کفاف تھا، جس کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

(۲) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا میّسر تو ہوتا تھا، مگر تواضعاً پیٹ بھر کر تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اِدَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کے بیان میں

لفظِ ادام کی تشریح :

اِدام: سالن کو کہتے ہیں۔ ہر وہ جامد شئی جیسے گوشت وغیرہ اور مائع چیز جو روٹی کے ساتھ لگا کر کھائی جاتی ہے۔ادام کہلاتی ہے۔ ما یؤ تدم به ویو کل به الخبز من خل وتمر و زیت ونحوه ۔یعنی جس چیز کیساتھ روٹی کھائی جائے چاہے سرکہ ہو یا کھجور اور یا پھر زیتون وغیرہ کا تیل (اتحافات ص ۲۰۹)۔ اس کی جمع اُدم اور ادمۃٌ آتی ہے۔ادام کے استعمال سے کھانا مرغوب اور زود ہضم بن جاتا ہے۔

شیخ البیجوریؒ اِدام کی تعریف میں لکھتے ہیں، ما یساغ به الخبز ویصلح به الطعام ، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے اور کھانا لذیذ ہو جائے۔اس باب میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف چیزوں کے ساتھ روٹی کھانے کا بیان ہے۔اس لئے بعض نسخوں میں، و ما اکل من الالوان کا اضافہ بھی نقل ہوا ہے،مراد انواع الاطعمة (کھانے کی مختلف قسمیں) ہیں۔آپؐ نے ایک غذا کا تعین اپنی ذات مبارکہ پر نہیں فرمایا تھا بلکہ جو میسر آتا، تناول فرما لیتے تھے۔

کان یا کل ما تیسر من لحم وفاکهة وتمر وغیرها (مواهب ص ۱۱۹) (آپؐ کو جو کھانا میسر ہو جاتا کھا لیتے تھے چاہے گوشت ہو یا میوہ اور کھجور وغیرہ) وکذلک کان هدیه صلی الله علیه وسلم و سیرته فی الطعام، لا یرد موجودا ولا یتکلف مفقودا فما قرب الیه شیء من الطیبات الا اکله الا ان تعافه نفسه فیترکه من غیر تحریم، وما عاب طعاما قط ان اشتهاه اکله والا ترکه. (زادالمعادج ا ص ۵۳) (اور یہی حضورؐ کے کھانے کا طریقہ اور عادت تھی کہ موجودہ چیز کو واپس نہ

کرتے اور غیر موجود کے تلاش کی فکر نہ ہوتی اور نہ اسکے لئے کوئی تکلف فرماتے تھے بلکہ آپؐ کے سامنے حلال اور صاف ستھرے کھانے میں سے جو چیز بھی پیش کی جاتی تو اس کو بخوشی کھالیتے ہاں اگر کھانے کو دل نہ چاہتا تو اسکو (بغیر حرام کئے) چھوڑ دیتے اور آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو معیوب نہیں سمجھا اگر اسکو دل چاہتا تناول فرمالیتے ورنہ اسکو چھوڑ دیتے)۔

لحم ''ادام'' ہے یا نہیں :

البتہ گوشت کے بارے میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے کہ وہ ادام کہلایا جائے گا یا نہیں، تو اس کا دارو مدار بھی عرف پر ہے، جن علاقوں میں گوشت کو ادام سمجھا جاتا ہے اور بطور ادام استعمال ہوتا ہے۔ وہاں اس پر ادام کا حکم ہوگا اور جن علاقوں میں بطور ادام کے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ وہاں ادام نہیں کہلائے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ جو لحم کو ادام نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے بلاد کا اعتبار کرتے ہیں کہ وہاں یہی عرف عام تھا۔

گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا، چنانچہ ارشاد ہے : **سید ادام اهل الدنيا و الآخرة اللحم وسيد الشراب فى الدنيا و الآخرة الماء وسيد الريا حين فى الدنيا والآخرة الفاعية اى ورق الحناء** گوشت دنیا و آخرت میں رہنے والے لوگوں کے سالنوں کا سردار اور دنیا و آخرت میں پیئے جانے والی اشیاء کا سردار پانی اور دنیا و آخرت میں خوشبودار چیزوں کی سردار مہندی ہے (جمع ص ۲۴۵) اس باب میں امام ترمذیؒ نے تینتیس (۳۳) روایات جمع کی ہیں۔

(۱۴۵/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فِيْ حَدِيْثِهٖ نِعْمَ الْاُدُمُ اَوِ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن سہل بن عسکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحییٰ بن حسان نے بیان کیا، ان کے پاس یہ روایت سلیمان

بن بلال نے نقل کی، ان کے پاس ہشام بن عروۃ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے۔

سرکہ بہترین سالن :

نعم الادام الخل : لفظ الخل، خ کے فتح کے ساتھ ہے بمعنیٰ سرکہ کے، بعض اس کو الخل، خ کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جس کا معنیٰ مخلص دوست کے ہیں۔ اسے سرکہ کے لئے بولنا درست نہیں ہے۔ حضور اقدسؐ نے سرکہ کو نعم الادام قرار دیا ہے۔ یعنی اچھا سالن، سرکہ قدرے ترش، مگر لذیذ ہوتا ہے بے حد نافع اور مفید چیز ہے۔ ہاضم بھی ہے اور پیٹ کے کیڑوں کے لئے ہالک بھی۔ بقول ابن حجرؒ کے قامع للصفراء ونافع لابدان (جمع ص ۲۴۶) (کہ سرکہ صفراء کو ختم کرنے والا اور بدن کو نفع دینے والا) وذکر انہ یقطع الحرارۃ السموم ۔ (مواھب ص ۱۱۹) (اسکے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لُو کی گرمی کو ختم کر دیتا ہے)

فاتح عالمؐ نے روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ تناول فرمایا :

اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے مختلف روایات جمع کی ہیں۔

(۱) مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے ادام طلب فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا ما عندنا الا الخل ، ہمارے پاس تو صرف سرکہ ہے۔ آپؐ نے اسے طلب فرما کر کھانا کھایا اور کھانے کے دوران بار بار فرماتے رہے، نِعم الادام الخل سرکہ اچھا سالن ہے اسی سے ملا علی قاریؒ استخراج کر کے لکھتے ہیں ،وفی الحدیث استحباب التحدیث علی الاکل تانیسًا لِلآکلین (اور حدیث سے کھانے کے وقت کھانے والوں کی خوش طبعی کے لئے بات چیت کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے)

(۲) حضرت ام سعدؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں ،نعم الادام الخل، اللھم بارک فی الخل ۔ (اچھا سالن سرکہ ہے اے اللہ سرکہ میں برکت فرما دیں)

(۳) وفی روایۃ انہ کان ادام الانبیاء من قَبْلِیْ. (ایک روایت میں ہے کہ یہ مجھ سے پہلے پیغمبروں کا

سالن تھا)۔

(۴) وفي حديث لم يقفر بيت فيه خل. (اور ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ خالی نہیں یعنی سالن سے)

کیا سرکہ افضل الادام بھی ہے ؟

اس میں شک نہیں کہ سرکہ اچھی، عمدہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ سالن ہے۔ اچھا ہے بعض نے کہا منافع کے لحاظ سے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں تکلیف نہیں کرنا پڑتی اور خرچہ بھی کم ہوتا ہے اور بعض نے اس توجیہ کو ترجیح بھی دی ہے، مگر کیا سرکہ سالن کی تمام انواع میں افضل بھی ہے، کہ نہیں؟

ظاہر حدیث سے تو تمام اداموں پر اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، مگر اہل علم کہتے ہیں۔ حدیث تو صرف مدح الادام بالخل (سرکہ کو ادام بنالینے کی مدح اور تعریف) کا فائدہ دیتی ہے۔ اس سے اس کی افضلیت معلوم اور ثابت نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپؐ کی خدمت میں سرکہ پیش کرنے والوں کی دل جمعی، دلجوئی اور پاسِ خاطر کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کیونکہ میزبانوں کے گھر میں اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔

قال ذلک تطييباً لخاطر من قدمو له ولانه لم يكن عندهم غيرهٔ (اتحافات۲۰۹) اور تفصیلی واقعہ ام ہانیؓ کی روایت میں بھی نقل ہوا ہے۔ ام ہانیؓ آپؐ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کا گھر بیت اللہ کے بالکل جوار میں تھا، جس روز آپؐ نے مکۃ المکرّمۃ فتح فرمایا، اسی روز حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے، جہاں آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ فتح مکہ پر شکریہ ادا کیا۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ حضرت فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ام ہانیؓ سے پوچھا کھانے کو کچھ ہے۔ جواب میں بتایا گیا کہ روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے ہیں، وہی طلب فرمائے، پانی میں بھگو کر نرم کیئے، پھر ادام یعنی سالن کا دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا سالن تو نہیں ہے۔ البتہ کچھ سرکہ موجود ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نعم الادام الخل، پھر نمک منگوایا، سرکہ میں ڈالا

اوراس کے ساتھ روٹی تناول فرمائی۔

یہ تاریخ کا اعجوبہ اور سیرت کا انوکھا باب ہے کہ سرورِ عالم فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں اور انہیں کھانے کے لئے خشک روٹی کے چند ٹکڑے بمشکل سرکہ کے ساتھ میسر آتے ہیں، جنہیں وہ بھگو کر بقدر کفاف گذراوقات کر لیتے ہیں، مگر آج فاتحین کے جو کردار ہیں خدا پناہ، حال ہی میں امریکی سامراج نے جو طالبان کے افغانستان اور عراق پر فاتحانہ یلغار کی اور پھر مظالم ڈھائے۔ دنیائے انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔۔۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

(۱۴۶/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ انہیں یہ روایت ابوالاحوص نے سماک بن حرب کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا، کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو، حالانکہ میں نے حضور اقدسؐ کو دیکھا کہ معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہو سکے۔ پیٹ بھر کھانے کے لئے خشک کھجوریں بھی میسر نہ تھیں۔

الستم فی طعام وشراب....الخ ، مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔

الدقل، خشک کھجور کو کہتے ہیں۔ دراصل الدقل بچا کھچا وہ مال ہے جو دکاندار سے عمدہ مال بک جانے کے بعد ردی مال باقی رہ جاتا ہے۔ ردّی التمر و یابسه فضلاً عن افضل منه ۔خشک ردی اور بیکار کھجور چہ جائیکہ اس سے کوئی اچھی ہو۔ (مناوی ص ۲۴۷)

مقصد یہ ہے کہ آج جب فراخی آگئی اور تم لوگ عیش وتنعم میں پڑ گئے ہو، قسم قسم کی نعمتیں اور لذائذ کھا رہے ہو۔ ای الستم متنعمين فی طعام وشراب مقدار ما شئتم من التوسعة والافراط فيه یہاں استفہام انکاری ہے۔ (جمع ص ۲۴۶) مقصد توبیخ ہے۔ وَالْقَصْدُ بِهٖ الحث علی الاقتصار فی

الطعام و الشراب علی اقل ما یکفی کما کان ذلک شعار المصطفیٰ ۔(دراصل اس سے مقصد کھانے پینے کی کم مقدار جو کافی ہو پر اکتفاشعاری پر برانگیختہ کرنا ہے جیسے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار اور عادت مستمرہ تھی)(مواھب ص ۱۱۹)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ردی قسم کی بچی کھچی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر کھانے کے لئے میسر نہ تھیں۔آپ کی زہد، قناعت اور ریاضت ومجاہدہ کی زندگی پوری امت کے لئے نمونہ عمل ہے۔اب جبکہ ہر طرح کشادگی اور وسعت ہے اور اللہ کی نعمتیں عام تام ہیں، تو ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر کا بہترین اور عملی طریقہ یہی ہے کہ لذائذ اور خواہشاتِ نفسانی میں مگن ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور خفگی مول نہیں لینی چاہیے۔

اتباعِ رسول کی انگیخت :

لقد رایت نبیکم: میں مخاطبین سے کہا گیا ہے کہ تمہارا نبی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مخاطبین کی طرح مخاطِب کے بھی نبی ہیں، شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس سے مقصد ترغیب وتنبیہ ہے کہ جب تم نبی کے امتی اور اس کی محبت کے دعویدار ہو، تو دیکھو انہوں نے کس طرح زندگی گذاری اور تم کیا کر رہے ہو۔ الزاماً لھم وتبکیتاً وحثاً علی التأسی به فی الاعراض عن الدنیا ولذاتها ما امکن ۔ (مواھب ص ۱۱۹)(اور امت کو ابھارنے کے لئے کہ جتنا ممکن ہو سکے آپ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دنیاوی لذات سے اعراض اور روگردانی کرنے کی پوری کوشش کریں)

باب سے مناسبت :

اس روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ بعض حالات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ادام بھی میسر نہ ہوتا تھا اور آپؐ بھی اس کی پرواہ کئے بغیر خشک اور ادنیٰ کھجوروں پر اکتفا کر لیتے تھے اور بھی بقدر کفاف کہ پیٹ بھر کر کھانے کو میسر نہ ہوتے تھے۔

(۱۴۷/۳) حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ

مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدہ بن عبداللہ خزاعی نے بیان کی۔ان کے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔انہوں ے یہ روایت سفیان سے محارب بن دثار کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنی۔حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے۔ نعم الادام الخل، اس حدیث کی تشریح باب کی پہلی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔یہ حدیث مسلم، احمد اور تینوں ائمہ نے نقل کی ہے، و هو حديث مشهور كاد ان يكون متواتراً. (مواھب ص۱۲۰) (یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر کے قریب ہے)

(۱۴۸/۴) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِیِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِیْ مُوْسٰى فَاُتِیَ بِلَحْمِ دَجَاجٍ فَتَنَحّٰى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَالَکَ قَالَ اِنِّیْ رَاَيْتُهَا تَاْكُلُ شَيْئًا نَتْنًا فَحَلَفْتُ اَنْ لَّا اٰكُلَهَا قَالَ اُدْنُ فَاِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ھناد نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت وکیع نے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت سفیان اور اس نے ایوب سے اور انہوں نے ابوقلابہ سے سنی۔ انہوں نے یہ روایت زہدم جرمی سے روایت کی، جو کہتے ہیں کہ میں ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس تھا، ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا۔مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ابوموسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی، اُس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا۔اس لئے میں نے مرغی کھانے سے قسم کھا رکھی ہے۔حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نوش کرتے دیکھا ہے۔اگر ناجائز یا ناپسند ہوتی، تو حضورؐ کیسے تناول فرماتے۔

راویان حدیث (۳۵۰) ابوقلابہؒ اور (۳۵۱) زھدمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قال کنا عند ابی موسیٰ فاتی بلحم دجاج........الخ، اُتِیَ مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی جیٔ کے، دجاج کی دال پر تینوں حرکتیں جائز ہیں، لیکن زیادہ صحیح دال کا فتح ہے اور یہی مشہور ہے، معنی مطلقاً جنس مرغ ہے۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ ونقل میرک عن الشیخ ان الدجاج اسم جنس وھو مثلث الدال (جمع ص ۲۴۷) بعض نے کہا کہ دال کے ضمہ کے ساتھ ضعیف ہے، بعض نے کہا دجاج (کسرہ کے ساتھ) صرف مذکر کے لئے بولتے ہیں، جس کی واحد دیک ہے، دجاج (فتح کے ساتھ) صرف مونث کے لئے بولتے ہیں جس کی واحد دجاجۃ آتی ہے۔ یہ دج یدج، باب نصر سے ہے، اذا بالغ فی السیر سریعاً (جب جلدی سے چلنے میں مبالغہ ہو) (جمع ص ۲۴۷) وسمی بہ لاسراعہ فی الاقبال والادبار (اور اس کو دجاج اس لئے کہتے ہیں کہ آنے اور ہٹنے میں جلدی کرتا ہے) (مناوی ص ۲۴۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس طعام لایا گیا، جس میں مرغی بھی تھی، والمعنیٰ انہ اتی بطعام فیہ دجاج (جمع ص ۲۴۷)

اجتماع احباب یا صحبتِ صالح :

کنا عند ابی موسیٰؓ سے یہ بھی مدلول ہوتا ہے کہ قوم کے چند افراد اور احباب ایک مہربان ومخلص کے پاس جمع ہوں، یا شاگرد استاد کے پاس یا مرید شیخ کے پاس، غرض افادہ واستفادہ اور باہمی محبت ہو، تو یہ جائز ہے، وفیہ مشروعیۃ اجتماع القوم عند صدیقھم. (مناوی ص ۲۴۷) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مقصد کے لئے دوست واحباب کا اجتماع جائز اور مشروع ہے)

فتنحی رجل من القوم : تنحّی نحو سے ہے بمعنی طرف کے، ای صار الی طرف من القوم و تباعد' یہ ایک طرف کھسک کر دور ہو گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ رجل سے مراد خود زھدم ہیں مگر اکثر محدثین نے اس توجیہ کو مرجوح قرار دیا ہے۔

قال مالک : توحضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے۔ استفهام متضمن للانكار ہے یعنی ایسی کونسی چیز ہے یاباعث ہے، جس نے تجھے تنحی (دُوری) پرمجبور کردیا ہے۔ تواس کے جواب میں کہا کہ انی رأیتھا ای جنسھا او عینھا او شخصھا یعنی میں نے خود اسے یااس کی نوع کو قاذورات (گندگی) کھاتے دیکھا ہے۔ تاکل شیئا ای من القاذورات اوربعض نسخوں میں نتنا کی تصریح ہے، جو شیئا سے بدل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت کسی کے پاس چلا جانا ممنوع نہیں ہے، جب یہ معلوم ہو کہ جس کے پاس جارہا ہوں، وہ خوش ہوگا۔

میزبان کا اخلاقی فرض :

اورصاحبِ طعام کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ مہمان سے پوچھے کہ تم کھانا کیوں نہیں کھارہے ہو۔ فحلفت ان لا اکلھا ، پس میں نے قسم کھالی کہ مرغی نہیں کھاؤں گا اورظاہر ہے کہ یہ قسم طبعی کراہت کی وجہ سے تھی، نہ یہ کہ مرغی حرام ہے'' لا لتوھم حرمة ''اورظاہر ہے کہ یہ صاحب تابعین سے تھے، خیرالقرون کا دور تھا۔ صحابہ کرامؓ حیات تھے، یہ سب اس بات کے قطعی قرائن ہیں کہ بغیر دلیل کے وہ کیسے حلال چیز کوحرام قرار دے سکتے ہیں مع ان الطعام مطبوخ فی بیت ابی موسیٰ ۔ (جمع ص ۲۴۸) باوجودیکہ وہ کھانا ابوموسیٰ اشعریؓ کے گھر پکایا گیا تھا۔

اتباع رسولؐ ہی اصل فطرت ہے :

قال ادن ، حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا، قریب آجایئے: الدنو سے امر ہے، ای قرب وخالف طبعک وتابع شرعک، (یعنی نزدیک ہوجائے اور شریعت کی تابعداری کومدنظر رکھتے ہوئے اپنی طبیعت کی مخالفت کیجئے) فانی رأیت..... الخ ، یعنی میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا اتباع ھویٰ کے بجائے آپؐ کی اتباع ہی انسب ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت به . (یعنی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے خواہشات اس دین اسلام کے تابع نہ ہوں جسکے ساتھ میں آیا ہوں) اسی طرح آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے، جسے امام نوویؒ نے

اربعین میں نقل کیا ہے۔ اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فأت بالذی ھو خیر و کفر عن یمینک رواہ الشیخان . (یعنی اگر تو کسی کام کی قسم اٹھالیں پھر اسکے علاوہ میں بہتری ہوتو پھر وہی کام کریں جس میں بھلائی ہے اور اپنی قسم (توڑنے) کا کفارہ دیں یہ بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے) مقصد یہ کہ مومن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع مقصود ہے۔ صاحب اتحافات کے الفاظ یہ ہیں۔ المطلوب من المومن ان یکون ھواہ تبعًا لما جاء بہ نبیّہ. (اتحافات ص۲۱۰)

شریعت' طبیعت پر مقدم ہے :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے طبعی کراہت کی وجہ سے کسی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھارکھی ہے اور وہ شئی شرعاً مکروہ نہیں ہے، تو اسے اپنی قسم توڑ دینی چاہیے۔ علامہ مناویؒ اس کا تذکرہ اس عبارت میں فرما رہے ہیں۔ وینبغی حنث من حلف علی ترک شئی اعتادت نفسہ کراھتہ لامر غیر مکروہ شرعًا . (مناوی ص۲۴۸) البتہ اگر کسی نے طلاق کا حلف لیا ہے، تو اسے حنث کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔ خاص کر جب کہ وہ تیسری طلاق ہو، اسی طرح اگر کسی نے اپنے غلام کے آزاد کرنے کا حلف لیا ہے، تو اسے حانث ہونے سے بچنا چاہیے۔ خاص کر جب وہ اس سے خدمت لینے کا م کاج اور دیگر امور میں محتاج ہو۔

مرغی کے گوشت کے فائدے :

مرغی کے بارے میں ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ولحم الدجاج حار رطب فی الاولیٰ خفیف علی المعدۃ سریع الھضم جید الخلط یزید فی الدماغ والمنی ویصفی الصوت ویحسن اللون ویقوی العقل ویولد دماً جیدًا وھو مائل الی الرطوبۃ و یقال ان ادامۃ اکلہ یورث النقرس (ھو ورم یحدث فی مفاصل القدمین) ولا یثبت ولحم الدیوک اسخن مزاجاً واقل رطوبۃ (مناوی ص۲۴۸) اور مرغی کا گوشت ابتداءً گرم مرطوب ہے معدہ پر ہلکا اور زود ہضم ہے دماغی قوت اور منی بڑھاتا ہے اور آواز کی خوبصورتی اور رنگ نکھارتا ہے عقل کو قوی مضبوط اور اچھا خون پیدا کرتا ہے قدرے مرطوب ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے دائمی طور پر کھانے سے نقرس کی بیماری (یعنی قدموں کے جوڑوں میں

ورم پیدا ہو جانا) پیدا ہوتی ہے اور مرغوں کا گوشت مزاجاً سخت گرم اور رطوبت میں کمی ہے۔

جلالہ کا مسئلہ :

یہاں ایک اور مسئلہ کی وضاحت بھی ضروری ہے، جسے فقہ اور شروحاتِ حدیث میں ''جلالہ'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، اگر کوئی بڑا جانور مثلاً بکری بھیڑ، دنبہ اور گائے وغیرہ کو گندی نجس اور غلیظ اشیاء کھانے کی لت پڑ جائے، تو اس کا گوشت کھانا مکروہ ہو جاتا ہے۔ نجس اور غلیظ اشیاء کھانے والے جانوروں کی قوتِ شامہ نجس ہو جاتی ہے اور انہیں پاک، صاف، ستھری اور عمدہ اور اچھی خوراک پسند ہی نہیں آتی، بلکہ وہ ہمیشہ گندی اشیاء اور نجس چیز میں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایسے جانوروں کو ''جلالہ'' کہتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں ذبح سے قبل دس روز تک محبوس رکھا جائے اور پاکیزہ خوراک کھلائی جاتی رہے۔ اس عرصہ میں ان کے جسم میں نجاست اور گندگی زائل ہو جائیں گے۔
جلالیت (جلالہ ہونا) ختم ہو جائے گا اور ان کے گوشت سے کراہت کا حکم بھی سلب ہو جائے گا اور اگر وہ چھوٹا جانور ہے، مرغی وغیرہ تو ان کو بھی تین روز تک محبوس رکھ کر گندی اور غلیظ اشیاء کے کھانے سے روک دیا جائے اور پاکیزہ غذا دی جاتی رہے، تو اس سے بھی کراہت زائل ہو جاتی ہے اور تین روز بعد بلا کراہت کے جائز ہے۔ تاہم یہ بھی یاد رہے کہ مرغی بالعموم جلالہ کے حکم میں نہیں آتی۔ لہٰذا اس کا گوشت بھی بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ ایسی مرغی جو گندگی کھانے کی عادی ہوگئی ہو، یا غلاظت ہی پر چھوڑ دی گئی ہو، تو وہ جلالہ ہے اور اس کو تین روز تک محبوس رکھنا ماموربہ ہے۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے بھی اُن صاحب کو عملاً یہی مسئلہ بتایا کہ مرغی کا گوشت بالعموم بلا کراہت کے جائز ہے اور ہر مرغی جلالہ کے حکم میں نہیں ہے۔ **وما ورد من انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا ارادان یاکل دجاجۃ امر بھا فربطت ایاماثم یاکلھا بعد ذلک انما ھو فی الجلالۃ فکان یقصرھا حتی یذھب اسم الجلالۃ عنھا (مواھب ص ۱۲۰)** اور وہ جو حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھانے کا ارادہ فرماتے تو پھر اسکو چند دن باندھ کر رکھنے کا حکم فرماتے پھر اسکو (ذبح کرنے کے بعد) تناول فرماتے تو آپ کا یہ ارشاد جلالہ مرغی کے متعلق تھا (نہ کہ ہر مرغی کے لئے) چنانچہ اسے چند دن

بند کردیتے تا کہ جلالہ کا نام اس سے زائل ہو جائے)۔

(۱۴۹/۵) حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْاَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِيْنَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰى.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث فضل بن سہل اعرج بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم بن عمر بن سفینہ سے ان کے باپ (عمر) اور دادا کے حوالے سے روایت کی۔ حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا ہے۔

راوی حدیث (۳۵۱) سفینہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حباریٰ کا معنی وتعیین :

اکلت مع رسول اللہ علیہ وسلم لحم حباریٰ: حباریٰ ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں۔ بعض نے تعذری کیا ہے، بعض نے بٹیر اور بعض نے سرخاب اور بعض مترجمین نے چکا چکوئی کہا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ حباریٰ کو فارسی میں ہوبرہ اور شوات اور شوال کہتے ہیں ترکی میں تعذری اور ہندی میں چرز کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے، جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اڑتا ہے۔ جیسے علامہ ملا علی قاریؒ بھی یہ لکھتے ہیں کہ هو طائر كبير العنق رمادی اللون فی منقاره الطول، لحمه بين لحم البط والدجاج وهو اخف من لحم البط (جمع ص ۲۴۹) اُس کو جرج بھی کہتے ہیں۔ یونانی لوگ اس کو غلوفس کہتے ہیں، جُثہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی حباریٰ کا ترجمہ شوات لکھا ہے اور مظاہر حق میں تعذری لکھا ہے۔ حباری کا ترجمہ اور حضرات نے بھی تعذری اور چرز لکھا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو سُر خاب بھی کہتے ہیں، لیکن صاحب محیط نے سُر خاب جس کو چکوہ بھی کہتے ہیں،

دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکوہ اور سُرخاب کی عربی نحام لکھی ہے۔ اس لئے اقرب یہی ہے کہ سُرخاب دوسرا جانور ہے۔ (خصائل ص ۸۸)

حباریٰ کی خصوصیات اور دیگر احادیث میں ذکر :

وقال ابن القیم ولحم الحباریٰ حار یابس بطئی الانهضام نافع لا صحاب الریاضة والتعب. (علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حباری پرندے کا گوشت گرم خشک اور دیر ہضم ہے البتہ محنت مزدوری اور تھکے ماندے لوگوں کے لئے مفید ہے) (مناوی ص ۲۴۹) شیخ عبدالرؤفؒ کہتے ہیں کہ زین الحافظؒ فرماتے ہیں۔ کہ مصنفؒ نے اس باب ذکرِ حباریٰ میں صرف ایک روایت حضرت سفینہؓ کی نقل کی ہے۔ **وفیه عن انس رواه ابن عدی فی الکامل قال اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بطیر حباریٰ فقال اللهم ائتنی برجل یحب اللّٰہ ورسوله اویحبه اللّٰہ ورسوله فاذا علی یقرع الباب فقال انس رسول اللّٰہ مشغول ثم اتی الثانیة فقال رسول اللّٰہ مشغول ثم اتی الثالثة فقال یا انس ادخله فقد عنیته.** (مناوی ص ۲۴۹) (حالانکہ اس سلسلہ میں تو حضرت انسؓ سے بھی ایک روایت ہے جسے ابن عدی نے (اپنی کتاب) الکامل میں ذکر کیا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حباری پرندہ لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ کوئی ایسے آدمی کو لے آئیں جسکو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ محبت ہو یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو اسکے ساتھ محبت ہو۔ تو اچانک اس دوران حضرت علیؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت انسؓ نے اسکو فرمایا کہ حضورؐ (اس وقت) مشغول ہیں پھر وہ دوبارہ آئے تو حضرت انسؓ نے کہا کہ آپؐ مشغول ہیں پھر جب تیسری بار آئے تو حضورؐ نے فرمایا اے انس اسکو داخل ہونے کی اجازت دے دیجئے اب تو اسکو تھکا دیا ہے)

عمدہ کھانا عین سنت ہے :

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عمدہ کھانا جب اللہ نے دیا، خلاف سنت نہیں ہے بلکہ عین سنت ہے، جبکہ شکر کے ساتھ کھایا جائے۔ بعض لوگ اللہ کے دیئے ہوئے کے باوجود سب کچھ ہونے کے باوجود مرچ اور نمک اور پانی کا شوربا بنا کر کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ یہ نعمت باری تعالیٰ کی توہین

ہےاور و امّا بنعمة ربّک فحدث (اور جونعمت تیرے پروردگار کی ہے پس بیان کر) کے خلاف ہے، یہ تصوف نہیں بلکہ من گھڑت اعمال ہیں۔تصوف وہ معتبر ہے، جوشریعت کے عین مطابق ہو۔

قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ملا علی قاریؒ نے اس سلسلہ میں چند استشہادات کا ذکر کیا ہے، جن کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔فرماتے ہیں قل من حرم زينة الله اخرج لعباده و الطيبات من الرزق، وقال عزوجل يا ايّها الرسل كلوا من الطيبات و اعملو صالحاً ومن دعائه عليه السلام اللهم اجعل حبک احب الى من الماء البارد و قال السيد ابو الحسن الشاذلیؒ الذی يشرب الماء البارد ويحمد الله من وسط قلبه اتم من حالة الصبر وقد كان سفيان الثوری اذا سافر حمل معه فی سفرته اللحم المشوی و الفالوذج انتهى نعم اذا لم يوجد فمقامه الصبر وبهما يتم مقام الرضا بالقضا وهو باب الله الاعظم وقد قال تعالى ورضوان من الله اكبر (جمع ص ٢٥٠)

(اے نبی تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے پیغمبرو تم نفیس (ستھری) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی کہ اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور سید ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ٹھنڈا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف دل کی گہرائی سے کرتا ہے۔یعنی شکر کا مرتبہ صبر کے مرتبہ سے کمال میں زیادہ ہے اور سفیان ثوریؒ جب سفر پر جاتے تو اپنے سُفرہ (دسترخوان) میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ بھی ساتھ لے جاتے تھے (یعنی کھانے کی ضروری اشیاء کے علاوہ تلذذ کی چیزیں بھی ساتھ ہوتیں) ہاں اگر کوئی چیز بھی (کھانے کی) موجود نہ ہو تو پھر تو مقام صبر کے سوا چارہ ہی نہیں اور ان دونوں (صبر وشکر) ہی کیساتھ رضا بالقضاء کا مقام ومرتبہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا بڑا باب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سے رضامندی بھی بہت بڑی چیز ہے)

(٦/ ١٥٠) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيْمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجُرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامُهُ وَقُدِّمَ فِيْ طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ اَحْمَرُ كَاَنَّهُ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهُ اَبُوْ مُوْسٰى اُدْنُ فَاِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ مِنْهُ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُهُ يَاْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ اَنْ لَّا اَطْعَمَهُ اَبَدًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ایوب سے اور انہوں نے قاسم تمیمی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت زہدم جرمی سے نقل کرتے ہیں۔ زہدم کہتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس تھے، ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنو تیم اللہ کا بھی تھا، جو سُرخ رنگ کا تھا۔ بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے یکسوئی اختیار کی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر کیا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا، جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے، اس لئے میں نے اسے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

راوی حدیث (۳۵۳) القاسم التمیمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی تشریح :

یہ حدیث پہلے بھی اسی باب میں چوتھے نمبر پر بیان ہو چکی ہے۔ صرف سند میں قدرے اختلاف ہے۔ تاہم دونوں میں اصل راوی زھدم جرمیؒ ہیں۔ گذشتہ روایت میں مرغی کے گوشت کے کھانے سے کراہیت کرنے والے کا نام نہیں بتایا گیا تھا۔ یہاں اشارۃً توضیح کی گئی ہے کہ وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا، جس کا تعلق تیم اللہ سے تھا۔ اور وہ کسی کا آزاد کردہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ وکل ما اضیف فی ھذہ الروایۃ تحدید للرجل الذی تنحی وھو من بنی تیم اللہ، وھو حی من بکر، ومعنی تیم اللہ عبداللہ (اور جو کچھ اس روایت میں بیان ہوا وہ دراصل اس شخص کی تحدید وتعین کرنا ہے جو (مرغی کھاتے کراہت کرتے ہوئے) یکسو ہو گیا تھا اور وہ بنی تیم اللہ کے قبیلہ سے تھا اور وہ بنو بکر میں سے

ایک قبیلہ ہےاور تیم اللہ کا معنی عبداللہ ہے)۔(اتحافات ص۲۱۲)

(۷/ ۱۵۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عِيْسٰى عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهٗ عَطَاءٌ عَنْ اَبِيْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت ابواحمد زبیری اور ابونُعیم نے بیان کی۔وہ دونوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس یہ روایت سفیان نے اور ان کے پاس عبداللہ بن عیسیٰ نے بیان کی۔وہ یہ روایت اہل شام میں سے ایک شخص عطاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابواسیدؓ سے روایت کی تھی۔ابواسید کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی۔اس لئے کہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔

راویان حدیث (۳۵۴)عبداللہ بن عیسیٰ ؒ (۳۵۵)عطاء الساحلیؒ اور (۳۵۶)ابی اسیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی''میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ الباب سے مناسبت :

کلو الزیت وادھنو به فانه من شجرة مباركة: ترجمة الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ زیتون کو روٹی کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہی ادام ہے، المراد ھنا اکل الزیت مع الخبز فھو الادام (اتحافات ص۲۱۲) زیت پھل کو بھی کہتے ہیں اور اس کے تیل کو بھی۔لہٰذا یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زیتون تو مائع ہے، اسے کھانے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے۔ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ومناسبة الحديث للباب ان الامر باكله يستدعي اكله صلى الله عليه وسلم وما احب الاكل منه. (اور باب سے حدیث کی مناسبت بایں معنی ہوئی کہ آپؐ کا زیت کو کھانے کا حکم اس امر کا مقتضی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا ہوگا یا یہ کہا جائیگا کہ

ترجمۃ الباب سے ہر اس چیز کی معرفت مقصود ہے جس سے آپؐ نے یا تو کھایا ہو یا اس سے کھانے کو پسند کیا ہو۔ (جمع ص۲۵۲) وادّھنو ابه : ادّھان سے امر ہے، وھو استعمال الدھن یعنی تیل وغیرہ کا استعمال کرنا۔ (جمع ص ۲۵۱) یہ امر استحباب کے لئے ہے اور مستحب بھی اس شخص کے لئے ہے جو زیتون کے استعمال پر قادر ہو۔

زیتون؛ مبارک درخت ہے :

فانه من شجرة مباركة ' جیسا کہ قرآن میں ہے۔ زیتونة لاشرقية ولا غربية يكاد زيتها يضئ ولولم تمسسه النار (وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اسکا تیل کہ روشن ہو اگر چہ نہ لگی ہو اس میں آگ) زیتون کے تیل کو برکت سے موصوف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ شجرہ مبارکہ سے نکلتا ہے اولا نها تنبت بالارض المقدسة التی بورک فيه (مناوی ص۲۵۲) اور یا اس لئے کہ زیتون؛ ایک مقدس اور پاک زمین جس میں برکت ڈال دی گئی تھی پیدا ہوتی ہے۔

ملک شام جہاں کم وبیش ستر (۷۰) انبیاءِ کرام مبعوث ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا قدوم میمنت لزوم ہے۔ ان ہی حضرات کی وجہ سے یہ زمین مقدسہ کہلائی اور وہاں کا معروف اور مشہور درخت ''زیتون'' بھی بابرکت اور مبارک کہلایا۔ زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے پیدا ہوا۔ و اول شجرة نبتت بعد الطوفان۔ (یہ زیتون وہ پہلا درخت ہے جو طوفان نوح کے بعد پیدا ہوا۔ (مواھب ص۱۲۲) انبیاءِ کرامؑ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی منهم ابراهيم عليه السلام ومنهم محمد صلى الله عليه وسلم فانه قال اللهم بارک في الزيت والزيتون مرتين كما في التفسير القرطبی۔ (مواھب ص۱۲۲) ان ہی میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں آپؐ نے فرمایا اے اللہ برکت نازل فرما زیت اور زیتون میں یہ کلمات آپؐ نے دو دفعہ ارشاد فرمائے اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے۔

زیتون کے برکات :

اس میں ادام کی صلاحیت بھی ہے اور تدھّن کی بھی، شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں۔

لان الدهن به فی البلاد الحارة من اسباب حفظ الصحة واما البلاد الباردة فضار. (اورگرم ملکوں میں اسکے تیل کا استعمال صحت کا محافظ ہے البتہ جو ٹھنڈے ملک ہیں تو ان میں اسکا استعمال مضر اور نقصان دہ ہے) (اتحافات ص۲۱۳) البتہ سردیوں میں سر کی مالش سے بینائی کو نقصان ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ زیتون میں بہت منافع ہیں۔اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے، کھایا جاتا ہے، مَلا جاتا ہے، دباغت میں استعمال ہوتا ہے، ایندھن جلانے کا کام آتا ہے، حتی الرماد یغسل به الابریشم (المواہب ص۱۲۲) انتہا یہ کہ اسکی راکھ میں بھی یہ فائدہ کہ اس کے ساتھ ابریشم دھویا جاتا ہے۔

زیتون کا درخت ہر لحاظ سے بابرکت ہے۔اس کی ہر چیز کارآمد ہے۔اس کا سایہ بھی پھیلا ہوا اور گھنا ہوتا ہے۔چالیس سال کے بعد پھل لاتا ہے۔بعض کی عمر ہزار برس ہوتی ہے۔اُن میں بعض درخت اڑھائی ہزار سال کی لمبی عمر پائے ہوئے ہیں۔یونانیوں کے زمانہ کے لگائے ہوئے بعض درخت اب تک موجود ہیں۔اسکے پھل کھانوں میں ڈال کر انہیں مزید مرغوب اور خوش ذائقہ بنا دیتے ہیں۔زیتون کا تیل انسانی پٹھوں کے لئے نافع، فالج کے مریضوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے لئے اس کی مالش مفید ہے۔ابونعیم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، فان فیه شفاء من سبعین داء منها الجذام (جمع ص۲۵۲) (یعنی زیتون کے تیل میں ستر بیماریوں کی شفا ہے۔ان میں سے ایک جذام بھی ہے)

(۱۵۲/۸) حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰی وَكَانَ عَبْدُالرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِيْ هٰذَاالْحَدِيْثِ فَرُبَّمَا اَسْنَدَهٗ وَرُبَّمَا اَرْسَلَهٗ.

حَدَّثَنَا السَّنْجِيُّ وَهُوَ اَبُوْ دَاوٗدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبَدِ الْمَرْوَزِيُّ السَّنْجِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ عُمَرَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرزاق کے ذریعے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معمر نے بیان کیا اور انہوں نے زید بن اسلم سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ ایک مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح وتوضیح گذشتہ حدیث میں آگئی ہے کہ دونوں کے الفاظ ایک ہیں۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ **رواہ الترمذی عن عمر، ورواہ احمد والترمذی والحاکم عن ابی اسید ورواہ ابن الماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃؓ ولفظہ کلوا الزیت وادھنو بہ فانہ طیب مبارک.** (جمع ص۲۵۲)
اسکو امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ سے اور احمد اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابی اسید سے اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابوھریرۃؓ سے جسکے الفاظ **کلو الزیت وادھنو فانہ طیب مبارک.** (کہ زیتون کو کھاؤ بھی اور مالش بھی کرو یہ مبارک خوشبو ہے)

قال ابو عیسی ! اس حدیث کی سند میں امام ترمذیؒ اور امام عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مسنداً اور کبھی مرسلاً بیان کرتے ہیں۔ جس سے ایک گونہ اضطراب سا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم انہوں نے اس روایت کو قبول کیا ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنیٰ دوسری حدیث کی روایت بھی امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے، مگر اسی کی سند میں حضرت عمر کا نام ذکر نہیں ہوا۔ یہ گویا اس کی سند پر دوسری جرح ہے۔

حدیثِ مضطرب کی تعریف :

اعلم ان المضطرب ھو الذی یختلف الرواۃ فیہ فیرویہ بعضھم علی وجہ وبعضھم علی وجہ آخر مخالف لہ ویقع الاضطراب فی الاسناد تارۃ وفی المتن اخریٰ وفیھما اخری من راوٍ واحد او اکثر ثم ان امکن الترجیح بحفظ رواۃ احدی الروایتین او کثرۃ صحبۃ المروی عنہ اوغیر ذلک فالحکم للراجح ولا اضطراب حینئذٍ والا فمضطرب یستلزم الضعف . (جمع ص۲۵۲)
(جاننا چاہیے کہ حدیث مضطرب وہ ہے جس میں راوی حضرات مختلف طرق سے روایت کریں پس ان

میں بعض تو اسکی روایت ایک طریقہ سے کریں اور دوسرے پہلے کے مخالف کس دوسرے طریقے پر کریں پھر یہ اضطراب کبھی صرف سند ہی میں ہوتا ہے اور کبھی متن سند میں اور کبھی دونوں میں نیز کبھی ایک راوی سے اور کبھی اس سے زیادہ راویوں سے اب اگر وہاں دو روایتوں میں سے ایک روایت کے راویوں کے حفظ و یاداشت کاملہ کی وجہ سے یا چونکہ اس راوی کی مروی عنہ سے کثرت صحبت ہوئی یا کسی دوسری وجہ سے ترجیح دینا ممکن ہو تو پھر اصل حکم اسی راجح روایت کا ہوگا اور گویا اسوقت اضطراب ہی نہ رہا اور اگر یہ وجوہ ترجیح نہ ہوں تو پھر حدیث مضطرب اور ضعیف ہوگی۔

(۹/ ۱۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُالرَّحْمنِ بْنُ مَهْدِيّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَس بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الدُّبَّآءُ فَاُتِيَ بِطَعَامٍ اَوْدُعِيَ لَهٗ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهٗ فَاَضَعُهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا اَعْلَمُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشارؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت شعبہ نے قتادہ سے اور انہوں نے خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا آیا، یا حضورؐ کسی دعوت میں تشریف لے گئے۔ جس میں کدو تھا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ کو یہ مرغوب ہے، اس لئے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضورؐ کے سامنے کر دیتا تھا''۔

حضور اقدس ﷺ کو کدو پسند تھا:

كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يعجبه الدباء : تعجب سے مراد استحسان اور پسندیدگی ہے۔ جیسے صاحب مواہب یہ کہتے ہیں کہ ''والمراد بالتعجب هنا الاستحسان والاخبار عن رضاه به''. (مواہب ص۱۲۳) الدبآء: دال کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کدو کو کہتے ہیں اور کدو کی درخت بیل کو بھی۔ القرع: وهو ثمر شجر اليقطين (اتحافات ص۲۱۴) (قرع کا معنٰی کدو

کی بیل کا ثمرہ (میوہ کدو)) اس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔قال تعالیٰ وانبتنا علیه شجرة من یقطین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل پیدا کر دی۔ البتہ لغویوں سے تصریح کی ہے کہ یقطین ''ما لا ساق لـه من الاشجار ''(درختوں میں سے جس کا تنا نہ ہو) فیکون اعم من القرع. (اتحافات ص ۲۱۷) تو یقطین قرع سے عام ہوئی۔

کدو کیوں پسند تھا ؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا؟ شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ کدو کھانے سے عقل میں تیزی، دماغ میں قوت، حافظہ میں طاقت اور سالن میں خوش ذائقہ اور مرغوبیت پیدا ہوتی ہے۔ شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں :

و سبب كـون الـنبـى صـلـى الله عليه وسلم يعجبه الدباء ما فيه من زيادة العقل و الرطوبة و كونه سريع الانحدار و كونه ينفع المحرور ويلائم المبرودو يقطع العطش ويذهب الصداع الحار اذا شرب او غسل به الرأس الى غير ذلك . (مواھب ص ۱۲۳) (اور نبی کریمؐ کے کدو کو پسند کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے کھانے میں عقل کی زیادتی اور مرطوب وزود ہضم ہے اور یہ کہ گرم مزاج والوں کے لئے مفید اور سرد مزاج کے لئے بھی مناسب ہے اور پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کے پینے یا اس کے ساتھ سر دھونے سے گرم بخار اور سر دردی کا خاتمہ ہو جاتا ہے)

شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں :

"وسبب محبته ......وما خصه الله به من انباته علي يونس حتیٰ وقاه و تربیٰ فی ظله فكـان لـه كـالام الحاضنة لفرخها" . (مناوی ص ۲۵۳) کہ آپؐ کو کدو کیساتھ محبت (گذشتہ خصوصیات کے علاوہ) اس لئے بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیل کو حضرت یونسؑ پر اسکی حفاظت کے لئے پیدا کیا اور وہ اس کے سایہ میں پرورش پاتے رہے تو وہ کدو کی بیل حضرت یونسؑ کے لئے بمنزلہ ایسی ماں کے جو اپنے بچے کی پرورش اور پوری حفاظت کرتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کدو میں ایک چیز ایسی بھی ہے، جس کا راز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی

جانتے تھے۔ "ما كان يلحظه من السر الذى اودعه الله فيه اذ خصصه بالانبات على اخيه يونس عليه السلام" (یعنی وہ مخفی راز جو اللہ تعالیٰ اسکو حضرت یونسؑ پر پیدا فرما کر رکھا ہے) (جمع ص ۲۴۵)

شیخ عبدالرؤفؒ نے غیلانیات کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

"عن عائشة رضى الله عنها قالت قال لى رسول الله يا عائشة اذاطبختم قدرا فاكثروا فيهامن الدباء فانه يشد قلب الحزين. (مناوی ص ۲۴۵) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپؐ نے فرمایا اے عائشہ جب دیگچی میں سالن پکائیں تو اسمیں کدو کے قتلے زیادہ ڈالا کریں اس لئے کہ وہ غمگین شخص کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے)

طعام میں خدمت وایثار :

فاتى بطعام اودعى له حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا یا آپؐ کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ راوی کو شک ہے' وهذا شك من انس اومن دونه وقصره على انس لا دليل عليه. (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ شک راوی حضرت انس کو ہے یا اس سے نیچے راویوں کا البتہ اس شک کو حضرت انسؓ پر منحصر کرنے پر کوئی دلیل موجود نہیں)

فاضعه بين يديه : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کدو کے قتلے چن چن کر آپؐ کے سامنے رکھتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ آپؐ کو کدو بہت پسند ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان طعام میں بھی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دیتا رہے، تو مستحسن ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جب کھانے میں اشیاء مختلف ہوں۔ مثلاً ایک سالن میں کدو بھی ہے اور گوشت بھی، یا بھنڈی بھی ہے اور گوشت بھی یا آلو بھی ہے اور گوشت بھی وغیرہ، تو دوسرے کے سامنے سے کھایا اور اٹھایا جا سکتا ہے یا اگر دوسرا شریک طعام ساتھی بطیبِ خاطر تمہارے اس کے سامنے سے اٹھانے کو محسوس نہ کرے بلکہ تمہیں علم ہو کہ وہ خوش ہوگا، پھر بھی جائز ہے۔

" وهذا الحديث يدل على ندب ايثار المرء على نفسه بما يحب من الطعام وجواز تقديم بعضهم لبعض من الطعام المتقدم بشرط رضا المضيف (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ حدیث ایک شخص کا اپنی

ذات پر کسی دوسرے شخص کو کسی اچھے اور محبوب کھانے میں ایثار کے استحباب پر دلالت کر رہی ہے اور یہ کہ اگر میزبان کی رضا مندی ہو تو پھر کوئی خاص چیز کھانے کیلئے دوسرے کو پیش کرنے کے جواز پر بھی)

(۱۰/۱۵۴) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ حَکِیْمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَیْتُ عِنْدَهٗ دُبَّآءَ یُقَطَّعُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نُکَثِّرُ بِهٖ طَعَامَنَا قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَجَابِرٌ هٰذَا هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَیُقَالُ ابْنُ اَبِیْ طَارِقٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهٗ اِلَّا هٰذَا الْحَدِیْثَ الْوَاحِدَ وَاَبُوْ خَالِدٍ اسْمُهٗ سَعْدٌ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت حفص بن غیاث نے اسمٰعیل بن ابی خالد کے واسطے سے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت حکیم بن جابرؓ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کی۔ جابر بن طارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا۔ فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائیگا۔

راویان حدیث (۳۵۷) حفص بن غیاثؒ (۳۵۸) اسماعیل بن ابی خالدؒ اور (۳۵۹) حکیم بن جابرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سالن زیادہ پکا کے رکھنا :

دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ......الخ یقطع: تقطیع سے ہے۔ بمعنی قاش قاش کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا' ای جعل الشئی قطعةً قطعةً وباب التفعیل للتکثیر. اور تفعیل کا باب تکثیر کے لئے آتا ہے۔ (جمع ص ۲۵۴) فقلت ما ھذا ، یہ سوال حقیقت شئی سے نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا فائدہ کیا ہوگا و المعنی ما فائدة کثرة تقطیعه۔ (جمع ص:۲۵۴)

نکثر طعامنا ! تکثیر سے ہے ''وھو جعل الشئی کثیرا'' (جمع ص ۲۵۴) یعنی اپنا سالن زیادہ کرتے

ہیں۔بعض نے کہا نکثر: اکثار سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کا گھر میں شوربا زیادہ رکھنے کا معمول تھا تاکہ وارد وصادر کی خدمت وتواضع اور پڑوسیوں کا حقِ جوار ادا کیا جا سکے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سالن پکانا اور اس سے متعلقہ امور انجام دینا زہد وتوکل کے منافی نہیں ہے' بلکہ یہ تو معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کے مناسب ہے جس سے وصف قناعت حاصل ہوگی۔

ملاعلی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں وفیہ دلیل علٰی ان الاعتناء بامر الطبخ وما یصلحہ لاینا فی الزھد والتوکل بل یلائم الاقتصاد فی المعیشۃ المؤدی الی القناعۃ . (جمع ص۲۵۴)

امام ترمذی کی وضاحت :

قال ابو عیسٰی ...... الخ 'چونکہ حضرت جابر بن عبداللہؓ مشہور ہیں۔حضرات صحابہ میں کثیر الروایۃ ہیں اور جب مطلقِ جابر کا ذکر ہو،تو مراد وہی ہوتے ہیں۔والمطلق یصرف الیہ عند المحدثین . (اور جب مطلق جابر کا ذکر ہوتو محدثین کے نزدیک جابر بن عبداللہ مراد ہوتے ہیں)۔ (جمع ص۲۵۴) اس لئے امام ترمذیؒ نے تصریح کر دی کہ یہاں روایت میں جابر سے مراد جابر بن طارق ہیں۔

(۱۱/۱۵۵) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنِ مَالِکٍ یَقُوْلُ اِنَّ خَیَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَہٗ قَالَ اَنَسٌ فَذَھَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی ذٰلِکَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِّنْ شَعِیْرٍ وَ مَرَقًا فِیْہِ دُبَّآءٌ وَقَدِیْدٌ قَالَ اَنَسٌ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَیَ الصَّحْفَۃِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ یَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ان کے پاس اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔انہوں نے اسے اسحٰق بن عبداللہ بن ابوطلحہ سے نقل کیا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرتبہ دعوت کی۔میں بھی

حضورؐ کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُس نے حضورؐ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا۔ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما رہے ہیں۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا۔

بعض الفاظ کی تشریح :

فقال انس فذهبت مع رسو ل الله صلى الله عليه وسلم ......الخ 'حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دعوت میں تبعاً للنبی صلى الله عليه وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں شریک ہوئے ۔لکونه خادمه او بطلب مخصوص یا تو اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور یا اسکو بھی مستقل دعوت دی گئی تھی ۔(مواھب ص۱۲۴) قديد فعيل کے وزن پر ہے، بمعنی مفعول کے ای لحم مقدد والقد : القطع طولاً كالشق یعنی گوشت کا ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا اور چیرا گیا ہو جیسے پھٹن (جمع ص ۲۵۵) فيكون مملحاً مجففاً في الشمس اوغيرها (مواھب ص۱۲۴) اور پھر نمک لگائے ہوئے دھوپ یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ خشک کیا جائے ۔رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يتتبع الدباء 'حوالي القصعة :(میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ کاسہ کے اطراف میں کدو کے ٹکڑے اور قاشیں تلاش فرما رہے تھے) بعض نسخوں میں القصعة کے بجائے الصحفة نقل ہوا ہے۔ القصعة : بڑے پیالے کو کہتے ہیں، جس میں دس آدمی بہ سہولت پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ "انا ء يشبع العشرة ومن اللطافات لا تكسر القصعة ولا تفتح الخزانة". الصحفة : اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں پانچ افراد پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔ فهي التي تشبع الخمسة (مواھب ص۱۲۴) مكيلة :وہ پیالہ جس میں دو آدمی کھانا کھا سکیں' اس سے چھوٹے کو صحيفة کہتے ہیں' جس میں ایک آدمی کھانا کھا سکے اور ان میں سب سے بڑے کو جفنة کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصعة کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کر کے نوش فرما رہے ہیں۔ حوالي القصعة: وهو مفرد اللفظ مجموع المعنى اى جوانبها اور وہ لفظاً مفرد اور معنًی جمع ہے یعنی اس کے اطراف۔ (جمع ص ۲۵۶)

مسلمان کدو سے محبت کریں :

فلم ازل احب الدباء من یومئذٍ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس روز سے ہمیشہ کے لئے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔ ای محبة شرعیة لاطبعیّة' جو چیز بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی، صحابہ کرامؓ اس کو محبت عقلی اور شرعی سمجھ کر پسند کرتے (نہ کہ طبعی طور پر)۔حضرت انسؓ کی کدو سے محبت گویا آپؐ کی سنت سے محبت ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں، مسلمان کے لئے بہت ہی بہتر ہے کہ وہ کدو کو مرغوب سمجھے اور پسندیدہ غذا کے طور پر شوق ورغبت سے کھائے۔اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرے جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ

وانہ یسن محبة الدباء لمحبة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و کذا کل شئی کان یحبہ ذکرہ النووی (جمع ص ٢٥٦) قال ابن عبد البرو من صریح الایمان محبة ما کان المصطفٰی یحبہ واتباع ما کان یفعلہ . (مناوی ص ٢٥٦) (علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں خالص اور صریح ایمان کی علامت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس سے حضور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم محبت فرماتے نیز جو آپؐ کیا کرتے تھے اسکی اتباع کی جائے)

دعوت قبول کرنی چاہیے :

حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعلیٰ اور عظمتوں والے لوگ اپنے سے کم درجے اور ادنیٰ لوگوں کے ہاں جا کر ان کا کھانا کھا سکتے ہیں۔چاہے دعوت کرنے والے کسبی کیوں نہ ہوں۔ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا سنت ہے اور بے تکلف داعیوں کے ہاں اپنے خادم کو ساتھ لے جانا بھی مشروع ہے۔جیسے کہ محشی مشکوٰۃ نے اس کو اس عبارت میں نقل کر دیا کہ :

وفی الحدیث جواز اکل الشریف طعام من دونہ من محترف اوغیرہ واجابة دعوتہ و مو اکلة الخادم وان کسب الخیاط لیس بدنّی ملخصًا من المرقات ۔(حاشیہ مشکوٰۃ ص ٣٦٤) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ داعی حسب توفیق دعوت کا انتظام کرے نہ کہ بتکلف بہت سے اشیاء کا اہتمام کر کے اپنے لئے باعث تفاخر سمجھے جیسے کہ صحابیؓ نے جو کی روٹی اور کدو کے قاشے ڈالے ہوئے شوربا پیش

فرمایا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک باب آ گیا ہے کہ آپؐ کس قدر متواضع اور خلیق تھے۔ اپنے اصحابؓ پر کس قدر مہربان اور شفیق تھے۔

(۱۵۶/۱۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ وَسَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوْ اَخْبَرَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن ابراہیم دورقی، سلمۃ بن شبیب اور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ تینوں کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے اُن کے باپ کے واسطہ سے پہنچی۔

وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔

راویان حدیث (۳۶۰) احمد بن ابراہیم الدورقیؒ اور (۳۶۱) ابو اسامۃ حماد بن اسامۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد پسند تھا :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب الحلواء والعسل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھے۔ حلواء! شیرینی' میٹھا' ہر وہ چیز جس میں مٹھاس ہو کل ما فيه حلاوة (اتحافات ص۲۱۶) لہٰذا یہاں پر العسل کا عطف از قبیل ''عطف الخاص على العام'' کہ عطف خاص عسل (شہد) کا عام حلوہ (میٹھے) پر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گڑ' شکر مروج نہیں تھے، بلکہ بعض حضرات نے تو تصریح کی ہے کہ آپؐ نے شکر نہیں دیکھی تھی۔ میٹھی چیز عموماً کھجور اور شہد سے تیار کی جاتی تھی۔ وقد تطلق على الفاكهة وقال الثعالبي الحلواء التي كان يحبها تمر يعجن بلبن. (مناوی ص۲۵۶) (اور کبھی حلوہ کا اطلاق میوہ جات پر بھی ہوتا ہے امام ثعالبیؒ

فرماتے ہیں کہ وہ حلوہ جسکے ساتھ آپؐ محبت کرتے تھے وہ تو ایسی کھجور جو دودھ میں ملائی اور گوندھی جائے)

شیخ الںیجوریؒ فرماتے ہیں، سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ بنایا اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، جو باریک آٹے اور شہد سے تیار کیا گیا تھا۔ جسے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ''فاستطابه''. (مواھب ص ۱۲۵)

حلوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شدتِ اشتہا اور لذتِ نفس کے لئے نہ تھی ...... بل لا لاستحسانها ' (بلکہ اسکے عمدہ ہونے کے لئے) لہٰذا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عمدہ کھانے کی محبت تقویٰ اور زہد کے منافی نہیں ہے۔

ویوخذ من هذا الحديث ان محبة الاطعمة النفيسة لا تنا فی الزهد لکن بغير قصد. (مواھب ص ۱۲۵) (اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور نفیس قسم کے کھانوں سے غیر ارادی محبت زہد وتقویٰ کے منافی نہیں)

(۱۳/ ۱۵۷) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ الزَّعْفَرَانِیُّ اَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ عَطَآءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا قَرَّبَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَّشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ وَمَا تَوَضَّاَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی۔ اُن کے پاس حجاج بن محمد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ جریج نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے خبر دی کہ اُسے عطاء بن یسار نے خبر دی اور اُسے ام المومنین ام سلمہؓ نے بتایا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کئے نماز پڑھی۔

راویانِ حدیث (۳۶۲) الحسن بن محمد الزعفرانیؒ (۳۶۳) حجاج بن محمدؒ (۳۶۴) ابن جریجؒ (۳۶۵)

محمد بن یوسفؒ اور (۳۶۶) عطاء بن یسارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت آپؐ کی محبوب غذا تھی :

انها قربت ...... الخ ،مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا ہے۔

جنباً کی بعض نے من شاة (بکری) کی تصریح کی ہے،مگراس پرکوئی قوی دلیل نہیں ہے۔الجنب: ماتحت الابط الی الکشح (بغل کے نیچے سے پہلوتک)(اتحافات ص ۲۱۷)حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بھی پسند تھا۔ابن ماجہ کی روایت ہے۔آپؐ نے فرمایااللحم سید الطعام لاهل الدنیا والآخرة (گوشت دنیا وآخرت کے لوگوں کے لئے کھانوں کا سردار ہے)۔(جمع ص ۲۵۸)دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔حضرت علیؓ سے مرفوعاً منقول ہے۔سید طعام اهل الدنیا اللحم ثم الارز (جمع ص ۲۵۸)(اہل دنیا کے کھانوں کا سردار گوشت اور پھر چاول ہیں)ابوشمعان کہتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے،فرماتے ہیں،کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اللحم وهو یزید سبعین قوة وقال الشافعی اکله یزید فی العقل (جمع ص ۲۵۸)(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا گوشت تھا اور وہ انسان میں ستر قوتیں زیادہ کردیتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوشت کا کھانا عقل میں زیادتی کا سبب ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گوشت رنگ کو صاف کرتا ہے۔خلق میں حسن لاتا ہے جس نے چالیس روزتک گوشت نہ کھایا، ساء خلقه ذکره فی الاحیاء (جمع ص ۲۵۸)علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں گوشت کے کھانے پر مداومت نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔وقال بقراط الحکیم لا تجعلو بطونکم مقابر للحیوان (مواہب ص ۱۲۵)(حکیم بقراط کہتے ہیں کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کا قبرستان نہ بنایئے)اس حدیث کا ماقبل سے ربط ظاہر ہے کہ اس سے پہلے حلوہ اور شہد کا بیان تھا اور اب گوشت کا تنبیهاً علی ان الثلاثة افضل الاغذیة وانفعها للبدن والکبد والاعضاء ولا ینفر منها الامن به علة او آفة (جمع ص ۲۵۷)(ان تین چیزوں کے تذکرہ سے

یہ تنبیہ کرنی تھی کہ یہ تینوں (حلوہ شہد گوشت) غذاؤں میں افضل اور بدن وجگراور دوسرے اعضاء کے لئے نافع اور مفید ہیں اوران کے کھانے سے بیمار یا کوئی آفت زدہ ہی تنفراور کراہت محسوس کریگا)

قال ابن العربی وقد اکل صلی اللہ علیہ وسلم الحنیذ، ای المشوی و القدید والحنید اعجل اللحم وألذہ. (اتحافات ص ٢١٧)ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُھنا ہوا گوشت کھایا ہے۔ نیز خشک اور بھنا ہوا گوشت پکنے میں جلدی اور کھانے میں لذیذ ترین ہوتا ہے)

ثم قام الی الصلوٰۃ و ما توضأ !اس میں دلیل یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی مذہب خلفاءِ اربعہ اور ائمہ اربعہ کا ہے۔علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں، فیہ دلیل علی ان الأکل ما مستۃ النار لاینقض الوضوء و ھو قول الخلفاء الاربعۃ والائمۃ الا ربعۃ ۔(مواہب ص ١٢٥)

(١٥٨/١٤)حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَھِیْعَۃَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ زِیَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ اَکَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِی الْمَسْجِدِ .

ترجمہ:''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔اُن کے پاس یہ روایت ابن لہیعہ نے بیان کی۔انہوں نے اسے سلیمان بن زیادہ سے روایت کیا اور انہوں نے صحابی رسول عبداللہ ابن حارثؓ سے نقل کی۔عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔

مسجد میں بیٹھ کر کھانے کا حکم :

قال اکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شواءً فی المسجد ، الشواء : آگ پر بھونے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔''اللحم المشوی بالنار ''(اتحافات ص ٢١٨)اس حدیث میں باہم یکجا بیٹھ کر مسجد میں کھانا کھانے کا جواز مدلول ہے۔بشرطیکہ مسجد کا فرش خراب نہ ہواور کھانے کے ریزے فرشِ مسجد پر نہ گریں۔(ورنہ پھر یا تو مکروہ اور یا حرام ہوگا)

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فیہ دلیل لجواز اکل الطعام فی المسجد جماعۃ و فرادیٰ و محلہ ان لم

یحصل مایقذر المسجد والا فیکرہ او یحرم (جمع ص ۲۵۷) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے مسجد میں زمانہ اعتکاف میں کھانا کھایا ہو (جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے نقل کیا ہے کہ) ویمکن حمل اکلھم بالمسجد علی زمن الاعتکاف. (مواہب ص ۱۲۶)

ابن ماجہ میں یہ اضافہ بھی منقول ہے۔ ثم قام فصلی و صلینا معہ ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء (جمع ص ۲۵۸) (کہ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپؐ کیساتھ نماز پڑھی اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا صرف یہ کہ کنکریوں کے ساتھ اپنے ہاتھ پونچھے)

خلاصہ یہ کہ مسجد میں کھانا جائز ہے، مگراس کو عادت نہیں بنالینا چاہیے۔ یہ باب چونکہ آپؐ کے سالن کے بیان میں ہے تو لازماً یہاں گوشت بطور سالن کے روٹی کے ساتھ کھایا جانا مراد لیا جائے گا۔ ای مشویا یعنی مع الخبز (جمع ص ۲۵۸) (یعنی بھنا ہوا گوشت روٹی کیساتھ کھایا)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضیافت ضباعۃ بنت الزبیر ابنۃ عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تھی۔ حضور اقدس ﷺ اپنے مہمانوں سمیت (جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے) ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے سامنے بکری کا بھنا ہوا پہلو لایا گیا۔ ثم اخذ الشفرۃ (پھر حضور ﷺ نے چھری اٹھائی) یہ طلحۃ کے وزن پر ہے۔ بڑی اور چوڑی چھری کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شفار آتی ہے۔ جیسے کلب کی جمع کلاب اور شفرات بھی آتی ہے جیسے سجدۃ کی جمع سجدات۔ (مناوی ص ۲۸۹)

(۱۵/ ۱۵۹) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ اَنْبَاَنَا وَکِیْع" حَدَّثَنَا مِسْعَر" عَنْ اَبِیْ صَخْرَۃَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِیْرَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الْمُغِیْرَۃَ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فَاُتِیَ بِجَنْبٍ مَّشْوِیٍّ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَۃَ فَجَعَلَ یَحُزُّلِیْ بِھَا مِنْہُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالُ یُؤْذِنُہٗ بِالصَّلٰوۃِ فَاَلْقَی الشَّفْرَۃَ فَقَالَ مَالَہٗ تَرِبَتْ یَدَاہُ قَالَ وَ کَانَ شَارِبُہٗ قَدْ وَفٰی فَقَالَ لَہٗ اُقُصُّہٗ لَکَ عَلٰی سِوَاکٍ اَوْ قُصَّہٗ عَلٰی سِوَاکٍ .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں اس کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسعر نے ابی صخرہ جامع بن شداد کے واسطہ سے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت مغیرہ بن عبداللہ سے اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا۔کھانے میں ایک پہلو بھنا ہوا لایا گیا۔حضور ﷺ چاقو لے کر اُس میں سے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرمارہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلود ہوں اس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔مغیرہؓ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھیں بہت بڑھ رہی تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے۔

راویان حدیث (۳۶۷) مسعرؒ (۳۶۸) ابوصخرہؒ اور (۳۶۹) مغیرہ بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''ضفت'' کا معنیٰ وتشریح :

قال ضفت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات لیلۃ . اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک صاحب کے پاس مہمان ہوئے، جیسا کہ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: ای نزلت انا وایاہ ضیفین علی انسان. (مناوی ص ۲۵۸) وقال الطیبی ای نزلت انا ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی رجل ضیفین لہ (جمع ص ۲۵۸) اور دوسرا معنیٰ یہ بھی محتمل ہے کہ ایک رات میں آپؐ کا مہمان بنا. ای کنت لیلۃ ضیفہ۔(جمع ص ۲۵۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کا مہمان تھا اور آپ ﷺ کی مع مہمانوں کے کہیں دعوت تھی۔جیسا کہ عام معمول ہے کہ اکابر کی دعوت بمع خدام و متعلقین کے ہوتی ہے اس صورت میں روایات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا کہ یہ اصل میں آپؐ کے مہمان تھے اور آپ ﷺ کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے

یہ بھی اورآپ ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔(خصائل)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت ضباعة بنت الزبير ابنة عم النبی صلی الله علیه وسلم (حضور ﷺ کی چچازاد بیٹی ضباعہ بنت زبیر) کے گھر پر تھی۔ و قيل انها كانت في بيت ميمونة ام المومنين (اور بعض کے نزدیک ضیافت ام المومنین حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں تھی)۔(اتحافات ص۲۱۹)

حضوراقدس ﷺ کی تواضع اور خدمت :

فجعل يحز فحزلی بها منه: حضوراقدس ﷺ، تالیف قلب، مروت شفقت اور تواضع و خدمت کے طور پر گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمانوں کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔ جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ فحز لی بها منه۔ يحز بمعنی يقطع کے ہے۔ الحز : القطع کو کہتے ہیں اور الحزة : قطعة من اللحم طولا (گوشت کے لمبا ٹکڑے) کو کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بھنے ہوئے گوشت کو حسب ضرورت چھری سے کاٹنا جائز ہے۔ ایک تو مروّجہ چھری کانٹے کا استعمال ہے، جس میں ہاتھ کی تھوڑی تلویث بھی برداشت نہیں کی جاتی ۔ یہ بہر حال مذموم ہے۔ جب غیر معمولی حالت ہو اور اگر گوشت کے قطعے بڑے بڑے اور سخت ہوں اور لقموں کا ہاتھ سے توڑنا ممکن نہ رہے، تو پھر چاقو چھری کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ بہتر توجیہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ممانعت چاقو سے کھانے ں ہے اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے۔ اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(خصائل)

احادیث میں تعارض سے جواب :

نیز حدیث میں تصریح ہے۔ لا تقطعو اللحم بالسكين فانه من صنيع الا عاجم وانهشو ه فانه اهنأ وامرأ (گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے اور اسکو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ یہ کھانے کو خوشگوار اور لذیذ ترین بنا دیتا ہے)(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۴) لہٰذا بظاہر دونوں احادیث میں معارضہ ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں (۱) لِقول ابی داؤد و البيهقی (انه) ليس

بالقوی وعلی التنزل (۲) فالنهی وارد فی غیر الشوی (۳) او محمول علی ما اذا تخذا لحز عادة (۴) او یحمل الحز علی الکبیر لشدة لحمه والنهی علی الصغیر (مناوی ص۲۵۹)(۱) کہ حدیث نہی قوی نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد اور بیھقی نے قول کیا ہے (۲) اگر حدیث نہی کو قوی علے سبیل التنز ل مان بھی لیا جائے تو پھر تطبیق یہ ہوگی کہ نہی کا حکم بھنے ہوئے گوشت کے علاوہ (خوب پکے ہوئے) کے لیے ہے (۳) یا نہی کا حکم اس وقت ہے کہ چھری کے ساتھ کاٹنے کی عادت بنالی جائے (۴) یا چھری سے کاٹنے کا حکم بوڑھے اور لاغر جانور کے لیے کہ اسکا گوشت سخت ہوتا ہے اور نہی کی حدیث کا محمل چھوٹا جانور ہو (مناوی ص۲۵۹) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چھری سے کاٹنے کا حکم اس وقت ہو کہ گوشت کا ٹکڑا بڑا ہے اور ہاتھ میں نہیں اٹھایا جاسکتا اور نہی کا محمل چھوٹے ٹکڑے کے لیے ہو)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں :

(۱) هو لیس بالقوی علی انه یجوز ان یکون احتزازه صلی الله علیه وسلم ناسخاً لنهیه عن قطع اللحم بالسکین .

(۲) وان یکون لبیان الجواز تنبیهاً علی ان النهی للتنزیه لا للتحریم .

(۳) و قیل معنی کونه من صنیع الا عاجم ای من دابهم و عادتهم ای لا تجعلو القطع بالسکین دأبکم کالا عاجم بل اذا کان نضیجاً فانهشوه فان لم یکن نضیجاً فحزّوه بالسکین ۔ (جمع ص۲۵۰)

(۱) یہ حدیث نہی قوی نہیں اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا چھری سے کاٹنا یہ ناسخ بن جائے حضور ﷺ کے فرمان مبارک کہ گوشت کو چھری سے کھانے کے لیے نہ کاٹو۔

(۲) یا حضورؐ کا چھری سے گوشت کو کاٹنا بیان جواز کے لئے ہو اور اس بات پر تنبیہ ہو کہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ عجمیوں کا طریقہ ہونے کا مطلب انکی عادت مستمرہ ہے یعنی مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ چھری کیساتھ کاٹنے کی عادت عجمیوں جیسے نہ بناؤ بلکہ اگر گوشت پختہ ہے تو پھر دانتوں سے نوچو اور اگر پکا ہوا نہیں تو پھر چھری سے کاٹو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تنبیہ :

فجاء بلال ! دریں اثنا حضرت بلالؓ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔**یؤذن: ایذان** سے ہے **وھو الاعلام.** وہ خبردار کرتا ہے(اتحافات ص۲۱۹) آپؐ نے کھانا چھوڑ دیا اور فرمایا"**مالہ تربت یداہ**"بلال کو کیا ہوگیا۔اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلالؓ کا یہ بے ڈھنگا پن پسند نہ آیا کہ آپؐ تو مہمانوں کی خاطر مدارات کر رہے تھے، پھر نماز کا وقت بھی آپؐ کو معلوم تھا۔آپؐ کو اس کی فکر بھی ہوتی تھی۔اس لئے آپؐ نے اس جملہ سے زجر و توبیخ، تنبیہ اور تربیت فرمائی۔بددعا غرض نہ تھی اور یہ جملہ بددعا کے لئے استعمال بھی نہیں ہوتا۔**وجری علی السنة العرب لمجرد اللوم لا للدعوة علیه** اور یہ کلمہ(**ماله تربت بداه**)عرب کی زبان میں محض کچھ ملامت کرنے کے لئے ہے نہ کہ بددعا کے لئے ہوتا ہے۔(اتحافات ص۲۱۹)اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے،تو اس کو درمیان میں اطلاع نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش بھی تھی۔**ویحتمل انه قال رعایة لحالة الضیف** اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے حال کی رعایت کے لئے فرمایا ہو۔(حاشیہ مشکوٰۃ ص۳۶۷)

مونچھوں کا شرعی حکم :

وکان شاربه قد وفیٰ ......الخ 'اس کے قائل یا مغیرۃ بن شعبہ ہیں تو شاربہ میں التفات ہوگا اور یہی احتمال قوی ہے بلکہ متعین ہے جیسے کہ ابوداوٗد کی روایت میں ہے،**قال میرک وقع فی روایة ابی داؤدو کان شاربی وفیٰ.....الخ** ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ ابوداوٗد کی روایت میں لفظ**وکان شاربی وفی الخ**(کہ میری مونچھیں)ہے۔(جمع ص۲۶۰)یا مغیرہ بن عبداللہ ہیں یا حضرت بلال اور یا ضمیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہو،تو اس وقت التفات کی ضرورت نہیں۔البتہ ان احتمالات کو صاحب مرقات نے تکلفات سے تعبیر کیا ہے،فرماتے ہیں، **قال الطیبی ویحتمل ان یکون الضمیر فی شاربه لبلال فیکون التقدیر قال بلال فقال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اقصه لک ای**

لنفعک ویحتمل ان یکون الضمیر فی شاربه لرسول الله صلی الله علیه وسلم ومعنیٰ قوله اقصه لک ای اعطیک تتبرک به وکل هذا تکلفات لا تشفی العلیل . طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ شاربہ کی ضمیر یا تو بلال کو راجع ہو تو پھر تقدیر (اصل) عبارت قال بلال الخ ہوگی، یعنی مجھے آپؐ نے فرمایا کہ تیرے نفع اور فائدے کیلئے ان کو کاٹ دوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر شاربہ میں حضورؐ کو راجع ہو اور معنی یہ ہوگا کہ میں تجھے مونچھیں کاٹ دوں یعنی آپ کو دیدوں تا کہ تو ان کے ساتھ تبرک حاصل کرے اور یہ سب ایسے تکلفات ہیں کہ علم کے بیمار کو شفا نہیں دے سکتے۔ (واللہ اعلم) (حاشیہ مشکوٰۃ ۳۶۷) شارب اوپر کے ہونٹ پر اُگے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں جیسے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، والشارب هو شعر النابت علی الشفع العلیا۔ (مواہب ص ۱۲۶)

حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس روز یہ واقعہ پیش آیا اس دن میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، تو آپؐ نے فرمایا ''اقصه لک علی سواکٍ اوقُصه علی سواک '' کیا تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر میں کتر دوں یا ان بڑھی ہوئی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر خود کتر لو۔ پہلا جملہ استفہام ہے اور دوسرا جملہ امر ہے۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا۔

مسواک پر رکھ کر کترنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں کسی دوسرے سے استمداد کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ فوراً کتر دو۔ دوسرا یہ کہ مسواک پر رکھ کر کترنے سے تکلیف نہ ہوگی'' و سبب القص علی السواک ان لاتتاذی الشفة بالقص '' اور مسواک پر رکھ کر کترنے کا سبب یہ ہے کہ ہونٹوں کو کترنے سے تکلیف نہیں ہوگی۔ (مواھب ص ۱۲۶) یہ مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیدیا۔ مونچھوں کا شرعی حکم یہی ہے کہ بالکل نیچے تک کتروادیے جائیں یا کم از کم اس قدر ضرور کترنے چاہیں کہ آدمی کا ہونٹ تو صاف نظر آئے۔ آپؐ کے مختلف ارشادات میں داڑھی بڑھانے اور مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے۔ اس وجہ سے ایک جماعتِ علماء کا مسلک یہ بھی ہے کہ مونچھوں کو منڈانا سنت ہے، مگر علماءِ محققین کہتے ہیں کہ کتروانا سنت ہے۔ تاہم کتروانے میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے کہ مونڈنے کے قریب قریب ہو جائیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی مونچھیں کترنا یا دوسرے سے کتروانا خود کترنا دونوں جائز ہیں۔ البتہ مونچھیں کترتے وقت دائیں سے ابتداء کی جائے۔ تو مندوب ہے ۔کیا مونچھوں کا مونڈنا افضل ہے یا کترنا؟ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں والا کثرون علی الاول (ای قصه) اکثر علماء اس کے کاٹنے کو افضل سمجھتے ہیں۔

بلکہ حضرت امام مالکؒ تو مونڈنے والے کو سزا دیا کرتے تھے قال مالکؒ یودب الحالق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مونڈنے والے کو سزا دی جائیگی ۔(مواهب ص ۱۲۷)

اسبال کا حکم :

اسبال کا باقی رکھنا بھی مکروہ ہے۔اسبال: طرف الشارب کو کہتے ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر ہوا کہ وہ اسبال کو بڑھاتے اور داڑھیوں کو منڈاتے ہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا' فخالفوھم یعنی ان کی مخالفت کرو۔ و فی خبر احمد قصوا اسبالکم ووفروا لحاکم ولکن رأی الغزالی انه لا باس بترک الاسبال اتباعاً لسیدنا عمر رضی الله عنه. الله اعلم. (اتحافات ص ۲۲۰) اور احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ اپنے اسبال (مونچھوں کی لمبائی) کو کترواور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ۔لیکن امام غزالیؒ کی یہ رائے ہے کہ اطراف میں لمبی مونچھیں رکھنے میں کوئی حرج نہیں یعنی حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنے کے لئے۔

(۱۶۰/۱۶) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِیْ حَيَّانَ التَّيْمِیّ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَ كَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت واصل بن عبدالاعلیٰ نے بیان کی۔ان کے پاس اسے محمد بن فضیل نے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ابو حیان تیمی سے روایت کی اور انہوں نے ابوزرعہ سے نقل کی۔وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی

خدمت میں کہیں سے گوشت آیا۔اس میں سے دست (یعنی بونگ) حضورؐ کے سامنے پیش ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو دست یعنی بونگ کا گوشت پسند بھی تھا۔حضورؐ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا۔

راویان حدیث (۳۷۰)واصل بن عبدالاعلیٰ ؒ (۳۷۱)محمد بن فضیلؒ (۳۷۲)ابوحیان التیمیؒ اور (۳۷۳)ابوزرعۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت کودانتوں سے نوچنا اور کھانا افضل ہے :

پہلی روایت میں گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کا بیان تھا۔اس روایت میں دانتوں سے نوچنے اور کھانے کا بیان ہے۔**الذراع** سے مراد بازو ہے۔**والمراد هنا مافوق الكراع** (پاؤں سے اوپر کا حصہ مراد ہے)(مواھب ص۱۲۷)**هو اليد من كل حيوان.** ہرحیوان کی چوڑی (مناوی ۲۶۲) **و كانت تعجبه** '' آپؐ اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔ **لسرعة نضجها مع سهولة هضمها، وطيب طعمها و لزيادة قوتها للجسم.** (بوجہ اس کے جلدی پکنے اور بسہولت ہضم ہونے اور ذائقہ کے اچھے ہونے اور جسم کو طاقتور بنانے کیلئے)۔(اتحافات ص۲۲۰)

''**فنهش منها**'' یہ **نهش** سے ہے **اطراف الاسنان** سے تناول کو نہش کہتے ہیں۔ **وهو اهنا وامرأ** آپ ﷺ کو دانتوں سے نوچنا اور کھانا، چھری کے ساتھ کاٹنے اور کھانے سے زیادہ پسند تھا۔ **وهذا اولى واحب من القطع بالسكين** (مواھب ص۱۲۷) **ولانه ينبئى عن ترك التكبر و التكلف و ترك التشبه بالا عاجم.** (جمع ص۲۶۲) اور دانتوں سے نوچنے میں تکبر تکلف اور عجمیوں کی تشبیہ کو چھوڑنا مقصود ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا جتنا بھی لذیذ اور پسندیدہ ہو، پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے۔آپ ﷺ کو بازو کے گوشت سے محبت تھی، مگر اس کے باوجود **فنهش منا** یعنی اس سے تھوڑا بقدر ضرورت وکفاف تناول فرمایا۔تمام کا تمام نہیں کھایا کہ **منها** حرفِ **تبعيض** کا یہی مدلول ہے۔(مواھب ص۱۲۷)

(۱۶۱/۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِيْ ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عَيَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ وَسُمَّ فِي الذِّرَاعِ وَ كَانَ يُرٰى اَنَّ الْيَهُوْدَ سَمُّوْهُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے ابوداوٗد نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زہیر یعنی ابن محمد سے ابی اسحٰق کے واسطہ سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت سعد بن عیاض سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے نقل کی۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا۔ اسی میں حضور اقدسؐ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہودیوں نے زہر دیا تھا۔

راویان حدیث (۳۷۴) زہیرؒ (۳۷۵) سعید بن عیاضؒ اور (۳۷۶) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت نے خبر دی کہ میں مسموم ہوں :

كان النبي صلى الله عليه وسلم ..... الخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ و سمّ في الذراع، حضور اقدس ﷺ کو اپنے پسندیدہ گوشت لحم الذراع. (بازو کے گوشت) میں زہر دیا گیا۔ آپؐ نے اس سے ابھی ایک لقمہ لیا تھا۔ جو نگلا بھی نہ تھا کہ اخبره جبريل بانه مسموم فتركه و لم يضره ذلك السم يعني حينئذٍ (کہ جرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو بتایا کہ یہ گوشت زہر آلود ہے تو آپؐ نے اسے چھوڑ دیا اور اس وقت زہر سے آپؐ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی) اگر چہ بعد میں وفات تک مختلف اوقات میں اس کا اثر ظاہر ہوتا رہا)

بعض روایات میں فاخبر به الذراع (کہ خود اس ذراع (پہلو) نے (زہر آلود ہونا) بتلایا)۔ (مناوی ۲۶۳) کی تصریح ہے تو علماءِ محدثین نے دونوں روایات میں تطبیق کی ہے کہ اولاً ذراع نے خود آواز دے کر آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا اور یہ معجزۃ تھا، پھر جرائیل آئے۔ ثم نزل جبريل بتصديقها بانه مسموم فتركه. (مناوی ص ۲۶۳) (پھر جرائیل اس کی تصدیق کیلئے آسمان سے اترے اور کہا کہ یہ

زہر آلود ہے آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا)

ورنہ یہ بات محقق ہے کہ زہر کا اثر ہر سال معاد ہوتا تھا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف بھی ہوتی تھی بلکہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "حتیٰ مات بہ صلی اللہ علیہ وسلم لزیادۃ حصول سعادۃ الشہادۃ" (کہ آپؐ مرتبۂ شہادت سے اس زہر کے اثر کیوجہ سے فیضاب ہوئے)۔(جمع ص ٢٦٣)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں : قال العلماء فجمع اللہ لہ بین النبوۃ و الشہادۃ و لایرد علی ذلک قولہ تعالیٰ و اللہ یعصمک من الناس لان الایۃ نزلت عام تبوک والسم کان بخیبر قبل ذلک. (مواھب ص ١٢٨)

(علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی ذات مبارک کیلئے مرتبہ نبوت اور شہادت دونوں کو جمع فرما دیا۔ اور اس پر یہ اعتراض نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے متعلق واللہ یعصمک من الناس فرمایا ہے (کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں کی تکلیف دینے سے محفوظ فرماویں گے) اس لئے کہ آیت مذکورہ غزوہ تبوک کے سال نازل ہوئی اور آپؐ کو زہر دینے کا واقعہ خیبر میں اس سے پہلے وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

یہودی عورت کا زہر کھلانا :

ان الیھود سموہ ! فتح خیبر کے موقع پر یہودی زعماء کے مشورہ سے ایک یہودی خاتون نے بکری کا ایک ذراع بھونا اور اس میں بہت زیادہ زہرِ قاتل ملا کر آپ ﷺ کی دعوت کی۔ ابھی آپؐ نے لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ گوشت نے معجزۃً از خود اطلاع دی کہ میرے اندر زہر بھر دیا گیا ہے۔ پھر جبرئیلؑ اُترے اور فوراً تصدیق کر دی۔ آپؐ نے خود بھی اس کھانے سے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع کر دیا۔ سمّوہ میں زہر دینے کی نسبت ایک خاتون کے بجائے تمام یہودیوں کی طرف کی گئی ہے۔

واسندہ الی الیھود لانہ صدر عن امرھم واتفاقھم والا فالمباشرۃ لذلک زینب بنت الحارث امرأۃ سلام بن مشکم الیھودی کما رواہ محی السنۃ والدمیاطی وغیرھما. (مناوی

ص ۲۶۳)(زہر دینے کی نسبت سب یہودیوں کی طرف کی گئی حالانکہ زہر دینے کا فعل تو صرف سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث نے کیا تھا جیسے کہ محی السنۃ اور دمیاطی وغیرہ ہی نے نقل کیا ہے اسلئے کہ اس عورت نے یہ کام ان سب کے متفقہ فیصلے اور حکم سے کیا تھا)

اس کے بعد آپؐ نے اس عورت کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اس میں زہر ملایا ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ واقعی اس میں زہر بھرا ہے۔ فقالت قلت ان کان نبیاً یضرہ السم والا استرحنا منه (جمع ص ۲۶۳)(اس خاتون نے کہا کہ ہمارا اس میں زہر ملانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے، تو زہر ضرر نہیں پہنچائے گا اور اگر نبی نہیں ہوں گے، تو ہمیں آپؐ سے استراحت حاصل ہو جائے گی) حضورؐ اقدس نے ان کا سارا قصہ سنا۔ حقائق سے آگاہی ہوئی، نہ طیش میں آئے، نہ غصہ فرمایا اور نہ انتقام لیا بلکہ فعفا عنھا ولم یعاقبھا لانه کان لا ینتقم لنفسه (اس کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی اس لئے کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے)۔(مناوی ص ۲۶۳)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ولقد اسلمت زینب فترکھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم لا سلامھا و لانه کان لاینتقم لنفسه (اتحافات ص ۲۲۱) اور زینت بنت الحارث اسلام لے آئی تو حضور ﷺ نے اس کو اسلام لانے کے سبب چھوڑ دیا اور اس لئے بھی کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے) مگر بشر بن البراءؓ صحابی اس زہر کے کھانے سے شہید ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھ یہی زہر آلود کھانا کھایا تھا۔ دفعھا لورثته فقتلو ھا قوداً (مناوی ص ۲۶۳) تو حضور اقدسؐ نے اسے شہید کے ورثا کے حوالے کر دیا، انہوں نے قصاصاً اسے قتل کر دیا۔ بعض روایات میں تعزیراً آیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قصاص لینے کے یہ معنی ہوں کہ آپؐ نے فرمایا ہو کہ اس سے قصاص لو اور قتل کرو، چونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، اس لئے اولیاء مقتول صحابی نے معاف کر دیا۔ (تقریر ترمذی ص ۸۳۰)

حدیث سے ماخوذ فوائد :

شارحینؒ نے اس حدیث سے بہت سے فوائد اور مسائل کا استخراج کیا ہے۔ گوشت کا کلام

کرنا آپ ؐ کا معجزہ ہے کہ بے جان چیز بات کر رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدس ؐ کو وہ غائب چیز بھی معلوم ہوگئی، جس کا تعلق شر سے تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زہر بذاتہ کوئی مؤثر چیز نہیں ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ زہر سے قتل، گویا اسلحہ سے قتل ہے، جس پر شرعاً قصاص مرتب ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤف ؒ کے الفاظ میں اس کی مزید توضیح ملاحظہ ہو۔ وفی الحدیث فوائد کثیرة منها ما اظهره انه من كرامة نبيه حيث كلمه الجماد ولم يوثر فيه السّم وعلم ما غيبه عنه من الثروان السّم لايوثر بذاته ولو كان يوثر بذاته لاثر فيهما حالا وان القتل بالسم كالقتل بالسلاح الذى يوجب القود بشرطه المعروف .
(مناوی ص ۲۶۳)

(۱۶۲/۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِیْ عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِى الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِى الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ لَوْ سَكَتَّ لَنَا وَلْتَنِى الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت ابان بن یزید نے قتادہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اخذ کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول ؐ حضرت ابوعبیدؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابوعبیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ؐ کے کیلئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار ﷺ کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔

پھر حضور ؐ نے دوسری طلب فرمائی۔ میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضور ؐ نے اور طلب فرمائی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا، اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔

راویان حدیث (۳۷۷) مسلم بن ابراھیمؒ (۳۷۸) ابان بن یزیدؒ اور (۳۷۹) ابوعبیدؓ کے حالات

''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کے لئے ضیافت کا اہتمام :

قال طبخت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدراً طبخت : طبخ سے ہے بمعنی پکانے کے اور بھوننے کے۔قدراً ہانڈی کو کہتے ہیں، وھی بالکسر آنیۃ یطبخ فیھا (قدر بکسر القاف ایسا برتن جسمیں کوئی چیز پکائی جائے) (مواھب ص ۱۲۸) جمع قدور آتی ہے۔قرآن مجید میں وقدور راسیات (بڑی دیگیں اپنی جگہ رہنے والی) آیا ہے۔ذکر ظرف کا ہے مراد مظروف ہے۔فذکر القدر واراد ما فیہ مجازًا بذکر المحل وارادۃ الحال (تو یہاں قِدر کا ذکر ہے اور اس سے مراد مجازاً وہ چیز جو اسمیں ہو یعنی محل کا ذکر ہے اور مراد حال ہے۔(جمع ص ۲۶۴) وکان یعجبہ الذراع فناولتہ۔(حضور ﷺ کو ذراع (بازو) پسند تھا تو میں نے وہ ہانڈی سے نکال دیا) ظاہرِ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرتبہ حضور اقدس ؐ نے طلب نہ فرمایا بلکہ ناولہ بلا طلب لعلمہ بانہ یعجبہ۔(جمع ص ۲۶۴) (کہ آپ ؐ کو بن مانگے وہ بازو دیا کیونکہ اسے علم تھا کہ آپ ؐ اس کو پسند فرماتے تھے)

چونکہ حضور اقدس ﷺ کو الذراع محبوب تھا۔اس لیے ارشاد فرمایا ناولنی الذراع یعنی مجھے ایک بازو اور دو،اس کے بعد پھر تیسرا ذراع طلب فرمایا تو حضرت ابوعبیدؓ کہتے ہیں کم للشاۃ من ذراع (بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں) یہ استفہام کے لیے ہے یا تعجب کے لیے انکار کے لیے نہیں ہے۔لانہ لا یلیق بالمقام۔(کیونکہ انکار کرنا اس مقام کے مناسب نہیں) (مناوی وجمع ص ۲۶۴) علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں استفہام میں اگرچہ انکار نہیں ہے،مگر سوء ادب ہے اور عدم امتثال امر ہے۔فلذلک عاد علیہ شنوم علم الامتثال بان حرم مشاھدۃ المعجزۃ وھی ان یخلق اللہ ذراعاً بعد ذراع۔(موھب ص ۱۲۸) (اس لیے تو حکم نہ ماننے کی شومی سے آپ ؐ کے معجزہ کے مشاہدہ کرنے سے محروم ہوا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دیگ سے بازو کے بعد اور بازو پیدا کر کے دیتے)

ایک اعتراض کا جواب :

بظاہر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ گزشتہ روایات سے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے لحم و

خبز سے کبھی سیر ہوکر تناول نہیں فرمایا جبکہ اس روایت میں ہے کہ دو ذراع تناول فرمائے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ سابقہ روایات میں یومین متتا بعین یا فی یوم مرتین (دو دن مسلسل یا ایک دن میں دوبار) کی نفی ہے۔ مطلقاً ایک وقت کے شبع کی نفی نہیں کی گئی۔ جب کہ حدیث زیر بحث میں ایک وقت کی بات ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس وقت دو ذراع سے سیر ہو گئے تھے، ورنہ تیسرے کا مطالبہ کیوں فرماتے بلکہ صحابیؓ کے ذراع لانے کے بعد ظاہر ہے کہ سب شرکاء نے اس سے کھایا ہو۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کا قسم کھانے کا انداز :

فقال والذی نفسی بیده ! یہاں پر نفسی سے روح یا جسد یا دونوں مراد لیئے جاسکتے ہیں۔ ای روحی اوجسدی اوهمابیده: ای بقدرته و قوته و ارادته ان شاء أبقاه وان شاء افناه (یعنی میری روح یا بدن یا دونوں اسی ذات کی قدرت طاقت اور اختیار میں ہیں چاہے تو ان کو باقی رکھے اور چاہے ان کو فنا کردے) (مناوی ص ۲۶۴) حضور اقدس ﷺ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے یہ عادت مبارک تھی۔ مقصد یہ تھا کہ میری ذات تو رب تعالیٰ کی منقاد ہے۔ لا افعل الا مایرید۔ (کہ میں نہیں کرتا مگر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے) یہ روایت "من احادیث الصفات وایتها" سے ہے، اس میں دو مذھب مشہور ہیں۔ (۱) التاویل اجمالاً : وهو تنزیه اللّٰه تعالٰی عن ظواهرها و تفویض التفصیل الیه سبحانه و تعالٰی وهو مذهب اکثر السلف (۲) والتاویل تفصیلاً : وهو مختار اکثر الخلف (جمع ص ۲۶۴) (صفات کے بارے میں مختصر اور اجمالی تاویل یہ کہ ان کے ظاہری معانی سے اسکی ذات منزہ اور پاک ہے اور انکی پوری تفصیل اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سپرد ہے اور یہی اسلاف اور متقدمین کا مذھب ہے (یعنی وہ فرماتے ہیں اللّٰه اعلم بمراده بذلک۔

(۲) اور تفصیلی تاویلات اور معانی بتلانا یہ متاخرین کے نزدیک پسندیدہ ہیں)

معجزات کا وقوع کب ہوتا ہے :

لو سکت الخ، اگر تم خاموش رہتے اور اس قدر بات نہ کرتے، ای سکت عماقلت من الا

ستبعاد و امتثلت امری فی مناولة المراد (یعنی اگر آپ اسکو مستبعد اور ناممکن ہونے کے باوجود خاموشی سے میرے حکم کا امتثال کرتے ہوئے تیسرے بازو نکالنے کے لیے) بغیر پس وپیش کے چلے جاتے) (جمع ص ٢٦٥) تو ہانڈی سے ذراع نکالتے رہتے، جب تک میں طلب کرتا رہتا، گویا معجزہ ظاہر ہوتا، جو اللہ کی طرف سے ایک انعام ہوتا۔ بظاہر اس پر بھی ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحروں سے بہت سا کلام اور سوال وجواب کرتے رہے، مگران کا معجزہ ظاہر ہوکر رہا، مگر حضور اقدس ﷺ کا معجزہ صحابی کے محض کلام قلیل کی وجہ سے کیوں رک گیا؟

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، قیل انما منع کلامه تلک المعجزة لا نه شغل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن التوجه الی ربه بالتو جه الیه او الی جواب سؤاله فان الغالب ان خارق العادة یکون فی حالة الفناء للا نبیاء والا ولیا ء و علم الشعور عن السواء حتی فی تلک الحالة لا یعرفون انفسهم فکیف فی حال غیرهم . (جمع ص ٢٦٥)

یعنی صحابی کی گفتگو نے معجزہ کے وقوع کو روک دیا کہ آپ ﷺ کی توجہ کامل جو اللہ تعالیٰ کی طرف تھی، اس گفتگو کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گئی اور صحابی کی طرف مبذول ہوگئی یا اس کا جواب دینے کی طرف، کیونکہ بسا اوقات معجزہ اور کرامات، انبیاء کے اور اولیاء کے حالتِ فنا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو اس وقت ماسوی اللہ کا شعور نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کیفیت میں وہ خود کو بھی نہیں پہچانتے تو جب اپنے نفس کے متعلق یہ فراموشی ہو تو دوسروں کے حال کو کیا پہچانیں گے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے وقت ساحروں سے کلام ختم ہو چکا تھا۔ جب عصا ڈالا اور وہ بھی اللہ کے حکم سے، تو اس وقتِ خاص میں ان کی توجہ تام اللہ ہی کی طرف تھی۔ اس وقت نہ تو انہوں نے کسی کی طرف توجہ کی اور نہ کسی سے کلام کیا، مگر آپؐ کو صحابی کی طرف توجہ دینی پڑی تو فنائیت سے توجہ ہٹ کر خلق اللہ پر آ گئی معجزہ بند ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ درحقیقت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام واکرام تھا، اگر صحابی انقیادِ تام کے ساتھ آپؐ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کرتے رہتے، تو وہ باقی رہتا، مگر ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی، جو موقع کے مناسب نہ تھی۔ ادب واطاعت کا مطلوبہ معیار نہ

تھا۔ اس لیے وہ انعام اور اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔ (مناوی ص ٢٦٥) بہر حال یہ حضور ﷺ کا شانِ اعجاز ہے۔ مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنیٰ حضرت ابورافعؓ سے بھی منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہوں اور یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

کھانے میں برکت کے معجزات :

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ نے ''الشفا'' میں چند واقعات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تلخیص اور مفہوم نقل کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کے دس دانوں سے زائد نہ تھے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی ساری متاع بتادی کہ اس وقت تو میرے پاس اس تھیلی میں کھجور کے چند دانے ہیں، جن کی تعداد بھی دس سے زائد نہیں۔ آپؐ نے اس سے چند دانے نکالے اور دستر خوان پر ڈال دئے، انہیں پھیلا دیا اور پھر دعا پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ دس افراد کو بلاتے رہو اور کھلاتے رہو، اس ترتیب سے پورا لشکر آتا رہا اور کھاتا رہا۔ تمام لشکر نے کھجوریں سیر ہو کر کھائیں، جو بچ گئیں فرمایا انہیں واپس تھیلی میں ڈالو، فرمایا ہمیشہ اسی تھیلی سے کھجور نکال کر کھاتے رہنا اور کبھی بھی اسے الٹ کر خالی نہ کرنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس تھیلی سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا بھی رہا اور کھلاتا بھی رہا، حتیٰ کہ آپؐ کا دورِ مسعود گذر گیا، پھر حضرت ابو بکرؓ کا زمانۂ خلافت آیا وہ بھی گزر گیا، حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا، وہ بھی گذر گیا، حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کا دور آیا، تب تک میں تھیلی سے کئی وسق کھجور نکال کر کھا چکا تھا اور کھلا چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دورِ خلافت میں شر پسندوں نے ان پر حملہ کر کے جب انہیں شہید کر دیا، تو اس افراتفری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ تھیلی کسی نے زبردستی چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کے چھن جانے کا بہت افسوس ہوا، ارشاد فرمایا ....

للناس همّ ولی الیوم همّان   هَمُّ الجراب وهَمُّ الشیخ عثمان

(کہ آج لوگوں کو صرف ایک ہی فکر وغم ہے اور مجھے دوغم ہیں ایک تھیلی گم ہونے کا اور دوسرا حضرت

عثمانؓ کی شہادت کا)

(۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی دعوت کی اور اتنا کھانا تیار کیا، جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شرفاء انصار میں سے تیس (۳۰) آدمیوں کو بُلا لاؤ۔ وہ بلا کر لے آئے اور ان کے کھانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، اب ساٹھ آدمیوں کو بلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بلایا۔ غرض ایک سو اسی (۱۸۰) نفر کو یہ کھانا کافی ہوگیا۔ (۳) حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھاتا رہا۔

(۴) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لیے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے ملیدہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ اور جو تمہیں ملے، اس کو بھی بلا لینا۔ میں ان لوگوں کو بلا کر لایا اور جو ملتا رہا، اس کو بھی بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پُر ہوگئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے، تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اٹھا لو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اٹھایا اس وقت زیادہ پُر تھا۔ غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور ﷺ کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجمعوں میں پیش آئے ہیں۔ ایسے واقعات کو خلاف واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے اور جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے، وہ خلاف واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ (خصائل)

(۱۶۳/۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَبَّادٍ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ مَاكَانَ الذِّرَاعُ اَحَبَّ اللَّحْمِ اِلٰى رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهٗ كَانَ لَا

يَجِدُ اللَّحْمَ اِلَّا غِبًّا وَكَانَ يَعْجِلُ اِلَيْهَا لِاَ نَّهَااَعْجَلُهَانَضْجًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانیؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحیٰی بن عباد نے بیان کے۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضورؐ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے، اس لیے حضورؐ اس کو پسند فرماتے تھے، تاکہ جلدی سے فارغ ہوکر اپنے مشاغلِ علمیہ میں مصروف ہوں۔

راویان حدیث (۳۸۰) فلیح بن سلیمانؒ اور (۳۸۱) عبدالوھاب بن یحیٰی بن عبادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذراع کا گوشت کیوں پسند تھا ؟

عن عائشة قالت ماکان الذراع......الخ، حضور اقدس ﷺ کو بکری کے ذراع (اگلے پائے گوشت) پسند تھا۔ اس کی بہت سے وجوہات ہوسکتی ہیں۔ سیدہ عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ وہ جلدی پک کر تیار ہوتا تھا اور زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتی تھی۔ اس سے وقت کی بچت ہوتی اور دین کے دیگر امور سرانجام دینے کے لیے وقت میسّر آجاتا۔ یہ حدیث اور اس طرح کی تمام احادیث کا مدلول یہی ہے کہ آپ ﷺ کو ذراع کا گوشت پسند تھا۔ تاہم حضور ﷺ کی یہ رغبت اور پسندیدگی تمام میلان خاطر اور اشتہاء کے درجہ کی نہ تھی، جو آپؐ کے شان والا کے مناسب نہیں۔

انـه كـان يـحبـه مـحبة طبيـعية غـريـزية ولا مـحذور في ذلک لا نـه من كمال الخلقة والـمحذور المنافي للكمال عناء النفس واجتها دها في تحصيل ذلک و تألمها لفقده ۔ (مواهب ص۱۲۹) (آپؐ ذراع کے گوشت سے طبعی اور فطری طور پر محبت کیا کرتے اور اس میں شرعاً کوئی حرج اور ممانعت بھی نہیں اس لیے کہ یہ بات فطرت اور خلقت کے کمال ہی کیوجہ سے ہو بلکہ کمال کے منافی کسی چیز سے وہی محبت ہے جس میں نفس کو محنت ومشقت میں مبتلا کر کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ حاصل ہوجانے کی صورت میں پریشانی اور تکلیف ہو)

(۱۶۴/۲۰) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ سَمِعْتُ شَيْخًا مِنْ فَهْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت ابواحمد نے اور اس کے پاس مسعر نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے فہم کے ایک شیخ سے سنا۔وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

راوی حدیث (۳۸۲) شیخاً من فھمٍ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیٹھ کا گوشت اطیب ہے :

ان اطیب اللحم لحم الظھر : یعنی زیادہ لذیذ، زیادہ لطیف گوشت، فاطیب بمعنیٰ احسن کے۔ او معناہ اطھر لکونہ ابعد من الاذی . (جمع ص ۲۶۷) (اور یا یہ مطلب کہ وہ پاک و صاف ہے کیونکہ اس کے کھانے میں کسی قسم کی مشقت اور تکلیف نہیں ہے)

اس روایت میں جانور کی پیٹھ کے گوشت کو بہترین گوشت قرار دیا گیا ہے، جو ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ملصق ہوتا ہے۔کھانے میں لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے۔یہ ان روایات کے خلاف نہیں، جن میں ذراع کو پسندیدہ گوشت قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دونوں میں مختلف جہات سے پسندیدگی اور عمدگی کی ترجیحات ہوسکتی ہیں، مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشے نہ ہونے کے لحاظ سے یا چکنا ہونے کے لحاظ سے وغیرہ وغیرہ بہرحال مختلف جہات اور مختلف لحاظ سے کئی چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہوسکتی ہیں۔

گردن کا گوشت بھی پسند تھا :

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا۔ کان یحب الرقبة، جیسا کہ ضباعة بنت الزبیر کی روایت میں آیا ہے۔انہوں نے بکری ذبح کی۔حضور اقدس ﷺ کو علم ہوا تو پیغام بھیجا کہ ''اَن اطعمینا من شاتکم'' (کہ ہمیں بھی اپنی بکری سے کھلایئے) انہوں نے جواب بھیجا کہ

گوشت تو سارا تقسیم ہو چکا ہے ما بقی عندی الا الرقبة (میرے پاس تو گردن کے علاوہ کچھ بھی نہیں)اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں گردن پیش کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا یہی ہمارے لیے بھیج دو۔ ''فانها هدية الشاة و اقرب الشاة الى الخير و ابعدها من الاذیٰ'' (یہ تو بکری کا ہدیہ ہے) (اتحافات ص ۲۲۴)

بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں :

جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ بکری کے سات (۷) اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ کپورہ، حرام مغز، خون، پتہ نر و مادہ کی شرمگاہ، غدود اور مثانہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : وورد انه ﷺ كان يكره من الشاة سبعاً المرارة، والمثانة، والحياء (اى الفرج و الذكر والا نشيين) والغدة والدم۔ (جمع ۲۴۶)

(۱۶۵/۲۱) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّ ثَنَا زَيْدُبْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُؤَ مَّلِ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زید بن حباب نے بیان کیا اور عبداللہ بن المؤمل سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی ملیکۃ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

نعم الا دام الخل ! اس حدیث کی تشریح باب ھذا کی پہلی روایت کے ضمن میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ وكان المناسب ذكره فى أول الباب۔ (اتحافات ص ۲۲۴) (اور اسکا ذکر شروع کتاب میں مناسب تھا)

(۱۶۶/۲۲) حَدَّثَنَا اَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّ ثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ ثَا بِتٍ اَبِىْ حَمْزَةَ

الثُّمَالِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اُمِّ هَانِي قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَکِ شَيْئٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَ خَلٌّ فَقَالَ هَاتِيْ مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوکریب محمد بن العلاء نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت ابوبکر بن عیاش نے بیان کی،وہ ثابت ابوحمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے شعبی سے نقل کی۔وہ یہ روایت ام ہانیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (حضورؐ کی چچازاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (فتح مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ لے آؤ،وہ گھر سالن سے خالی نہیں،جس میں سرکہ ہو۔

راویان حدیث (۳۸۳) ابوبکر بن عیاشؒ (۳۸۴) ثابت ابی حمزہؒ اور (۳۸۵) ام ھانیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اُم ہانیؓ کے گھر ورودِ مسعود،خشک ٹکڑوں اور سرکہ سے ضیافت :

حضرت ام ہانیؓ کی روایت یہاں مختصر منقول ہے،مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے۔زیادہ مفصل ہے۔ہم ذیل میں مناوی سے اسے نقل کررہے ہیں۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس روز مکۃ المکرّمہ فتح ہوا،اسی روز حضور اقدس ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔و کان جائعاً فقال لها عندک طعام اکله؟ (اور حضور ﷺ بھوکے تھے آپؐ نے فرمایا آپ کے پاس کوئی کھانا ہے کہ میں اسکو کھالوں) انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ! خشک روٹی کے ٹکڑے ہیں اور مجھے حیاء آتی ہے کہ وہ پیش کروں،ارشاد فرمایا،نہیں لے آؤ،آپؐ نے اس کے ٹکڑے کیئے،پانی میں بھگوئے،نمک ملایا،پھر دریافت فرمایا، ما من ادام ؟ یعنی کچھ سالن بھی۔حضرت ام ہانیؓ نے عرض کیا،ما عندی الا شیء من خلّ (کہ میرے پاس تو تھوڑے سے سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے) آپؐ نے فرمایا اسے لے آیئے،لایا گیا،تو آپؐ نے اسے روٹی پر ڈالا اور کھانا تناول فرمایا۔پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ، پھر ارشاد فرمایا : نعم الادام الخل یا ام ھانی (اے ام ھانی سرکہ اچھا سالن

ہے) جس گھر میں سرکہ موجود ہو، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، لا یقفر بیت فیه خل ۔(مناوی ص ۲۶۸) وفی الباب ایضاً عن ام سعد عن ابن ماجة قال دخل رسول الله صلی الله علیه وسلم علی عائشة وانا عندها فقال هل من غداء فقالت عندنا خبز و تمر و خل فقال نعم الا دام الخل، اللهم بارک فی الخل فانه ادام الانبیاء قبلی ولم یفقر بیت فیه خل . (مواهب ص ۱۳۰)(اس باب میں ام سعد کی ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور میں بھی وہاں تھی آپؐ نے فرمایا کوئی غداء (صبح کا کھانا) ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمارے پاس روٹی کھجور اور سرکہ ہے پس آپؐ نے فرمایا بہترین سالن سرکہ ہے اے اللہ! سرکے میں برکت ڈال دے یہ تو مجھ سے پہلے پیغمبروں کا سالن تھا اور وہ گھر خالی نہیں جس میں سرکہ ہو)۔(مواهب ص ۱۳)

خورد ونوش وسیلہ ہیں مقصد نہیں :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے ہاں خورد ونوش وسیلہ تھا، مقصد نہ تھا اور وسیلہ بھی بدرجۂ اضطرار وضرورت کے۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو رشتہ داری ہو، باہمی اعتماد ہو اور تعلق مخلصانہ ہو، وہاں کھانے کی طلب اور سوال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ روٹی اور سرکہ بلکہ ہر کھانے کی چیز کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے کہ کفرانِ نعمت ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : ثم فی الحدیث الحث علی عدم النظر للخبز والخل بعین الاحتقار و انه لا بأس بسؤال الطعام ممن لا یستحی السائل منه لصدق المحبة والعلم بمودة المسئول لذالک . (جمع ص ۲۶۸)

(۱۶۷/۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِیِّ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَی النِّسَآءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَآئِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مثنی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن

جعفر نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبہ سے اور انہوں نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے مرہ ہمدانی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت ابوموسیٰ سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

راوی حدیث (٣٨٦) عمرو بن مرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال فضل عائشة ! یا تو مطلق فضیلت مراد ہے یا اپنے زمانے کی عورتوں پر فضیلت مراد ہے یا پھر ازواج مطہرات پر فضیلت مراد ہے۔

ثرید کی فضیلت اور برکات :

ثرید : فعیل کے وزن پر ہے۔ بمعنی مفعول یعنی مثرود کے۔ ضرب کے باب سے ہے یعنی شوربے میں روٹی توڑ کے کھانا خواہ وہ شوربا گوشت کا ہو یا کسی اور سالن کا۔ وهو الخبز المأدوم بالمرق و الغالب ان یکون مع اللحم. (اتحافات ص ٢٢٥) اس کا معنی خلط کرنا اور ملانا بھی نقل ہوا ہے۔ ثرد الثوب یعنی کپڑے میں رنگ ملا دیا، جبکہ ثرید میں بھی روٹی اور سالن کو مخلوط کر کے ملا دیا جاتا ہے۔ ویسے تو طعام کے بہت سے اقسام ہیں، مگر منافع کے لحاظ سے ثرید افضل ہے کہ اس کے کھانے میں مشقت نہیں ہوتی۔ وقت کم صرف ہوتا ہے، جلدی ہضم ہوتا ہے۔ تغذیہ اور تنمیہ کے اعتبار سے افضل ہے۔

علامہ بیجوریؒ بھی تقریباً یہی نقل کر رہے ہیں: ووجه فضل الثريد على الطعام مافى الثريد من النفع و سهو لة مساغه و تيسر تنا وله و بلوغ الكفاية منه بسرعة واللذة والقوة و قلة المشقة فى المضغ. (مواهب ص ١٣١)

ابوداؤد میں حدیث ہے، احب الطعام الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الثريد من الخبز و الثريد من الحيس (نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا اور روٹی کا ثرید یا حیس (کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا ہوا کھانا) کا ثرید تھا) حضرت سلمانؓ سے طبرانی اور بیہقی نے روایت نقل کی ہے، البركة فى ثلاثة

فی الجماعة و الثرید والسحور (برکت تین چیزوں میں ہے (۱)جماعت (۲)ثرید(۳)سحری کھانا) اطباء سے منقول ہے کہ ثرید کے کھانے سے بوڑھے بھی جوان ہوجاتے ہیں ...... و قال الا طباء هو یعید الشیخ الی صباه۔(جمع ۲۶۹)

سیدہ عائشہؓ کی فضیلت :

حدیث میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ میں جوفضائل تکوینی طور پر جمع ہوئے ہیں، وہ تمام صفات بیک وقت کسی بھی عورت میں موجودنہیں ہیں۔مثلاً وہ افضل الانبیاء کے حبالۂ عقد میں آئی ہیں۔ واحب النساء الیه صلی اللّٰه علیه وسلم واعلمهن و احسبهن وانسبهن ۔(جمع ص ۲۶۹)(حضور ﷺ کی محبوب ترین بیوی اورسب سے زیادہ عالمہ اورشرافت نسب کے لحاظ سے بڑھی ہوئی)حضرت خدیجہؓ کے بھی فضائل ہیں اورحضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بھی فضائل ہیں،مگر ان کے جہات اور ہیں،لیکن ایسی هیئِة جامعة جوثرید کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو،صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے۔اس لیے علماء نے کہا کہ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کوجمیع عالم کی تمام نساء پرمن جمیع الوجوہ فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ثرید کی فضیلت بھی دیگر اطعمہ پر من کل الوجوه نہیں(ساری سورتوں میں نہیں ہے) بلکہ من جهاتِ مخصوصةِ (مخصوص وجوہ میں)ہے۔ وهو لا یستلزم الا فضیلة من کل الوجوه ۔تو یہ من کل الوجوه افضلیت کولازم نہیں(جمع ص۲۶۹)حالانکہ صحیح روایات میں حضرت فاطمہؓ اورحضرت خدیجہؓ کی بھی دیگرخواتین پر فضیلت منقول ہے۔

فضیلت ثرید سے فضیلت عائشہ کی تمثیل کیوں ؟

قال الطیبیؒ والسرّفیه ان الثرید مع اللحم جامع بین القوة وللذة و سهو لة التناول و قلة المدة فی المضغ فضرب به مثلاً لیؤذن با نها اعطیت مع حسن الخلق وحسن الخلق و حلاوة النطق و فصاحة اللهجة و جودة القریحة و رزانة الرأی و رصانة العقل التحبب الی البعل فهی تصلح للتبعّل والتحدث اولا ستئا س بها والا صغاء الیها وحسبک انها عقلت من النبی صلی اللّٰه

علیہ وسلم مالم یعقل غیرھا من النساء وروت مالم یر و مثلھا من الرجال. (جمع ص ۲٦۹)(علامہ طیبیؒ اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں راز یہ ہے کہ ثرید بمع گوشت چونکہ قوۃ لذت، تناول کرنے میں سہولت اور چبانے میں قلت وقت جیسے اوصاف کا جامع ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں اس کو بغرض تمثیل کے لایا گیا تا کہ یہ بتلایا جائے کہ بیشک حضرت عائشہؓ کو حسنِ صورت، حسنِ سیرت، میٹھی فصیح زبان، اچھی طبیعت، عقل اور رائے میں مکمل سنجیدگی اور مضبوطی جیسے اوصاف کیساتھ ساتھ اپنے خاوند کے ساتھ الفت محبت اور انتہائی پیار تھا۔ اس لیے تو صرف حضرت عائشہؓ ہی فرمانبردار بیوی ہونے، گفتگو اور کلام کرنے، انس اور محبت کرنے اور راز کی بات کو غور و تدبر سے سننے کی صلاحیت رکھتی تھی اور آپ لوگوں کے لیے تو صرف یہی بات کافی ہے کہ اس نے حضورؐ سے ایسی ایسی باتیں اور معلومات سمجھیں جو عورتوں میں سے کسی دوسری نے نہیں سمجھیں اور ایسی روایات آپؐ سے نقل کی ہیں جو دوسرے مردوں نے نہیں کی ہیں)

خواتین میں سب سے افضل کون ؟

علماء میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ دنیا بھر کی خواتین میں سب سے زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے؟ والدہٗ عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ۔ چاروں کے متعلق علیحدہ علیحدہ روایات میں فضیلت کی تصریح ہے۔ حضرت مریمؑ کو خود اللہ پاک نے صدیقہ کا خطاب دیا ہے کہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نبی علیہ السلام کی سب سے پہلی رفیقہ اور خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد "الفاطمة بضعة منی" اور سیدة نساء اھل الجنة (فاطمہؓ میرے وجود کا ٹکڑا ہے، آپ جنت والی عورتوں کی سردار ہیں) کی تصریح ہے، پھر سیدہ عائشہؓ کو حسنِ فقاہت، علم اور ازواج مطہرات میں دوشیزگی کی امتیاز کی وجہ سے فضیلت ہے۔ امت کو ایک تہائی علمِ دین سیدہ عائشہؓ سے پہنچا ہے۔ سورۂ نور کے دو رکوع ان کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ ان سب میں سے کسی بھی خاتون کو من جمیع الوجوہ سب نساء سے افضل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہر خاتون کو مختلف جہات سے اور جزوی اعتبار سے دوسری عوتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جہاتِ فضیلت بھی مختلف ہیں۔ بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی کی والدہ ہونے کے جہت سے حضرت مریمؑ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی جزئیت کے لحاظ سے سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل نہیں۔ اولین رفاقت اور خواتین میں پہلے ایمان لانے اور بحیثیت زوجہ کے مالی اعانت کرنے کی فضیلت حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے۔ تو زوجیت، خدمت، محبت اور اشاعت علم دین میں حضرت عائشہؓ افضل ہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے ان چاروں کے متعلق فضیلت کی احادیث پر بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا۔ والحاصل ان الحیثیات مختلفة والروایات متعارضة والمسألة ظنیة والتوقف لا ضرر فیه قطعا فالتسلیم اسلم واللّٰه تعالیٰ اعلم. (جمع ص ۲۷۰) (خلاصہ بحث یہی ہے کہ ان چاروں کے متعلق افضلیت کی روایات مختلف اور آپس میں متعارض ہیں اور چونکہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور یقیناً اس میں توقف کرنے میں کوئی نقصان اور حرج نہیں اس لیے (اپنی اپنی حیثیت میں) انکی فضیلت کو تسلیم کر لینا ہی بہتر اور محفوظ طریقہ ہے) (جمع مناوی ۲۷)

باب سے مناسبت کی توجیہ :

بظاہر اگر چہ اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی ربط نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ بعید المناسبت ہے۔ الا یقال انه یکون معه ادام (ہاں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ طعام کے ساتھ سالن بھی ہو تو پھر باب کے ساتھ مناسب فائدہ ہے) (مواھب ص ۱۳۱)

(۱۶۸/۲۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ اَلْاَ نْصَارِيُّ اَبُوْ طُوَالَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَآ ئِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسماعیل بن جعفر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر انصاری ابوطوالہ نے بیان کی۔ یہ ابوطوالہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔

راوی حدیث (۳۸۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال رسول اللہ علی وسلم فضل عائشة ...... الخ ، گزشتہ حدیث میں اس کی تشریح تفصیل سے کی جا چکی ہے۔ ان روایات کے ذکر کرنے سے امام ترمذیؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو کھانوں میں ثرید سے محبت تھی۔ ثرید آپؐ کو پسند تھا، چنانچہ مختلف روایات سے ثرید کے کھانے اور پسند کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵/۱۶۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ ابْنِ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِنْ ثَوْرِ اَقِطٍ ثُمَّ رَاٰهُ اَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ اُن کے پاس خبر دی عبد العزیز بن محمد نے۔ سہیل ابن ابی صالح کے واسطہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، جنہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔

راویانِ حدیث (۳۸۸) عبدالعزیز بن محمدؒ (۳۸۹) سہیل بن ابی صالحؒ اور (۳۹۰) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

ثور : کا معنی ٹکڑا ۔الثور : هو قطعة من الشی لان الشی ء اذا قطع من الشی ء ثار عنه و ازال و فی القاموس الثور: القطعة العظیمة من الا قط فالا ضا فة لا غیة وهو لبن یجمد بنار. (علامہ مناویؒ ثور کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز سے کاٹی جائے تو وہ اس سے جدا ہوگئی (اور اسی کو ٹکڑا کہتے ہیں) اور قاموس میں ہے کہ ثور پنیر کے ایک بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں (تو اس صورت میں) پھر ثور اقط کی اضافت لاغیہ (لغو) ہوگی اور اقط کا معنی ایسا دودھ جو آگ کیساتھ منجمد کیا گیا ہو) (مناوی ۱۷۱) ثور، اقط کا معنی ایک ہی ہے۔ لفظ ثور کو ٹکڑے کے معنی میں مجرد کرلیں اور اقط کو پنیر کے معنی میں لے لیں یا اضافت ہے، سعید کرز والی، کہ مضاف الیہ مضاف کا بیان ہے ففیه تجرید و بیان و تاکید. (جمع ص ۱۷۱) (تو پھر ثور اقط میں تجرید اور بیان وتاکید ہوگی ۔ (یعنی اقط بیان اور تاکید ثور کی ہے)

ما مست النار سے وضوء کا حکم :

عن ابی هریرة انه رای رسول الله صلی الله علیه وسلم .....الخ اس مضمون کی حدیث اسی باب میں ۱۳ویں نمبر پر گذر چکی ہے، جسے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے بکری کے پہلو کا پکا ہوا گوشت کھایا، مگر نماز کے لیے تازہ وضو نہ کیا۔ اس روایت میں تصریح ہے کہ پنیر کا ٹکڑا کھا کر وضو بنایا، پھر آپؐ نے کتف شاۃ سے تناول فرمایا اور وضو کیئے بغیر نماز پڑھ لی۔

اسی ضمن میں دونوں طرح کی روایات آئی ہیں۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ما مست النار (جو چیز آگ پر پکی ہو) اس سے وضو واجب نہیں ہے۔ والذی انتهی الیه النبی صلی الله علیه وسلم هو عدم الوضوء مما مسته النار للحدیث الصحیح الذی اخرجه ابو داؤد عن جابر کان اخر الامرین من رسول الله صلی الله علیه وسلم ترک الوضوء مما مسته النار . (حضور اقدس ﷺ کا آگ پر پکی ہوئی چیز کے سلسلہ میں آخری فیصلہ یہ ہے کہ آپؐ اسکے کھانے کیوجہ سے وضو نہیں فرماتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے حدیث صحیح نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ کا آخری

عمل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہ کرنا تھا)(اتحافات ص ۲۲۵)اسی سلسلہ کی تفصیلی بحث احقر کی ''توضیح السنن شرح آثار السنن''میں ملاحظہ فرمائیے۔

وضوءِ اوّل وثانی کا محمل :

حدیث باب میں اتنی بات ملحوظ رہے کہ :

(۱) اس حدیث کے ظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں''الحکم السابق وھو الوضوء من ثور اقط (کہ پہلا حکم یعنی یہ کہ پنیر کے ٹکڑے سے وضو کرنا)حضور اقدس ﷺ کے عمل مبارک''من اکلہ کتف شاۃ و علم توضئہ''(حضور ﷺ کا بکری کے پہلو کھانے کے بعد وضوء نہ کرنے)سے منسوخ ہو چکا ہے۔جیسے اسی پر لفظ ثم دلالت کرتا ہے جو تراخی کے لیے آتا ہے۔

(۲)بعض حضرات نے یوں تطبیق کی ہے کہ پہلے وضو سے مراد وضوء لغوی ہے و ھو غسل الکفین و الفم (ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا اور کلی کرنا)اور دوسرے وضوء سے مراد وضوء شرعی ہے،وھو و ضوء الصلاۃ (مکمل وضو یعنی جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے)۔

(۳) بعض حضرات نے اول وثانی دونوں سے مراد وضوء شرعی لیا ہے، و قال فی وضوئہ اولاً و عدم و ضوئہ ثانیا اشارۃ و تنبیہ علی انہ مستحب لا واجب (کہ پہلی چیز (پنیر کے ٹکڑے) کھانے سے وضو کرنا اور دوسری چیز (بکری کا پختہ پہلو) کھانے سے وضو نہ کرنے میں یہ اشارہ اور تنبیہ کردی کہ وضوء شرعی کرنا مستحب ہے واجب نہیں)(مواھب ص ۱۳۱)

اس توجیہ کی تائید حضرت جابرؓ بن ثمرۃ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ ان رجلاً سأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انتوضا من لحوم الغنم قال ان شئت فتو ضأ وان شئت فلا تتوضأ. (جمع ص ۲۷۲)(کہ بیشک ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا بکریوں کے گوشت کھانے سے ہم وضو کریں آپؐ نے فرمایا کہ اگر مرضی ہو تو پھر وضو کرلیں اور اگر مرضی نہ ہو تو پھر نہ کریں)

(۲۶/۱۷۰)حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوٗدَ عَنْ اِبْنِہٖ وَھُوَ بَکْرُ بْنُ

وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَفِيَّةَ بِتَمْرٍ وَسَوِيْقٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد کے واسطہ سے اور انہوں نے اپنے بیٹے سے بیان کی، جن کا نام بکر بن وائل تھا۔ وہ زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔

راویان حدیث (۳۹۱) وائل بن داؤدؒ (۳۹۲) بکر بن وائل بن داؤد اللیثیؒ اور (۳۹۳) صفیہؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

الولیمۃ کا معنی اور تشریح :

اولم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی صفیة بتمر و سویق. یعنی ولیمہ، کیالفظِ ولیمة: ولم سے ماخوذ ہے، وھو الجمع و زناً ومعنًی لا ن الزوجین یجتمعان. (ولم کا معنی جمع ہے وزن اور معنی دونوں کے لحاظ سے کیونکہ (یہاں ولیمہ میں) بھی دونوں خاوند اور بیوی جمع ہو رہے ہیں) کشاف میں ہے کہ ولیمۃ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں، جو مسرت، خوشی اور سرور کے موقع پر کی جاتی ہے۔ من نکاح وختان و غیر ھما (یعنی نکاح اور ختنہ وغیرہ) لیکن اب جب ولیمۃ مطلق ذکر کیا جاتا ہے، مراد نکاح کے وقت دعوت کا اہتمام ہوتا ہے اور جب دوسری مسرتوں کے موقع پر دعوت کی جائے، تو ولیمہ مقید ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ....ولیمة الختان وغیرہ (ولیمہ ختنہ وغیرہ)۔ (جمع ص ۲۷۳)

ولیمہ کا شرعی حکم :

ولیمہ سنت ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد افضل ہے اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے۔

وقال ابن حجر الولیمة طعام یصنع عند عقد النکاح اوبعدہ وھی سنة مؤ کدة و الافضل فعلھابعد الدخول اقتداءً بہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ولیمہ ایسا کھانا جو نکاح کیوقت یا

اسکے بعد تیار کیا جائے اور یہ سنت موکدہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو دخول (وطی) کے بعد حضور ﷺ کی اقتداء اور اتباع کے طور پر کیا جائے۔ (جمع ص:۲۷۳/۳) ولیمہ میں کوئی خاص مقدار اور معیار مقرر نہیں ہے۔ ہر انسان کی اپنی حیثیت پر منحصر ہے، اگر لحم کی طاقت نہ ہو، تو عام کھانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ بتمر وسویق (کھجور اور ستو) پر کیا گیا۔ آپؐ نے ایک بیوی کا ولیمہ حیس پر کیا، جو کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ایک بیوی کا دو مد پر جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک تہائی رطل کے برابر ہے، ایک رطل چالیس تولے کا ہوتا ہے۔

دعوتِ ولیمہ میں عموم ہونا چاہئے جس مین بغیر امتیاز کے امیر غریب ہر طبقہ کے لوگوں کو مدعو کیا جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، سب کھانوں میں برا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے، جس میں مالدار لوگوں کو تو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ شر الطعام طعام الولیمة یدعی له الاغنیاء و یترک لها الفقراء.

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا "اولم ولو بشاة" (متفق علیہ) یعنی ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری ہو، مطلب یہ ہے گو تھوڑا ہی سامان ہو مگر کرنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ عورت سے ہم بستری کرنے کے بعد ولیمہ کیا جائے۔ گو بہت سے علماء نے نکاح کے بعد بھی جائز فرمایا ہے اور ولیمہ مستحب ہے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم ص:۳۴۶)

(۱۷۱/۲۷) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ الْبَصرِيُّ حَدَّثَنَا الْفُضَيلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِيْ فَائِدٌ مَوْلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهٖ سَلْمٰى اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ جَعْفَرٍ اَتَوْهَا فَقَالُوْا لَهَا اِصْنَعِيْ لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُحْسِنُ اَكْلَهٗ فَقَالَتْ يٰبُنَيَّ لَا تَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اِصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِنْ شَعِيْرٍ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِيْ قِدْرٍ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

يُحْسِنُ اَكْلَه.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن محمد بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے فضیل بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت فائد نے بیان کی، جو کہ عبیداللہ بن علی بن ابی رافع کے آزاد کردہ غلام تھے اور خود ابورافع رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبیداللہ بن علی نے اپنی دادی سلمیٰؓ کے حوالہ سے بیان کی حضرت سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ امام حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰؓ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے، وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمیٰؓ نے کہا کہ پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا۔ (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انہوں نے فرمایا کہ نہیں ضرور پسند آئے گا۔ وہ اٹھیں اور تھوڑے جو لے کر ان کو پیسا پھر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مسالہ پیس کر ڈالا اور پکا کر لا رکھا کہ حضور ﷺ کو یہ پسند تھا۔

راویان حدیث (۳۹۴) الحسین بن محمد البصریؒ (۳۹۵) الفضیل بن سلیمانؒ (۳۹۶) فائد مولیٰ عبیداللہ بن علیؒ (۳۹۷) مولیٰ رسول اللہؐ اور (۳۹۸) سلمیٰؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلمیٰؓ کی خدمت میں صحابہ کرامؓ کی حاضری :

ان الحسن بن علی وابن عباس .....الخ حسن بن علیؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ تینوں صغار صحابہؓ میں سے ہیں۔ تینوں حضرات کو حضور اقدس ﷺ کے عادات واطوار، اعمال اور اخلاق وخصائل جاننے، سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ تینوں صحابہؓ حضرت سلمیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ بزرگ شخصیت تھیں۔ جنہیں حضور اقدس ﷺ کی خادمہ اور باورچن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لکونها کانت خادمة المصطفٰی وطباخته ۔ (مواهب ص۱۳۲) اسی مناسبت سے ان حضرات نے بہت پیارا سوال کیا، جس کے ایک ایک لفظ سے حضور اقدس ﷺ سے ان کی

محبت عشق اوراشتیاق کی خوشبو ٹپکتی ہے، انہوں نے عرض کیا: یعنی سب نے یاان میں ایک نے' فقالو ! ای بعضهم او كلهم لها اصنعی لنا طعاماً مما كان يعجب رسول الله صلى الله عليه وسلم . ہمارے لیے وہ کھانا تیار کردیں، جوحضوراقدس ﷺ پسند فرماتے تھے فقالت یا بنی ،صیغہ تصغیر ہے، شفقت کے لیے، والمقصود بالنداء كل واحد منهم او متكلم منهم (اوراس سے مقصود یا تو نداء ان میں سے ہر ایک کوتھی یا جوان میں پوچھنے والا تھا) (جمع ص۲۷۴) لاتشتهيــــه اليوم، فرمایا میرے پیارے بچو! وہ کھانا تو تنگی اور عسرت کے وقت کا کھانا تھا، اب تو طعام میں وسعت ہے اور آسانی وتیسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس کھانے کی طرف توجہ اور رغبت نہ ہو۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں : لسعة العيش وذهاب ضيقه الذى كان اوّلا وقد اعتاد الناس الأ طعمة اللذيذة. (مواہب ص۱۳۲)

یہاں پر حضرت سلمیٰؓ نے اپنے خطاب میں لا تشتهيــــه سے واحد کو مخاطب کیا حالانکہ مخاطب جماعت تھی۔ اما لا نها خاطبت اعظمهم وهو الحسن واما لا نها نزلت الجميع منزلة الواحد لاتحاد بغيتهم (یا تو اس لیے کہ ان میں سے بڑے یعنی حضرت حسنؓ کو خطاب کیا اور یا آپؓ نے سب کو بوجہ ان کے مقصد کے ایک ہونے ایک فرد قرار دیکر خطاب کیا) (اتحافات ص۲۲۸) اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس نے اصنعی کا خطاب حضرت سلمیٰؓ کو کیا آپؓ کا مخاطب بھی وہی ایک ہوا گرچہ مراد سب تھے۔ واللہ اعلم۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں ہمیں بنا کر دیجئے، چنانچہ اس نے تھوڑا سا جو کا آٹا گوندھ کر ہنڈیا میں ڈالا، پھر زیتون کا تیل، سیاہ مرچ، زیرہ اور توابل وغیرہ ملا کر اس میں ملا دیئے۔ توابل: اشياء حارة تضاف الى الطعام كا لكزبرة و الكمون و مشابهما (اتحافات ص۲۲۸) یہ توبلۃ کی جمع ہے بمعنی گرم مصالحہ کے، اس کے اجزاء طبی طور پر شریک کیئے جاتے ہیں۔ یہ ہندوستان سے لائے جاتے تھے، وهى ادوية حارة يؤتى بها من الهند ۔ (جمع ص۲۷۴)

یہ ہے حضوراقدس ﷺ کا پسندیدہ کھانا :

جب کھانا پکالیا، تو تینوں برخورداروں کے سامنے رکھا اور فرمایا، وهذا مما كان يعجب النبى صلى الله عليه وسلم ويحسن اكله ۔ (یہ وہ کھانا ہے جو حضور ﷺ کو اچھا اور اس کے کھانے کو پسند

فرماتے تھے) علامہ الباجوریؒ لکھتے ہیں ہو یوخذ من هذا انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یحب تطییب الطعام بما تیسّر و سهل وان ذلک لا ینا فی الزهد. (اور اس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کھانے کو آسانی سے میسر شدہ چیزوں کیساتھ لذیذ بنانے کو پسند فرماتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنا زھد اور تقوی کے خلاف نہیں ہے)

(۱۷۲/۲۸) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنْزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهٗ شَاةً فَقَالَ كَاَنَّهُمْ عَلِمُوْا اَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اسے ابو احمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ حدیث سفیان نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت نبیح عنزی سے روایت کی، جنہوں نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم ﷺ نے (دلداری کے لیے اظہار مسرت کے طور پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے، جس کو مختصر کر دیا گیا۔

راویان حدیث (۳۹۹) الاسود بن قیسؒ اور (۴۰۰) نبیح العنزیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قال اتانا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم .....الخ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ہاں رونق افروز ہوئے فذبحنا له: ای لا جله اصالة ولا صحابه تبعاً. شاة : وهی جنس یتناول الضأن والمعزو الذکر والا نثی جمیعا. (ہم نے آپؐ کے لیے اصالۃً اور آپؐ کے صحابہؓ کے

لیے تبعاً بطور خادم ہونے کے ایک بکری ذبح کی اور یہ لفظ شاۃ یہاں بطور جنس کے مستعمل ہے بکری بھیڑ دُنبے وغیرہ چاہے مذکر یا مؤنث سب کو شامل ہے) (جمع ص ۲۷۵) باقی مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

میزبان اور مہمان کے اخلاقی فرائض :

اس حدیث میں میزبان اور مہمان دونوں کے لیے یہ ہدایت بھی ہے کہ میزبان اس کھانے کا اہتمام کرے، جو مہمان کو پسند ہو اور مہمان کو بھی چاہیے کہ میزبان کو پہلے سے اپنی پسند سے آگاہ کر دے تا کہ وہ مشقت میں نہ پڑے جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ذکر کر دیا۔ **و یو خذ منه انه ینبغی للمضیف ان یحافظ علی مایحبه الضیف ان عر فه وللضیف ان یخبر بما یحبه مالم یو قع المضیف فی مشقة.** (مواھب ص ۱۳۳)

ایک معجزہ کا بیان :

وفی الحدیث قصة : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث مین ایک دلچسپ قصہ اور نرالا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں میں نے جب حضور اقدس ﷺ پر بھوک کے اثرات کا غلبہ دیکھا تو میں بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا **ھل عندک شئی رأیت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم . جو عاً شدیداً** کیا تیرے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے میں نے تو نبی کریم ﷺ پر سخت فاقہ کے آثار دیکھے ہیں) اس نے ایک تھیلا نکالا، جس میں ایک صاع جو تھے، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک فربہ بکری بھی موجود تھی، یا دنبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسے میں نے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو کا آٹا گوندھ لیا، **و ذبحتھا انا وطبخت زوجی الشعیر**، پھر ہانڈی میں گوشت ڈالا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے ساری صورت حال عرض کر دی اور یہ بھی عرض کیا، **تعال انت و نفر معک** یعنی آپ خود بھی اور چند اصحاب بھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں تا کہ جو کچھ ماحضر ہے، تناول فرمالیں۔ رحمتہ اللعالمین ﷺ نے میری یہ درخواست سنتے ہی تمام لشکر کو مخاطب کر کے پکارا، اے اہل خندق! جابر نے کھانا تیار کیا ہے اور سب کو

دعوت دے رہا ہے اور حضرت جابر سے فرمایا ہانڈی کو چولہے سے نہ اتارو اور جب تک میں نہ آ جاؤں روٹی نہ پکاؤ، لاتنزلن برمتکم ولا تخبزن حتی اجئ ۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے، تو خمیر شدہ آٹا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس میں لعاب ڈالا، پڑھا اور دم کیا۔ اسی طرح ہانڈی کے قریب تشریف لائے اور اس کے ساتھ بھی یہی عمل کیا، پھر حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ روٹی پکانے والی عورت کو بلاؤ، وہ آپ کے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے چمچ بھر بھر کر سالن نکالتے اور دیتے رہو مگر اسے چولہے سے نہ اتارو۔

لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضرت جابرؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ تمام لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھایا، مگر سالن کی ہانڈی اسی طرح اُبل رہی تھی اور آٹے کا خمیر بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ میں نقل کردی۔ فا قسم باللّٰہ لأکلوا حتی ترکوہ وانحرفوا و ان برمتنا لتغط ای تغلی و یسمع غطیطها کما هی و ان عجیننا لیخبز هذا الحدیث من باب المعجزات واستیفائها یستفاد من المطولات۔ (جمع ص ۲۷۵)

(۱۷۳/۲۹) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیْلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْیَانُ وَاَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلٰی اِمْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَاَكَلَ مِنْهَا وَاَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّاَ لِلظُّهْرِ وَ صَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِّنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ فَاَكَلَ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ.

ترجمہ! ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے بیان کیا، انہوں نے جابرؓ سے سنا اور سفیان نے کہا اور ہم سے محمد ابن منکدر نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے کچھ

تناول فرمایا، اس کے بعد کھجور کی چنگیری میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں۔ حضورؐ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر ظہر کی نماز کے لیے حضورؐ نے وضو کر کے نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے باسی گوشت سامنے رکھا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اُسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔

راوی حدیث (۴۰۱) عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ القناع: طباق کو کہتے ہیں۔ الطبق الذی یؤکل علیه و یقال له القنع (بالکسر و بالضم) (ایسا طشت یا ٹرے جس میں کھایا جاتا ہے اور اسکو قناع بھی کہتے ہیں (جمع ص ۲۷۶) طبق یعمل من خوص النخل (ایسی چنگیری جو کھجور کے پتوں سے بنائی جائے (اتحافات ص ۲۲۹) علالة: بچاہوا گوشت یا بچاہوا دودھ جو تھن میں رہ جائے۔ (اتحافات ص ۲۲۹)

استنباطِ مسائل :

ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور رطب یعنی تازہ کھجوریں بھی تناول فرمائیں۔

وضوء من مامست النار کے مسئلہ کی بھی توضیح ہوگئی کہ پکاہوا گوشت کھایا، مگر وضو نہیں فرمایا فذبحت له شاة سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی ذبیحہ کر سکتی ہے اس لیے اسے ذبح کرنے کا طریقہ سکھایا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام کر سکے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی بزرگ شخصیت اور معزز مہمان کی تشریف آوری کے موقع پر بکری دنبہ وغیرہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔ یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی ہوگی۔ اگرچہ حدیث مذکور میں اس طرف اشارہ نہیں، لیکن حضور ﷺ کی عام عادت مبارک تھی کہ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرمالیتے تو ان کے لیے دعا ضرور

فرماتے، وکان اذا اکل عند قوم لم یخرج حتی یدعولھم (اورآپؐ جب کسی قوم کے پاس کوئی چیز کھالیتے تو وہاں سے نکلنے سے پہلے ان لوگوں کے لیے دعا کرلیا کرتے)۔(زادالمعاد ج۲ص۲۵)

ایک اشکال سے جواب :

البتہ ایک اشکال یہ ضرور واقع ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں،"ماشبع فی الیوم مرتین "اوردوسری روایت میں ماشبع قط سے اس کا تعارض ہے کہ اس روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک دن میں دو دفعہ کھانا کھایا اور بچ بھی گیا، جسے بعد میں پھر تناول فرمایا۔شارحینؒ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے دولت کدہ پر کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا کہ میسر نہ تھا اور اگر میسر ہوا، تو فقراء اور مستحقین میں تقسیم کر دیا، جبکہ حدیث میں بیرون خانہ کا واقعہ ہے اور جب آدمی کسی کے ہاں مہمان ہو، تب تو خوب سیر ہو کر اور بار بار کھائے تا کہ میزبان کو مسرت ہو، و یندب ذلک جبرًا لخاطر المضیف و نحوہ . (اورکس کے ہاں مہمان ہونیکی صورت میں میزبان وغیرہ کی دلجوئی کے لیے خوب سیر ہو کر کھانا چاہے (جمع ص۲۷۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے اپنے علم کے مطابق وہ خبر دی ہو اور اس واقعہ کا اسے علم نہ ہو۔یا حضرت عائشہ کی روایت کا محمل غالب اوقات ہیں اور یہ روایت علی اقل الاوقات (کبھی کبھار) پر محمول ہے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فما مر عن عائشة من نفی ذلک انماھو باعتبار علمھا او باعتبار الغالب (جمع ص۲۷٦) اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ دن میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا۔دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تھوڑا سا دوبارہ کھا لیا جائے۔(خصائل)

(۱۷۴/۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِیُّ حَدَّثَنَا یُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَیْحُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ یَعْقُوْبَ بْنِ اَبِیْ یَعْقُوْبَ عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مَعَہٗ عَلِیٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَۃٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ وَعَلِیٌّ مَعَہٗ یَأْکُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ مَہْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّکَ نَاقِہٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِیٌّ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَہُمْ سِلْقًا

وَشَعِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاصِبْ فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَکَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یونس بن محمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث یعقوب بن ابی یعقوب سے اور انہوں نے صحابیہ رسول حضرت ام منذرؓ سے نقل کی۔ ام منذرؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے ساتھ تھے، وہ بھی نوش فرمانے لگے۔ حضورؐ نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو تم مت کھاؤ وہ رک گئے اور حضورؐ تناول فرماتے رہے۔ اُم منذرؓ کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے مناسب ہے۔

راویان حدیث (۴۰۲) یونس بن محمدؒ (۴۰۳) عثمان بن عبدالرحمٰنؒ (۴۰۴) یعقوب بن ابی یعقوبؒ اور (۴۰۵) ام المنذرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

دوال : **دالیه** کی جمع ہے۔ کھجوروں کا خوشہ، **وهو العذق من البسر يقطع و يعلق فاذا ارطب اكل على التدريج**. (مناوی ص ٢٧٦) (گدری کھجور (نیم پختہ) کا وہ خوشہ جو کاٹ کر لٹکایا جاتا ہے۔ پختہ ہو کر تدریجاً کھایا جاتا ہے) **و قال ابن العربی الدوال العنب المعلق فی شجرة**. (مواہب ص ۱۳۴) (ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ دوال انگور کے اس گچھا کو کہتے ہیں جو درخت میں لٹکا ہوا ہو) **معلقة** ! لٹکا ہوا، **تعليق** مصدر ہے بمعنی لٹکانا، ایک کام کو بغیر کئے رہنے دینا۔ **مه** : بازرہ، رُک جا، اسم فعل **بمعنى الامر ای اكفف ولا تاكل منه** (جمع ص ٢٧٦) (لفظ مہ اسم فعل بمعنی امر کے ہے یعنی رُک جا اور اس سے نہ کھایئے) **من نقه الشخص اذا برئ من المرض** ۔ (جمع ص ٢٧٦) (لفظ **ناقهٌ** صیغہ اسم فاعل از **نقه الشخص** سے ماخوذ ہے جبکہ ایک شخص ابھی بیماری سے صحتیاب ہوا ہو)

الاحوال الثلاثة الصحة والمرض والنقاهة و هی حالة بین الحالین الاوّلین (جمع ص ٢٧٧)(انسان) کی تین حالتیں یہ ہیں۔ (١) صحت (٢) بیماری (٣) نقاہت اور وہ دونوں سابقہ حالتوں کی درمیانی حالت کو کہتے ہیں) نقہ' تب بولا جاتا ہے، جب آدمی ماندہ ہو اور مرض سے ابھی صحت یاب ہوا ہو، اسی سے نقاہب بولا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ بھی ابھی تازہ مرض سے صحت یاب ہوئے تھے کمزوری او رنقاہت تھی، اس لئے پرہیز کی ترغیب دی گئی۔ سلق : چقندر کو کہتے ہیں۔

کھڑے ہو کر کھانا :

فجعل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یاکل و علی معه یاکل . (آپؐ اور حضرت علیؓ (کھجور کے لٹکے ہوئے خوشہ سے) کھا رہے تھے) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کھڑے ہو کر کھانے کا بلا کراہت جواز معلوم ہوتا ہے، تاہم اس کا ترک افضل ہے۔ ''فیه جواز الاکل قائمًا بلا کراهة لکن ترکه افضل کما فی الانوار ''۔ (مناوی ص ٢٧٧)

اسباب کی رعایت اور پرہیز :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں، و یؤخذ من هذا ان التداوی مشروع ولاینافی التوکل ۔ (مواہب ص ١٣٥) اس حدیث سے علاج معالجہ کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ توکل کے منافی نہیں ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لاغر و کمزور اور نقاہت والے شخص کیلئے سلق و شعیر نافع ہے۔ لا سیماً اذا طبخ باصول السلق ۔ (مواہب ص ١٣٥) (خصوصاً جب چقندر کی جڑوں کے ساتھ پکائے جائیں) اور ناقہ کیلئے فواکہ بالخصوص کھجور اور انگور مضرت رساں ہیں ۔ لضعف المعدة عن دفعها مع سرعة استحالتها (مواہب ص ١٣٥) (اس لئے کہ معدہ ان کی قوتِ مدافعت سے کمزور ہوگا اور ان کا استحالہ بھی جلدی ہو جائے گا) اما الرطب والفاکة فانهما ثقیلان علی معدة الناقة ۔ (اتحافات ص ٢٣٠) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ کھجور اور میوہ بیمار اور نقاہت والے شخص کے معدہ پر بوجھل ہوتے ہیں)

حدیث میں پرہیز کی تعلیم و ترغیب بھی ہے۔ مرض کے علاج میں پرہیز ایک مؤثر عنصر ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے طبِ نبوی میں لکھا ہے کہ پرہیز شرعاً مشروع اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حصہ ہے، جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۷۵/۳۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ اَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَأَقُوْلُ لَا قَالَتْ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَتْ فَأَتَانَا يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ اُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْس " قَالَ اَمَا اِنِّيْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ اَكَلَ .

ترجمۃ :''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن سری نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان ثوری سے طلحۃ بن یحییٰ کے واسطہ سے روایت کی۔ اس نے عائشہ بن طلحہؒ سے اور انہوں نے یہ روایت عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاکر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے۔ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں، تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کرلیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے، میں نے عرض کیا کہ کھجور کا ملیدہ ہے۔ آپؐ نے فرمای کہ میں نے تو روزہ کا خیال کر رکھا تھا، پھر حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔

راویانِ حدیث (۴۰۶) بشر بن السریؒ (۴۰۷) طلحۃ بن یحییٰؒ اور (۴۰۸) عائشۃ بنت طلحہؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

غداءٌ : صبح کے کھانے کو کہتے ہیں ھو الطعام الذی یؤکل اوّل النھار ، اس کے مقابلہ میں عَشاء ہے جو شام کے کھانے کو کہتے ہیں۔ الغذاء : کھائی جانے والی خوراک کو کہتے ہیں ھو مایؤکل علی وجہ التغذّی مطلقًا فیشمل العشاء کما یشمل الغداء ۔ (مواہب ص ۱۳۵) غذا ہر وہ چیز جو

بغور تغذی (غذاء حاصل کرنے) استعمال ہو، اس لئے عَشاء (رات کے کھانے) کو بھی شامل ہے جیسے کہ غداء (صبح کے کھانے) کو شامل ہے۔

حیس : ایک خاص قسم کا کھانا یا حلوہ جو کھجور، گھی اور پنیر کو ملا کر تیار کیا جاتا تھا، وھو التمر، مع السمن والاقط و قد یجعل عوض الاقط الدقیق وقال الشاعر ....ے

اذا تکون کریھۃ ادعیٰ لھا   واذا یحاس الحیس یدعیٰ جندب

ھذا وجدّکم الصغار بعینہٖ   لا ام لی ان کان ذاک ولا اب

عجب لتلک قضیۃٍ و اقامتی   فیکم علی تلک القضیۃ اعجب

(مواہب ص ۱۳۵)

(اور کبھی پنیر کی بجائے آٹا ملایا جاتا ہے، شاعر کہتے ہیں : اور جب مشکل اور مصیبت درپیش ہو تو میں بلایا جاتا ہوں اور جب حلوہ اور حیس تیار ہو جاتا ہے تو پھر جندب کو بلایا جاتا ہے، تمہارے آباء واجداد کی قسم یہی تو بعینہٖ ذلت اور خواری ہے۔ اگر حالت ایسی ہو تو میرے ماں باپ نہ ہوں یعنی ہلاک ہو جائیں، اس واقعے سے بڑا تعجب اور حیرانگی ہے اور اس سے بڑی حیران کن بات تو اس حالت میں میرا تمہارے ساتھ ٹھہرنا اور قیام ہے)

نفلی روزے کی نیت کا وقت :

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک تو یہ کہ نفلی روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ شافعیہ رحمھم اللہ عنھم کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ کی نیت بھی رات ہی سے کر لی جائے۔ البتہ کوئی عارض پیش آئے، تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔

نفلی روزے کے توڑنے کا حکم :

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفلی روزہ رکھے، تو اس کے توڑ دینے کا اختیار رہے۔ یہ مذہب

شافعیہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت و لا تبطلوا اعمالکم (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بنا پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث کی وجہ سے چونکہ روزہ توڑنا معلوم ہوتا ہے، اس لئے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جاوے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو، تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہئے اور بلاضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی۔ البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔

مسئلہ : اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آوے، تو حنفیہؒ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کرلو۔ (خصائل ص ۱۰۱)

ملا علی قاریؒ نے حدیث مذکور سے اظہار عبادت برائے مصلحت یا تعلیم مسئلہ اور اپنی حالت کے بیان کرنے پر استدلال کیا ہے۔ ففیہ دلیل علی اظہار العبادۃ لحاجۃ و مصلحۃ کتعلیم مسئلۃ و بیان حالۃ انتھی (جمع ص ۲۷۸) اور علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: وفیہ حل اکلہ صلی اللہ علیہ وسلم الھدیۃ (اور اس حدیث سے حضور ﷺ کا ہدیہ کو تناول فرمانے کا جواز اور حلت معلوم ہوتی ہے) (مناوی ص ۲۷۸)

(۱۷۶/۳۲) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِیَاثٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ یَحْیَی الْاَ سْلَمِیِّ عَنْ یَزِیْدَ بن اَبِیْ اُمَیَّۃَ الْاَ عْوَرِ عَنْ یُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ کِسْرَۃً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ فَوَضَعَ عَلَیْھَا تَمْرَۃً ثُمَّ قَالَ ھٰذِہٖ اِدَامُ ھٰذِہٖ فَاَکَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے باپ نے محمد بن ابی

یحیٰ اسلمی کے واسطہ سے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت ابی امیہ اعور سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت یوسف بن عبداللہ بن سلام سے سنی۔یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضورؐ نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اور نوش فرما لیا۔ترجمہ بالا روایت کے مذکورہ الفاظ کا ہے،جو کے اکثر نسخ شمائل کی عبارت ہے۔بعض نسخ میں عن عبداللہ بن سلام کا اضافہ بھی ہے۔اس صورت میں قال رأیت ......الخ، کا ترجمہ دو طرح کا ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں یا یوسف بن عبداللہ فرماتے ہیں۔قال ای عبداللّٰه او ابنه۔(جمع ص ۲۸۰)(یعنی عبداللہ نے یا اس کے بیٹے (یوسف) نے کہا)

راویان حدیث (۴۰۹) عمر بن حفص بن غیاثؒ (۴۱۰) محمد بن ابی یحییٰ الاسلمیؒ (۴۱۱) یزید بن امیۃ الاعورؒ اور (۴۱۲) یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جَو کی روٹی اور سالن :

هذه ادام هذه : مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔اس سے قبل اسی باب کی روایات میں سرکہ کو سالن کہاں گیا ہے۔بلکہ بہتر سالن نعم الادام الخل ۔اس حدیث میں یہ تعلیم دینا مقصود ہے۔هذه ادام هذه یعنی اگر کوئی با قاعدہ سالن میسر نہ ہو،تو کھجور، پیاز، وغیرہ کو بھی بطور سالن استعمال کیا جاسکتا ہے۔یعنی زندگی کے قیمتی لمحات واوقات کو لذت کام ودہن میں نہیں گنوانا چاہئے، بلکہ دین اسلام کی تبلیغ ، جهاد فی سبیل الله، اعلاء کلمة الله، ذکر الٰہی تحصیل واشاعت علم دین اور عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔فانی دنیا پر فریفتگی عبث ہے بلکہ کھجور کے سالن کے باہمی استعمال سے اغذیہ میں اعتدال کی تعلیم ہے کیونکہ جو کی تاثیر سرد وخشک ہے اور کھجور کی تاثیر گرم وتر ہے۔

علامہ الیبجوریؒ فرماتے ہیں :

ویؤخذ من هذاانه صلی الله علیه وسلم کان یدبر الغذاء فان الشعیر بارد یابس والتمر حار رطب فکان صلی الله علیه وسلم لا یجمع بین حارین ولا باردین ولا مسهلین ولا قابضین ولا

غلیظین ولا بین مختلفین کقابض و مسهل ولم یأکل طعاما قط فی حال شدة حرارته ولا طبیخا بائتا مسخنا ولا شیئا من الأطعمة العفنة والمالحة فان ذلک کله ضار مولد للخروج عن الصحة و بالجملة فکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلح ضرر بعض الأغذیة ببعض اذا وجد الیہ سبیلا ولم یشرب علی طعامه لئلا یفسد ذکرہ ابن القیم. (مواهب ص١٣٦)(اوراس حدیث سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ غذا کے استعمال کرنے کے سلسلہ میں سوچ بچار اور احتیاط سے کام لیا کرتے مثلاً جو ٹھنڈے اور خشک ہیں اور کھجور گرم اور تر ہے پس آپؐ کی عادت مبارک کھانے میں یہ تھی کہ نہ کبھی دو گرم چیزیں اکٹھی استعمال کرتے نہ دو ٹھنڈی چیزیں، اس طرح نہ دونوں مسہل اور نہ دونوں قابض و سخت اشیاء کا استعمال کرتے اور نہ دو ایسی چیزیں کہ ان میں سے ایک قابض اور دوسری مسہل ہو کبھی استعمال میں نہ لاتے۔ نیز نہ آپؐ نے کوئی کھانا اور نہ سالن انتہائی گرم حالت میں استعمال فرمایا اور نہ ایسے کھانے جو بدبودار یا کھٹے ہوں اسلئے کہ یہ سب اشیاء نقصان دہ اور صحت کی خرابی پیدا کرتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اگر ممکن ہوتا تو آپ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کی اصلاح بعض دوسرے اشیاء اور غذاؤں سے کر کے ایک اعتدالی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کرتے۔ نیز آپؐ کھانا کھانے کے بعد پانی اسلئے نہیں پیتے تھے کہ کھانا خراب نہ ہو جاوے ابن قیمؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے)

(١٧٧/٣٣)حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِيْ مَابَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سعید بن سلیمان نے عباد بن عوام کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حمید سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ؐ کو ہانڈی اور پیالہ میں بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

راوی حدیث (۴۱۳) سعید بن سلیمانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الثفل : تلچھٹ، تہ دیگی، پنجاب میں اسے گروڑی کہتے ہیں ۔ھو الباقی من الطعام و قیل الثفل ھو ثر ید وھو مختار صاحب النھایة (کھانے سے جو نیچے بچ جائے اور بعض کہتے ہیں وہ ثرید ہے صاحب نہایہ نے اسکو پسند کیا ہے) (اتحافات ص۲۳۲) فائق میں ہے کہ ثفل ،اصل میں تلچھٹ کو کہتے ۔ یہ تیل کا ہو یا شوربے کا، یا شربت کا یا شراب کا یا کسی بھی پتلی چیز کا طیبیؒ نے تصریح کی ہے کہ حدیث میں ثفل سے مراد تہہ دیگی ہے۔

بچے ہوئے کھانے سے محبت :

اس میں بھی تھوڑی چیز پر صبر وقناعت اور ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت پر تشکر و امتنان اور اس کی قدر دانی کی تعلیم ہے ۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں،وفیہ اشارة الی التوا ضع و الصبر و القناعة بالقلیل. (جمع ص۲۸۱) نیز اس میں حضور اقدس ﷺ کے قول کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو کھلانے پلانے والا خود آخر میں کھاتا پیتا ہے ۔ساقی القوم آخر ھم شربا یہ حضور اقدس ﷺ کا جذبہ خدمت، ترجیح وایثار اور کمال تواضع تھا کہ اہل وعیال ،اضیاف وخدام، اصحاب و متعلقین کو اوپر کا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود بچا ہوا کھاتے، و لعل وجه اعجابه انه منضوج غاية النضج القريب الى الهضم فهوا هنأوامرأ وألذ و فيه اشرة الى التواضع و القناعة باليسير ۔ (اور نیچے والے کھانے کی پسندیدگی کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ انتہائی پختہ ہوتا ہے اور جلدی ہضم ہوتا ہے پس وہ مزیدار خوش گوار اور لذیذ ہوتا ہے ۔اور اس میں اشارہ ہے آپؐ کی تواضع اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنے کا) (مواھب ص ۱۳۶) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ خلاصہ باب میں تحریر فرماتے ہیں۔ وفي الباب ثلاث و ثلاثون حديثاً . و باستعر اض هذه الأ حاديث كلها يلاحظ أن ادام رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مختلفاً . فمرة كان قثاء ومرة كان رطبا و مرة كان لحما و مر ة كان خلا ومرة كان زيتاً و هكذا، ولكن الحال الغالب عليه هو التقشف والزهدة ۔ (اور اس باب میں تینتیس احادیث ہیں اور ان کی تفتیش اور ان پر گہری نظر رکھتے

ہوئے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا سالن مختلف ہوتا تھا کبھی تو کھیرا ککڑی وغیرہ اور کبھی کھجور اور کبھی کبھار گوشت ایسا ہی کبھی سرکہ اور کبھی زیتون کا تیل وغیرہ لیکن اکثر حالات آپؐ کے تنگدستی اور زاہدانہ طریقہ پر گزرتے)۔(اتحافات ص۲۳۲)

تتمّه :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے مطعومات ومشروبات کے متعلق خوب وضاحت فرمائی ہے۔البتہ ابتداء میں یہی لکھدیا کہ لا یر دموجوداً ولا تکلف مفقوداً۔(کہ آپ موجود چیز کو واپس نہ فرماتے اور نہ ہی غیر موجود کے لیے کوئی تکلف وغیرہ کیا کرتے)چنانچہ فرماتے ہیں،واکل الحلوی والعسل و کان یحبهما واکل لحم الجزور والضان والد جاج و لحم الحباری ولحم حمار الوحش و الارنب وطعام البحر واکل الشوی واکل الرطب والتمر و شرب اللبن خالصا و مشوباً والسویق والعسل بالماء و شرب نقیع التمر واکل الخذیرة وهی حساء یتخذ من اللبن والد قیق و اکل القثاء بالر طب واکل الا قط واکل التمربالخبزو اکل الخبز بالخل واکل الثرید وهو الخبز با للحم و اکل الخبز بالا هالة وهی الودک وهو الشحم المذاب و اکل من الکبد المشویة و اکل القدید واکل الدباء المطبو خة وکان یحبها واکل المسلوقة واکل الثرید بالسمن واکل الجبن واکل الخبز بالزیت واکل البطیخ بالرطب و اکل التمر بالزبد وکان یحبه۔(زادالمعادج ۱ص ۵۴)(کہ حضور ﷺ نے حلوہ اور شہد کھایا ہے اور آپؐ ان کو پسند بھی فرمایا کرتے اور حضور نے اونٹ دنبہ مرغی۔حباری۔حمار وحشی۔خرگوش،مچھلی وغیرہ کا گوشت بھی کھایا ہے۔نیز آپؐ نے بھنا ہوا گوشت خشک اور تر کھجور بھی کھائی ہے آپؐ نے خالص دودھ اور پانی ملا ہوا بھی پیا ہے اور ستو وشہد کو پانی کیساتھ پیا نقیع تمر کو بھی پیا اور آپؐ نے خریزہ بھی کھایا۔(یعنی دودھ اور آٹے کو ملا کر پتلی غذا بنا کر پینا) آپؐ نے کھیرا کو کھجور کیساتھ ملا کر کھایا۔

اور آپؐ نے پنیر بھی کھایا اور روٹی کھجور کیساتھ بھی کھائی ثرید بھی کھایا آپؐ نے روٹی پگھلی ہوئی چربی کیساتھ تناول فرمائی آپؐ نے بھنا ہوا جگر بھی کھایا اور خشک گوشت اور کدو پکا ہوا بھی کھایا اور

اس کو پسند بھی فرماتے اور چقندر بھی کھایا اور ثرید کو گھی کیساتھ کھایا اور روٹی کو زیتون کیساتھ کھایا اور خربوزہ کو تر کجھور کیساتھ اور خشک کجھور کو مکھن کیساتھ کھایا اور اسکو پسند بھی کیا کرتے تھے۔

(زادالمعادج اص ۵۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ وُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَالطَّعَامِ

باب ! حضوراقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضوکا بیان

لفظ وضوکا معنی وتشریح :

وضو: بالفتح سے مراد وہ پانی ہے،جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہےاور وضو(بالضم) سے مراد حصول طہارت کا معروف عمل ہے۔امام ترمذیؒ نے اس باب میں تین روایات نقل کی ہیں کہ عند الطعام ، وضو سے مراد کیا ہے؟ وضوءِلغوی یا وضوءِشرعی واصطلاحی ۔ترجمۃ الباب میں وضوء میں عموم ہے۔ والمراد مایشمل الشرعی واللغوی بدلیل الاخبارالاتیة . (اور وضوء سے مراد عام ہے وضوءلغوی اور شرعی دونوں کوشامل ہے بوجہ ان احادیث کے جو باب میں ذکر ہونگی)(مواھب ص١٣٦) حضرات محدثینؒ میں بعض وضوءِاصطلاحی مراد لیتے ہیں اور اکثریت نے یہاں وضوءلغوی مرادلیا ہےاوراسی کوراجح قرار دیا ہے یعنی عندالطعام(کھانے کے وقت)اس سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا دھونا اور منہ صاف کرنا۔ والمراد ھنا بالو ضوء اللغوی، وھوغسل الیدین والفم لان الو ضوء الشرعی لیس مسنوناً قبل الطعام ولا بعدہ (اور وضوء سے یہاں وضوءلغوی مراد ہےاور وہ دونوں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے اس لئے کہ وضوءِشرعی نہ کھانے سے پہلے اور نہ بعد میں مسنون ہے) (اتحافات٢٣٣) عند الطعام کی قید سے عدم وجوب وضوء مستفاد ہے۔البتہ دونوں لغوی واصطلاحی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ پہلی دو حدیثوں میں اصطلاحی اور آخری حدیث میں لغوی مدلول ہے۔ فارادۃ الا ول من حیث نفیہ والثانی من حیث اثباتہ فکانہ قال صفة وضوئہ وجوداً و عدماً ۔

(مناوی ص ۲۸۲) (تو یہاں پہلے کا ارادہ کرنا نفی کی حیثیت سے ہوگا اور دوسرے کا ارادہ بحیثیت اثبات ہوگا۔ گویا مصنفؒ نے فرمایا کہ آپؐ کے وضوء کی صفت وجود اور عدم دونوں کے لحاظ سے) وضوء شرعی جو نماز کے لیے شرط ہے، کھانے سے پہلے اور بعد میں نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اس کو صرف استحباب کا درجہ حاصل ہے۔ جس طرح کہ ہر وقت وضوء سے رہنا مستحب ہے۔ و لا یحافظ علی الوضوء الاالمومن. (وضوء پر دوام اور محافظت صرف مومن ہی کرتا ہے) (مؤطا امام مالکؒ ص ۱۱) ہمیشہ باوضوء رہنے کے استحباب کا مستدل ہے اور یہی سلف صالحین کا معمول ہے۔

لفظ طعام کی وضاحت :

طعام لغوی طور پر بمعنی طعم کے مستعمل ہے، ای لکل ما یساغ و عرفا اسم لکل ما یؤکل ...... و ھذا ھو المراد ھنا وعند اھل حجاز الطعام البر خاصة (کما ورد فی صدقة الفطر صاعا من طعام اوصاعا من شعیر) وعندالفقھاء ھو ما قصد للطعم اقتیا تا او تأدّما او تفکھا . (مناوی ص ۲۸۶)

(عرف میں طعام ہر وہ چیز جو کھائی جائے اور یہی معنی یہاں مراد ہے اور اہل حجاز طعام صرف گندم کو کہتے ہیں (جیسے کہ صدقہ فطر کے متعلق حدیث صاعاً من طعام اوشعیر میں طعام سے مراد گندم ہے) اور فقہاء کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے کھانے کا قصد کیا جائے چاہے بلحاظ غذاء حاصل کرنے کے ہو یا ادام (سالن) بنانے اور یا فاکھہ (میوہ) کے طور پر تلذذ کے لئے ہو)

(۱ / ۱۷۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیلُ بْنُ اِبْرَاھِیمَ عَنْ اَیُّوبَ عَنِ ابْنِ اَبِی مُلَیْکَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلاءِ فَقُرِّبَ اِلَیْہِ الطَّعَامُ فَقَالُوْا الا نَاتِیْکَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَی الصَّلٰوۃِ.

ترجمہ : ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے روایت ایوب سے ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے روایت کی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے، تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اس وقت حکم ہے۔ جب نماز ادا کروں۔

الخلاء ! خالی جگہ کو کہتے ہیں۔ مراد بیت الخلاء ہے، والمراد هنا مكان قضاء الحاجة. (اتحافات ص ۲۳۳) الوَضوء (بالفتح) پانی مراد ہے یعنی ما يتوضأ به۔

کھانے سے قبل وضوء عرفی مسنون ہے :

قال انما امرت بالوضوء اذا قمت الى الصلوة ! مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں وضاحت فرمادی کہ مسلمان کھانا کھانے سے قبل وضوء کو واجب سمجھ کر اپنے لئے لازمی قرار نہ دے دیں۔ فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ وضوء شرعی نماز پنجگانہ، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت، مسِ مصحف اور ارادۃ الطّواف کے لئے واجب ہے۔ کھانے سے قبل یا بعد میں وضوء عرفی یا لغوی یعنی غسل الفم واليدين (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مستحب ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں :

"ولا يستفاد من هذا الحديث ان الرسول لم يتوضأ الوضوء اللغوى، كما لا يستفاد منه انه توضأ، والحصر فى الحديث اضافى". (اتحافات ص ۲۳۳)

اور اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لغوی وضوء (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) بھی نہیں کیا جیسے کہ اس سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ نے وضوء فرمایا اور اس حدیث میں ...... انما امرت ...... الخ میں حصر اضافی ہے (یعنی نماز کے لئے وضوء)

(۲/ ۱۷۹) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فَقِيْلَ لَهُ أَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ أُصَلِّيْ فَأَتَوَضَّأُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن حویرث اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک مرتبہ استنجے سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا وضو نہیں فرمائیں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیا اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟

راویان حدیث (۴۱۴) عمرو بن دینارؒ اور (۴۱۵) سعید بن الحویرثؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وضوء تو نماز کے لئے ضروری ہوتا ہے:

الغائط: غوط سے ہے بمعنی کھودنے کے، داخل ہونے اور دھنس جانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ غائط نرم، کشادہ، ہموار اور پست زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ لوگ پاخانے کے لئے ایسی ہی جگہ تلاش کرتے تھے، اسی لئے اسے الغائط سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلی روایات میں خرج من الخلاء کے الفاظ تھے، یہاں خرج من الغائط کے الفاظ ہیں۔ مقصد دونوں روایات کا ایک ہی ہے کہ آپؐ قضاءِ حاجت سے فارغ ہوئے، تو وضو کئے بغیر کھانا تناول فرمایا اور توجہ دلانے پر فرمایا، اصلی فاتو ضأ یعنی وضوء تو نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضوء کروں۔

(۱۸۰/۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُالْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ اَبِي هَاشِمٍ عَنْ زَاذَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قیس بن ربیع نے بیان کی۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالکریم جرجانی نے بیان کی۔ انہوں یہ روایت قیس بن ربیع سے اور انہوں نے ابی ہاشم سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت زاذان سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ سے ساعت کی۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔

راویان حدیث (۴۱۶) قیس بن الربیعؒ (۴۱۷) عبدالکریم بن محمد الجرجانیؒ (۴۱۸) ابوھاشمؒ اور (۴۱۹) زاذانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

برکتِ طعام ہاتھ دھونے میں ہے:

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ ، حضرت سلمان فارسیؓ نے توراۃ میں اپنا پڑھا ہوا سبق ان برکۃ الطعام الوضوء بعدہ کہ کھانے میں برکت کا سبب اس کے بعد وضوء (ہاتھ دھونے) میں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا تو آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور بعد دونوں مواقع پر ہاتھ منہ صاف کرنا اور ان کی طہارت کرنا باعث برکت ہے۔ وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے، اصطلاحی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے، سلمان فارسیؓ نے توراۃ کے حوالے سے بات کی ہے، ہوسکتا ہے کہ توراۃ میں صرف طعام کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا ذکر ہو۔ اس صورت میں جو طعام سے پہلے ہاتھ دھونے کا ذکر ہے یہ شریعت محمدیؐ کا اضافہ ہو۔ ایماء الی ان شریعتہ زادت الوضوء قبلہ ایضا استقبالاً للنعمۃ بالطھارۃ المشعرۃ للتعظیم اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی شریعت نے کھانا کھانے سے پہلے وضوء (ہاتھ منہ دھونے) کا اضافہ بھی اس لئے کیا تا کہ کھانے کی نعمت کا استقبال طہارت سے کیا جائے جو اس کی تعظیم پر دال ہے۔ (جمع ص ۲۸۴) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تورات میں قبل الطعام اور بعد الطعام دونوں وقتوں میں ہاتھ منہ دھونے کا حکم ہو مگر بوجہ تحریف قبل الطعام ہاتھ

دھونے کا حکم اس سے حذف کر دیا گیا ہو وھذا یحتمل ان یکون اشارۃً الی تحریف مافی التوراۃ ۔
(جمع ص ۲۸۴)

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ کا مطلب شارحین حدیث نے لکھا ہے، کھانے میں اضافہ ہوتا ہے۔ شکم سیری نصیب ہوتی ہے، ومعنی برکۃ الطعام من الوضوء قبلہ النمو والزیادۃ فیہ نفسہ اور بعدہ کا مطلب یہ ہے جن فوائد اور مقاصد کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے، پورے حاصل ہوتے ہیں ۔کھانا بدن کا جز بنتا ہے، فرحت اوانبساط نشاط پیدا کرتا ہے۔ عبادات، انابت الی اللہ، ذکر اللہ اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے ان فوائد کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمادیا ۔ النمو والزیادۃ فی فوائدھا وآثارھا بان یکون سبباً لسکون النفس و قرارہ ا سبباً للطاعات وتقویۃ للعبادات والاخلاق المرضیۃ والافعال السنیۃ. (جمع ص ۲۸۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا ''فقر'' کو دور کرتا ہے اور بعد میں ہاتھ دھونا ''جنون'' کو دور کرتا ہے۔ صاحب العوارف فرماتے ہیں، کھانے سے قبل ہاتھ دھونا فقر کی دوری کا اس لئے سبب بنتا ہے کہ یہ آداب کے ساتھ نعمت کا استقبال ہے اور یہ نعمت کا شکرانہ ہے اور شکر نعمت کی زیادتی کا سبب ہے۔ لہذا ہاتھوں کو دھونا نعمت کو کھینچ کر لائے گا اور فقر کو ہٹا دے گا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو، تو اس کو چاہیے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھولیا کرے۔ (اتحافات ج ۵ ص ۲۱۳)

ملا علی قاریؒ نے وضوء لغوی قبل الطعام وبعد الطعام کی ایک اہم وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ولان الاکل بعد غسل الیدین یکون اھنأ وامرأ ولان الید لا تخلو عن تلوث فی تعاطی الاعمال وغسلھا اقرب الی النظافۃ و النزاھۃ (والغسل بعد الطعام) سبب لازالۃ الدسومات....قال صلی اللہ علیہ وسلم من بات وفی یدہ غمرۃ ولم یغسلہ فاصابہ شیء فلا یلومن الانفسہ ۔(جمع ص ۲۸۶)

اور اس لئے بھی کہ ہاتھ دھونے کے بعد کھانا زیادہ لذیذ اور خوشگوار لگتا ہے اور اس لئے بھی کہ ہاتھ عام طور پر کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ملوث رہتے ہیں تو ان کا کھانا کھانے سے پہلے دھو لینا صفائی اور پاکی کا ذریعہ ہو جائیگا اور کھانا کھالینے کے بعد ہاتھوں کا دھونا چکنائی وغیرہ کے دور کرنے کا

سبب ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات گزاری اور اس کے ہاتھوں میں چکناہٹ تھی اور اس کو نہ دھویا تو اگر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

====================================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنْهُ

باب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کے بیان میں جو قبل الطعام وبعدہ پڑھا کرتے تھے

یہاں قول سے مراد مطلق ارشاد، یا کوئی بات اور گفتگو مراد نہیں، بلکہ وہ اذکار اور ادعیہ مراد ہیں، جو کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد آپ کا معمول تھے۔ اللہ کے نام سے آغاز اور حمد وشکر پر اختتام یہ کھانے کے آداب سے ہے۔ای قبل الطعام وهو التسمية وبعد ما يفرغ منه هو الحمدلة. (مواھب ص ۱۳۸) (یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ پڑھنا) پانی کا حکم بھی کھانے کی طرح ہے، بل هو منه كما يوخذ من قوله تعالى فيما حكاه فى القرآن ومن لم يطعمه فانه منى (بلکہ وہ کھانے ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ومن لم يطعمه الخ جس کی حکایت قرآن مجید میں ہے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں يطعمه کی ضمیر کا مرجع نہر ہے (جو کہ پانی پر مشتمل ہوتی ہے) (مواھب ص ۱۳۸) اس باب میں مصنفؒ نے سات احادیث نقل کی ہیں۔

(۱۸۱/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ جُنْدُلِ الْيَافِعِيِّ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقُرِّبَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا كَانَ اَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْهُ اَوَّلَ مَا اَكَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَكَةً فِيْ

اٰخِرِہٖ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ ھٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰہِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاَکَلَ مَعَہُ الشَّیْطٰنُ ۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے لہیعہ نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت راشد بن جندل سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت حبیب بن اوس سے ابوایوب انصاریؓ کے واسطہ سے سنی۔ ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداء میں یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے حیرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔

راویان حدیث (۴۲۰) یزید بن ابی حبیبؒ (۴۲۱) راشد بن جندل الیافعیؒ (۴۲۲) حبیب بن اوسؒ اور (۴۲۳) ابوایوب الانصاریؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ کی برکتیں :

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت جو برکت تھی، وہ کھانے کے اختتام کے وقت نہیں تھی، بلکہ بے برکتی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے حیرت و استعجاب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کیف ھذا؟ یہ کیا کیفیت ہے، ای بین لنا الحکمۃ و السبب فی حصول عظمۃ البرکۃ و کثرتھا فی اول اکلنا ھذا الطعام وقلتھا فی الآخر وانعدام البرکۃ منہ ۔ (جمع ص ۲۸٦) یعنی ہم کو اس کی حکمت اور سبب تو بتلایئے کہ ہمارے کھانے کی ابتداء کے وقت تو کھانا بہت بابرکت اور کثیر تھا اور پھر آخر میں تھوڑا اور بے برکت کیوں ہو گیا۔

حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشادفرمایا،انا ذکرنا اسم الله تعالیٰ حین اکلنا کہ ہم نے ابتداء میں کھاتے وقت بسم اللہ کہی تھی۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں،اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صرف بسم اللہ سے سنتِ تسمیہ حاصل ہو جاتی ہے،البتہ الرحمٰن الرحیم کے بڑھادینے سے وہ اکمل ہو جاتی ہے۔کما قاله الغزالی والنووی وغیرها جیسے کہ امام غزالیؒ اورامام نووی وغیرہ نے بھی ایسا کہا ہے(جمع ص ٢٨٦) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و التسمیة علی الطعام مطلوبة حتی من الجنب والحائض، و هی بسم الله اورکھانے پرتسمیہ کہنا شرعاً مطلوب ہے حتی کہ جنبی اور حائضہ عورت سے بھی اور وہ لفظ بسم اللہ ہے(اتحافات ص ٢٣٦)تفصیلی قصہ ترجمہ میں دیکھ لیں۔

شیطان کا کھانا حقیقت پرمحمول ہے :

فاکل معه الشیطان: شیطان فیعان کے وزن پر ہے،شطن بمعنی بعد سے ماخوذ ہے،یعنی بعد عن رحمة الله اللہ کی رحمت سے دور،یافعلان کے وزن پر ہے اور شاط یشط سے ماخوذ ہے بمعنی بھڑکنا اورشعلہ کی طرح اٹھنا،اکلِ شیطان،عندالجمہور (جمہور کے نزدیک شیطان کا کھالینا) حقیقت پرمحمول ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ شیطان کھاتا پیتا ہو،جمہور محدثینؒ کہتے ہیں کہ شیطان کھانا کھالیتا ہے اور وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔بعض روایات میں تصریح ہے کہ ہڈیاں جنات کی خوراک ہیں۔واکل الشیطان محمول علی حقیقته عند جمهور العلماء سلفاً وخلفاً لا مكانه شرعاً وعقلاً. (جمع ص ٢٨٦) جمہور متقدمین ومتأخرین علماء کے نزدیک شیطان کا کھانا حقیقت پرمحمول ہے کیونکہ یہ شرعاً وعقلاً ممکن ہے۔

ایک اشکال کا جواب :

(١) یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے جب مسئلہ یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت دسترخوان پر جب ایک نے بسملہ پڑھ لی،تو وہ سب کے لئے کافی ہے۔جیسے کہ ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ:لو سمّی واحد فی جماعة یاکلون لکفی ذلک وسقط عن الکل (جمع ص ٢٨٦) تو پھر جب یہ شخص آیا اور اس نے بسملہ نہ پڑھی،تو بے برکتی کیوں آئی۔کیونکہ پہلے سے بیٹھی ہوئی جماعت کی بسملہ اس کے لئے بھی کافی

تھی۔ شارحین حدیثؒ جواب میں کہتے ہیں کہ ”قعد، ای بعد فراغنا من الطعام ولم یسمّ جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے اور وہ آ کر بیٹھا اور بسمله نہیں پڑھی، تو کھانے میں بے برکتی آ گئی۔

(۲) اویقال ان شیطان هذا الرجل جاء معه فلم تکن تسمیتنا مؤثرة فیه ولا هو سمّی یعنی لتکون تسمیته ما نعة من اکل شیطانه معه۔ (جمع ص ۲۸۶) یا جواباً یہ کہا جائے کہ اس شخص کا شیطان اس کے ساتھ ہی آیا تھا اس لئے ہماری بسم اللہ کہنا اس میں مؤثر نہ رہی اور خود اس نے تو بسم اللہ پڑھی نہیں تا کہ اس کا تسمیہ اس کے شیطان کے کھانے سے مانع اور رکاوٹ بن جاتا۔

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک جماعت کھانے میں اکٹھی مشغول ہو اور ان میں سے ایک نے بسمله پڑھ لی ہو، فحینئذٍ تسمیة هذا الواحد تجزی عن البواقی من الحاضرین تو پھر اس وقت اس کا بسم اللہ پڑھ لینا باقی حاضرین سے کافی ہو جاتا (جمع ص ۲۸۶) مگر یہ بات اس شخص کے لئے نہ ہوگی، جو ان کے ساتھ اوائل میں بوقت بسم اللہ پڑھنے کے موجود نہ تھا۔ کیونکہ تسمیۃ سے مقصود یہ ہے کہ شیطان کھانا کھانے والے مسلمان کے ساتھ کھانے پر تمکن حاصل نہ کرے اور جب جماعت کے ساتھ کھانے کے وقت عند التسمیۃ ایک انسان موجود نہ تھا، تو جماعت کے پہلے سے پڑھی ہوئی تسمیۃ اس غیر حاضر انسان کے کھانے میں شیطان کے تمکن میں مانع بننے کے لئے مؤثر نہ ہوگی۔

(۱۸۲/۲) حَدَّثَنَا یَحۡیَی بۡنُ مُوۡسیٰ حَدَّثَنَا اَبُوۡدَاوٗدَ حَدَّثَنَا هِشَامُ الدَّسۡتَوَائِیُّ عَنۡ بُدَیۡلِ الۡعُقَیۡلِیِّ عَنۡ عَبۡدِاللّٰهِ بۡنِ عُمَیۡرٍ عَنۡ اُمِّ کُلۡثُوۡمٍ عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهَا قَالَتۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمۡ فَنَسِیَ اَنۡ یَّذۡکُرَ اسۡمَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی طَعَامِهٖ فَلۡیَقُلۡ بِسۡمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحیٰی بن موسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابوداوٗد نے بیان کی۔ اُن کے پاس ہشام دستوائی نے بدیل عقیلی کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمیر سے اخذ کی۔ انہوں نے اسے ام کلثوم سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا

کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے، تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بِسۡمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ کہہ لے۔

راویان حدیث، (۴۲۴) ہشام الدستوائی ؒ (۴۲۵) عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ اور (۴۲۶) ام کلثوم ؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب تسمیہ بھول جائے :

جب کھانا کھاتے وقت آدمی تسمیہ بھول جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ دورانِ طعام جس وقت بھی یاد آئے اگرچہ آخری لقمہ ہی لے رہا ہو، ای نسی التسمية حين الشروع في الاكل ثم تذكره في اثنائه یعنی ایک شخص کو شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا بھول گیا اور پھر اسکو کھانے کے دوران یاد آیا (مواھب ۱۳۹) تو بسم الله اوّله و آخره پڑھے، تو یہ اسی برکتِ تسمیہ کے لئے کفایت ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص نے کھانا شروع کیا، مگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا، حتى لم يبق من طعامه الالقمة، جب اس نے آخری لقمہ اٹھایا تو اس وقت اسے یاد آیا اور اس نے پڑھا بسم الله اوله و آخره تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرادیا، فضحک صلى الله عليه و سلم ثم قال مازال الشيطن ياكل معه فلما ذكر اسم الله استقاء ما في بطنه ۔ (پھر فرمایا کہ شیطان لگاتار اس کے ساتھ کھارہا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان کے پیٹ میں جو کچھ تھا قئی کردیا) محشی مشکوٰۃ شریف نے مرقات کے حوالہ سے استقاء ما في بطنه کے متعلق یہ لکھا کہ المراد به رد البركة الذاهبة بترك التسمية كانها كانت في جوف الشيطان امانة فلما سمى رجعت الى الطعام ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۵) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بسم اللہ کے چھوڑنے کی وجہ سے وہ گئی ہوئی برکت پھر واپس لوٹ آئی گویا کہ وہ شیطان کے پیٹ میں امانت تھی جب اس شخص نے بسم اللہ پڑھ لی تو وہ دوبارہ کھانے کو لوٹادی گئی۔

اولهٗ واخرهٗ کا تلفظ :

ان کو بفتح اللام و الراء پڑھا جائے۔ یا تو یہ ترکیب میں منصوب بنزع الخافض (یعنی بحذف جار) ہیں۔ اور وہ لفظ فی ہے اصل عبارت ای فی اولہ و اخرہ یا پھر مفعول بہ فعل محذوف

اکلت کا ہیں اور عبارت اس طرح ہوگی۔ای اکلت اوله و آخره مستعینا بالله...الخ. (جمع ص ۲۸۸)

ایک اعتراض کا جواب :

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اول وآخر کہنے سے وسط نکل جاتا ہے۔(۱) کیونکہ اول وآخر کنایہ ہے تعمیم سے فالمعنی بسم الله علی جمیع اجزائه (مواھب ۱۳۹) پس معنی یہ ہوگا کہ میں جمیع اوقات واجزاء میں اللہ کا نام لیکر کھاتا ہوں۔ اس کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ ولھم رزقھم فیھا بکرة و عشیا کہ اس میں بھی ذکر صبح وشام کا ہے۔اور مراد تعمیم ہے لقوله تعالیٰ اکھا دائم بوجہ اس فرمان خداوندی کہ جنت کے کھانے دائمی ہونگے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اوله سے مراد نصف اول اور آخره سے مراد سے نصف ثانی لیا جائے۔ فلا واسطة تو درمیانی واسطہ نہ رہا (مواھب ۱۳۹)

(۱۸۳/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِیُّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سلمةَ اَنَّهٗ دَخَلَ علی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ و عِنْدَهٗ طَعَامٌ فقَالَ اُدْنُ یَا بُنَیَّ فَسَمِّ اللّٰهَ تعالٰی و کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالاعلیٰ نے معمر کے واسطہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے عمر بن ابی سلمہؓ سے سماعت کی۔عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں۔کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

راویان حدیث (۴۲۷) عبدالاعلیٰؒ اور (۴۲۸) عمر بن ابی سلمۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانا کھانے کے تین آداب :

(۱) کھانا بسم اللہ سے شروع کرنا (۲) دائیں ہاتھ سے کھانا (۳) اپنے سامنے سے کھانا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ادن منّي يا بنّي : اے میرے پیارے بچے بصيغة التصغير شفقة و اهتماماً بحاله (یعنی یابُنَیَّ کالفظ بصیغۂ تصغیر لانا) شفقت اور اسکے حال کے اہتمام کے لیے ہے۔ (جمع ص ۲۸۸) اس میں بڑوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ چھوٹوں پر شفقت، محبت اور توجہ وعنایت رکھیں، خاص کر کھانے کے وقت میں لشدة الاستحياحينئذ (مناوی ص ۲۸۸) (کہ اسوقت کھانے میں وہ شرم وحیاء محسوس کرتے ہیں)

حضرت عمر بن ابوسلمہؓ کہتے ہیں۔ کہ اس موقع پر حضور اقدسؐ نے مجھے کھانا کھانے کے تین آداب سکھلائے۔

کھانا شروع کرتے وقت بسملہ پڑھنا سنت ہے :

(۱) فسم الله تعالیٰ، (بسم اللہ کہیں) یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ اتفاقا و اجماعا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ بھی سنت ہے کہ بسملہ اُونچی آواز سے پڑھی جائے، ليسمع من عنده، (تا کہ جو اسکے پاس ہیں وہ بھی سن لیں) سنت تو لفظ بسم الله سے حاصل ہو جائے گی۔ و الا فضل اكمالها (مناوی ص ۲۸۸) اور بہتر ہے کہ مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے بعض حضرات نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بسملہ کے بعد اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (یہ دعا پڑھے) اے اللہ جو تو نے ہمیں عطا کیا ہے اسمیں برکت ڈال دے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچایئے) کا اضافہ کرے۔ العبادی الشافعی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَىْءٌ شروع کرنا اس اللہ کے نام سے کہ اسکے نام لینے کیوجہ سے کوئی چیز نقصان اور ضرر نہیں پہنچاتی) کا اضافہ بھی مستحب ہے۔ (مناوی ص ۲۸۸)

دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید :

(۲) و كل بيمينك (اور دائیں ہاتھ کے ساتھ کھا) صرف کھانا ہی نہیں بلکہ عزت وشرف اور

احترام واکرام کے تمام کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔البتہ اگر عذر ہے اور دایاں ہاتھ استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے،تو پھر بائیں ہاتھ کے استعمال کی اجازت ہے۔لفظ یمین، یمن، بمعنی "البرکۃ" سے ماخوذ ہے۔اس لیے دائیں ہاتھ کو اعمالِ شریفہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور اعمال خسیسہ کو بائیں ہاتھ کے ساتھ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اکل بالیمین (دائیں ہاتھ سے کھانے) سمیت تینوں امر ندب واستحباب کے لیے ہیں۔البتہ بعض علماء نے اکل بالیمین کے امر کو وجوب کے لیے لیا ہے، کیونکہ اکل بالشمال (بائیں ہاتھ سے کھانے) پر حدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ایک قصہ نقل ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔آپؐ نے اُسے فرمایا کُلْ بِیَمِیْنِکَ یعنی دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔اس شخص نے کہالَا اَسْتَطِیْعُ (میں تو اسکے ساتھ کھانے کی طاقت نہیں رکھتا)۔

حضور اقدس ﷺ اس کے اس کورے اور گستاخانہ جواب پر ناراض ہوئے اور فرمایا لَا اِسْتَطَعْتَ (تیری طاقت نہ ہو) (اس کا ہاتھ شل ہوگیا) اور اس کے بعد پھر وہ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز بھی اپنے منہ کے قریب نہ لے جاسکا۔فلما لم یکن له فی ترک الاکل بالیمین عذربل قصد المخالفة دعی علیه فشلت جبکہ اس شخص کا دائیں ہاتھ سے کھانے میں کوئی عذر نہ تھا بلکہ اس کا ارادہ آپؐ کی مخالفت کا ہی تھا اس لیے اُس پر بددعا کی اور اسکا ہاتھ شل ہوگیا۔)(مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح طبرانی میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سبیعۃ الاسلمیۃ کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہی ہے تو آپ نے بددعا دی، تو وہ طاعون کے مرض میں ہلاک ہوگئی۔ جمہور علماء ان روایات کو زجر وتوبیخ اور سیاست پر حمل کرتے ہیں (جیسے کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں) فحمله الجمھور علی الزجر والسیاسة. (جمع ص ۲۸۹)

ایک اور روایت میں ہے لا تاکلو ابالشمال فان الشیطان یا کل بالشمال رواہ ابن ماجة عن جابر (کہ آپؐ نے فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بھی بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے) ایک دوسری روایت میں اذا اکل احدکم فلیا کل بیمینه ولیشرب بیمینه ولیاخذ بیمینه ولیعط بیمینه فان الشیطان یاکل بشماله و یشرب بشماله و

یعطی بشماله و یأ خذ بشماله والظاهر انه نهی عن التشبه بالشیطان فیفید الا ستحباب (جمع ص ۲۸۹) (آپؐ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے پئے اور دائیں ہاتھ سے اٹھائے اور دائیں ہاتھ دے بیشک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے اٹھاتا ہے اور بظاہر آپؐ کا مقصد شیطان ہی کیساتھ مشابہت کرنے سے روکنا ہے تو اس سے (ان کاموں کا دائیں ہاتھ سے کرنے کا استحباب معلوم ہوا)

اپنے سامنے سے کھانا :

(۳) وکل ممایلیک اگر بہت سے افراد ایک جگہ کھا رہے ہوں اور برتن ایک ہو اور کھانا بھی ایک ہی نوعیت کا ہو، تو اپنے سامنے کھانا چاہیے۔ ثم الجمهور علی سنیة الا کل مما یلیه مفردا کان اولا لانّ الاکل من کل جانب حالة غیر ملائمة لتهذیب الطعام منبئی علی حرص صاحبه بل هوا کل الحیوانات و موجب لکر اهیّة اکل ما بقی من الطعام و سوء عشرة و ترک مو دّة مع صاحبه لتنفیر طبعه بذلک (پھر جمہور علماء کے نزدیک (ہر شخص کو) اپنے سامنے سے کھانا سنت ہے چاہے کھانیوالا اکیلا ہو یا بہت ہوں۔ اس لیے کہ ہر طرف ہاتھ بڑھا کر کھانا ایک غیر مہذب عادت ہونے کیساتھ ساتھ کھانیوالے کے حریص ہونے کی علامت بھی ہے بلکہ یہ تو ایک قسم جانوروں کا کھانا ہوا نیز بچ جانے والا کھانا دوسروں کے لیے کراہت کا سبب اور اپنے ساتھ کھانے والوں کو طبعی نفرت اور قطع تعلق کا ذریعہ اور ایک قسم بدترین برتاؤ ہے) (حاشیۃ مشکوٰۃ ص ۳۶۳) اور اگر برتن میں مختلف اشیاء ہیں، تو پھر اپنی پسند کی چیز دوسری طرف سے بھی اٹھائی جاسکتی ہے۔ ابن ماجۃ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کان اذا اتی بطعام اکل مما یلیه و اذا اتی بالتمر جالت یده الشریفة فیه (جب حضورؐ کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپؐ اپنے سامنے سے کھایا کرتے اور اگر کھجور (یا کوئی میوہ) لایا جاتا تو پھر ہاتھ مبارک کے ذریعہ ادھر ادھر سے بھی اٹھالیا کرتے) (مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح ترمذی کے ایک حدیث میں ہے فقال یا عکراش کل من حیث شئت فا نها غیرلون واحد۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

(آپؐ نے فرمایا اے عکراش جہاں سے مرضی ہو کھالے کیونکہ مختلف انواع کی چیزیں ہیں)

ایک اشکال سے جواب :

باقی رہا یہ اشکال کہ حضور ﷺ کدو کے قتلے برتن میں تلاش کرتے اور تناول فرماتے تھے، کان یتتبع الدباء من حوالی القصعة ، جو اس روایت کے خلاف ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ دراصل نہی کی علت تقذر اور ایذاء رفقاء ہے اور حضور اقدس ﷺ کے اس اقدام میں وہ موجود نہیں و ذلک منتف فی حقه صلی الله علیه وسلم (جمع ص۲۸۹) اوالمراد من التتبع بیمینه وشماله مما یلیه بعد فراغ مابین یدیه ولم یکن احد فی جانبیه وهذااظهر . (یا حضور ﷺ کے دائیں بائیں تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپؐ اپنے سامنے کے کھانے سے فراغت کے بعد ایسا کیا کرتے درآنحال کہ آپؐ کے جانبین میں بھی کوئی شخص نہ ہوتا تھا اور یہی بات زیادہ واضح اور ظاہر ہے)

(۱۸۴/۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلان حَدَّثنا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّ بَیْرِیُّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ الثَّوریُّ عَنْ اَبِیْ هَاشِمٍ عَنْ اسمٰعِیْلَ بْن رِیَاحٍ عَنْ عُبَیْدَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ اِذَا فَرَغ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَاوَسَقَا نَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔وہ کہتے کہ ہمیں اسے ابواحمد زبیری نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان ثوری نے ابو ہاشم کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسماعیل بن ریاح سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت ریاح بن عبیدہ سے صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطہ سے سماعت کی۔حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ وجب کھانے سے فارغ ہوتے،تو یہ دعا پڑھتے اَلحَمْدُ للّٰه الَّذی اطْعَمنَا وسَقَانَا وجعلنَا مُسْلِمِیْنَ (تمام تعریف اس ذاتِ پاک کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)

راویان حدیث ((۴۲۹) اسماعیل بن ریاح ” اور (۴۳۰) ریاح بن عبیدة ” کے حالات ”تذکرہ

راویان شمائل ترمذی‘‘میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا :

الحمدللہ الذی......الخ مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، جب کھانا کھالیا جائے، تو اس پر کھلانے والے رازق حقیقی کا شکر ادا کیا جائے اور اس تشکر وامتنان کے کلمات مبارک حضور اقدس ﷺ نے تعلیم فرمادیئے تاکہ منعم حقیقی کا شکر ادا ہو زیادہ نعمت کی طلب ہو، اداء شکر المنعم و طلب زیادۃ النعمۃ (جمع ص۲۹۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے، لئن شکرتم لازیدنکم ، اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو میں ضرور زیادہ عطا کروں گا) چونکہ اصل طعام تھا اور پانی اس کے ضمن میں تبعاً پیا جاتا ہے اسی لیے اولاً طعام کا ذکر کیا، پھر پانی کا ذکر کیا گیا، کھانے پینے سے جسم میں قوت استحکام اور قوام آتا ہے، لھذا اطعمنا و سقانا میں جسم کے قوام کا ذکر وشکر ہے اور و جعلنا مسلمین میں روح کے قوام کا شکر ہے، ای منقادین لجمیع امور الدین للجمع بین الحمد علی النعمۃ الدنیویۃ والاخرویۃ ۔ (مواھب ص۱۴۰) (ہمیں سارے دینی امور کی تابعداری کرنے والے بنادے جیسے کہ نعمت دنیوی واخروی پر حمد وشکر کی توفیق دیدی ہے)

(۱۸۵/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيْدَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّباً مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ یحییٰ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ثور بن یزید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے خالد بن معدان نے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول ﷺ کے سامنے حضرت ابوامامہؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپؐ یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرُ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى

عَنہُ رَبَّنَا (تمام تعریف حق تعالیٰ شانہ کے لیے منحصر ہے ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصاف رذیلہ سے جو مبارک ہے ایسی حمد جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جا سکتا ہے (اے اللہ ہمارے کر کو قبول فرما)

راویان حدیث (۴۳۱) ثور بن یزیدؒ اور (۴۳۲) خالد بن معدانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''المائدة'' کا معنی وتشریح :

اذا رفعت المائدة .....الخ، دستر خوان کو کہتے ہیں، جس پر طعام چنا جائے، والمائدة تطلق علی کل ما یوضع علیه الطعام (جمع ۲۹۰) یہ مادیمید سے مشتق ہے۔ اذاتحرک کبھی ذکر مائدہ کا ہوتا ہے اور مراد نفس طعام یا طعام کا بقیہ یا طعام کا برتن ہوتا ہے۔ یقول: یہ دعا پڑھے اور یہ بھی اونچی آواز سے، کیونکہ یہ بھی سنت ہے کہ جب کھانا کھالے، تو اس وقت تک اونچی آواز سے دعا نہ پڑھے جب تک دوسرے شرکاء فارغ نہ ہو جائیں، کیلا یکون منعاً لھم (تاکہ دوسرے شرکاء کے کھانے سے رک جانے کا سبب نہ ہو۔ (جمع ص۲۹۰)

دستر خوان اٹھائے جانے کے وقت کی دعا :

الحمد اللہ حمدًا کثیرًا ....الخ ، جب دستر خوان اٹھالیا جائے تو حضور اقدس ﷺ یہ دعا پڑھتے الحمد للہ : ای علی ذاته و صفاته و افعاله التی من جملتها الانعام بالاطعام ۔ (سب تعریفیں اللہ کے لیے یعنی اسکی ذات وصفات افعال کیوجہ سے جن میں سے ہمیں کھلانے کا انعام بھی ہے) (جمع ۲۹۰) حمداً : مفعول مطلق ہے باعتبار ذاتہ یا اس اعتبار سے کہ معنی فعل کو متضمن ہے یا فعل مقدر کے لیے مفعول مطلق ہے۔ کثیرا: یعنی اس کی حمد کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی نعمتوں کی کوئی غایت نہیں ہے۔ طیباً: ریا، سمعہ اور ہر عیب سے پاک، علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، کونه خالصاً من الریاء و السمعة و الاوصاف التی لا تلیق بجنا به تعالیٰ۔ (مواھب ص۱۴۱)

غیر مودّع (بتشدید الدال المفتوحة) ای حال کونه غیر متروک لنا بل نعود الیه کرۃ

بعد كرة او المكسورة اى حال كونى غير تارك له فمؤدى الروايتين واحد و هو دوام الحمد واستمراره (غیر مودع اگر بتشدید دال مفتوحہ ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اس حال میں کہ وہ نہیں چھوڑے گئے بلکہ ہم اس کی طرف بار بار رجوع کریں گے۔ اور اگر دال مکسورہ کیساتھ ہو تو پھر معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ میں اسکو چھوڑنے والا نہیں۔ تو دونوں صورتوں کا حاصل اور خلاصہ ایک ہوا یعنی کہ حمد وثنا کا دوام واستمرار) (مواھب ص ۱۴۱) غير مستغنٍ عنه اى لا يستغنى عنه احد (اتحافات ص ۲۳۹) (یعنی اس سے کوئی بھی مستغنی نہیں (سب اسکے محتاج ہیں))

ربنا : دراصل یا ربنا ہے منادی ہے، اس لیے منصوب پڑھا جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں،

ربنا : روى بالرفع والنصب والجر فالرفع على تقدير هو ربنا او انت ربنا اسمع حمدنا و دعائنا او على انه مبتداء و خبره غير مودع بالرفع مقدم عليه والنصب على انه منادىٰ حذف منه حرف النداء والجر على انه بدل من الله (جمع ص ۲۹۲) ربنا کے اعراب کے متعلق تین صورتیں ہیں رفع۔ نصب، جر پھر رفع یا تو اسلئے ہے کہ ترکیب میں خبر مبتداء محذوف کی ہے یعنی ہو ربنا یا انت ربنا ہوگا یعنی تو ہمارا رب ہے تو ہماری حمد وثناء اور دعا سن لے اور یا اس لیے مرفوع کہ ربنا ترکیب میں متبداء ہے اور اسکی خبر غیر مودع اس پر مقدم ہے اور اس کا نصب بنا پر منادی ہونے کے ہے اور حرف نداء محذوف ہے یعنی یا ربنا۔ اور جر کی صورت میں یہ لفظ اللہ سے ترکیب میں بدل واقع ہوگا۔

جب کسی دوسرے کے ہاں دعوت ہوتی :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی کے گھر مین کھانا تناول فرماتے تو نہ اٹھتے جب تک ان کے لیے دعا نہ فرما لیتے۔ جناب حضرت عبداللہ بن سبرہؓ کے گھر میں یہ دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ (اے اللہ تو رزق میں برکت نازل فرما اور انکو بخش دیں اور رحمت سے نواز دیں) اور حضرت سعدؓ کے گھر میں یہ دعا پڑھی اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامُكُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور اللہ کے پاک فرشتوں کی دعائیں تم پر ہوں) اور ایک

نوجوان (عمرو بن الحمق) نے حضور اقدس ﷺ کو دودھ پلایا، تو آپ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی، اللھم امتعه بشبابه (اے اللہ اسکو اپنی نوجوانی سے مستفید فرمادیں) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، فمرت علیه ثمانون سنة لم یر شعرة بیضاء (پس اسی سال عمر ہونے کے باوجود کوئی ایک بال سفید بھی نہ دیکھا) (جمع ص۲۹۲) شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے یہ دعا بھی ثابت ہے، اللھم اطعمت و سقیت واغنیت واقنیت و ھدیت و احییت فلک الحمد علی ما اعطیت ۔(مواھب ص۱۴۱) (اے اللہ تو نے کھلایا پلایا تو نے استغنا اور بے نیازی عطا کی اور تو نے ہدایت اور زندگی مرحمت فرمائی آپ نے جو کچھ عنایت فرمایا اس پر سب حمد وثنا آپ ہی کے لیے ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ ان لوگوں کے لیے جو مساکین کی مہمان نوازی کرتے، تعریف اور دعائیں کرتے۔ فقال مرة الا رجل یضیف ھذا رحمه الله . (ایک بار آپ نے فرمایا کہ کوئی ہے ایسا شخص کہ اس کی مہمان نوازی کرے اس پر اللہ تعالی رحم فرمائے) اسی طرح حضور ﷺ نے ایک انصاری اور اس کی بیوی (جنہوں نے ایثار کر کے اپنا اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلایا) کی مدح میں فرمایا۔لقد عجب الله من صنیعکما اللیلة (اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے آج کی رات کے عمل سے بہت خوش ہوئے) (زاد المعادج ۲ ص ۲۵) جب حضور اقدس ﷺ اجتماعی طور پر اپنے رفقاء کے ساتھ کھانا کھاتے، تو آپ سب سے آخر میں فارغ ہوتے لکی لا یخجل الجلیس وعسٰی ان یکون له فی الطعام حاجة ۔(تاکہ کھانے والے ساتھیوں میں سے کوئی شرمندہ نہ ہو جائے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو ابھی کھانے کی ضرورت باقی ہو۔(اتحافات ص ۲۴۰)

(۱۸۶/۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ ھِشَامِ الدَّسْتَوَائِیِّ عَنْ بُدَیْلِ بْنِ مَیْسَرَةَ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ الطَّعَامَ فِیْ سِتَّةٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَجَآءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَکَلَهٗ بِلُقْمَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ سَمّٰی لَکَفَاکُمْ .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوبکر محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

اسے وکیع نے ہشام دستوائی کے واسطہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت بدیل بن میسرۃ عقیلی سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت ام کلثوم سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ سے نقل کی ہے۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اس نے دو لقموں میں سب کو نمٹایا۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔

راوی حدیث (۴۳۳) ابوبکر محمد بن ابانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

عدم تسمیۃ کی وجہ سے کثیر طعام میں بے برکتی :

فجاء اعرابی فاکله بلقمتین ابسم اللہ کی برکت کا بیان ہے۔تفصیلی قصہ تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔اعرابی : نسبة الى الاعراب وهم سكان البوادی سواء كانوا من العرب او من غیرھم (اعرابی کا معنی بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جنگلوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کو کہا جاتا ہے چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب۔(مواھب ص ۱۴۱) اعرابی آتے ہی کھانے پر ٹوٹ پڑا ابھی دو بڑے بڑے لقمے ہی لیے تھے کہ کھانا ختم ہو گیا۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا لو سمّی لکفاکم ،اگر یہ نو وارد بسملۃ پڑھ لیتا تو کھانا سب کے لیے کافی ہوتا۔ای الطعام ببر کة التسمية (جمع ص ۲۹۲) فی ستة من اصحابه میں کثرت طعام کو اشارہ ہے،یعنی کثرت طعام کے باوصف اس شخص کے ترک تسمیۃ کی وجہ سے شیطان شریک طعام ہو گیا اور بے برکتی ہو گئی۔وفی هذا كمال المبالغة فی زجر تارک التسمية على الطعام لان تركها يمحقه (اوراس میں کھانے کے وقت بسم اللہ چھوڑنے والے پر مکمل ڈانٹ وارد ہوئی کیونکہ تسمیہ کا چھوڑ دینا بے برکتی کا سبب ہوا)(مواھب ص ۱۴۲)

(۱۹۰/۱۹) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَّ مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا ابْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ سَعِيْدِ

ابْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَاْكُلَ الْاُ كْلَةَ اَوْيَشْرَبَ الشُّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہناداور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابواُسامہ نے زکریا بن ابی زائدہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن ابی بردہ سے روایت کی اور انہوں اسے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جل جلالہٗ عم نوالہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ کھانا کھاوے یا ایک گھونٹ پانی پیوے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا اس پر شکر ادا کرے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ. (اے اللہ حمد و ثناء اور شکر آپ ہی ذات اقدس کا ہے میں تو آپ کی تعریف وثناء کا حق ادا کرنے سے عاجز ہوں)

راویانِ حدیث (۴۳۴) ابواسامۃؒ (۴۳۵) زکریا بن ابی زائدۃؒ اور (۴۳۶) سعید بن ابی بردۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

لیرضی عن العبد: ای یشنیه و یرحمه، الأكلة ، اگر ضم ہمزہ کے ساتھ پڑھیں تو مراد لقمہ ہے اور بفتحها المرة (مواہب ص۱۴۲) او: كلمة او للتنوع وليست للشک (لفظ او یہاں تنوع اور تقسیم کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیے۔ (مواہب ص۱۴۲)

کھانے کے بعد ترغیب حمد وشکر :

مقصد ترغیب حمد وشکر ہے کہ مسلمان جب کھانا کھائے یا پانی پیئے، حمد وشکر کرے، چاہے وہ ایک لقمہ ہو یا ایک گھونٹ، مادہ حمد سے ماخوذ، جو کلمہ بھی ادا کیا جائے، سنت حمد وشکر ادا ہو جائے گی۔ البتہ جو کلمات حمد وشکر اس سے قبل آپؐ نے تعلیم فرما دیئے ہیں، فهو بيان للا كمل (تو یہ کامل ترین الفاظ حمد وشکر کا بیان ہے)۔ (مواہب ص۱۴۲)

خلاصۂ باب:

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ ! خلاصۂ باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وكان النبی صلی اللّٰہ علیه

وسلم يكره الحار من الا طعمة والاشربة ، و يوصي غيره ، فان فيه البركة، وروى ابو نعيم ان النبی ﷺ كان ينهى عن النوم عقب الا كل، وقال انه يقسى القلب ولذا نصح الا طباء بالمشى بعد العشاء ، ومن هنا نعلم ان الاسلام يتمشى مع قواعد الصحة والعافية على أتم وفاق (اتحافات ص ۲۴۱) (اور نبی کریم ﷺ کھانے پینے کی گرم چیزوں کو ناپسند فرمایا کرتے اور انکے علاوہ کے کھانے کی تاکید فرماتے کیونکہ ان میں برکت ہوتی ہے۔ ابونعیم کی روایت ہے کہ آپ کھانا کھانے کے بعد سونے سے منع فرمایا کرتے اور کہا کہ یہ دل کو سخت کر دیتا ہے۔ اس لیے تو طبیب اور ڈاکٹر حضرات رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کی تاکید کرتے ہیں انہی روایات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے صحت وعافیت کے اصول کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا ہوا ہے۔ (اے اللہ سارے حمد وثنا تو آپ ہی کے ذات کے لائق ہیں میں انکے بیان کرنے سے قاصر ہوں) اللهم لك الحمد و لك الشكر لا احصى ثناء عليك .

تکملة :

(۱) شیخ ابراہیم بیجوریؒ فرماتے ہیں :

و ليسنّ تقديم الصبيان على المشائخ فى الغسل قبل الطعام لان ايدى الصبيان اقرب الى الوسخ وقديفقد الماء لو قدم المشائخ وامّا بعد الطعام فبا لعكس اكراما للشيوخ وهذا كله في غير صاحب الطعام امّا هو فيتقدم بالغسل قبل الطعام ويتأخر بعده.............ويسنّ تنشيف اليدين من الغسل بعد الطعام لا قبله لانه ربما كان بالمنديل وسخ يعلق باليد ولا ن بقاء اثر الماء يمنع شدة التصاق اللهنية باليدين. اور سنت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے میں بچوں کو بڑوں پر مقدم کیا جائے اس لئے کہ لڑکوں کے ہاتھ عام طور پر میلے کچیلے ہوتے ہیں اور اگر مشائخ کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں تو بسا اوقات پانی ختم ہو جاتا ہے (تو پھر لڑکے انہی میلے کچیلے ہاتھوں کیساتھ شریک طعام ہونگے) البتہ کھانا کھا لینے کے بعد بزرگوں کے ہاتھ بچوں سے پہلے احتراماً دھلائے جائیں واضح ہو کہ یہ گذشتہ حکم صاحب طعام کے علاوہ لوگوں کے لئے تھا اور صاحب طعام کے لئے یہ ہے کہ وہ کھانے سے پہلے تو ہاتھ دھونے میں پہل کریگا لیکن کھانے کے بعد کی صورت میں ہاتھ دھونے میں تاخیر کرے نیز کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر پونچھنا سنت ہے نہ کہ کھانے سے پہلے اس لئے کہ

اگر کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے تو ہوسکتا ہے کہ تولیہ وغیرہ میں کچھ میل ہو تو وہ ہاتھوں میں لگ جائیگی اور اس لئے بھی کہ دھلے ہوئے ہاتھوں میں پانی کی بقیہ تری چکناہٹ کو ہاتھوں پر چپکنے سے مانع ہوگی۔ (مواھب ص ۱۳۸)

(۲) علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ :

وکان (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) لا یانف من مواکلۃ احد صغیرا کان او کبیرا حرا کان او عبدا اعرابیا او مهاجرا، حتی لقد روی اهل السنن عنه انه اخذ بید مجذوم فوضعها معه فی القصعة فقال کل باسم اللّٰه ثقة علیه وتوکلا علیه. (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کسی دوسرے کو کھلانے میں ناپسندی کا اظہار نہ فرماتے تھے چاہے وہ کھانے میں شریک ہونے والا چھوٹا لڑکا ہوتا یا بڑا آزاد ہوتا یا غلام اعرابی ہوتا یا مہاجر۔ اتنے حد تک کہ اصحاب سنن نے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے کے کاسہ میں رکھتے ہوئے کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھائیے۔

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قَدَحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کے بارے میں

قدح : قاف اور دال کے فتح کے ساتھ، ایسا برتن جس میں کوئی چیز پی جائے، ھو ما یشرب فیہ (مناوی ص۲۹۳) ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ درمیانی حجم کا پیالہ ہوا کرتا تھا ھو اناء بین اناء ین لا صغیر ولا کبیر ،اس کی جمع اقداح آتی ہے، جیسے سبب کی جمع اسباب آتی ہے اور قدح: دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد تیر ہے اور قدح جب دال کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے، تو مراد زخم لگانا اور چھیلنا ہوتا ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد پیالے اور ان کے مختلف نام تھے

(۱) الریان (۲) مغیثاً (۳) وقدح مضبب بسلسلة من فضة فی ثلاثة مواضع و آخر من زجاج و آخر من عیدان بفتح العین، والعیدانة النخلة السحوق (ریان، مغیث اور ایک ایسا پیالہ بھی جس پر تین جگہ چاندی کے پترے یا تار وغیرہ لگے ہوئے تھے اور ایک پیالہ شیشے کا بھی ایک اور کھجور سے لفظ عیدان (عین کے فتح کیساتھ) یہ عیدانة کی جمع ہے اور اس کا معنی کھجور کا لمبا درخت)۔ (اتحافات ص۲۴۲) اس باب میں مصنفؒ نے دو احادیث ذکر کی ہیں۔

(۱/ ۱۸۸) حَدَّثَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ الْاَسْوَدِ الْبَغْدَادِیُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ طَهْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ اَخْرَجَ اِلَیْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِیْظًا مُضَبَّبًا بِحَدِیْدٍ فَقَالَ یَا ثَابِتُ هٰذَا قَدَحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن اسود بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں

کہ ہمیں اسے عمرو بن محمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسیٰ بن طہمان نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی۔ حضرت ثابتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے، نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابت! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

راویان حدیث (٤٣٧) الحسین بن الاسود البغدادیؒ اور (٤٣٨) عمرو بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قدح خشب ، یہ اضافت بیانیہ ہے یا بمعنی من کے ہے، ای قدح من خشب لکڑی کا پیالہ (مواھب ص١٤٢) مضبباً کہتے ہیں باب مضبب جب وہ ضببات (لوہے یا پیتل کی چوڑی پتریوں) کے ساتھ باندھ لیا جائے۔ ضبۃ !لوہے کی چوڑی پتری کو کہتے ہیں، جو دروازہ بند کرنے کے لئے اندر کی طرف سے لگائی جاتی ہے۔ اس کی جمع ضبات آتی ہے۔ کحبۃ وحبات (مناوی ص٢٩٤) مضبب کا معنی ہے کہ لوہے کی پتری لگی ہوئی ہو، تضبیب سے اسم مفعول ہے، اگر یہ پتری لکڑی کی ہو، تو اسے اصاد کہتے ہیں' اسی سے مؤصدۃ بمعنی بند شدہ کے آیا ہے ظاہر ہے کہ آپؐ کا پیالہ مبارک پھٹ گیا ہوگا، جسے بعد میں پتری لگادی گئی ہوگی۔ حدیث سے متبادر یہی ہے یہ تضبیب (پتری لگانے کا عمل خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ تضبیب کا عمل پیالے کی حفاظت کے لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے، غیرُ مرضی ناپسندیدہ قول ہے۔ (مواھب ص١٤٢)

لیکن علامہ ملا علی قاریؒ نے دونوں قول احتمالی طور پر نقل کر کے تطبیق کی صورت بھی بیان کر دی۔ فرماتے ہیں، فیحتمل ان الواصل هو النبی صلی اللہ علیه و سلم او انس و کلام العسقلانی یمیل الیٰ الاول حیث قال هو الظاهر ....ثم قال و یحتمل ان یکون الواصل انسا ویؤیده ماروٰه البیهقی عن انس و لفظه فجعلت....الخ، والظاهر ان یحمل قوله فاتخذ علی انه امر بالاتخاذ علی الاسناد المجازی و یحمل قوله فجعلت علی الاسناد الحقیقی فاتفق الروایتان ۔(الجمع ص٢٩٤)

پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو جوڑنے اور ٹانکا لگانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا انس اور علامہ عسقلانیؒ کا رجحان پہلے قول کی طرف ہے کیونکہ اس نے کہا کہ یہی بات ظاہر اور واضح ہے۔۔۔۔پھر کہا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ جوڑنے والا حضرت انسؓ ہو اور اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے ہے کہ فجعلت مكان الشعب سلسلة (کہ میں نے اس کے پھٹن کی جگہ پتری لگائی) لیکن زیادہ واضح تو یہ ہے کہ فاتخذ مكان الشعب الخ کو اسنادمجازی پر حمل کیا جائے (یعنی آپ نے اس ٹوٹے پن (چیر) کے بنانے کا حکم فرمایا) اور حضرت انسؓ کے قول فجعلت الخ کو اسناد حقیقی (کہ میں نے جوڑا) پر محمول کیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جائیگی۔

کمال تواضع اور ترکِ تکلف :

فقال يا ثابت هذا قدح رسول الله صلى الله عليه وسلم : دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پتریوں لگا پیالہ دکھایا جا رہا ہے، جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت اور رغبت کے ساتھ استعمال فرمایا تھا، وفيه دليل على كمال تواضعه وترك تكلفه وجاء في رواية عن انس انه قال لقد سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا القدح اكثر من كذا و كذا۔ (جمع ص ۲۹۴) اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک تکلف اور کمال تواضع کی دلیل ہے اور ایک روایت میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ آپؓ فرمایا کرتے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالے سے اتنے اتنے بار سے بھی زیادہ پلایا ہے۔

نافع اشیاء کی حفاظت واصلاح مستحب ہے :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافع چیز کی حفاظت اور ممکن اصلاح واستعمال مستحب ہے اور اس کو ضائع کرنا مکروہ ہے۔ واشترى هذا القدح من ميراث النضر بن انس بثمانمائة الف درهم اور نضر بن انسؓ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم پر خریدا گیا۔ امام بخاریؒ سے روایت ہے کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے كان مضبباً بفضة یعنی اس پر چاندی کی پتریاں لگی ہوئی تھیں، جبکہ اس روایت میں مضبباً بحدید کی تصریح ہے ويمكن الجمع بانه كان مضبباً

بکل من الفضة والحدید۔ اوران کی تطبیق بایں صورت بھی ممکن ہے کہ چاندی اورلوہے ہر دونوں کی پتریاں لگائی گئی ہوں۔

(۱۸۹/۲) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهُ بْنُ عَبْدِالرَّحمٰنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ الْمَاءَ وَالنَّبِيْذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عُبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عاصم بن عاصم نے بیان کی۔ اُن کو یہ روایت حماد بن سلمہ سے ملی۔ انہوں نے یہ روایت حمید اور ثابت دونوں کے واسطہ سے حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع پانی، نبیذ، شہد، دودھ سب چیزیں پلائی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی والہیت :

لقد سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھذا القدح......الخ مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے بھذا القدح میں کتنا پیار، کتنی محبت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہیت ظاہر ہورہی ہے۔ حضرت انسؓ کو اس بات پر کتنا فخر وامتیاز اور ناز ہے کہ یہ وہ پیالہ ہے جس میں آپؐ کو ہر چیز پلایا کرتا تھا، اپنے نصیب وسعادت پر انہیں مسرت ہے کہ مجھے آپؐ کی خدمت کا نادر سے نادر موقع نصیب ہوتا رہا۔

پیالے کی ساخت :

القدح سے مراد وہی پیالہ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ھو قدح الخشب الغلیظ المضبب بالحدید موٹی لکڑی کا ایسا پیالہ جس پر لوہے کی پتریاں لگائی گئی ہوں۔ (مواھب ص۱۴۳) و قد ثبت فی الصحیح ان قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی کان عند انس قدح جید عریض ای

طوله اكثر من عرضه اتخذ من النضار و هو العود الخالص ، وقيل انه كان من النبع وقيل انه كان من الاثـل اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیالہ جو حضرت انسؓ کے پاس تھا ایک اچھا مضبوط چوڑا پیالہ تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی سے زیادہ تھی اور وہ خالص عمدہ لکڑی سے بنا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبع (ایک قسم کی لکڑی جس سے تیر وکمان بنائے جاتے تھے) سے بنایا گیا تھا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جھاؤ (کھگل) کی لکڑی کا تھا۔ (اتحافات ص ۲۴۳)

الشراب كله : پیئے جانے والی تمام اشیاء، چار اشیاء کا خصوصیت سے ذکر ہے۔ الماء و النبيذ، و العسل، و اللبن پانی۔ نبیذ۔ شہد اور دودھ کا یہ اشیاء اربعہ، بدل مفصل من مجمل ہے یا بدل بعض من الکل ہے۔ اهتـمـامـاً بشـأنها لكونها أشهر الانواع ان چار چیزوں کی اہتمام شان کے لئے کیونکہ یہ پیئے جانے والی اشیاء میں مشہور ترین قسمیں ہیں۔ (مواھب ص ۱۴۳) نبیذ: کا معنیٰ کھجور، کشمش یا خوبانی کو پانی میں بھگو دیا جائے۔ جب اس کا اثر اچھی طرح پانی میں آجائے ،تو وہ پانی نبیذ کہلاتا ہے۔ هو ماء يجعل فيه تمرات ليحلو (اتحافات ص ۲۴۳) آپؐ کے لئے بھی رات کے وقت کھجوریں بھگودی جاتی تھیں، جسے آپؐ صبح کے وقت نوشِ جان فرمالیا کرتے تھے۔ اور آنے والی رات کو بھی اور کل آئندہ عصر تک پھر اگر اس میں سے کچھ بچ جاتی تو اپنے خادم کو پلا دیتے اگر اس سے نشہ ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تھا ورنہ اس کے بہا دینے کا حکم فرما دیتے اور آپؐ کو اس کے پینے سے زیادتی قوت کا عظیم نفع ہوتا تھا علامہ بیجوریؒ اس کو اس عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ وكـان يـنبـذلـه صلى الله عليه وسلم اول الـليل ويشرب منه اذا اصبح يومه ذلك وليلة التي تجئي و الغدالي العصر فان بقي منه شئـي سـقـاه الـخـادم ان لـم يـخف منه اسكار اوالا امر بصبه، وهو له نفع عظيم في زيادة القوّة ۔ (مواھب ص ۱۴۳)

===============================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ فَاكِهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھل تناول فرمانے کے بیان میں

فاکهة، میوہ اور پھل کو کہتے ہیں۔ تر ہو یا خشک ہر قسم کا پھل جس کو کھا کر لذت حاصل کی جائے اور اس سے غذا و دوا مقصود نہ ہو، خواہ روٹی کے بعد ہو یا کسی بھی وقت، اور چاہے وہ تر (میوہ) ہو یا خشک جیسے انجیر، خربوزہ، کشمش، انگور یا اس جیسے دوسرے میوہ جات، صاحب اتحافات لکھتے ہیں ما یتفکه به بعد الطعام او فی ای وقت رطبًا کان او یا بسا کتین و بطیخ و زبیب و عنب و ما اشبه ذلک.
(اتحافات ص۲۴۴) اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے پھل کھانے کا بیان ہے۔
حضرات صحابۂ کرامؓ جب سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تو آپؐ ان کے لئے دعائے برکت فرماتے۔

''نخل'' اور ''رمان'' کا حکم :

بعض حضرات نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑ دی ہے کہ نخل اور رمان، فواکہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں فواکہ میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں یہ دونوں غذا اور دوا کے طور پر استعمال ہوتے تھے قرآن مجید میں بھی فیهما فاكهة ونخل ورمان آیا ہے، عطف تغایر کا متقاضی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو فواکہ سے متغایر ہونا چاہیے۔ جیسے صاحب اتحافات یہی لکھتے ہیں۔ وقیل ان التمر والرمان لیسا من الفاکهة لقوله تعالیٰ فيهما فاكهة و نخل ورمان والاصل فی العطف المغایرة۔ (اتحافات ص۲۴۴)
حضرات صاحبینؒ نے جب دیکھا کہ اب لوگ انہیں تغذّی اور تداوی کے طور پر نہیں بلکہ

تفکه کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے اسے فواکہ قرار دیا، وذھب الراغب الی ان الفاکھة ھی الثمار کلھا اور امام راغبؒ کا رجحان اسطرف ہے کہ فاکھة سب میوہ جات کو شامل ہے (اتحافات ص ۲۴۴) شارحینِ حدیثؒ نے قطعی فیصلہ یہ کیا ہے کہ تفکہ یا تغذی کا دارومدار عرف پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں سات روایات نقل کی ہیں۔

(۱/۱۹۰) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن جعفرؓ سے سنی۔ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۴۳۹) اسماعیل بن موسیٰ الغزالیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ککڑی اور کھجور کا یکجا استعمال :

یاکل القثاء بالرطب ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی ٹھنڈی (بارد) سبزی ہے اور کھجور (حار) گرم میوہ ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے دونوں کو ملا کر کھانا اعتدال ہے۔ جس کی وجہ سے نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ککڑی پھیکی اور کھجور میٹھی ہوتی ہے، دونوں کو یکجا کھانے سے ذائقہ میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور ککڑی میں بھی مٹھاس آجاتا ہے۔

و فی الصحیح انہ کان یاکل الرطب بالقثاء والفرق بینھما ان المقدم اصل فی الماکول کالخبز والمؤخر کالادام ، وقد اخرج الطبرانی بسند ضعیف ان عبداللہ بن جعفر قال رأیت فی یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم قثاء وفی شمالہ رطبا وھو یاکل من ذامرة ومن ذامرة وھو

محمول علی تبدیل ما فی یدیه لئلا یلزم الاکل بالشمال اور صحیح میں ہے کہ آپؐ تر کھجور کو ککڑی کے ساتھ کھایا کرتے تھے یعنی مندرجہ بالا روایت کے عکس اور دراصل انکے درمیان فرق یہی ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہو تو وہی ماکول ہونے میں اصل ہوتی ہے جیسے روٹی اور جو مؤخر ہو وہ بمنزلہ ادام اور سالن کے ہے امام طبرانیؒ نے ایک سند ضعیف سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تر کھجور دیکھی اور آپؐ کبھی اس سے کھاتے اور کبھی اس سے اور اس کا محمل یہی ہوگا کہ آپؐ کے ہاتھوں میں جو چیزیں تھی اسے تبدیل فرما کر کھا رہے تھے اور یہ اس لئے تا کہ آپؐ کا بائیں ہاتھ سے کھانا لازم نہ آجائے۔ (جمع ص ۲۹۶) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہ یک وقت متعدد اشیاء کا کھانا زہد وتقوی کے خلاف نہیں ہے......

قال النوویؒ فیه جواز اکل الطعامین معا والتوسع فی الاطعمتولا خلاف بین العلماء فی جوازہ۔ (جمع ص ۲۹۶)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف کھانوں، اطعمہ اثمار اور ماکولات کی صفات اور طبائع کو ملحوظ رکھ کر استعمال کرنا جائز ہے، جو طبی قواعد میں چلتا ہے۔ **لان فی الرطب حرارة و فی القثاء برودة فاذا اکلا معاً اعتدلا وھذا اصل کبیر فی المرکبات من الادویة** (جمع ص ۲۹۶) اس لئے کہ تر کھجور گرم ہے اور ککڑی ٹھنڈی اور جب دونوں اکٹھے کھائے جائیں تو پھر دونوں میں اعتدالی کیفیت ہو جائیگی۔ اور یہی مرکب دوائیوں کے بنانے کا بنیادی قانون اور اصل ہے۔

(۲/ ۱۹۱) حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْخُزَاعِیُّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ ھِشَامٍ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبدۃ بن عبداللہ خزاعی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کی اور وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

تربوز اور کھجور کا یکجا استعمال :

کان یاکل البطیخ بالرطب ،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔بطیخ کے معنی میں اختلاف ہے۔بعض نے اسے خربوزہ اور بعض نے تربوز قرار دیا ہے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا صحیح معنیٰ تربوز ہے، کیونکہ تربوز سرد ہے اور کھجور کی گرمی کو معتدل کر دیتا ہے چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ جب آپؐ تربوز کے ساتھ تازہ کھجوریں تناول فرماتے تو ارشاد فرماتے ،ویقول یدفع حرهذا برد هذا و برد هذا حر هذا ۔(جمع ص۲۹۶) کہ اس کی (کھجور کی) گرمی اس (تربوز کی) ٹھنڈک کو دور کر دیتی ہے اور اس (تربوز کی) ٹھنڈک اس کی (کھجور کی) گرمی کو دور کر دیتی ہے۔

(۳/ ۱۹۲)حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا اَبِيُ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُوْلُ اَوْ قَالَ حَدَّثَنِيُ حُمَيْدًا قَالَ وَهْبٌ وَكَانَ صَدِيقاً لَهُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ.

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابراہیم بن یعقوب نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے حمید کو یہ کہتے ہوئے سنایا اس نے کہا کہ روایت حمید نے میرے سامنے بیان کی' کہتے ہیں کہ وہب حمید کا دوست تھا۔انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بیان کی۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور کھجورا کھٹے کھاتے ہوئے دیکھا۔

خربوزہ اور کھجور :

یجمع بین الخربز والرطب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ اور تازہ کھجوریں یکجا تناول فرماتے تھے۔دونوں کو ملا کر کھانے میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خربوزہ پھیکا ہو، کھجور سے

اس کے مزے میں مٹھاس اور اعتدال پیدا کر دیا جاتا ہے۔بعض حضرات نے کہا کہ برودت خربوزہ میں بھی من وجہٍ ہوتی ہے۔اگرچہ پائیدار نہ ہو، فان فیہ برودۃ یعدلھا الرطب کہ خربوزہ میں ٹھنڈک ہے اس کو کھجور معتدل بنا دیتی ہے (جمع ص ۲۹۷) لفظِ خربز (بکسرتین) اور خربز (بفتحتین) فارسی سے معرب ہے۔فارسی میں اسے خرپزہ اور خربزہ کہتے ہیں، ای کان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یاکل الخربز ویأتدم بالرطب ۔یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کھاتے اور اس کا ادام کھجور کو بنا لیتے۔(اتحافات ص۲۴۶)

(۱۹۳/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن یحیٰی نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن عبدالعزیز رملی نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن یزید بن صلت نے محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت یزید بن رومان سے انہوں نے عروۃ سے روایت کی۔عروۃ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تر کھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۴۰) محمد بن عبدالعزیزؒ (۴۴۱) عبداللہ بن یزید بن الصلتؒ اور (۴۴۲) یزید بن رومانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

غذا میں اعتدال اوراصلاحِ ضرر کا اہتمام :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل البطیخ بالرطب. اس حدیث کی تشریح وہی ہے، جو اس سے قبل کی حدیث میں عرض کر دی ہے۔شیخ عبدالرؤف، علامہ ابن قیمؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں، وقد علم من ھذا الخبر وما قبلہ من احادیث الباب والذی قبلہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعدل الغذاء ویدبرہ فکان لا یجمع بین حارین ولا باردین ولا لزجین ولا قابضین ولا مسھلین

ولا غليظين ولا بين لبن وسمک ولا بين لبن وحامض ولا بين مستحيلين الى خلط واحد ولا بين مختلفين كقابض ومسهل وسريع الهضم و بطيئه ولا بين شوى وبطيخ ولا بين طرى وقديد ولا بين لبن وبيض ولا بين لحم و لبن ولم يأكل طعاماً قط فى وقت شدة حرارته ولا طبيخا بائتاً يسخن له بالغدو لا شيأ من الاطعمة العفنة والمالحه فان ذلک كله ضار مولد للخروج عن الصحة و كان يصلح ضرر بعض الاغذية ببعض اذا وجد اليه سبيلا ولم يشرب على طعامه لئلا يفسد ذكره ابن القيم. (مناوی ص ۲۹۸)

اس حدیث اوراس باب کی دوسری احادیث جواس سے پہلے گذر چکی ہیں بلکہ اس باب سے پہلے باب کی احادیث سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غذاء کو ہر طرح معتدل بنانے پر توجہ دیا کرتے تھے چنانچہ آپؐ نہ تو دوگرم چیزوں کو اکٹھا کھاتے اور نہ دوٹھنڈی کو اسی طرح نہ دولیسدار چیزوں کو اور نہ ہی دو قابض اور نہ ہی دو مسہل چیزوں کو یکجا استعمال کرتے اور نیز نہ دو گاڑھی چیزوں کے درمیان اجتماع کرتے نہ ہی دودھ اور مچھلی کو اکٹھا کھاتے اور نہ دودھ اور کسی کھٹی اشیاء کو اکٹھے استعمال میں لاتے اور نہ ایسی دو چیزیں جنکی تحلیل اخلاط میں سے کسی ایک خلط کی طرف ہو اور نہ دو مختلف چیزیں کہ ایک قابض اور دوسری مسہل ہو زود ہضم اور دوسری دیر ہضم ہو کو بیک وقت استعمال میں لاتے اور نہ بھنے ہوئے گوشت اور خربوزہ کے درمیان یا تازہ اور باسی کا اجتماع فرماتے اسی طرح دودھ اور انڈے اور گوشت اور دودھ بھی اکٹھے نہ کھاتے آپؐ نے کبھی سخت گرم کھانا نہیں کھایا اور نہ رات کا پکا ہوا دن کو گرم کیا جاتا اور نہ کوئی متعفن اور کھٹی غذائیں استعمال میں لاتے حاصل یہ کہ کھانے کی مذکورہ اشیاء انسانی صحت کے لئے مضر اور نقصان کا باعث بنتے ہیں آپؐ کی یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کو بعض دوسری غذائی اشیاء کو ملا کر اصلاح کر دیا کرتے اگر کوئی ایسا طریقہ ممکن ہوا کرتا نیز کھانے کے بعد فوری پانی نہیں پیا کرتے تاکہ غذا کی خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ ابن قیمؒ نے یہ تفصیل ذکر کی ہے۔

(۱۹۴/۵)حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ

حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَآءُ وْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَفِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُکَ وَخَلِيْلُکَ وَنَبِيُّکَ وَاِنِّیْ عَبْدُکَ وَ نَبِيُّکَ وَاِنَّهٗ دَعَاکَ لِمَكَّةَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ قَالَ ثُمَّ يَدْعُوْ اَصْغَرَ وَلِيْدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِکَ الثَّمَرَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن سہیل بن ابی صالح نے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضورؐ کی خدمت میں لاکر پیش کرتے، تو حضورؐ یہ دعا پڑھتے، اللھم بارک لنا فی ثمارنا وبارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی صاعنا وفی مدنا، اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک و نبیک وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل ما دعاک بہ لمکۃ ومثلہ معہ، (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت نازل فرمادے اور ہمارے مدینہ شہر میں برکت عنایت کردے اور ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرمادے (یہ ماپنے کے پیمانے ہیں) اے اللہ بیشک ابراہیمؑ تیرا بندہ خلیل اور نبی تھا اور میں بھی تیرا ہی بندہ اور نبی ہوں اور بیشک ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے وہی دعا جو اس نے مکہ کے لئے کی تھی اس سے دگنی۔ اس کے بعد جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اس کو مرحمت فرمادیتے۔

پہلا پھل حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا:

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں وضاحت کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے، کان الناس اذا رأوا اول الثمر. الخ' اس کو الباکورۃ کہتے ہیں۔ حضورؐ کے پاس لاتے، اپنے سے حضورؐ کو ترجیح دیتے اپنی

اولاد، خاندان سے بھی آپؐ کو ترجیح دیتے، لانہ اولی الناس بما سیق الیھم من الرزق ۔اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں سے ان ہی کو عطا کردہ رزق کے زیادہ مستحق ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلا پھل قوم کے اکابر علماء اور صلحاء کے پاس لانا مستحب ہے۔

علامہ بیجوریؒ بھی یہی نقل کرتے ہیں:ویؤخذ منہ انہ لیندب الاتیان بالباکورۃ لاکبر القوم علماًوعملاً۔(مواھب ص ۱۴۵)

جب باغ لگتا اور میوہ پکتا تو صحابہ کرامؓ سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرماتے تاکہ آپؐ سب سے پہلے اسے تناول فرما دیں اور اس کے لئے برکت وسعت کی دعا فرما دیں اور اس لئے بھی کہ آپؐ کو اس ثمر جدید سے فرحت وانبساط حاصل ہو۔ فلا شک ان لہ فرحۃ تملاءُ القلب ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ کو قلبی مسرت اور خوشی ہو جایا کرتی۔(اتحافات ص ۲۴۷)

پہلے پھل کی دعا :

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اول پھل دیکھ کر دعا فرماتے، اللھم بارک لنا فی ثمارنا ...... الخ ۔برکت سے مراد آفات وبلیات اور نقصان ومضرت سے حفاظت اور اثمار میں اضافہ اور زیادتی اور مخلوق کا ان سے ظاہری وباطنی منفعت اٹھانا مقصود ہے۔

مدینہ منورہ کے لئے دعا :

وبارک لنا فی مدینتنا یعنی اس کے رہنے والوں کو رزق میں وسعت عطا فرما، ان کی دشمنوں سے حفاظت فرما، بکثرۃ الارزاق فیھا و باقامۃ الشعائر الاسلام فیھا کہ اس میں لوگوں کے رزق میں فراوانی اور اسلامی شعائر کے قیام کی توفیق ارزانی ہو۔(مواھب ص ۱۴۵) اس لئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے سکانِ مدینہ کا اجر دوگنا کر دیا ہے و فتح علیھم کنوز کسری و قیصر وخاقان مما لا یحصی اور فتوحات اسلامیہ میں انکو قیصر وکسریٰ اور خاقان کے بیشمار خزانے ہاتھ آئے۔(اتحافات ص ۲۴۷) اور ایمان بھی ہمیشہ مدینہ منورہ میں اپنی تمام کیفیات اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ

موجود ہوتا ہے۔ والایمان دائما یارز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا (اور ہمیشہ ایمان سمٹ کر مدینہ شریف کی طرف آئیگا جیسے گھوم پھر کر سانپ بھی اپنی غار کی طرف آتا ہے) ہر سال ہر وقت زائرین کے وفود مدینہ منورہ میں بارگاہ نبوی میں زیارت اور صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ وفی ذلک تکثیر للخیر ونشر للبر اوراس میں خیر وبھلائی کی کثرت اور نیکی کا پھیلاؤ اور پہنچانا ہوتا ہے۔ (اتحافات ص ۲۴۷)

صاع اور مد میں برکت کا معنیٰ :

وبارک لنا فی صاعنا وملنا : مد کی جمع مداد، اَمداد اور مِداد آتی ہے۔ صاع بالاتفاق چار مد کا ہوتا ہے لیکن مد میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مد دو (۲) رطل کا ہوتا ہے۔ شوافع حضراتؒ کے ہاں مد ایک رطل اور ثلثِ رطل کا ہوتا ہے۔ صاع اور مد کے لئے دعا کرنا، دراصل فصل ہی میں خیر وبرکت کی دعا کرنا ہے کہ یہ اسی زمانے میں جنس کو ناپنے کے پیمانے تھے، یعنی جب ہم ان پیمانوں کے ساتھ نئی پیدا ہونیوالی فصل کو ناپیں، تو یہ فصل زیادہ سے زیادہ نافع ثابت ہو، والمراد بالبرکة فی الصاع والمد، البرکة فی الشئی الذی یکال بھما. (صاع اور مد میں برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز ان سے ناپی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرمادے)۔ (اتحافات ص ۲۷۸)

اللھم ان ابراھیم ......الخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تیسرا حصہ اپنے شہر مدینہ منورہ کے لئے خصوصیت اور اہتمام سے اس میں خیر وبرکت کی طلب ہے۔ دعا کے آغاز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر خیر سے غرض اپنے باپ ابراہیم کی عبودیت اور نبوت اور خلیل ہونے کو اپنی دعا کی قبولیت کیلئے وسیلہ بنانا تھا۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ : والغرض من ذلک التوسل فی قبول دعائه بعبودیة ابیه ابراھیم وخلته و نبوته . (مواھب ص ۱۴۵) الخلة: وھی المحبة التی تمکنت فی القلب وملأت خلاله ایسی محبت جو دل کی گہرائی سے ہو۔ (اتحافات ص ۲۴۷)

مقام خلت ومحبت :

انی عبدک ونبیک ، اپنے کو خلیل نہ کہا، حالانکہ آپؐ بھی خلت سے سرفراز تھے، اس لئے

کہ آپؐ مقام محبت سے نوازے گئے تھے، جو مقام خلت سے ارفع ہے یا اپنے جدامجد کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار ہے جیسے اسی بات کو علامہ بیجوریؒ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لانہ خص بمقام المحبة الأرفع من مقام الخلة او ادبا مع ابیه الخلیل فلاینا فی انه خلیل ایضاً. (مواھب ص ۱۴۵) عبدیت کو رسالت پر مقدم کیا، لانها اصل الرسالة کہ یہ عبدیت رسالت کی بنیاد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا :

وانه دعا لمکة ،(اس نے دعا کی تھی مکہ شریف کیلئے) اور وہ دعا یہ تھی جو سورۂ ابراہیم میں مذکور ہے، جب انہوں نے اپنے نومولود فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو سرزمین عرب میں اللہ کے بھروسے پر تن تنہا چھوڑ دیا، تو بارگاہ ربوبیت میں یہ دعا کی، رَبَّنَا اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھۡوِیۡۤ اِلَیۡھِمۡ وَارۡزُقۡھُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۔اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے اے پروردگار تاکہ وہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ انکی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل سے وہاں ایک قوم آباد ہوئی، پھر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، پھر لوگوں کی عبادت کا مرکز بنا، لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ دنیا بھر کا بہترین پھل وہاں موجود اور دنیا کی ہر ضرورت کی چیز وہاں دستیاب ہے۔

مدینہ منورہ کے حق میں دعا کی قبولیت :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مقصد یہی تھا کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کو بھی یہی خیر وبرکت، مرکزیت، محبوبیت اور اس سے دوچند برکات وثمرات عطا ہوں، آج وہ دعا قبول ہوئی مدینہ منورہ میں بھی ہر چیز دستیاب ہے، دنیا کا ہر پھل، ہر نعمت میسر ہے بلکہ مکہ مکرمہ سے سستی بھی ہے۔

ومثله معه ای ادعوک بضعف ما دعاک له ابراهیم لمکة و قد استجیبت دعوة

الخلیل لمکة و الحبیب لمدینة فصار یجنی الیھما من مشارق الارض ومغاربھا ثمرات کل شئی (مواھب ص ۱۴۵) (یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کے دوگنا کی دعا کرتا ہوں جو دعا ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے کی تھی۔ تحقیق قبول ہوئی ابراہیمؑ کی دعا مکہ کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف کے لئے آج اس وقت ہر دونوں (مکہ اور مدینہ شریف) کو زمین کے گوشہ گوشہ اور مشرق و مغرب کے سب ممالک سے ہر قسم کے میوہ جات وافر طور پر آتے رہتے ہیں)

دنیا میں سب سے بہترین جگہ مکہ اور مدینہ ہیں :

اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کی جگہ (روضۂ اقدس) کے علاوہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ و مدینہ افضل ہیں۔ علامہ بیجوریؒ نے تنبیہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے: قد انعقد الاجماع علی ان مکة والمدینة افضل البقاع....والخلاف (فیما بینھما) غیر البقعة الشریفة والا فھو افضل من السموات والارض جمیعا . (اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ اور مدینہ افضل ہیں اور پھر ان دونوں کے درمیان افضلیت کا اختلاف روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ میں ہے ورنہ یہ بقعہ مبارکہ تو آسمان وزمین اور سب کائنات سے افضل ہے)۔(مواھب ص ۱۴۵)

چھوٹے بچوں پر شفقت :

ثم یدعو اصغر ولید......الخ ،دعا سے فراغت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیتِ مکرم کے کم عمر اور صحابہ کرامؓ کے کم عمر بچوں کو بلا کر اس پھل سے ان کو عنایت فرماتے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: کان اذا اتی النبی صلی الله علیه وسلم بباکورة الثمر وضعھا علی عینیه ثم علی شفتیه وقال اللھم کما اریتنا اوله فارنا آخره ثم یعطیه من یکون عنده من الصبیان. (اتحافات ص ۲۴۸) (کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اس کو پہلے اپنی آنکھوں مبارک پر اور پھر ہونٹوں پر رکھ لیا کرتے اور یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ جیسے کہ اسکا شروع نیا پھل دکھایا ہے تو ہمیں اسکا آخر بھی دکھلا دیں) پھر جو چھوٹے بچے آپؐ کے پاس ہوتے انہیں دے دیا

کرتے۔ نئے پھلوں میں بچوں کو ترجیح دینا اس لئے بھی تھا کہ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، بلکہ اس کے پکنے، اترنے اور اتارنے کے لئے منتظر رہتے ہیں، او لتکون هناک مناسبة بين الباكورة في الرطب والصغار فهم اقرب العهد بالخلق والايجاد (اور یا اس لئے کہ نئے پھل (کھجور وغیرہ) اور چھوٹے بچوں میں ایک قسم کی مناسبت بھی ہے۔ کہ ان کے خلق وایجاد کا زمانہ قریب قریب ہے)۔ (اتحافات ص ۲۴۸) وفيه بيان حسن عشرته وكمال شفقته ومرحمته وملاطفته مع الكبير والصغير وتنزيل كل احد في مقامه ومرتبته للائقة به . (جمع ص ۳۰۰) اور آپؐ کے اس معاملہ میں اچھے برتاؤ کمال شفقت ومہربانی ونرم دلی ہر چھوٹے اور بڑے کیساتھ نیز ہر ایک کو اس کے مرتبہ میں رکھنا جس کا وہ لائق ہے کا بیان واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے)۔

ولید مفرد ہے جمع کے معنیٰ میں ہے، بچوں میں پھل تقسیم کرنے کے عمل میں ترحم على الصغار ہے دوسرا یہ کہ آپؐ خود تناول نہ فرماتے تھے، کیونکہ ایسے پھل جب عام لوگوں کو میسر نہ ہوں اور وہ نہ کھا سکیں، تو آپؐ بھی کھانا پسند نہیں فرماتے تھے، جب فراوانی ہو جاتی اور پھل ہر ایک کو دستیاب ہوتا، تب آپؐ بھی پسند فرماتے تھے۔

والنفوس الذكية لا تتشوق الى تناول شيء من انواع الباكورة الابعد عموم الوجود ، فيقدر كل احد على تحصيله . (نیک اور پاکباز لوگ نئے پھل کے انواع تناول میں ابتداءً ہرگز شوق نہیں رکھا کرتے البتہ جب عام طور پر کثرت سے موجود ہو اور ہر ایک اس کے حاصل کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو پھر ان میں سے تناول کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے) (اتحافات ص ۲۴۸)

(۱۹۵/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ بَعَثَنِيْ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ اَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ فَاَتَيْتُهُ بِهٖ وَعِنْدَهُ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَمَلَاَ يَدَهُ مِنْهَا فَاَعْطَانِيْهِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا ابراہیم بن مختار نے، انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کی وساطت سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے حاصل کی۔ ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراءؓ نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی مرغوب تھی۔ میں جس وقت ککڑیاں لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور والاؐ کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔

راویان حدیث (۴۴۳) ابراھیم بن المختارؒ (۴۴۴) ابوعبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسرؒ اور (۴۴۵) الربیّع بنت معوذ الانصاریۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قالت بعثنی ..... الخ ، قصہ تو سارا ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ معاذ بن عفراء! هو عمها و هو المشارک لاخیه فی قتل ابی جهل ببدر، وحز رأسه وهو مجروح مطروح (اتحافات ص ۲۴۹) (یہ معاذ بن عفراء حضرت معوذ بن عفراء کا چچا تھا اور یہی اپنے بھائی کے ساتھ ابوجہل کے قتل میں شریک تھا اور ابوجہل کا سر جدا کیا اور وہ زخمی شدہ زمین پر گرا ہوا تھا) القناع: مراد طبق ہے، یهدی علیه (جو آپؐ کو ہدیہ میں پیش کیا گیا) (مواھب ص ۱۴۶) الطبق الذی یؤکل فیه. (طبق وہ برتن جس میں کھانا کھایا جاتا ہے) (اتحافات ص ۲۴۹) اجرِ ، اصل میں اجرو تھا، افلس کے وزن پر ہے ''واو'' کو ''ی'' سے بدل دیا گیا، لو قوعها رابعة ضمہ کو ی کی مناسبت سے کسرہ سے بدل دیا گیا، پھر اس میں قاضٍ کا اعلال جاری ہوا اس کا مفرد ''جرو'' ہے، وهو الصغیر من کل شی ء حیوانا کان اوغیره (مواھب ص ۱۴۶) جرو کا معنی ہر چیز میں سے چھوٹا چاہئے حیوان ہو یا غیر حیوان۔ غیر عام ہے اناء ہو یا خربوزہ یا ککڑی، مراد چھوٹا پھل ہے۔

زغب : ازغب کی جمع ہے جو الزغب سے ہے، وهو صغار الریش اول طلوعه وشبه

بہ القثاء الصغیر یعنی روئیں جو چوزے کے بدن میں شروع میں نکلتی ہیں، الزغب پرندوں کے بچوں کے لئے بولا جاتا ہے، جب نوزائیدہ بچے کے جسم پر ابھی پورے بال نہ اُگے ہوں، بلکہ روئیں روئیں سے ہوں۔ اسی طرح ککڑی کے لئے بول کر اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی بالکل ککڑی کے پکنے کا آغاز تھا۔ وہ نہایت ہی نرم و نازک تھی اور اس پر ابھی بالکل روئی روئی سی آئی ہوئی تھی۔

ککڑی اور کھجور کے تحفہ پر حضورؐ کا معاملہ :

وکان ...الخ ' یہ تو پہلی روایات میں آچکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی مع رطب کے محبوب تھی، وعندہ حلیة....الخ ، ای لباس یتزین بہ ایسا لباس جس سے زینت اور خوبصورتی کی جائے۔ (اتحافات ص ۲۴۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے، ای من خراج البحرین وھو اقلیم بین البصرة و عمان یعنی بحرین کے خراج میں وصول ہوئے تھے بحرین بصرہ اور عمان کے درمیان ایک ملک ہے۔ (مواھب ص ۱۴۶) فملأ یدہ ، ای احدیٰ یدیہ لا کلتا یدیہ (مواھب ص ۱۴۶) فاعطانیہ راویہ کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بھر کر مجھے زیورات دیئے۔ لعظیم سخائہ صلی اللہ علیہ و سلم و فیہ کمال المناسبة فان الانثیٰ یلیق بھا الحلیة۔ (مواھب ص ۱۴۶) سخاوت میں ایک عظیم شخصیت ہونے کی بنا پر اور اس میں کمال مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا گیا کیونکہ عورتوں کیساتھ زیورات زیادہ لائق اور مناسب ہوتے ہیں۔
(ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وفیہ دلیل کمال کرمہ و مروّتہ (اور اس میں آپ ﷺ کے کمالِ مروّت اور انتہائی سخی ہونے کی بھی دلیل ہے) (جمع ص ۳۰۲) شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، فیہ عظیم سخائہ، اس میں آپؐ کی کثرتِ سخاوت وجود معلوم ہوتی ہے۔ (اتحافات ص ۲۴۹)

ککڑی اور کھجور ملا کر کھانے میں فربہی کا فائدہ :

ککڑی کھجور کیساتھ ملا کر کھانے میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اس سے بدن فربہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو، تاکہ اُٹھان کچھ ہو جائے تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی، جس سے میرے بدن

میں اچھی فربہی آ گئی۔ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی نمک کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ کبھی نمک کے ساتھ فرماتے ہوں، کبھی کھجور کے ساتھ، کہ رغبت کسی وقت میٹھے کی ہوتی ہے، کسی وقت نمکین کی۔ (خصائل)

(۱۹۶/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِيْ مِلْأَ كَفِّهٖ حُلِيًّا اَوْقَالَتْ ذَهَبًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شریک نے خبر دی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن محمد بن عقیل نے دی۔وہ اسے ربیع بنت معوذؓ بن عفراء سے روایت کرتے ہیں۔حضرت ربیعؓ کہتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کو لے کر گئی، تو حضورؐ نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونا یا زیور مرحمت فرمایا۔

راوی کو تردد :

قالت اتیت .... الخ' یہ روایت بھی گذشتہ روایت کے ہم معنیٰ ہے اور ربیع بنت معوذ سے ہے، البتہ اس کی نچلی سند میں کچھ اختلاف ہے۔راوی عبداللہ کو تردد ہے کہ حضرت ربیع نے واقعہ بیان کرتے ہوئے ،فاعطانی ملأ کفه حلیًا کہا تھا یا ذهباً کہا تھا۔بہرحال مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اسی وقت بطور اکرام وانعام کے سونے یا اس سے بنائے ہوئے زیور سے اسے ہاتھ بھر کر نوازا تھا۔

خلاصۂ باب :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ خلاصۂ باب میں بیان فرماتے ہیں ،وفی الباب سبعة احادیث و منها نعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبرز فی كل ما يأكل وما يختار و انه كان يكافئي على

الهدایا باعظم منها ویعطی عطاء من لا یخشی الفقر ابدا . اوراس باب میں سات حدیثیں ہیں اوران سے یہی معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے وغیرہ بلکہ ہر پسندیدہ اشیاء کے دینے میں دوسروں سے فوقیت لے جاتے تھےاور آپ ؐ کسی شخص کے تحائف دینے پراس کا بدلہ کہیں اس سے بڑا عنایت فرمادیتے بلکہ آپ ؐ کے عطایا تو اتنے زیادہ ہوا کرتے اور ایسے شخص کی مانند خرچ کیا کرتے جسکو کبھی فقر وفاقہ کا خوف اور فکر نہ ہو۔(اتحافات ص ۲۵)

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ شَرَابِ رَسُوْلِ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے اشیاء کے بیان میں

شراب : پی جانے والی چیز کو کہتے ہیں، مایشرب والمصدر من شرب اور شراب کا لفظ شرب یشرب کے باب کا مصدر ہے۔(اتحافات ص ۲۵۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں نوشِ جان فرمایا کرتے تھے۔اس باب میں آپؐ کے مشروبات ، پانی، دودھ، شہد، نبیذ وغیرہ کے پینے کا بیان ہے۔اس سے مراد وہ شراب نہیں، جو قطعاً حرام ہے، جسے قرآن میں ''الخمر'' کہا گیا ہے بلکہ شراب سے مراد آپؐ کے پاکیزہ مشروبات ہیں کہ آپؐ نے اپنی مبارک زندگی میں کون کونسے مشروبات استعمال فرمائے۔

نیز پینے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ دائیں سے شروع کیا جائے اور اگر بائیں جانب اکابر ہوں اور دائیں میں اصاغر ہوں، تو پھر اصاغر پر اکابر کا ادب واحترام، ترجیح واکرام ضروری ہے۔انہیں اپنے بزرگوں کو ترجیح دینی چاہیے۔

(۱۹۷/۱)حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت معمر سے زہری کے واسطہ سے روایت کی انہوں نے یہ روایت عروۃ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی سب چیزوں میں

میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا :

کان احب الشراب الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الحلو البارد ،عرب کی پتھریلی اور ریگستانی زمین بالخصوص مدینہ منورہ میں اکثر کنویں کھاری تھے۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی کہیں کہیں بلکہ کم دستیاب ہوتا تھا۔ بعض اوقات میٹھا پانی بھی دور دراز مقامات سے لایا جاتا تھا۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں کھجور بھگو کر نوش جان فرمایا کرتے تھے۔ شہد کا شربت جو میٹھا اور خوب ٹھنڈا ہوتا نوشِ جان فرماتے۔ آپؐ کی بارگاہ میں کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جو میسر ہوتا کھا لیا کرتے تھے، مگر ٹھنڈے پانی کا اہتمام ہوتا تھا۔ مقام ''سقیا'' جو مدینہ منورہ سے کافی مسافت پر ہے، وہاں سے آپؐ کے لئے پینے کا پانی لایا جاتا تھا کیونکہ وہاں کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا ہوتا تھا۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، المراد بالماء الحلو: العذب ، أو المنقوح فيه تمر أو زبيب أو الممزوج بالعسل. (اتحافات ص۲۵۱) (الماء الحلو سے مراد خوشگوار میٹھا پانی وہ پانی جس میں کھجور یا کشمش ڈال دی گئی ہو اور یا شہد کے ساتھ ملایا ہوا پانی)

ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے برکات :

ابن القیمؒ فرماتے ہیں، جب پانی میں وصفین مذکورین یعنی الحلاوة والبرودة (مٹھاس اور ٹھنڈک) جمع ہو جائیں تو یہ حفظِ صحت کی ضمانت ہے۔ حرارت کی رافع ہیں، و حفظ على البدن رطوباته الاصلية اور بدن کی رطوباتِ اصلیہ (یعنی نرم و نازک ہونے کی کیفیت) کی حفاظت کرتا ہے (اتحافات ص۲۵۱) جبکہ نمکین پانی اس کی ضد ہے۔ اس لئے بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرامؓ کے گھروں سے میٹھا پانی طلب کیا جاتا تھا۔ شیخ ابو الحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں، واذا شربت الحلو البارد احمد ربی من وسط قلبی، ای من الاعماق . (اور جب میں میٹھا اور ٹھنڈا پانی پی لیتا ہوں تو پھر دل کی گہرائی سے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتا ہوں)۔ (اتحافات ص۲۵۲) حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت تھانویؒ سے فرمایا کرتے ،اشرف علی! ٹھنڈا پانی پیو، ٹھنڈا پانی، کہ زبان

کے ساتھ دل بھی کہے، الحمدللہ۔

(۲/۱۹۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ فَجَاءَتْنَا بِاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَخَالِدٌ عَنْ شِمَالِهٖ فَقَالَ لِيْ اَلشُّرْبَةُ لَكَ فَاِنْ شِئْتَ اٰثَرْتَ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ عَلٰى سُؤْرِكَ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرَ اللَّبَنِ.

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰكَذَا رَوٰى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُبَارَكٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَهٰكَذَا رَوٰى يُوْنُسُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى اِنَّمَا اَسْنَدَهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ وَمَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَخَالَةُ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ فَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ حَرْمَلَةَ وَرَوٰى شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْمَلَةَ وَالصَّحِيْحُ عَنْ عُمَرَ ابْنِ اَبِيْ حَرْمَلَةَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر علی بن زید نے عمر کے واسطہ سے

دی جو کہ ابن ابی حرملہ ہیں۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولید دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المؤمنین حضرت میمونہؓ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن الولید بائیں جانب۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے، تو خالد کو ترجیح دیدے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے جھوٹے (پس خوردہ) پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْہُ (اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر چیز عطا فرما) اور جب کسی کو حق تعالیٰ شانہٗ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ (اے اللہ اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے بعد اُس سے بہتر کی دعا اور دودھ کے بعد اسمیں زیادتی کی دعا اس لئے تعلیم فرمائی کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

راویان حدیث (۴۴۶) علی بن زیدؒ اور (۴۴۷) عمرھو ابن ابی حرملۃؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

تشریح حدیث :

قال دخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم.....الخ' تفصیلی قصہ تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے۔ ذیل میں متن حدیث کی تشریح لکھی جارہی ہے۔ دخلت کے بعد انا کی ضمیر، ضمیر تاکید ہے۔ 'تصحیحاً للعطف' عطف کو صحیح کرنے کے لئے (کیونکہ قانون نحوی کی رو سے جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی چیز کا عطف کیا جائے تو تاکید منفصل کیساتھ لانی ضروری ہے) حضرت میمونہؓ سے مراد ام المؤمنینؓ ہیں۔ ان کا نام برۃ تھا۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا۔ آپؐ

نے ان کے ساتھ ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکۃ المکرّمہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں نکاح کیا اور ان کی وفات بھی ہجرت کے ۲۴ویں سال ۵۱ویں یا ۶۱ویں سال میں ہوئی۔ یہیں پر ان کا مرقد بنا۔ یہ آپ ﷺ کی سب سے آخری زوجہ ہیں۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پڑھائی یہ عباس کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں۔ باناء من لبن ، الخ، ای باناء مملوء من لبن (یعنی ایسا برتن جو دودھ سے بھرا ہوا تھا) و انا علٰی یمینه و خالد عن شماله ! انا کے بعد لفظ علی اور خالد کے بعد لفظ عن سے تعبیر جبکہ دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔ للتفنن فیهما اذهما بمعنی وهو مجرد الحضور (صرف عبارت میں تفنن اور تنوع پیدا کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی محض انکا وہاں موجود ہونا)۔ (جمع ص ۳۰۳)

تقدیم الایمن مستحب ہے :

الشربة لک ، یعنی میرے بعد دودھ پینے کی باری تمہاری ہے، اگر چاہو تو خالد کو اپنے اوپر ترجیح دے سکتے ہو، لانک صاحب الیمین وقد ورد الایمن فالا یمن . (اس لئے کہ آپ دائیں جانب والے ہوں اور الایمن فالا یمن کا حکم بھی وارد ہوا ہے) اس سے یہی مستفاد ہوا تقدیم الایمن ندبا ولو صغیراً مفضولاً و لذا قال فان شئت اثرت بها خالداً ۔ (کہ دائیں طرف والے کو مقدم رکھنا اگر چہ وہ چھوٹا اور مفضول بھی ہو مستحب ہے اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دیدے) کہ اکبر وافضل کا لحاظ اور مراعات بھی ضروری ہے، پھر اختیار و مشیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو دیدی۔ مقصود ان کی تطییبِ خاطر تھی اور اس امر پر تنبیہ مقصود تھی کہ ان کے لئے ایثار اور اکبر وافضل کو ترجیح دینا اولیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس کی محبت وعشق رسول ﷺ :

فقلت ...... الخ ' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، میں نے کہا حضور! میں تو آپ کے بچے ہوئے دودھ پر کسی کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ پر آپ کے پس خوردہ کی اہمیت اور اس کا شغف و محبت غالب ہوا، جو آپ ﷺ کے ساتھ غایت تعلقِ خاطر اور غایتِ عشق ومحبت کا ثمرہ تھا۔

قربات میں ایثار کا مسئلہ :

یہاں پر ایک اہم مسئلہ یہ بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ قربانی میں ایثار جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔شوافع حضراتؒ کہتے ہیں کہ قربات میں اپنے اوپر دوسرے کو ہرگز ترجیح نہیں دینی چاہیے۔حدیث باب بظاہر شوافع کا مستدل ہے،لیکن احنافؒ کہتے ہیں کہ جب قربات نافلہ ہوں تو ایثار؛ بلا کراہت جائز ہے۔احنافؒ کا مستدل بھی یہی حدیث ہے کیونکہ اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپؐ ان شئت آثرت بھا خالداً،(کہ آپ خوشی سے چاہیں تو خالد کو ترجیح دیدیں) ارشاد نہ فرماتے ،تو اس سے ثابت ہوا کہ قربات نافلہ میں ایثار بلا کراہت جائز ہے۔علماء کہتے ہیں کہ جہاں عبادتِ محضہ ہو یا جہتِ عبادت راجح ہو وہاں ایثار مکروہ ہے، جہاں عبادت مرجوح ہو وہاں ایثار جائز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار اور ابن عباسؓ کے جواب پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم اصرار سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا حق خوشی خاطر سے دے تو دے سکتا ہے۔مگر اس کو ایثار و ترجیح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔جنگِ احد میں باپ اور بیٹے دونوں کا جذبہ تھا کہ وہ دونوں جہاد میں شریک ہوں،قرعہ اندازی ہوئی تو نام بیٹے کا نکلا۔باپ نے خواہش ظاہر کی بیٹا اگر تم چاہو تو اپنے اوپر مجھے ترجیح دے کر جہاد میں بھیج سکتے ہو،مگر بیٹے نے کہا: یا ابت لا یؤثر بالجنة احد احداً أبدا (اے میرے پیارے والد جنت ملنے میں کوئی بھی کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا)۔(مواھب ص ۱۴۸)

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو اپنے قرعہ اور ارادے پر قائم رکھتے ہوئے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔

ایک فائدہ :

الشیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ،ویؤخذ من ھذا الحدیث ان من سبق الی مجلس عالم او کبیر وجلس بمحل عالٍ لا ینقل منه لمجئی من ھو افضل منه فیجلس ذلک الجائی حیث ینتھی به المجلس ولو دون مجلس من ھو دونه (مواھب ص ۱۴۹)(اس حدیث سے یہ معلوم کیا جا

سکتا ہے کہ جو شخص کسی عالم یا بزرگ کی مجلس کو سبقت کرتے ہو پہلے پہنچ کر اونچے اور معزز مقام پر بیٹھ گیا تو کسی ایسے شخص کے آجانے سے جو اس سے افضل بھی ہے اسکو وہاں سے اٹھایا نہیں جائیگا اور چاہئے کہ وہ بعد میں آنے والا مجلس کے آخر میں کہیں بیٹھ جائے اگرچہ اسکی یہ نشست کا مقام اس سے کم مرتبہ والے شخص کی نشست سے نیچے اور کمزور کیوں نہ ہو)۔

جب مطعومات مل جائیں تو یہ دعا پڑھیں :

ثم قال رسول الله علیه وسلم ، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو اللہ پاک کوئی چیز کھلائیں، تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ ۔ (اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت نازل فرمایئے اور ہمیں اس سے بھی اچھا کھلایئے) دعا میں لفظ ''خیر'' استعمال ہوا ہے جبکہ افضل اور احسن وغیرہ صیغوں میں نفس فعل میں اشتراک ہوتا ہے جبکہ لفظ ''خیر'' عام ہے کہ نفسِ فعل میں بھی اشتراک نہیں ہوتا اور پھر اسی کی خیریت کے مراتب کی تحدید بھی نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ ''خیر'' جامع اور حاوی ہوا اس جگہ بھی خیریت ظاہر و خیریت باطن سب مراد ہیں۔

جب دودھ ملے :

اور کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عنایت فرماویں، تو یہ دعا پڑھنی چاہیے، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ ' یہاں دودھ کی دعا میں اس سے بہتر کے بجائے زِدْنَا مِنْهُ یعنی اس کے اضافے کی دعا کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ دودھ میں تو خیر ہی خیر ہے۔ اس سے بہتر کوئی چیز ہے ہی نہیں کیونکہ دودھ میں کھانے اور پینے کے تمام ضروری اجزاء پائے جاتے ہیں ۔ وکان اللبن طعاماً وشرابا لعظیم فائدته وقدایدالطب الحدیث ماذکره رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ دودھ سے بہتر خورد ونوش کی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے بہتر کے حصول کے بجائے اسی میں اضافہ کی دعا تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ حکیم اور ڈاکٹر سب یہی کہتے ہیں کہ دودھ میں ہر قسم کے روغنیات ، چربی، نشاستہ ، پروٹین، نمکیات، معدنیات پائے جاتے ہیں، جو انسانی جسم کی نشو ونما کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اجزاء اس طرح یکجا کسی بھی دوسرے غذا میں نہیں پائے جاتے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو سال تک بچہ صرف

دودھ پر گذارہ کرتا ہے۔

قال ابو عیسیٰ......الخ ' امام ترمذیؒ اس سے سند کی غرابت کیطرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور غرابتِ سند' صحت اور حسن کے منافی نہیں ہے۔

==================================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ شُرْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے طریقِ کار کے بیان میں

تمہید و تلخیص :

شرب کا لغوی، لفظی اور حقیقی معنی "المص" ہے۔ان الشرب وھو مصدر بمعنی التشرب وھو المراد ھنا (مواھب ص ۱۵۰) بیشک شُرب مصدر بمعنی تشرب (تفعل) کے ہے اور یہاں یہی مراد ہے) البتہ علامہ بیجوریؒ سابقہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ شرب، شین کے تینوں حرکات کے ساتھ مصدر ہے۔ ہاں بفتح الشین مصدر قیاسی ہے اور باقی دونوں صورتوں میں مصدر سماعی ہے۔ (مواھب ص ۱۴۷) امام ترمذیؒ نے اس باب میں دس احادیث درج فرمائی ہیں، جن سے آپؐ کے مشروبات کے استعمال یعنی پینے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ آپؐ نے بیٹھ کر بھی پانی نوش فرمایا۔ بعض حالات میں کھڑے ہو کر بھی پیا، دو سانس میں پیا اور تین سانس میں بھی نوش فرمایا۔ نیز اس باب میں بعض صحابیات کی محبت و عشق رسول کی والہانہ کیفیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت کبشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ نے تبرکاً و ادباً جس مقام پر آپؐ نے (مشکیزہ کے) منہ لگا کر پانی پیا تھا۔ وہ انہوں نے کتر کر رکھ لیا، تا کہ کسی اور کا منہ اس جگہ نہ لگے۔

(۱۹۹/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا عَاصِمُ نِ الْاَحْوَلُ وَمُغِيْرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ : ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

ھشیم نے بیان کیا۔ان کو اس حدیث کی خبر عاصم احول اور مغیرۃ نے شعبی کے واسطہ سے دی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔

بیٹھ کر کھانا پینا مسنون ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرب زمزم وھو قائم ۔زمزم:اس کنویں کو کہتے ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کے مقام پر معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہوا، وھی بئر معروفة بمکة سمیت بذالک لان ھاجرة قالت لھا عند کثرة مائھا زمی زمی (مواھب ص ۱۵۱) (یہ مکہ شریف میں ایک مشہور کنواں ہے اس کو زمزم اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا پانی بہت ہوا تو حضرت ہاجرۃؓ نے فرمایا کہ زمی، زمی) عام اور معمول کے حالات میں کھانا پینا بیٹھ کر مسنون ہے۔کھڑے ہو کر کھانا خلاف سنت اور خلاف ادب ہے۔

بعض استثنائی حالات :

تاہم بوجہ عذرِ شرعی کے کھڑے ہو کر ممنوع نہیں بلکہ اجازت ہے۔البتہ بعض قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔آپؐ کے عمل میں واضح ہے کہ آبِ زم زم کھڑے ہو کر قبلہ رو پیٹ بھر کر پینا سنت ہے۔بعض حضرات نے زمزم کے پانی کو بھی کھڑے ہو کر پینے کے ذیل میں لاکر اس کی بھی ممانعت کر دی ہے۔جس طرح کہ عام پانی کے بارے میں نہی وارد ہے۔لا یشربن احدکم قائما من نسی فلیستقی ضرور بضرورتم میں سے کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جس نے بھول کر پیا وہ قئی کر دے۔(مسلم) حدیث میں فلیستقی کا امر استحباب پر محمول ہے،فان الامر اذا تعذر حمله علی الوجوب حمل علی الاستحباب (اس لئے کہ جب امر کو وجوب پر حمل کرنا مشکل ہو جائے تو پھر استحباب پر حمل کیا جائیگا)۔(جمع ص ۳۰۸) اوران لوگوں نے آپؐ کے زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کی توجیہ کی ہے کہ یہ بوجہ ازدحام کے عذر پر مبنی تھا یا بیان جواز کے لئے ہے،مگر علماء کرام کا مشہور قول ہے کہ زمزم اسی نہی میں داخل نہیں۔اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

آبِ زمزم پیتے وقت یہ دعا مسنون ہے، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور فراخی رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں) اسی طرح وضو کے بعد جو پانی برتن میں بچ جائے، اس سے کھڑے ہوکر قبلہ رو ہوکر دو تین گھونٹ پینا مستحب ہے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مشکیزہ اونچی جگہ لٹکا ہوا تھا اور گلاس نہیں تھا، تو آپؐ نے مشکیزہ کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی نوش جان فرمایا۔ ایسی استثنائی صورت میں کھڑا ہوکر پانی پینا جائز ہے۔

روایات میں تطبیق :

شارحینِ حدیث دونوں قسم کی روایات کھڑے ہوکر پینے سے نہی اور کھڑے ہوکر پینے کے ثبوت کی صورت میں تعارض سے جواب میں کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینے سے نہی، نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں اور بیٹھ کر پینے کا امر استحبابی ہے، وجوبی نہیں اور کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لئے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **والتوفیق بینهما ان النهی محمول علی التنزیه وشربه قائما لبیان الجواز.** (جمع ص ۳۰۷)

نوٹ: یہ تطبیق کی ضرورت شاید مطلق پانی پینے کے متعلق ہو حالانکہ یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر پینا زمزم کے متعلق ہے، جس کو اکثر حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھڑے ہوکر پینا مستحب گردانتے ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: **ویمکن ان یکون القیام مختصا بماء زمزم وبفضل ماء الوضوء علی ما وقع فی صحیح البخاری عن علی کرم اللّٰه وجهه انه شرب قائما وقال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل کما رأیتمونی ونکتة التخصیص فی ماء زمزم هی الاشارة الی استحباب التضلع من مائه فی فضل الوضوء هی الایماء الی وصول برکته الی جمیع الاعضاء ......الخ.** (جمع ص ۳۰۷) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑے ہوکر پینا ماءِ زمزم اور وضوء سے بچے ہوئے پانی کیساتھ خاص ہو جیسے کہ صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے کھڑے ہوکر پانی پیا اور پھر کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتا

ہوا دیکھا جیسے کہ تم لوگوں نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا اور کھڑے ہو کر پینے کا نکتہ زمزم کے پانی میں تو یہ ہے کہ اس سے خوب سیر ہو کر پینا مستحب ہے (اور پوری سیرابی کی صورت کھڑے ہونے میں ہے) اور وضوء کے بقایا پانی کو کھڑے ہو کر پینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وضوء کی برکت سارے اعضاء تک پہنچ جائے)

کھڑے ہو کر پینے کے نقصانات:

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ، علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں، وللشرب قائماً آفات منها انه لا يحصل به الريّ الدائم (اتحافات ص۲۵۶) ولا يستقر في المعدة حتى يقسمه الكبد على الاعضاء ويلاقي المعدة فربما يردحرار تها ويسرع النفوذ الى السافل البدن بغير تدريج فيضر ضررا بينا (مناوی ص ۳۰۸) اور کھڑے ہو کر پینے میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس میں دائمی خوشگوار سیرابی نہیں ہوتی نیز ایسی صورت میں وہ معدہ میں قرار نہیں پکڑتا ہے تاکہ جگر اس کو دوسرے اعضاء کی طرف منتقل اور تقسیم کرتے اور وہ پانی صرف معدہ تک ہی پہنچا ہے تو بعض اوقات معدہ کی حرارت اس کو دفع کرتی ہے تو وہ نچلے بدن میں جلدی سرایت کرتا ہے نہ کہ بتدریج جس سے بدن کو واضح نقصان پہنچ جاتا ہے۔

(۲/ ۲۰۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرِبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسین معلم سے روایت کی۔ انہوں نے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کی وساطت سے حاصل کی۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔

راویان حدیث (۴۴۸) الحسین المعلم ؒ (۴۴۹) عمرو بن شعیب ؒ (۴۵۰) ابیہ اور (۴۵۱) عن جدہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شرب قائماً وقاعداً کی توضیح :

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرب قائما ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای نادراً لبیان الجواز وحمل النھی عنہ علی التنزیہ او لضرورۃ اولخصوصیۃ ۔ یعنی کبھی کبھار بیان جواز کے لئے اور جس روایت میں آپ ؐ نے اس سے منع فرمایا وہ یا تو نہی تنزیہی ہے یا کسی خاص ضرورت کے تحت ایسا کیا اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (جمع ص ۳۰۸) تقدیم قیام، قاعداپر (یعنی حدیث کے الفاظ میں قائماً کے لفظ کی تقدیم قاعداً پر) کثرت قیام پر دال نہیں بلکہ لانہ احق بالاھتمام لمافیہ من الرد علی المنکر چونکہ (قیام کے منکر کی تردید مقصود تھی اس لئے بطور اہتمام کے قیام کو مقدم کیا) (مناوی ص ۳۰۸) و قاعدا ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای مرارا لبیان الافضل والوجہ الاکمل وعادتہ الاجمل ۔ یعنی بیٹھ کر آپ ؐ نے کئی دفعہ اس لئے پیا ہے کہ اس کی افضلیت، اکملیت اور آپ ؐ کی ایک عادت جمیلہ کا بیان ہو جاوے۔ (جمع ص ۳۰۸)

ابن العربی کا ارشاد :

وقال ابن العربی للمرء ثمانیۃ احوال قائم، ماش، مستند ، راکع ، ساجد، متکی ، قاعد، مضطجع و کلھا یمکن الشرب فیھا واھناھا واکثر استعمالا القعود والقیام ففعلہ قاعدا غالبا لانہ اسلم وقائماً نادراً لعدم الحرج.

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی آٹھ حالتیں ہیں :

(۱) کھڑا ہونا (۲) چلنے والا (۳) ٹیک لگا کر کھڑا ہونے والا

(۴) رکوع کرنے والا (۵) سجدہ کرنے والا (۶) تکیہ لگانے والا

(۷) بیٹھنے والا (۸) لیٹنے والا

اوران سب حالتوں میں پینا ممکن ہے۔البتہ ان میں خوشگواراور زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ بیٹھنا یا پھر کھڑا ہونا ہے اس لئے آپؐ نے اکثر تو بیٹھ کر پیا کہ یہ سلامتی والا طریقہ ہے اور کبھی کبھار کھڑے ہوکر بھی پیا تا کہ امت کے لئے حرج نہ ہو(مناوی ص ۳۰۸) قائماً وقاعداً میں ایجاز ہے۔تقدیر عبارت یوں ہے، رأیتہ یشرب قائماً ورأیتہ یشرب قاعدا لیفید شربہ مرۃ قاعداً ومرۃ قائماً ۔(مناوی ص ۳۰۸) کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے پیتے بھی دیکھا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے کبھی کھڑے ہوکراور کبھی بیٹھ کر پانی پیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کھڑے ہوکر ممانعت اور آپؐ کے بیٹھ کر پینے میں فعل کے تعارض کے سلسلہ میں حضرات محدثین کی توجیہات لکھتے ہیں کہ: بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد ہوئی۔اس لئے یہ ناسخ ہے۔بعض اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینے کی روایت ناسخ ہیں ممانعت کے لئے ،لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے۔نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے کہ کھڑے ہوکر پینے میں مضرتیں ہیں الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر نوش فرمانا بیان جواز کے لئے ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہوکر پانی پینا حرام نہیں ،البتہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

شیخ احمد الجواد الدومیؒ کا ارشاد :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز الشرب من قیام وقعود و لکن الغالب انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یشرب قاعداً ، اوراس حدیث میں کھڑے اور بیٹھ کر پینے کے جواز کی دلیل ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب معمول بیٹھ کر پینے کا تھا۔(اتحافات)

(۳/ ۲۰۱)حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ

ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَ هُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احول سے شعبی کے واسطہ سے اخذ کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔

قال سقيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم فشرب وھو قائم، یہی مضمون باب ھذا کی حدیث اول میں گذر چکا ہے۔ آب زمزم کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر پینا افضل اور مستحب ہے اور خوب سیر ہو کر پینا چاہیے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پینے والے کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ پانی پئے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالَّذِىْ شَرِبَ الْمَاءَ قَائِمًا وَقَاعِدًا. اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے پانی کھڑے اور بیٹھے ہو کر پیا ہے اس دعا کی تلقین کے بعد لکھتے ہیں، فانہ بسبب ذلک یندفع عنہ الضرر اس دعا کے سبب اس پینے والے کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ (یعنی جس تکلیف کے دور کرنے کی نیت سے پیا)۔ (مواھب ص ۱۵۱)

(۲۰۲/۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفِ الْكُوْفِيُّ قَالَا اَنْبَانَا ابْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِكُوْزٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ فَاَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَاْسَهُ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو کریب محمد بن علاء اور محمد بن طریف کوفی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ اس روایت کی خبر ہمیں ابن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے دی۔ انہوں

نے یہ روایت عبدالملک بن میسرۃ سے نزال بن سبرہ کے واسطہ سے روایت کی۔نزال بن سبرۃ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ مسجد کوفہ کے میدان میں (جوان کادارالقضا تھا) تشریف فرما تھے۔ایک کوزہ پانی لایا گیا،انہوں نے ایک چلّو پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئے مضمضہ کیااور ناک میں پانی ڈالااور پھراپنے منہ پراور ہاتھوں پراور سر پر مسح کیا۔پھر کھڑے ہوکر پانی پیااور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے، جو پہلے سے باوضو ہے۔ایسے ہی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا۔

راویان حدیث(۴۵۲)محمد بن طریف الکوفیؒ (۴۵۳)الاعمشؒ (۴۵۴)عبدالملک بن میسرۃؒ اور (۴۵۵)النزال بن سبرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی''میں ملاحظہ فرمائیں۔

''رحبۃ'' کا معنیٰ،تشریح اورتعیین :

وھو فی الرحبۃ ،مضمون حدیث کی توضیح تحت اللفظ ترجمہ میں کردی گئی ہے۔اس روایت میں حضرت علیؓ کے عمل کا ذکر ہے جبکہ وہ رحبۃ میں تھے رحبۃ : صحنِ مسجد کو کہتے ہیں۔وسط مسجد کو بھی کہتے ہیں اور کوفہ میں ایک محلے کا نام بھی رحبہ ہے،مگر اس جگہ یہ مراد نہیں بلکہ جامع کوفہ کے وسط میں ایک چبوترہ تھا،جس پر امیر المؤمنین وعظ فرمایا کرتے تھے۔والمراد بالرحبۃ رحبۃ الکوفۃ او رحبۃ المسجد وھی المکان المتسع (اتحافات ص۲۵۸)حضرت علیؓ کا قیام کوفہ میں کافی عرصہ رہا۔انہوں نے ایک چبوترہ جامع مسجد کوفہ میں بنوایا تھا،اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ کے نام سے موسوم تھا،جس کو حضرت عمرؓ نے بنوایا تھا،اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ میں چلا جائے یہ مسجد سے خارج تھا،نماز جنازہ بھی یہاں پڑھی جاتی تھی۔مؤطاامام محمد میں ہے،من کان منشدا شعرا او متکلماً بکلام الدنیا فلیذھب الی الرحبۃ. جوکوئی شعرگوئی کرنا چاہے یا کوئی دنیاوی بات کرنی ہوتو وہ چبوترہ کی طرف چلا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہلکا سا وضو :

حضرت علیؓ کا یہ وضو فرمانا تجدید،تنظیف اور نشاط کے لئے تھا۔ترجمۃ الباب سے اس

حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ وضو کا بچاہوا پانی کھڑے ہوکر پی لیا، ثم شرب منه وهو قائم ، اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ هکذا رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل۔ کہ ایسا ہی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، وفیه دلیل علی ان افعاله صلی الله علیه وسلم کاقواله (اوراس میں دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا حکم اقوال جیسے ہے) (مناوی ص ۳۱۰) علامہ الیجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من الحدیث ان الشرب من فضل وضوئه مستحب (اور یہ بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وضوء سے بچے ہوئے پانی کو پینا مستحب ہے)(مواهب ص ۱۵۲)اور یہ بھی لکھا ہے کہ...... وان کان الشرب قائما لبیان الجواز (اگر چہ اس پانی کا کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لئے ہے)(مواهب ص ۱۵۳)

وضو کا بقیہ پانی کھڑے ہوکر پینا :

فقہ کی کتابوں میں وضو کے بقیہ پانی اور آب زمزم کے کھڑے ہوکر پینے کے جواز کی تصریح ہے، علامہ شامیؒ نے وضو کے پانی کو کھڑے ہوکر پینے کو شفاء امراض کے لئے مجرب نقل کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ اسے مستحب کہتے ہیں۔

شارحینِ حدیث کی بعض توجیہات :

یہاں پر حدیث مختصر نقل ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بخاری کے حوالے سے مفصل منقول ہے۔ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ پر حقیقۃً مسح کیا ہو، مقصد نشاط، تنظیف اور تازگی ہو، تو اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجازاً ہے۔ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس کو وضو کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اسی بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وضوء لغوی مراد لیا جائے اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ اس حدیث میں ہلکے ... ہونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس میں تو پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ پاؤں کا ذکر دیگر روایات میں صراحۃً موجود ہے۔ یہ توجیہ اس لئے بھی راجح ہے کہ بعض روایات میں مسح کی جگہ ہاتھ منہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔ جب یہ توجیہ تسلیم کر لی جائے، تو پھر اس حدیث سے تجدید وضوء مراد ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا فرماتے ہیں کہ یہی توجیہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے۔

(۵/ ۲۰۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَيُوْسَفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْ عِصَامٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ ثَلَاثًا اِذَا شَرِبَ وَيَقُوْلُ هُوَ اَمْرَأُ وَ اَرْوٰى .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید اور یوسف بن حماد نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث بن سعید نے ابی عصام کے واسطہ سے بیان کی۔ ابوعصام نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

راویان حدیث (۴۵۶) یوسف بن حمادؒ (۴۵۷) عبدالوارث بن سعیدؒ اور (۴۵۸) ابی عاصمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تین سانس میں پانی پینا :

کان یتنفس فی الاناء ثلاثًا اذا شرب. صحیحین میں ابوقتادہؓ سے روایت ہے نھیٰ ان یتنفس فی الاناء، لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہ کان یشرب ثلاث مرات اور ہر مرتبہ برتن کو اپنے منہ سے جدا کرتے، سانس لیتے اور پھر برتن منہ کو لے جاتے، منھی عنہ تو تنفس فی الاناء ہے۔ یعنی برتن میں سانس لینا، اس طرح پانی آسانی سے پیا جاتا ہے۔ معدہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ اسے فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے۔ پیاس رفع ہوتی ہے۔ طبیعت پر خوش گوار اثر مرتب ہوتا ہے اور انسان خوب سیراب ہوتا ہے۔ و ورد انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یشرب فی ثلاثۃ انفاس واذا أدنی الاناء الی فیہ سمی اللّٰہ واذا أخرہ حمد اللّٰہ یفعل ذلک ثلاثًا (مواھب ص۱۵۳) اور حدیث شریف میں یہ وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے اور جب برتن کو منہ مبارک کے قریب کرتے

تو بسم اللہ پڑھتے اور جب منہ سے دور کرتے تو الحمدللہ پڑھتے اور آپؐ ایسا تین مرتبہ ہی فرمایا کرتے تھے)

برتن میں سانس لینے کی مضرتیں :

اگر منہ برتن کے ساتھ لگائے رکھے اور برتن میں سانس لیتا رہے، تو ناک کی آلائش اور رشاش کا پانی کے برتن میں گرنے کا امکان ہے، جس سے طبعی تنفر پیدا ہوتا ہے۔ ویسے بھی جو سانس نکالی جاتی ہے، وہ اندر کے ہر قسم کے جراثیم سے ملوث ہوتی ہے' اس لئے برتن کے اندر سانس لینے سے اجتناب کیا جائے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وقد ورد انه صلى الله عليه وسلم نهى عن العبّ نفسا واحدا وقال ذلک شرب الشيطن رواه البيهقي عن ابن شهاب مرسلاً۔ (جمع ص ۳۱۱)

اور حدیث میں وارد ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سانس سے (جانوروں جیسے) پینے کو منع فرمایا اور کہا کہ یہ شیطان کا پینا ہے امام بیہقیؒ نے یہ روایت ابن شہاب زھریؒ سے مرسل نقل فرمائی ہے۔

علماء واطباء نے ایک ہی سانس میں پینے کی بہت سی مضرتیں لکھی ہیں۔ بالخصوص ضعف اعصاب کا سبب بتایا ہے۔ نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مضرت کا سبب ہے۔ وفي مسند الفردوس عن علي مرفوعاً اذا شربتم الماء فاشربوه مصا، ولا تشربوه عبا فان العب يورث الكبار (وجع الكبد) اور (مسند الفردوس میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب تم پانی پیو تو چوس کر اور سانس نکال کر پیو اور ایک ہی سانس میں نہ پیا کرو کیونکہ یہ (بعض اوقات) درد جگر پیدا کرتا ہے)۔ (اتحافات ص ۲۵۹)

هو امرأ: افعل من مرأ الطعام او الشراب في جسده اذا لم يثقل على المعدة وانحدر عنها طيباً بلذة ونفع ومنه فكلوه هنيئا مريئا واروى! من الرى اى اشدريا وابلغه وانفعه بمعنىٰ اقمح للظمأ واقوىٰ على الهضم. حدیث شریف میں لفظ امرأ یہ اسم تفضیل ہے از مقولہ مرأ الطعام اوالشراب في جسده سے ہے یعنی جس وقت کھانا پینا معدہ پر بوجھل نہ ہو اور اس سے خوشگواری لذت

اور نفع کی صورت میں منتقل ہو جائے۔ قرآن مجید کی آیت فکلوہ هنیئا مریئاً بھی اسی مادہ سے ہے اروی کا معنی بھی زیادہ خوشگوار نافع پیاس کو ختم کرنے اور ہضم ہونے میں قوی اور مفید ہو۔ (مناوی ص ۳۱۱)

(۶/ ۲۰۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ رِشْدِيْنَ بْنُ كُرَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن خشرم نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے انہوں نے یہ حدیث رشدین بن کرب سے ان کے باپ کے حوالہ سے روایت کی اور انہوں نے اُسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے، دو دفعہ سانس لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۵۹) رشدین بن کریبؒ اور (۴۶۰) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پانی پینے میں دو بار سانس لینا :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا شرب تنفس مرتین. مراد بعض اوقات ہیں۔ اس توجیہ سے روایات کے درمیان جمع اور تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مارواہ المصنف فی جامعه عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تشربو اواحدا کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنٰی وثلاث وسمّوا اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم رفعتم. (جمع ص ۳۱۲)

جس کو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹ جیسے ایک سانس سے نہ پیا کرو لیکن دو یا تین سانس نکال کر اور جس وقت تم پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب برتن کو منہ سے جدا کرو تو پھر الحمد للہ پڑھو۔

اصلاً سارا مشروب یکبارگی پینا ممنوع ہے بلکہ دو یا تین سانس یعنی وقفے ضرور لینا چاہئیں

تا کہ مشروب سے بھر پور استفادہ کیا جا سکے اور اگر مشروب میں دو وقفے یا دو سانس لیئے جائیں، پھر بھی تین دفعہ پیا جاتا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: التنفس مرتين كان حالا من احوال النبي صلى الله عليه و سلم واما التنفس ثلاثا فهو الغالب. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ سانس نکالنا یہ تو کبھی بطور عارضی حالت کے ہوتا تھا اکثر آپؐ تین مرتبہ سانس نکال کر پیا کرتے تھے۔ (اتحافات ص ۲۶۰)

(۷/ ۲۰۵) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ كَبْشَةَ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے یزید بن یزید بن جابر کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ سے ان کی دادی کبشہؓ کی وساطت سے اخذ کی۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضورؐ نے کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا۔ میں نے اٹھ کر مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔

راویان حدیث (۴۶۱) یزید بن یزیدؒ اور (۴۶۲) کبشہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کا حکم :

قالت دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ...الخ' عربوں میں پانی کی قلت کے پیش نظر وہ لوگ مشکیزے بھر کر اس کے منہ کس لیتے اور کسی اونچی جگہ پر لٹکا لیتے، جہاں اس پر ہوا لگتی پانی ٹھنڈا بھی رہتا اور محفوظ بھی۔ حسب ضرورت منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیل کر پی لیا جاتا۔ حضرت کبشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے تو لٹکے ہوئے مشکیزے کے

ساتھ منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پی لیا (وجہ ظاہر ہے کہ کوئی چھوٹا برتن یا گلاس وغیرہ میسر نہ ہوگا) یہاں ایرادحدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ بتایا جائے کہ حسب ضرورت اور بوجہ عذر کے کھڑے ہو کر بھی پانی پینا جائز ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس اباحت کی وضاحت فرما دی ہے۔وفعله صلى الله عليه وسلم لبيان الجواز اولمكان الضرورة. (جمع ص۳۱۲)اور نبی علیہ السلام کا یہ عمل یا تو بیان جواز کے لئے یا کسی ضرورت کی وجہ سے ہوگا۔

حضرت کبشہؓ کی ایک محبانہ ادا :

فقمت الى فيها فقطعته ،حضرت کبشہؓ نے اپنا عمل بتایا کہ جب آپؐ نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تو میں نے مشکیزے کے منہ کا وہ حصہ کاٹ لیا، جسے آپؐ نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تھا۔امام نوویؒ نے امام ترمذیؒ سے اس کی دو وجہ نقل کی ہیں۔

(۱)ایک تو تبرکاً. (۲) یہ کہ دوسرا کوئی استعمال نہ کرے اور بے ادبی نہ ہو' اى قطعته لصيانته عن الابتذال بشرب كل احد منه وللتبرك وللاستشفاء به قطعها فم القربة للوجهين المذكورين كما قاله النووى فى شرح مسلم .

(مواهب ص۱۵۵جمع ص۳۱۳)

تعارض سے جواب :

یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آپؐ کا یہ عمل بخاری میں حضرت انس کی روایت کے خلاف ہے ،جس میں تصریح ہے، نهى صلى الله عليه وسلم عن الشرب من فى السقاء. (جمع ص۳۱۲)یعنی آپؐ نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

علماء محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان جواز پر محمل ہے یا ممانعت کی روایت خلاف اولی پر محمول ہے۔نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرب قائماً ضرورت کی وجہ سے تھا کہ کوئی برتن موجود نہ تھا۔ نیز یہ نہی تشریعی نہیں بلکہ شفقت کی بنا پر ہے۔فانه نهى تنزيهى لبيان الافضل والاكمل (جمع ص۳۱۲) (کہ یہی نہی تنزیہی ہے افضل اور اکمل صورت کا بیان ہے) کہ شاید کوئی

زہریلی چیز ہو، کیڑا ہو یا بچھو ہو، جو اندر چلا گیا ہو تا کہ اس کی مضرت سے بچا جا سکے۔ جیسا کہ حدیث میں ایک شخص کا واقعہ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پینے کی ممانعت فرمادی۔

محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممسوس مبارک :

اور ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہر شخص کا منہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے مشکیزہ کیساتھ لگنے سے دوسروں کو گھن نہ آئے یا وہ اس کے مس کردہ مقام سے محبت کریں تاہم بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں، جن کا لعاب دھن، قند وشکر سے زیادہ شیریں، بیماریوں کے لئے راحت جان وذریعہ شفا اور دنیا و مافیھا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور باعث فرحت وانبساط اور ذریعہ سرور قلب بنتا ہے

عناب لب ، لعاب دہن ، شرب وصال
یہ نسخہ چاہئے تیرے بیمار کے لئے

حضرت تھانویؒ نے بھی کسی جگہ یہ شعر نقل کیا ہے کہ محبوب کی گالیاں بھی محبوب ہوتی ہیں

لگتی ہیں گالیاں بھی تیرے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب دوعالم ہیں کے مشکیزے سے پانی پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۲۰۶/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیُّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلاَثًا وَزَعَمَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلاَثًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزرہ بن ثابت انصاری نے بیان کی۔ وہ یہ روایت صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عبداللہؓ سے نقل کرتے ہیں ثمامہؓ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

قال کان انس بن مالک ...... **الخ** 'اس حدیث کی تشریح باب ھذا کی پانچویں حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمادیں۔ **الزعم**: اضداد سے ہے، جس طرح جھوٹی بات کہنے کو زعم کہتے ہیں۔ اسی طرح سچی بات کو بھی زعم کہتے ہیں۔ جیسے کہ صاحب اتحافات نے یہی معنی نقل کیا ہے۔ **الزعم ھنا محقق وفعل انس اقتداء برسول الله صلی الله علیه وسلم** (اتحافات ص ۲۶۱) (کہ زعم بمعنی حقق کے ہے یعنی حضرت انس کا یہ فعل (تین بار سانس نکالنا) حضورؐ کی اتباع کیلئے تھا) **یتنفس فی الاناء ای خارجه لا فی جوفه**۔ (مواہب ص ۱۵۵) کہ سانس نکالتا تھا برتن میں یعنی برتن کے باہر نہ کہ اس کے اندر۔

(۲۰۷/۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدُالْكَرِيْمِ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ اِبْنَةَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَأْسِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابو عاصم نے ابن جریج کے واسطہ سے دی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالکریم سے اور انہوں براء بن زید سے روایت کی (جو حضرت انس کے نواسے تھے) اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم کے پاس گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، حضورؐ نے کھڑے ہوئے اس میں

سے پانی نوش فرمایا۔ام سلیم کھڑی ہوئیں اوراس مشکیزہ کے منہ کوکتر کر رکھ لیا۔

راوی حدیث (۴۶۳) عبدالکریم الجزریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ام سلیمؓ کا قصہ :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی ام سلیمؓ ...... الخ' اس حدیث کی تشریح اسی باب کی ساتویں حدیث میں گذر چکی ہے۔وہاں حضرت کبشہؓ نے خود اپنا قصہ بیان کیا تھا۔یہاں حضرت انسؓ اپنی والدہ حضرت ام سلیمؓ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ابو شیخ ابن حبانؒ نے کتاب اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حدیث یوں نقل کی ہے :

عن انس قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ام سلیم فرأی قربة معلقة فیها ماء فشرب منها وهو قائم فقامت ام سلیم الیها فقطعتها بعد شرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منها وقالت لا یشرب منها احد بعد شرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

حضرت انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے پاس انکے گھر گئے آپؐ نے ایک لٹکا ہوا مشکیزہ جس میں پانی تھا جب دیکھا تو اس سے کھڑے ہوئے پی لیا ام سلیمؓ اٹھی اور حضورؐ کے پینے کے بعد منہ لگی جگہ کو کاٹ کر کہا کہ حضورؐ کے پینے کے بعد کوئی اس سے نہیں پئیے گا۔(جمع ص ۳۱۳) حضرات صحابیاتؓ کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور والہیت کے کس قدر جذبات تھے۔یہ بھی گوارا نہ تھا کہ جس مشکیزے پر آپؐ کا دہن مبارک لگا ہو، وہاں کوئی دوسرا منہ لگائے۔

(۲۰۸/۱۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ نَصْرِ النَّيْسَابُوْرِیُّ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّد الْفَرْوِیُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ بِنْتِ نَائِلٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ

قَائِمًا وَ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن نصر نیشاپوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا اسحٰق بن محمد فروی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبیدہ بنت نائل نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عائشہ بنتِ سعد بن ابی وقاص سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پانی نوش فرمالیتے تھے''۔

راویان حدیث (۴۶۴) احمد بن نصر النیساپوریؒ (۴۶۵) اسحٰق بن محمدؒ (۴۶۶) عبیدة بنت نائلؒ (۴۶۷) عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص اور (۴۶۷) ابیھا کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شُرب قائماً کی توجیہات :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشرب قائما. ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای احیانا او بعد فراغ الوضوء اوماء زمزم یعنی کبھی کبھار یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اور یا زمزم کا پانی (کھڑے ہوکر پینا مراد ہے) (جمع ص۳۱۳) کان اگر چہ دوام کے لئے آتا ہے۔ مگر حضرات محدثین اس پر متفق ہیں کہ فن حدیث میں استمرار کے لئے نہیں آتا۔ بعض اوقات تو اتفاقی فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ و کان لا تفید التکرار علی التحقیق فتصدق بمرة. لفظ کان تحقیقی قول کے مطابق تکرار اور دوام کا فائدہ نہیں دیتا اس لئے ایک بار کام ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے۔ (مواھب ص ۱۵۶) یہاں بھی وہی توجیہات کی جاسکتی ہیں، جو اس سے قبل کی جا چکی ہیں کہ شرب قائما یا تو بیان جواز کے لئے تھے، یا پھر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی یا کوئی شدید ضرورت تھی یا بیٹھنے کی صورت میں نیچے کیچڑ تھا اور کپڑوں کی تلویث کا خطرہ تھا۔ قال بعضھم: ای بعض المحدثین او بعض اصحاب اسماء الرجال وفی نسخة قال الترمذی وفی اخری قال ابو عیسی و قوله عبیدة بنت نابل ای بالباء الموحدة من نابل والمذکور اولاً نائل بالھمز کما مر۔ قال بعضھم یعنی بعض محدثین یا مصنفین اسماء رجال نے کہا اور ایک نسخہ میں قال الترمذی ہے (یعنی امام ترمذی نے کہا) اور دوسرے نسخے میں قال ابوعیسیٰ منقول

ہے اور اسکا قول عبیدۃ بنت نابل (یعنی باء) کے ساتھ ہے اور جو قول پہلے مذکور ہے وہ نائل ھمزہ کیساتھ ہے۔ (مواھب ص۱۵۶)

خلاصہ باب :

وفی الباب عشرة احادیث ومنها علمنا ان الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یشرب قائما وقاعدا توسعة لامته وکان یشرب فی ثلاثة انفاس لما فی ذلک من فوائد صحیة جمة . اور اس باب میں دس احادیث ہیں اور ان سے ہم نے یہی معلوم کیا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت پر توسع اور آسانی کے لئے کھڑے اور بیٹھے دونوں حالتوں میں پیا کرتے تھے اور آپؐ تین سانس نکال کر اس لئے پیا کرتے کہ اس میں بدن کی صحت وسلامتی کے لئے بہت سے فوائد ہیں۔ (اتحافات ص ۲۶۲)

تم الجزء الاول ویلیه الجزء الثانی اوله باب ما جاء فی تعطر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ، وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین.

==============================

القاسم اکیڈمی ایک عظیم اور شاہکار علمی پیشکش

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیمویؒ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی